سید حسین حیدر رضوی عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کردیتا، مگر جو احکام اس نے تم کو دئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے، تو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتادے گا۔ (سورہ مائدہ)

# راہِ حیات ونجات

تحریر

سید حسین حیدر رضوی عفی عنہ

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | راہِ حیات ونجات |
| نام مصنف | : | سید حسین حیدر رضوی |
| تعداد | : | ایک ہزار |
| مطبوعہ | : | اے. بی. سی. پریس، دہلی |
| قیمت | : | کچھ نہیں (بالکل مفت) |
| ناشر | : | ادارہ نشر پیغامِ کربلا<br>غازی پور ڈاکخانہ گوگوان ضلع شاملی ۲۴۷۷۷۳ |
| سن اشاعت | : | بارِ اوّل ۲۰۱۶ء ۱۴۳۷ھ |


اس کتاب کو پڑھیے، اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو برائے مہربانی اس کو دیجئے جس کو اس کی ضرورت ہو۔

# فہرست مضامین

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ؐ

یہ کتاب عام مومنین کے لئے تحریر کی گئی ہے اس لئے اہل علم حضرات کتاب میں علمی نکات نہ ہونے کی وجہ سے تیوریاں نہ چڑھائیں، کتاب میں اگر خامی ہوتو اس کی اطلاع ضرور دیں، اطلاع دینے پر ان کا شکریہ ادا کیا جائے گا، اور آئندہ ایڈیشن میں اس خامی کو دور کیا جائے گا۔

علماء سو (امریکی مولوی) ڈالر مونہہ میں دبائے خاموش بیٹھے رہیں، اگر انھوں نے ڈالر نگل کر کتاب کے متعلق کچھ بھونکنا شروع کیا تو انشاء اللہ ذلّت انھیں کا مقدر ہوگی۔

**یہ کتاب عام مومنین کی خدمت میں بلا قیمت ہدیہ کی جارہی ہے اگر کوئی اس کتاب کو بیچتا ہوا پایا جائے تو اس کے لئے اور اس کی آنے والی تین پشتوں کے فاقوں میں مبتلا ہونے کے لئے خریدار بددعا کرے۔**

# بیاں اپنا

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کے لکھنے سبب یہ ہوا کہ "انجمن فلاحِ سادات ومومنین" سے امداد حاصل کرنے کے لئے جو مستحقین آتے تھے ان سے میں کلمہ، ائمہ علیہم السلام کے نام، اور نماز سنتا تھا اور سنتا ہوں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ننانوے فیصد مستحقین کو نماز یاد نہیں اور اکثر ایسے تھے جن کو ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نام بھی یاد نہ تھے اور بعض کو تو کلمہ بھی یاد نہ تھا۔

اس حالت میں ان حضرات کا قبر میں اور قیامت میں کیا حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، اس افسوسناک صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ذہن میں آیا کہ ایک کتابچہ نماز کے متعلق اُردو اور ہندی میں شائع کیا جائے اور ان مستحقین کو مفت دیا جائے کہ نمازیں یاد کریں، پھر خیال آیا کہ نماز کے ساتھ دیگر مسائل بھی ہونا ضروری ہیں کیونکہ مستحقین سے جب غسل جنابت کے متعلق دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کئی بچوں کے باپ ہیں یا ماں ہیں لیکن غسل جنابت کا طریقہ نہیں جانتے ہیں۔

ابھی میرا ارادہ صرف ارادہ ہی تھا کہ ایک مومن نے جو دنیاوی تعلیم میں گریجویٹ کی سطح کے ہیں ایک واقعہ سنایا وہ یہ ہے کہ

"حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ بیمار ہوئے، کوہِ طور پر خدا سے درخواست کی کہ مجھے شفا دیدے، خدا نے کہا کہ فلاں چیز استعمال کرو، ٹھیک ہو جاؤ گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عمل کیا لیکن شفا نہ ملی، انھوں نے کوہِ طور پر جا کر کہا کہ یا اللہ مجھے تو فائدہ نہیں ہوا خدا نے جواب دیا کہ میں حکیم تھوڑے ہی ہوں جو مجھ سے پوچھتے

ہو جاؤ کسی حکیم سے علاج کراؤ۔''

وہ صاحب واقعہ سنا کر کہنے لگے کہ ہر چیز کا ایک ایکسپرٹ EXPERT ہوتا ہے خدا حکیم تھوڑے ہی ہے جو اس سے علاج دریافت کیا جائے۔

یہ حضرت بظاہر پڑھے لکھے ہیں لیکن نرے جاہل ثابت ہوئے، اس گفتگو نے مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں سوچنے لگا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق قوم کو صحیح معلومات ہونا بھی ضروری ہے۔

**ایک دوسرا واقعہ سنیئے:** ایک صاحب پورے سو کلومیٹر کا سفر کر کے فقیر کے گھر پہونچے اور کہا کہ یہ مولوی بہت بگڑ گئے ہیں ان کے خلاف لکھئے مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو مولویوں کے خلاف لکھ سکتے ہیں، میں نے کہا آپ بتایئے تو سہی کہ کیا ہوا؟

تو وہ یوں گویا ہوئے:

> ہمارے یہاں ایک مولوی مجلس میں پڑھ گیا ہے کہ امامؑ ہم جیسے ہی بشر تھے انھیں بھوک پیاس، پیشاب، پاخانے کی حاجت اور بیماری بھی ہماری طرح ہی ہوتی تھی، لیکن وہ ہر حال میں احکامِ شریعت کی پابندی کرتے تھے (کچھ ٹھہر کر پھر بولے) دیکھا کہ ان مولویوں کی ہمت کتنی بڑھ گئی ہے، امام تو نوری بندے تھے اور ہم خاکی ہیں، انھوں نے امام میں اور ہم میں کوئی فرق ہی نہ رکھا، جب ان کو ہماری طرح پیشاب، پاخانے کی حاجت ہوتی ہے تو وہ اور ہم دونوں برابر ہو گئے ہیں، ان کے خلاف ضرور لکھئے''

میں نے ان کا غصہ ٹھنڈا کیا اور سوچنے لگا کہ کسی طرح ان کو سمجھاؤں اس طرح کا ایک واقعہ اور ہوا وہ یہ کہ میں ایک مومنہ کے چہلم میں شرکت کو گیا تو بعد مجلس ایک ''بقراط''

صاحب اس بات پر ضد کر رہے تھے کہ معصوم بیمار نہیں ہوتا ہے، ان کو میں نے سمجھایا لیکن وہ نہ مانے ان حالات میں احقر نے ارادہ کرلیا کہ کتاب میں انبیاء ائمہ کے مختصر حالات بھی لکھوں گا گو کتاب طویل ہو جائے گی لیکن یہ کام انجام دینا ہے، انبیاء میں صرف ان انبیاء کا تذکرہ کروں گا جن کا تذکرہ زیارتِ وارثہ میں ہے، کتاب کے لئے ابتداء میں مفت تقسیم کا ارادہ تھا وہ کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کے بعد اب بھی ہے، مجھے تعجب ہوتا ہے ان پر جو تحریک دینداری کا ڈھونگ کرتے ہیں اور دین سے متعلق کتابیں سہمِ امامؑ سے شائع کر کے فروخت کرتے ہیں، جب کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ غیر شیعہ بڑی تعداد میں شیعیت کے خلاف مواد دنیا میں پھیلائے ہوئے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ ان کا تحریک دینداری کا نعرہ کھوکھلا ہے، ان کو تبلیغ دین کے بجائے آمدنی سے دلچسپی ہے۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب کو اگر کوئی اپنی ذاتی رقم سے شائع کر کے فروخت کرنا چاہے تو اس کو اجازت ہے آخر میں التماس ہے کہ تمام مرحوم مومنین ومومنات کو ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ توحید پڑھ کر ثواب پہونچائیں۔ والسلام

**احقر العباد سید حسین حیدر رضوی**

۲۶ر جنوری ۲۰۱۴ء بمطابق ۲۴ر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

بوقت 9:45 شب

باسمہٖ سبحانہٗ

## وبذکرولیّہٖ

انسان مخلوقِ خدا ہے ،یعنی انسان کواللہ نے پیدا کیا ہے ،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کواللہ نے کیوں پیدا کیا؟ یہ سوال فطری ہے اور اس کا جواب دینے کا ذمہ دار بھی وہی ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، چنانچہ اس نے اس کا جواب اپنی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں دیا ہے سورہ ملک میں ارشاد خداوند عالم ہے کہ

''تا کہ تم کوآزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟''

لیجئے بات واضح ہوگئی ،انسان کی پیدائش کا مقصد ہے کہ خداوند عالم آزمانا چاہتا ہے کہ انسانون میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور برے اعمال انجام دینے والا کون ہے۔

اب یہاں پرسوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا عمل کس کو کہتے ہیں؟

دنیا میں کروڑوں انسان موجود ہیں ہر شخص اپنی عقل اور اپنی سمجھ اور اپنی خواہش کے مطابق عمل انجام دیتا ہے اور اپنے اعمال کو اپنے خیال میں درست مانتا ہے اور اگر کوئی دوسرا اس کی مخالفت کرے تو وہ اس مخالفت کو برا سمجھتا ہے۔

جب یہ حالت ہے تو پھر اختلاف کا دروازہ کھل گیا، اختلاف اگر دو چار انسانوں کے درمیان ہو بقیہ تمام انسان متحد ہوں تو پھر یہ اختلاف نقصان دہ نہ ہوگا، اور قابلِ درگذر ہوگا، یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عقل وسمجھ کے مطابق خودکو عقلِ کُل کا مالک سمجھتا ہے ،اور دوسروں کو اپنے مقابل غلط سمجھتا ہے ،اس کا مطلب یہ ہوا کہ کروڑہا انسان ہیں تو کروڑوں اختلافات بھی ہیں ،ان سب کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہو؟ جبکہ ہر شخص اپنی بات پر اٹل ہے اور اپنے علاوہ دوسرے کی

سننا ہی نہیں چاہتا ہے، اس مشکل کا حل کیا ہے؟ اس مشکل کا حل بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بتایا اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں فرمایا کہ

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں''

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلافات سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ سب اللہ عبادت کریں اور جب سب اللہ کی بندگی میں ایک ہو جائیں گے، تو اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے، بالفاظ دیگر کروڑوں انسانوں کی ایک رائے ہوگی کہ اللہ کی بندگی کی جائے اور جب سب اللہ کی بندگی کی سیدھی راہ پر چلیں گے تو اختلافات کی دیگر راہیں خود بخود بند ہو جائیں گی۔

**مسئلہ اب بھی حل نہیں ہوا:-** یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی بندگی کس طرح کی جائے؟ کیونکہ کروڑوں انسانوں کی کروڑوں عقلیں الگ الگ راہ دکھائیں گی، کسی کو پتھر کی پوجا میں بندگی نظر آئے گی تو کسی کو سانپ دیوتا نظر آئیں گے، کس کو جانور کو ماتا کہنے میں سکون ملے گا، کوئی آگ کی پوجا کر کے خود کو کامیاب سمجھے گا، الغرض یہ کہ جتنی عقلیں ہوں گی اتنے ہی خدا بنا لئے جائیں گے، نتیجے میں اختلاف کا دروازہ جس کو بند ہونا چاہئے تھا وہ مکمل طریقے سے کھل جائے گا، بات وہیں پہونچے گی کہ اختلاف بڑھ جائے گا۔

اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے خداوند عالم نے مکمل انتظام کیا اور وہ یہ کہ ہدایت کے لئے مجبور انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے اپنا جانشین بنا کر حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا اور سلسلۂ نبوت شروع کیا۔

سلسلۂ انبیا میں پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں انبیاء کی مکمل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ہر بستی

اہل سنت کی روایات کے مطابق نکاح کے وقت حضرت خدیجہؑ کی عمر چالیس سال تھی اور اس نکاح سے قبل آپ کے دو شوہر گذر چکے تھے، یہ سب صحیح نہیں ہے، یہ بنی امیہ نے خاندانِ رسالت کو کمتر ثابت کرنے کے لئے شوشہ چھوڑا ہے، اہل سنت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حضرت عائشہ کو کنواری، کم عمر، ثابت کرنے کے لئے بہت زور لگایا ہے اس کو میں نے اپنی کتاب ام المومنین عائشہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت عائشہ کی کم عمری خوبصورتی اور باکرہ ہونے کی روایات وضعی ہیں اور تاریخ ان کا مذاق اڑا رہی ہے۔

حضرت خدیجہؑ سے شادی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قدرے آسودگی حاصل ہوئی تو آپ عبادتِ خدا میں زیادہ وقت صرف کرنے لگے، اسی دور میں مکے میں ایک شخص جوئے میں اپنی زوجہ کو ہار گیا، اس چیز نے رسولؐ کو بہت تکلیف پہنچائی اور آپ مکہ سے باہر رہ کر خدا کی عبادت میں مشغول رہنے لگے، آپ مکہ سے باہر غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرتے آپ کو وہیں پر کھانا پہنچانے کی ذمہ داری حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے بحسن وخوبی نباہی۔

ایک روز غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کے بازو کو پکڑ کر عرض کی اے محمدؐ ! پڑھیے ،آپ نے فرمایا کیا پڑھوں؟ جبرئیلؑ نے کہا کہیے: اقراء باسم ربك الّذی خلق آپ نے پڑھا

جب وحی نازل ہوئی تو شیطان نے مایوس ہو کر چیخ ماری حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیسی چیخ ہے فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز ہے وہ اب ناامید ہو گیا ہے کہ مکہ میں بت پرستی کی جائے، اے علیؑ! جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے ہو لیکن تم پیغمبر نہیں ہو بلکہ میرے وزیر ہو، پھر جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پیر مارا وہاں سے چشمہ جاری ہوا، آپ نے وضو کی، آنحضرتؐ نے بھی وضو کی پھر حضرت علیؑ نے بھی وضو کیا پھر نمازِ ظہر ادا کی، اس بعد بیت الشرف میں تشریف لائے راہ میں ہر پتھر ہر درخت آپ کو السلام علیک یا نبی اللہ کہہ کر سلام کرتا، حضرت خانۂ حضرت خدیجہ میں داخل ہوئے تو آپ

کے نور سے تمام گھر منور ہو گیا، حضرت خدیجہؑ نے سوال کیا کہ یہ کیسا نور ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ نورِ نبوت ہے تم کہو لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، انھوں نے کہا کہ میں برسوں سے آپ کی پیغمبری کا حال جانتی ہوں، پھر کلمہ پڑھ کر اظہارِ اسلام کیا اس کے بعد رسولِ اکرمؐ حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؑ نے باجماعت نماز عصر ادا کی، پھر چند روز بعد ایک دن حضرت ابو طالب علیہ السلام حضرت جعفر طیار کو لئے ہوئے آئے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ رسولؐ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں حضرت ابو طالبؑ نے جعفر سے کہا کہ تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھو ، چنانچہ حضرت جعفر بھی نماز میں شریک ہو گئے

تاریخ طبری میں ہے کہ عباد اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے خود علیؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا ''......میں اللہ کا بندہ ہوں ،اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور صدیق الاکبر ہوں ،میرے بعد جو اس قسم کا ادعا کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا ،میں نے دوسرے لوگوں سے سات سال قبل رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

(تاریخ طبری حصہ اول صفحہ ۸۲ مطبوعہ دیوبند)

ابتدا میں رسولؐ خفیہ طریقے سے تبلیغ اسلام کرتے رہے پھر آیت وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوئی، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو کھانے کا انتظام کرنے کے لئے کہا تو آپ نے ایک ران ایک دودھ کا پیالہ اور ایک صاع روٹیوں کا انتظام کیا اور اولادِ عبد المطلب کو شعب ابی طالب میں جمع کر کے ان کی دعوت کی، کھانا اتنا کم تھا کہ ان میں سے ایک ہی سب کھانے کو چٹ کر جاتا لیکن رسولؐ نے کھانے پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا کہ بسم اللہ کہہ کر کھاؤ یہ تقریباً چالیس آدمی تھے، سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا جوں کا توں باقی رہا، جب سب کھا چکے تو رسولؐ نے ان سے کچھ کہنا چاہا لیکن ابولہب بول اٹھا کہ محمدؐ نے کیسا جادو کیا اور سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، رسولؐ کسی سے کچھ نہ کہہ سکے ، دوسرے روز پھر اتنے ہی کھانے کا انتظام کیا گیا پھر سب کو بلایا گیا، پھر ابولہب نے گذشتہ دن کی طرح زبان درازی کی اور لوگ اٹھ کر چلے گئے ،تیسرے روز پھر دعوت

کا انتظام حسب سابق کیا گیا اور پھر اولادِ عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا جب سب کھا چکے تو رسولؐ نے ان سے کہا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی اچھی چیز لایا ہوں جس سے تم کو فضیلت حاصل ہوگی وہ یہ کہ مجھے اللہ نے تمہاری ہدایت کا حکم دیا ہے اور تم میں کون ہے جو اس امر میں میرا ہاتھ بٹائے تاکہ وہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو، سب خاموش رہے، حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے فرمایا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے دشمنوں کے نیزہ ماروں گا، ان کی آنکھیں پھوڑوں گا، انکی ٹانگیں کاٹوں گا، ان کے پیٹ چاک کر دوں گا اور میں آپ کا وزیر بنوں گا، رسولؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پر اپنا دست مبارک رکھا اور کہا کہ یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے، اس کی سنو اور اطاعت کرو، یہ سن کر سب ہنس کر کھڑے ہو گئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سن اور اطاعت کر یہ تجھے حکم ہوا ہے۔

حضرت علیؑ کے بلافصل خلیفۂ رسول ہونے کا یہ واقعہ ابتدائی ایامِ اسلام کا ہے، جس کا تذکرہ ہر قدیم تاریخ میں موجود ہے، تاریخ طبری میں بھی یہ واقعہ موجود ہے، اس واقعے کے بعد بقول اہل سنت ایام بیماری میں رسولؐ نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر خلافت کا اشارہ کر دیا تھا بالکل غلط ہے، رسولؐ صادق تھے یہ ناممکن ہے کہ ابتداء میں جب کوئی نہ تھا تو حضرت علیؑ کو اپنا وصی بنا دیا اور جب بہت سے مسلمان ہو گئے تو رسولؐ اپنا وعدہ بھول گئے اور ابوبکر کو آگے بڑھا دیا ایسا کرنے پر رسولؐ کا کردار مجروح ہو رہا ہے، اور کوئی مسلمان کردار رسول کو مجروح کرنا گوارا نہ کرے گا، اور فسانۂ امامت نماز کا انکار کرے گا۔

اعلانِ نبوّت کے بعد کفارِ مکہ رسولؐ اور ان مسلمانوں کے دشمن ہو گئے، جنھوں اسلام قبول کر لیا تھا، ان کفار میں ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب نمایاں تھے، مظالم سے تنگ آئے مسلمانوں کو رسولؐ نے ہجرت کی اجازت دیدی، اور سو مرد اور عورتیں حضرت جعفر کی سربراہی میں حبشہ ہجرت کر گئے وہاں کا بادشاہ عیسائی تھا اس نے ان کو پناہ دیدی، کفار مکہ

نے عبداللہ بن امیہ کو اور عمرو بن عاص کو تحفے دے کر بادشاہ کے پاس بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بادشاہ کو بھڑکائیں حضرت جعفر طیار نے بادشاہ کے سامنے ایسی تقریر کی کہ اسلام اس کے دل میں اُتر گیا اور اس نے کفار مکہ کو بے نیل ومرام واپس کر دیا، یہ مسلمان ۷ ھ تک حبشہ میں رہے جب واپس ہوئے خیبر فتح ہو چکا تھا۔

کفار مکہ کی اذیتیں بڑھتی گئیں انھوں نے رسولؐ کے قتل پر کمر کس لی اور یہ لوگ اکٹھا ہو کر حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ابو طالب تمہارے بھتیجے نے نیا دین بنالیا اور ہمارے بتوں کو وہ بے جان بت کہتا ہے اس طرح بتوں کی توہین ہوتی ہے تم اس کو منع کرو حضرت ابو طالب علیہ السلام نے کفار کی گفتگو رسولؐ سے نقل کی آپ نے فرمایا کہ چچا جان جو میں کر رہا ہوں وہ کرتا رہوں گا اور ان کی دھمکی کا مطلق اثر مجھ پر نہ ہوگا ،حضرت ابو طالبؑ نے بھتیجے سے کہا کہ بیٹا جو تم کر رہے ہو کرتے رہو جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

کفارِ مکہ جب حضرت ابو طالبؑ کی طرف سے مایوس ہوئے تو انھوں نے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور اس عہد نامے کو منصور بن عکرمہ نے لکھا اس کے فوراً بعد اس کا ہاتھ شل ہو گیا، جب چاروں طرف سے خطرہ بڑھ گیا تو حضرت ابو طالب رسول اکرمؐ کو لے کر شعب ابی طالب میں چلے آئے آپ کے ساتھ بنی ہاشم تھے۔

کفار نے شعب ابی طالب کا محاصرہ کر لیا اب کوئی آدمی شعب میں جا نہیں سکتا تھا اور نہ یہ لوگ باہر آسکتے تھے شعب میں رہنے والے آخر کار تنگی میں مبتلا ہوئے اور درختوں کی پتیاں اور چھال کھا کر پیٹ بھرنے پر مجبور ہوئے، بچے بھوک پیاس سے چلاتے تھے کنبے کے بعض افراد چوری چھپے کھانا پانی موقعہ ملنے پر پہونچا دیتے تھے، بچوں کی چیخ وپکار سے پڑوسیوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، اس طرح تین سال گذر گئے۔

آخر کار ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں خیال آیا کہ ہمارے بچے تو سیر ہو کر کھائیں اور بنی ہاشم کے بچے بھوک سے چلائیں یہ معاملہ ٹھیک نہیں ہے، اس نے اہل مکہ

کو اس طرف متوجہ کیا، ابو جہل اور ام جمیل نے مخالفت کی لیکن بقیہ افراد پسیج گئے

اسی درمیان حضرت ابو طالبؑ ان افراد کے پاس پہونچے اور بتایا کہ میرے بھتیجے نے خبر دی ہے کہ جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اس کو دیمک نے کھالیا ہے اور صرف وہ جگہ باقی ہے جہاں پر "اللہ" کا نام ہے، معاہدہ منگا کر دیکھو اگر وہ سچ ہے تو انصاف کرو اگر میرے بھتیجے کا بیان جھوٹ ہے تو جو چاہو کرو، جب عہد نامہ منگا کر دیکھا گیا تو رسولؐ کی دی ہوئی خبر سچی ثابت ہوئی جس کے بعد قریش شرمندہ ہوئے اور شعب کا حصار ٹوٹ گیا، اور کچھ لوگ شعب میں گئے اور وہاں پر موجود لوگوں کو ان کے گھروں میں پہونچایا۔

یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ اہل سنت جن کے اعصاب پر صحابیت ہے سوار ، یہ شور مچاتے نہیں تھکتے کہ فلاں نے فلاں وقت اسلام قبول کیا اس شور و غوغا میں اہل سنت اولین مسلمانوں کو پیچھے کر کے ان کو آگے کرنا چاہتے ہیں جو ان کے منظور نظر ہیں، میں اہل سنت سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کے منظور نظر صحابہ اولین مسلمانوں میں تھے تو وہ شعب ابی طالب کے محاصرے کے درمیان رسولؐ کو تنہا کیوں چھوڑے رہے؟ کیوں رسولؐ کا ساتھ نہ دیا یہ لوگ خود تو مکّے میں پیٹ بھر کر کھاتے رہے اور رسولؐ فاقے کرتے رہے اور انھوں نے رسولؐ کی کوئی مدد کیوں نہ کی؟

ذی الحجہ کی چودھویں رات تھی کفار مکہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ محمدؐ کے معاملے نے ہمیں عاجز کر دیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں ان میں سے بعض نے کہا کہ جادو آسمان پر کام نہیں کرتا ہے اس لئے ان سے آسمان پر معجزہ دکھانے کے لئے کہا جائے یہ طے کر کے یہ لوگ رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہم کو آسمانی معجزہ دکھایئے اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی کہ خداوند عالم درود سلام کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تمام چیزوں کو آپ کا مطیع کر دیا ہے آپ ان کو حکم دیجئے یہ سن کر رسولؐ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو؟ انھوں کہا کہ چاند کو حکم دیجئے کہ دو ٹکڑے ہو جائے، آپؐ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ دو ٹکڑے ہو جا وہ فوراً دو ٹکڑے ہو گیا، یہ دیکھتے ہی

رسول اکرمؐ فوراً سجدے میں چلے گئے جب آپ نے سر اٹھایا تو کفار نے کہا کہ اس کو حکم دیجئے کہ مکمل ہو جائے آپ نے حکم دیا وہ فوراً مکمل ہو گیا، آنحضرتؐ فوراً سجدے میں چلے گئے، انھوں نے کہا کہ محمدؐ کا جادو آسمان میں بھی چلتا ہے ہم اس کو اس وقت مانیں گے جب سفر میں گئے ہوئے افراد شام و یمن سے واپس آ کر گواہی نہ دیں، جب کفار شام سے واپس ہوئے اور انھوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ ایسا جادو تھا جو دوسرے شہروں میں بھی پھیل گیا تھا۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد پہلے حضرت ابوطالب علیہ السلام کا انتقال ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی، اس کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا، اس وقت رسول کی عمر ۵۳ سال تھی، کچھ ہی عرصے میں دو عظیم مددگاروں کے انتقال سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور آپ نے اس سال کو عامُ الحزن کہا یعنی غم کا سال، غم واندوہ کے سبب آپ نے گھر سے نکلنا کچھ کم کر دیا اور کفارِ مکّہ کی ایذا رسانیاں روز بروز بڑھتی چلی گئیں، آپ نے فیصلہ کیا کہ طائف جائیں جو مکّے سے ستر میل کے فاصلے پر ہے لیکن اہل طائف نے آپ کی آواز پر لبیک نہ کہا بلکہ غلاموں کمینوں اور غنڈوں کو آپ پر پتھر برسانے پر اُبھارا، آپ کے جسم پر اتنے پتھر لگے کہ آپ کا خون ایڑی تک پھونچ گیا، آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے، مجبوراً آپ شہر سے باہر آئے۔

واپسی پر جب آپ نے بطنِ نخلہ میں رات کو قیام کیا تو جنوں کے ایک گروہ نے آپ کی تلاوتِ قرآن کو سنا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

سنہ ۱۰ بعثت میں آپ نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا، اس کے بعد آپ کا عائشہ بنت ابی بکر سے نکاح ہوا، اہل سنت کہتے ہیں کہ وقتِ نکاح حضرت عائشہ کی عمر ۶ سال تھی اور کتاب چودہ ستارے میں سنن ابن ماجہ کے حوالے سے تحریر ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میری والدہ مجھے ککڑی کھلاتی تھیں تا کہ میں جلدی زفاف کے قابل ہو جاؤں، میں نے اپنی کتاب ''اُم المومنین عائشہ'' میں اس بات پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ نکاح کے

وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ سال نہ تھی، شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اعلانِ رسالت کے گیارہویں سال مدینے کے چھ افراد سے رسولؐ کی ملاقات ہوئی، آپ نے ان کو اسلام سے روشناس کیا یہ سب مسلمان ہو گئے، مدینے واپس جا کر ان لوگوں نے خوب تبلیغ اسلام کی اس طرح مدینے میں اسلام کا چرچا ہو گیا

۱۳ھ بعثت میں ۲۷ر رجب کی رات آپ حضرت اُم ہانی کے گھر میں آرام فرما رہے تھے (حضرت اُم ہانی رسولؐ کی سگی چچازاد بہن اور حضرت علیؑ کی سگی بہن تھیں) کہ حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور آپ کو لے کر سفرِ آسمان کے لئے روانہ ہوئے آپ براق پر سوار تھے، آپ پہلے بیت المقدس تشریف لے گئے پھر وہاں سے آسمان پر روانہ ہوئے، ایک مقام پر حضرت جبرئیلؑ ٹھہر گئے اور کہا کہ اگر اب آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا، پھر آپ تنہا براق پر سوار آگے بڑھ گئے، ایک منزل پر براق بھی ٹھہر گیا، پھر آپ رفرف پر بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے، اور اس جگہ پر پہونچے کہ ایک کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تھا، وہاں پر آپ نے خدا سے کلام کیا اور خدا نے آپ کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت کے لئے ہدایات دیں۔

معراج میں آپ جسم سمیت گئے تھے، اہل سنت کے بعض افراد اور ان میں حضرت عائشہ اور معاویہ بن ابوسفیان کی روایات بھی موجود ہیں کہ معراج جسمانی نہیں تھی، روحانی تھی یہ صحیح نہیں ہے، آپ کو جسمانی معراج ہوئی تھی اس پر ایمان رکھنا شیعوں میں واجب ہے۔

۱۲ھ بعثت میں مدینے کے جو چھ افراد مسلمان ہو کر گئے تھے اُن میں سے پانچ اور ان کے ساتھ دیگر سات افراد دوبارہ موسمِ حج میں مدینے آئے اور انھوں نے بھی اسلام قبول کیا، رسولؐ نے ان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار لیا اور چوری نہ کرنے، زنا نہ کرنے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنے کا عہد لیا، یہ لوگ واپس ہوئے پھر ۱۳ھ بعثت میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں ماہ ذی الحجہ میں مدینے آئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا، ان سب نے مل کر

رسول کی حمایت کا عہد کیا، اس گروہ میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ شامل تھے۔

کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر مسلمان حکمِ رسولؐ سے مدینے کی طرف ہجرت کرنے لگے، مکہ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہو گیا اب یا تو وہ رہ گئے تھے جو قید تھے یا وہ جو سفر کے لائق نہ تھے، یا وہ رہ گئے تھے جو مکہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

کفارِ مکہ کو یہ بات گراں گذری کہ مسلمان مدینے میں آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ مسلمانوں کو پر سکون پناہ گاہ مل گئی، اب یہ بتوں کی مخالفت میں تحریک کو تیز کر دیں گے اس لئے اب تو بس یہی حل ہے کہ اس تحریک کے سربراہ کو ہی قتل کر دیا جائے، اس بات کے لئے ہی لوگ دار الندوہ میں اکٹھا ہوئے اور یہ طے پایا کہ مختلف قبائل کے افراد اکٹھا ہو کر حملہ کریں تا کہ بنی ہاشم سب سے خوں بہا نہ لے سکیں، سب نے اس رائے پر اتفاق کیا۔

غور کیجئے! دار الندوہ میں قتل رسول کا پروگرام بنا اور لکھنؤ میں اہل سنت نے مدرسہ قائم کیا جس کی بنیاد ایک انگریز سے رکھوائی گئی، اور اس مدرسے کا نام بھی ندوہ رکھا گیا۔ یہ چیز ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ یہ کون سے مسلمان ہیں، دار الندوہ میں بنی امیہ ابو جہل وغیرہ موجود تھے۔

قتلِ رسول پر متفق ہو کر ان لوگوں نے خانۂ رسول کو گھیر لیا، ارادہ تھا کہ رات کو ہی گھر میں داخل ہو جائیں لیکن ابو جہل کی مخالفت اور غیرت عرب نے اجازت نہ دی کہ خواتین کی موجودگی میں رات کو گھر میں داخل ہوا جائے اور یہ طے کیا کہ صبح ہوتے ہی گھر میں داخل ہو جائیں گے اور حملہ کر کے قتل کر دیں گے اس لئے رات بھر یہ لوگ مکان کو گھیرے رہے، اور دروازے کی درازوں سے جھانک کر دیکھتے رہے کہ رسولؐ چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔

کفار نے مکان کو گھیرا تو حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا کہ آپ اپنے بستر پر علیؑ کو لٹا کر یہاں سے نکل جائیے، آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا

اور بتایا کہ میں جا رہا ہوں میرے بعد یہ امانتیں واپس کر کے خواتین کو ساتھ لے کر مدینے چلے آنا۔

حضرت علیؑ نے رسولؐ کی حضر موت کی بنی ہوئی سرخ چادر اوڑھی اور لمبی تان لی ، یہ پہلا موقعہ تھا کہ رات کو سونے کا موقع ملا تھا اس سے قبل راتوں کو عبادت خدا میں جاگا جاتا تھا۔

رسولؐ گھر سے نکلے تو ایک مٹھی خاک کفار کی طرف پھینکی اور وہ رسولؐ کو جاتا ہوا دیکھ نہ پائے ، اسی وقت جب رسولؐ چلے جارہے تھے تو ابو بکر کسی کام سے گھر سے نکلے ، انھوں نے رسولؐ کو جاتا ہوا دیکھا تو پیچھے ہو لئے ، رسولؐ نے اندھیرے میں ان کی آہٹ سنی تو تیز چلنے لگے کہ کہیں کوئی کافر نہ ہو، اس چیز کو ابو بکر نے محسوس کیا تو کھنکار رسولؐ ابو بکر کی آواز پہچان کر ٹھہر گئے ، ابو بکر نے دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ یہ وہ موقعہ تھا کہ اگر رسولؐ ان کو بتا دیں تو راز کھل جائے گا، اس لئے رسولؐ نے ابو بکر کو واپس گھر نہ جانے دیا اور اپنے ساتھ لے لیا اور غارِ ثور پہونچے جو مکّے سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے، جب آپؐ غار میں داخل ہوئے تو غار کے مونہہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دیدئے۔

رسولِ اکرمؐ بغیر کسی تیاری کے گھر سے نکلے تھے اس لئے کھانے اور پانی کی فراہمی ایک مسئلہ تھی ، اس کا بندوبست حضرت علیؑ نے کیا، اب مسئلہ مدینے روانگی کا تھا اس کے لئے سواری درکار تھی اس وقت ابو بکر پر محبت دنیا غالب آئی اور انھوں نے اپنی اونٹنی بقول صاحبِ مدارج النبوت جو دو سو درہم میں خریدی تھی وہ رسولؐ کو نو سو درہم میں فروخت کی ، تالیف قلب کے لئے رسولؐ نے اونٹنی لے لی تھی ، لیکن رسولؐ اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوئے ، اور حضرت علیؑ نے تین اونٹ فراہم کئے ایک رسولؐ کے لئے ایک راہبر کے لئے اور ایک ابو بکر کے لئے ، چوتھے روز یہ مدینے کے لئے روانہ ہوئے۔

دوسری طرف کفار صبح ہوتے ہی رسولؐ کے گھر میں داخل ہو گئے ، کفار کے دندانہ

وار داخل ہوتے ہی حضرت علیؑ بیدار ہوئے اور چادر پھینک کر کھڑے ہو گئے انھوں نے دیکھا کہ رسولؐ کے بجائے علیؑ ہیں تو بے ساختہ انھوں نے پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ کیا میرے سپرد کر گئے تھے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟ اس بات پر کفار ناراض ہوئے اور چاہا کہ اگر محمدؐ نہیں ہیں تو انھیں کو قتل کر ڈالو، ان لوگوں میں خالد بن ولید بھی تھا اس نے غصے میں حضرت علیؑ پر حملہ کر دیا حضرت علیؑ نے جست لگا کر اس سے تلوار چھین لی، اور اسے زمین پر پٹک دیا، اور تلوار لے کر مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے، جب کفار نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ علیؑ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں لڑائی میں الجھالیں اور محمدؐ دور نکل جائیں، چنانچہ وہ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر رسولؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، ناکام ہونے پر قیافہ شناس کو بلایا گیا اس نے بتایا کہ محمدؐ ادھر سے گئے ہیں اور ابن قحافہ یہاں سے ساتھ ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ غار تک آ گیا وہاں پہونچ کر اس نے کہا کہ غار کے مونہہ پر اتنا شدید جالا ہے کہ اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ محمدؐ کی پیدائش سے قبل کا ہو۔

یہی وہ موقع تھا جب ابوبکر نے غار میں رونا شروع کر دیا، موقع کتنا نازک ہے، جان کے دشمن غار کے مونہہ پر کھڑے ہیں، اور یہ حضرت بھوں بھوں کر کے رونا شروع کر دیتے ہیں، رسولؐ نے ان کو جھڑک کر کہا حزن نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے، اہل سنت کہتے ہیں کہ سانپ نے کاٹ لیا تھا اس لئے روئے تھے یہ حیلہ صحیح نہیں ہے، مثل مشہور ہے کہ سانپ کا کاٹا سوتا ہے روتا نہیں، وہ غار آج بھی موجود ہے اس میں دیکھا جا سکتا ہے کہ سانپ کے بل موجود ہیں یا نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ کفار کو دیکھ کر خوف کی وجہ سے روئے تھے، یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ رسولؐ رات کو غار میں داخل ہوئے اور کفار صبح کو رسولؐ کے گھر میں جب داخل ہوئے تب ان کو پتہ چلا کہ رسولؐ جا چکے ہیں اس لئے وہ تلاش میں نکلے اور جب نہ ملے تو قیافہ شناس کو بلایا گیا، قیافہ شناس بھی پیدل چلتے چلتے جب غار پر پہونچا ہوگا اس وقت دوپہر ہو چکی ہوگی، اس چھوٹے غار میں سانپ رات بھر

جہاں پر انسان رہتے تھے وہاں پر اللہ نے ہدایت کے لئے بالفاظِ دیگر طریقۂ بندگی کو بتانے کے لئے نبی بھیجے، اس طرح کوئی بستی ایسی نہ رہی جہاں اختلاف کو ختم کرنے اور طریقۂ بندگی کو بتانے کے لئے نبی نہ بھیجا گیا ہو۔

یہاں پر تھوڑی سی وضاحت بھی ضروری ہوگئی ہے وہ یہ کہ خداوند عالم نے مقصدِ خلقت میں دو چیزوں کو بیان کیا ہے اس میں پہلی چیز ''کہ آزمائے کہ اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔''، دوسرے یہ کہ مقصد خلقت صرف ''عبادت'' ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان ہر وقت آزمائش میں ہے اور ہر وقت اس کو عبادت کرنی ہے تو پھر وہ کب کاروبارِ دنیا کرے گا؟ کب سوئے گا؟ کب آرام کرے گا؟ کب کھائے گا؟ کب شادی کرے گا؟ کب بیوی بچوں کے ساتھ رہے گا؟ کیوں کہ انسان ہر قت آزمائش میں ہے اور ہر وقت عبادت میں ہے اس لئے مذکورہ باتیں نہ ہو پائیں گی۔

یقیناً یہ سوال ایک انسان کے ذہن میں آسکتا ہے اور آنا بھی چاہیئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر انسان کاروبارِ دنیا میں مصروف ہے تو اس مصروفیت میں اس کی آزمائش یہ ہے کہ وہ احکامِ خدا کے مطابق کام کر رہا ہے یا نہیں؟ یعنی یہ کہ جو کام جائز اور حلال ہیں انھیں کر رہا ہے تو وہ آزمائش میں پورا اُتر رہا ہے اور یہی آزمائش اس کی عبادت بھی بنتی جارہی ہے۔

یہی حال سونے جاگنے، آرام کرنے کھانا کھانے کا ہے، اگر احکامِ خدا کے مطابق عمل ہے تو آزمائش میں انسان پورا اُتر رہا ہے اور یہی آزمائش اس کی عبادت بھی بنتی جارہی ہے۔

شادی بیاہ بیوی بچوں کے ساتھ وقت گذارنے میں اگر احکامِ خدا کے

انتظار کرتا رہا اور جب کفار غار کے مونہہ پر آ گئے تب سانپ نے ابوبکر کے کاٹا، کیا یہ بات عقل میں آتی ہے؟ یہ بھی غور طلب ہے کہ بعد میں اس سانپ کو ابوبکر نے مارا یا نہیں؟ اس کی اطلاع ابوبکر کے ماننے والے ہم کو دیں، صاف ظاہر ہے کہ واقعہ کچھ اور ہے جس کو اہل سنت بیان کرنا نہیں چاہتے ہیں، اتحاد بین المسلمین کی خاطر ہم بھی خود کچھ نہ کہیں گے، لیکن واضح سب کچھ ہے۔

مکّے سے چل کر رسولؐ غیر معروف راستے سے مدینے پہونچے اور مدینے سے باہر مقامِ قبا میں قیام فرمایا اور حضرت علیؑ کا انتظار کیا، ابوبکر رسولؐ کو قبا میں چھوڑ کر سنح چلے گئے اور قبیلہ خزرج کے ایک شخص حبیب بن اساف یا خارجہ بن زید بن ابی زبیر کے یہاں مقیم ہو گئے، پھر چند روز بعد حضرت علیؑ اپنی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد اور رسولِ اکرم کی چچازاد بہن فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب اور رسولؐ کی اکلوتی بیٹی خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو لے کر پہونچ گئے، تاریخ میں ان خواتین کے ناموں کی صراحت ہے بقیہ بچوں اور عورتوں کا تذکرہ نہیں ہے، جب یہ لوگ آ گئے تو رسولؐ مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینے میں ہر شخص چاہتا تھا کہ رسولؐ میرے یہاں قیام کریں، آپ نے فرمایا کہ میرا ناقہ جہاں ٹھہرے گا وہیں میں بھی ٹھہروں گا، آپ کا ناقہ وہاں جا کر بیٹھ گیا جہاں آج کل مسجد نبوی ہے، اس کے قریب ابوایوب انصاری کا مکان تھا، ابوایوب انصاری کی والدہ آپ کا سامان اٹھا کر لے گئیں، پھر بھی دیگر افراد نے چاہا کہ ہمارے یہاں قیام کریں، آپ نے اپنا سامان دیکھا وہ موجود نہ تھا دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ ابوایوب انصاری کی والدہ لے گئیں ہیں، آپ نے فرمایا جہاں سامان ہے وہیں مالک، لیکن خدمت کے شوق میں اسعد بن زرارہ آپ کے ناقے کو اپنے گھر لے گئے۔

آپ نے حکم دیا کہ ہجرت سے سال تعین کیا جائے اہل سنت نے دوسرے سقیفائی حاکم کو فضیلت عطا کرنے کے لئے یہ فسانہ تیار کیا کہ ہجری سن ان کے دور میں

حضرت علیؑ کے مشورے سے شروع ہوا۔

جس جگہ ناقۂ رسولؐ بیٹھا تھا وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے، یہ دونوں یتیم اسعد بن زرارہ کے زیرِ پرورش تھے، رسولؐ نے اسعد بن زرارہ سے کہا کہ یہ زمین مجھے ان کے مالکوں سے خرید دو انھوں نے مفت نذر کرنی چاہی لیکن رسولؐ نے لینے سے انکار کیا، چنانچہ دس دینار کی قیمت پر آپ نے زمین خرید لی، پھر یہاں پر مسجد تعمیر کی گئی، مسجد کی دیواریں تین گز اونچی اٹھائی گئیں پھر اس پر چھپٹ ڈال دی گئی، کھجور کے تنے سے شہتیر کا کام لیا گیا، تعمیر مسجد میں رسولؐ نے ایک عام آدمی کی طرح کام کیا۔

مسلمان مدینے آکر سکون کی زندگی بسر کرنے لگے، رسولؐ نے مہاجر و انصار میں مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کیا، یہودیوں سے معاہدہ کیا، یہ چیز ابوسفیان، ابوجہل وغیرہ کو سخت ناگوار گذری، انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے لئے چھاپہ مار کارروائی شروع کی، جب مسلمانوں نے اس چھاپہ مار کارروائی کا جواب دیا تو مکّے والے بڑی فوج لے کر بدر میں پہونچ گئے اور مسلمانوں اور کافروں میں پہلی لڑائی آمنے سامنے ہوئی۔

جنگِ بدر کی تفصیلات ذرا دیر بعد یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اہل سنت نے چونکہ اسلام بنی امیہ سے حاصل کیا ہے، اس لئے ان کے مؤرخین نے جنگ بدر کے حالات اس طرح تحریر کئے کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا، واپسی پر اس کی خبر رسولؐ کو ہوگئی آپ نے وہ مال قبھانے کے لئے لشکر تیار کیا اس کی خبر ابوسفیان کو ہوگئی اس نے مکّے اطلاع بجھوائی، مکّے والوں کا بھی اس میں مال تھا اس لئے یہ سب تیار ہو کر اپنا مال بچانے کے لئے آگئے ادھر ابوسفیان رسولؐ سے بچنے کے لئے ایک دوسرے راستہ سے مکہ پہونچ گیا اور یہ مکّے والے جو آئے تھے ان سے مسلمانوں کا ٹکراؤ ہو گیا، جس کے نتیجے میں جنگِ بدر رونما ہوئی، اس داستان میں اتنے جھول ہیں کہ ان پر غور کرنے سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اگر کوئی قرآن اور تاریخ کا بغور مطالعہ کرے تو بات بالکل عیاں ہے کہ مؤرخین نے بنی امیہ کا دامن بچانے کے لئے کس قدر جھوٹ بولا ہے اور اس جھوٹ

کو سیدھے سادے مسلمانوں نے سچ سمجھ لیا ہے۔

المختصر یہ کہ جنگ کے لئے دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں، جنگ سے قبل ابوبکر اور عمر نے کھڑے ہو کر تقریر کی، اور کفار قریش کی تعریف کی، ان کی تقریر سن کر رسولؐ کو غصہ آگیا اور آپ کے رُخسار غصّے سے سرخ ہو گئے اس کے بعد حضرت مقدادؓ نے تقریر کی، مقداد کی ایمان افروز تقریر سے رسولؐ خوش ہو گئے اور آپ نے انھیں دعائے خیر دی۔

جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمان تھے اور کفار ایک ہزار کے قریب تھے، کفار مکہ نے زبردستی ہر شخص کو اس جنگ میں گھسیٹا تھا جس کی وجہ سے بنی ہاشم کے وہ افراد جو کسی مجبوری سے مدینہ نہ جا سکے تھے ان کو بھی زبردستی جنگ میں گھسیٹا گیا تھا۔ جنگ کی ابتداء میں عتبہ بن ربیعہ (معاویہ کی ماں ہندہ کا باپ) شیبہ (معاویہ کی ماں کا چچا) اور ولید (معاویہ کا ماموں) کفار کی طرف سے نکلے ادھر حضرت علیؑ حضرت حمزہؓ اور رسولؐ کے چچازاد بھائی عبیدہ بن حارث جو کافی کبیر السن تھے، حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؓ نے اپنے اپنے مقابل کو جلد ہی ختم کر دیا، لیکن جناب عبیدہؓ اور عتبہ میں تلواروں کی ردوبدل کچھ جاری رہی، عتبہ کی تلوار جناب عبیدہ کے پیر پر پڑی اس لئے وہ گر گئے لیکن حضرت علیؑ و حضرت حمزہؓ اپنے مقابل کو ختم کر کے عتبہ کی طرف بڑھے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

پھر جنگ مغلوبہ شروع ہوئی، مسلمانوں کی امداد کو فرشتے آگئے اس طرح ستر مشرکین مارے گئے، اس میں سے آدھے حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے، اس جنگ میں ابوبکر نے حصہ نہیں لیا، اہل سنت نے ان کے دامن کو بچانے کے لئے عریش کا واقعہ تیار کیا ہے۔

حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والے بعض مشہور افراد (۱) ولید بن عتبہ بن ربیعہ (۲) عاص بن سعید بن عاص ابن امیہ (۳) طعیمہ بن عدی بن نوفل (۴) نوفل بن خویلد (جنگ جمل میں حضرت علی کے مخالف زبیر کا چچا) (۵) حنظلہ بن ابوسفیان (ولید بن

عتبہ کا بھانجہ معاویہ کا بھائی) (۶) زمعہ بن اسود (۷) حارث بن زمعہ (۸) عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم (جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے مخالف طلحہ کا چچا)

یہ تھے وہ افراد جن کی موت کا زخم معاویہ، طلحہ اور زبیر کے سینوں میں موجود تھا جو در پردہ جنگ جمل، صفین، واقعہ کربلا اور حضرت علیؑ کو منبروں سے گالیاں دینے کا سبب ہوا، اسی سبب سے حضرت ابو طالب علیہ السلام کو کافر کہا جا رہا ہے۔

جنگ کے بعد حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ۲ھ ہجری میں نو سال کی ہو گئیں جو شریعت اسلامی میں لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر ہے۔ کتاب چودہ ستارے میں کتاب کنز العمال کے حوالے سے تحریر ہے، کہ ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے پیغامِ نکاح دیا تو رسولؐ غضبناک ہوئے اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، حضرت علی علیہ السلام نے پیغام دیا تو رسولؐ خوش ہوئے اور اس پیغام کو فوراً منظور فرما لیا اور آپ کا نکاح حضرت فاطمہ سے ایک سو تیرہ تولے چاندی پر پڑھایا گیا۔

۳ھ میں تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہوا، تبدیلی قبلہ کا حکم اس وقت نازل ہوا جب دو رکعت ہو چکی تھیں، بقیہ دو رکعت کعبہ کی جانب منہ کر کے پڑھی گئیں، حضرت علیؑ رسولؐ کے ساتھ گھوم گئے، بقیہ مسلمان صورتِ واقعہ نہ سمجھ پائے، اس لئے حضرت علیؑ مقامِ فخر میں کہا کرتے تھے کہ میں وہ ہوں جس نے ایک نماز دو قبلوں کی طرف موہنہ کر کے پڑھی ہے۔

جنگ بدر میں کفار کا بھاری نقصان ہوا، اس میں قتل و گرفتار ہونے والے کفار کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں تمام مکّے سے تھا، ابوسفیان و ابوجہل وغیرہ کو انتقام لینے کی آگ بے چین کئے ہوئے تھی، ابوسفیان نے منادی کرائی کہ کوئی مقتولوں پر نہ روئے اس طرح مکّے میں مقتولوں پر رونے کا سلسلہ موقوف ہوا، اور ان لوگوں نے بدر کا بدلہ لینے کی تیاری شروع کر دی۔

یہ بنی امیہ تھے جو مقتولوں پر رونے سے منع کرتے تھے اور آج بنی امیہ کے پیش

کردہ اسلام پر عامل اہل سنت قتلِ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں

**اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو۔**

مکمل تیاری کے بعد کفارِ مکہ روانہ ہوئے اور احد پہاڑ کے دامن میں پہونچ کر مورچہ سنبھال لیا، اس مرتبہ انھوں نے عورتوں کو بھی ساتھ لیا تاکہ ناموس کی خاطر لوگ جی جان سے لڑیں، کفار مکہ کی تعداد تین ہزار تھی۔

دوسری طرف رسولؐ مسلمانوں کو لے کر مدینے سے نکلے مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، لیکن عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر عین وقت پر مدینے واپس لوٹ گیا۔

غور کیجئے! ایک ہزار مسلمانوں میں تین سو وہ تھے جو رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر منافقون کے سردار کا ساتھ دے رہے تھے، یہ ہیں اہل سنت کے خیر القرون کے صحابہ قرآن نے بھی صراحت کی ہے مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا ہے، سارے افراد سقیفہ میں حکومت مضبوط ہوتے ہی دودھ سے دھلے صحابۂ کرام ہو گئے اور ان کی پیروی میں نجات کی حدیث تیار ہو گئی۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں معاویہ کی ماں ہندہ اور دوسری مشرک عورتیں گانا گا کر کفار کا جوش بڑھا رہی تھیں، معاویہ کی ماں کے جو اشعار آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں اور ان میں یہ شعر بھی ہے کہ اگر تم قدم آگے بڑھاؤ گے تو میں تمہارے گلے ملوں گی ،اور اگر تم میدانِ جنگ سے بھاگ جاؤ گے تو میں تم سے جدا ہو جاؤں گی، اس جنگ میں ابوسفیان اپنے دونوں خدا لات وعزیٰ کو ہاتھ میں اٹھائے تھا۔

المختصر یہ کہ جنگ شروع ہوئی، مشرکین مکہ کا علمبردار طلحہ بن عثمان آگے آیا اور مسلمانوں کو للکارا، حضرت علیؑ اس کی طرف لپکے اور بہت تیزی سے اس کے تلوار لگائی اور اس کا پیر کٹ گیا، اور وہ اس طرح گرا کہ برہنہ ہو گیا، گرتے ہی کہنے لگا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں اس رشتے کا واسطہ دیتا ہوں جو ہمارے درمیان تھا (یعنی ہم دونوں قریشی ہیں)

حضرت علیؑ اس کو چھوڑ کر ہٹ گئے بعد میں لوگوں نے پوچھا آپ نے دوسرا وار کیوں نہ کیا ،آپ نے فرمایا وہ برہنہ ہو گیا تھا اور اس نے مجھ سے چھوڑنے کی درخواست کی تھی ، مجھے معلوم تھا کہ وہ میری ضربت سے بچ نہ پائے گا۔

جنگ صفین میں بھی عمرو ابن عاص نے خود کو برہنہ کر کے حضرت علیؑ سے اپنی جان بچائی تھی ، یہ سبق شاید انھوں نے طلحہ سے سیکھا تھا۔

اس جنگ میں حضرت علیؑ ، حضرت حمزہؓ ، حضرت ابو دجانہ انصاریؓ حضرت مقداد بن اسودؓ کے کارہائے نمایاں سے تاریخ بھری پڑی ہے ، جس کی وجہ سے جنگ فتح ہوئی اور ''صحابۂ کرام'' (جن کی پیروی میں فلاح کی حدیث اہل سنت میں ہے ) نے مالِ غنیمت کے لالچ میں کفار سے بے پرواہ ہو کر سامانِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا ، اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر خالد بن ولید نے عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ، جس کے نتیجے میں جیتی ہوئی جنگ شکست کے دہانے پر پہنچ گئی اور صحابہ فرار کر گئے۔

ابو بکر کا خود بیان ہے کہ میں واپس آنے والوں میں پہلا شخص تھا ، لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کس وقت واپس آئے ؟ تاریخ کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت واپس ہوئے جب شکست کی خبر مدینے پہونچ گئی اور عورتیں رسولؐ کی خیریت دریافت کرنے میدان اُحد پہونچ گئیں۔

عمر ابن خطاب صاحب احد کی پہاڑی پر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ احد کی پہاڑی پر مارے دہشت کے اس طرح اچھل اچھل کر چڑھے کہ جس طرح پہاڑی بکری کودتی ہے ، موصوف کا یہ بیان آج بھی تاریخ میں محفوظ ہے

جب یہ لوگ پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے تو انس بن مالک کے چچا نے ان سے کہا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسولِ خدا تو قتل ہو گئے (اب لڑ کر کیا کریں گے ) انھوں نے کہا کہ بعدِ رسول تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ لیکن یہ لوگ نہ اٹھے ، تاریخ طبری گواہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ کاش کوئی ہمارے لئے ابو سفیان سے امان طلب کرے ،

ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ''اب اپنی قوم (مشرکین قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ ہم تک پہونچیں اور ہمیں قتل کردیں۔

یہ عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ یہ لوگ ایمان سے کفر کی طرف پلٹنا چاہتے تھے

تیسرے سقیفائی حاکم نے میدانِ جنگ سے ایسا فرار کیا کہ تین روز بعد مدینے واپس آئے، ان کے ساتھ انصار کے دو آدمی عتبہ بن عثمان اور سعد بن عثمان بھی تھے، ان کی واپسی پر رسولؐ نے ان سے کہا کہ تم لوگ بڑے لمبے گئے۔

حضرت علیؑ پر زبردست ذمہ داری تھی علمِ اسلام کو بلند رکھنا، مشرکین سے جہاد کرنا، اور مشرکین مکہ سے رسولؐ کی حفاظت کرنا، حضرت علیؑ اس جنگ میں بہت زخمی ہوئے، جنگ کرتے کرتے تین مرتبہ گرے، ہر مرتبہ حضرت جبرئیلؑ آپ کو ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے اسی جنگ میں آپ پر آسمان سے ذوالفقار نازل ہوئی، ایک روایت کی بنا پر ''نادِ علی'' کا نزول بھی اسی جنگ میں ہوا۔

دورانِ جنگ یہ صدا بلند ہوئی کہ رسول قتل ہو گئے یہ صدا سن کر حضرت علی علیہ السلام اور زیادہ سختی سے جنگ کرنے لگے نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ہاری ہوئی جنگ پھر دوبارہ قبضہ میں آتی ہوئی دکھائی دی، ناگاہ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ رسول کو مشرکین گھیرے ہوئے ہیں، آپ نے بڑھ کر حملے کئے حتیٰ کہ تمام مشرکین فرار ہونے پر مجبور ہو گئے، جب حضرت علیؑ رسولؐ کے پاس پہونچے اور رسولؐ صحابہ کے بھاگنے کی وجہ سے غصّے میں تھے، آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا ''تم کیوں نہ چلے گئے'' حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ ''کیا ایمان کے بعد میں کافر ہو جاتا''

دورانِ جنگ لافتی الاعلی لاسیف الاذوالفقار کا کانوں میں رس گھولنے والا فقرہ فضاء میں گونجا جو آج تک ہر شیعہ کے ذہن میں باقی ہے، اس کے ساتھ ساتھ رسولؐ نے وہ عظیم سند عطا کی جو کسی صحابی کو نہ ملی وہ یہ کہ

''علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں'' یہ سن کر حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اور

میں آپ دونوں سے ہوں۔

جنگ ختم ہوئی تو معلوم ہوا کہ رسولؐ کے چچا حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر معاویہ کی ماں ہندہ نے چبایا ہے لیکن نگل نہیں سکی، اس لئے معاویہ کی ماں ہندہ کو جگر خوارہ کہتے ہیں، آج اہل سنت میں ابوسفیان ہندہ وغیرہ سب مسلمان ہیں اور رسولؐ کے پشت پناہ یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہا جاتا ہے، یہ ہے بنی امیہ کا اسلام،

جنگ سے واپس پلٹے تو مدینے میں کہرام بپا تھا صحابیات اپنے اپنے مقتولین پر گریہ کررہی تھیں یہ دیکھ کر رسولؐ نے فرمایا کہ افسوس حمزہؓ پر کوئی رونے والا نہیں ہے صحابہ نے یہ سنا تو جا کر صحابیات سے کہا کہ پہلے جا کر حضرت حمزہؓ پر گریہ کرو، انصاری صحابیات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس آئیں اور آپ کو حضرت حمزہؓ کا پرسہ دیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر رونے کی آواز سنی تو آپ نے ان صحابیات کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ تم نے ہمدردی وغم خواری کا حق ادا کردیا۔

قدیم ترین مؤرخ ابن سعد کاتب واقدی نے لکھا ہے کہ اس کے بعد انصاری صحابیات میں یہ رسم جاری ہوگئی کہ جب کسی کا کوئی عزیز دنیا سے اٹھتا تو پہلے حضرت حمزہؓ کا نام لے کر گریہ کیا جاتا تھا پھر اپنے مرنے والوں پر گریہ کیا جاتا تھا۔

شہید پر گریہ تمنا ہے رسولؐ کی، شہداء پر ماتم عمل ہے انصاری صحابیات کا اور مقتولین پر گریہ کرنے سے منع کرنا سیرت ہے بنی امیہ کی جس کو آپ نے کچھ صفحے پہلے جنگ بدر کے تذکرے میں پڑھا، اور آج اہل سنت شہداء کربلا پر گریہ کرنے کو حرام قرار دیں، اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کا اسلام کیسا ہے؟

مدینے میں یہودی بھی آباد تھے، ان میں ایک قبیلہ بنی نضیر تھا، اس قبیلے کا سردار کعب بن اشرف تھا، اس قبیلے کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے، ایک مرتبہ ایک اسلامی مہم میں رسولؐ کو رقم کی ضرورت ہوئی، آپؐ اکیلے ہی کعب بن اشرف کے پاس

قرض لینے چلے گئے ،کعب بن اشرف نے بظاہر بڑے خلوص ویگانیت کا مظاہرہ کیا ،اورآپ کو باتوں میں لگالیا،اس وقت آپ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

دوسری طرف اس نے ایک یہودی کو مقرر کیا کہ ایک بھاری پتھر اوپر سے آپ پر لڑھکادے،وہ شخص اوپر پہونچ گیا لیکن اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور آپ کو یہودیوں کے منصوبے کی خبر دی، آپ فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔

دوسری طرف اصحاب آپ کو نہ پا کر آپ کی تلاش میں نکلے کسی نے بتایا کہ ابھی ان کو مدینے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے ،اصحاب مدینے آئے اور آپ نے یہودیوں کی حرکت کی اطلاع مسلمانوں کو دی۔

یہودیوں کی اس حرکت پر آپ نے یہودیوں کو یہ سزا دی کہ ان سے کہا کہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں ،منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے ان کو بھڑکا دیا اور کہا کہ مدینہ چھوڑ کر نہ جانا تب انھوں نے کہا کہ ہم اپنا قلعہ نہ چھوڑیں گے آپ جو کر سکتے ہیں کرلیں۔

یہودیوں کا یہ جواب سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو کوچ کا حکم دیا اس فوج کے علمدار حضرت علی علیہ السلام تھے ،مسلمانوں نے یہودیوں کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، یہودیوں نے تیروں کی بارش شروع کردی ایک تیر رسولؐ کے خیمے پر آکر لگا، آپ کا خیمہ وہاں سے ہٹالیا گیا۔

رات کا وقت تھا،حضرت علی علیہ السلام نے خطرے کا اندازہ کرلیا،اور آپ دشمن کی تاک میں چھپ کر بیٹھ گئے ،ناگاہ قلعے سے مشہور تیرانداز عزورا مع دو پہلوانوں کے باہر آئے ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں ،حضرت علی علیہ السلام نے ان پر حملہ کردیا اور عزوارا کو قتل کر کے اس کا سر رسولِ اکرمؐ کے پاس لائے ابو دجانہ انصاری وغیرہ نے بقیہ دو کو فرار ہونے کا موقعہ نہ دیا اور وہ بھی قتل ہوگئے ،پھر کوئی یہودی قلعے سے باہر نہ نکلا۔

یہودیوں کی ان حرکات کی بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو بھیج کر یہودیوں کو پیغام دیا کہ تمھیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ مدینے سے

باہر نکل جائیں، یہودی سمجھ گئے کہ مسلمانوں سے اب لڑنا ممکن نہیں ہے، اس لئے مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

مشرکین مکہ اُحد میں حالانکہ مسلمانوں کو کافی نقصان پہونچا چکے تھے لیکن فتح کی حسرت ان کے دل میں رہ گئی تھی، اور بدر کا انتقام بھی وہ جیسا چاہتے تھے ویسا نہ لے سکے تھے۔ اب جبکہ یہودی قبیلہ بنی نضیر مدینہ سے نکالا گیا تو مکّے والوں کو ایک اور مددگار ملنے کی امید ہوگئی، اور ہوا بھی یہی یہودی سردار خود مکّے پہونچ گئے اور سب نے مل کر مدینے پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا، جس پر قریش تیار ہو گئے۔

یہی یہودی جو مکّے گئے تھے غطفان اور کنانہ کے سرداروں کے پاس بھی گئے اور انھیں بتایا کہ قریش مدینے پر چڑھائی کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تم لوگ بھی ہمارا ساتھ دو، چنانچہ یہ لوگ بھی تیار ہو گئے۔

المختصر یہ کہ مکہ سے ابوسفیان لشکر لے کر نکلا قبیلۂ غطفان کی قیادت عیینہ بن حصین بن فزارہ کر رہا تھا، بنی مرّہ کو لے کر حارث بن عوف نکلا اور قبیلہ اشجع کے ساتھ دیرۃ بن طریف تھا، پروگرام یہ تھا کہ یہود لشکر میں نہ ہوں اور یہ لوگ مدینے میں اندر سے حملہ کر دیں، اس طرح مسلمان دو پاٹوں کے درمیان پس جائیں گے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب یہ خبر پہونچی تو مسلمان گھبرا گئے لیکن سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ جس طرف پہاڑ نہیں ہے اور وہ فوج کے آنے کا راستہ ہے وہاں پر خندق کھودی جائے اس طرح مشرکین مدینے میں داخل نہ ہو سکیں گے، رسولؐ نے اس تجویز کو پسند کیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر مسلمان کے ذمہ چار گز طول میں خندق کھودنے کا کام سپرد کیا، پیغمبر خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہوئے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ کئی سو برس کے تھے لیکن خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ دس افراد کے برابر اکیلے کام کیا اس محنت کو دیکھ کر مہاجر کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے

مطابق عمل ہو رہا ہے تو جان لیجئے کہ آپ امتحان میں کامیاب ہو رہے ہیں، اور یہی کامیابی آپ کی عبادت بنتی جارہی ہے، لیکن اگر شادی بیاہ میں خرافات کا دور دورہ ہے، بے پردگی ہے، ناچ گانا ہے نجس (غیر مسلموں کا پکایا ہوا) کھانا ہے تو یہ شادی آپ کی امتحان میں ناکامی ہے اور یہ ناکامی عبادت کے بجائے گناہ ہے، جس کا انجام جہنم کی آگ ہے، لہٰذا ایسے تمام کاموں سے بچنا واجب ہے، جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے

**اب ہم پھر موضوع پر آتے ہیں۔**

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں راہِ ہدایت دکھانے کے لئے اللہ نے مبعوث کئے، ان انبیاء میں بعض مشہور ہیں یہاں صرف ان کا ذکر شریف کیا جائے گا جن کا ذکر زیارتِ وارثہ میں ہے وہ انبیاء یہ ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

(۶) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ان انبیاء کے علاوہ ☆ حضرت ہابیل علیہ السلام ☆ حضرت یونس علیہ السلام ☆ حضرت اسحٰق علیہ السلام ☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام ☆ حضرت یوسف علیہ السلام ☆ حضرت داؤد علیہ السلام ☆ حضرت سلیمان علیہ السلام ☆ حضرت ادریس علیہ السلام

ہیں چونکہ یہ مدینے کے رہنے والے نہیں ہیں اس لئے یہ مہاجر ہیں ، اور یہ اپنا وطن چھوڑ کر آئے ہیں، انصار کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے ہیں کیونکہ مکّے سے نہیں آئے ہیں بلکہ پہلے سے یہاں موجود ہیں، اس بحث کو سن کر رسولِ اکرمؐ نے وہ مشہور فقرہ ارشاد فرمایا جو کسی صحابی کو نصیب نہ ہوا، آپ کا ارشاد تھا کہ سلمان مِنّا اهل البيت (سلمان ہم اہل البیت میں سے ہیں)

اللہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے (قرآن) یہ عزت ان کو بھی نصیب نہ ہوئی جو سقیفہ میں حکومت پر قابض ہو گئے، اور ان کے فضائل کی احادیث بھی معاویہ نے تیار کرادیں۔ مشرکین جب مدینے پہونچے تو خندق دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ان کی زبان پر بے ساختہ آیا کہ یہ عرب کا حربہ نہیں ہے مجبوراً مشرکین نے خندق کے اس پار پڑاؤ ڈال دیا، بیس روز اسی طرح گذر گئے، اس درمیان طرفین میں اکّا دُکّا واقعات تیر بارانی اور سنگ بارانی کے ہوا کئے، اور کوئی بڑا معرکہ پیش نہ آیا۔

مشرکین نے مدینہ میں موجود یہودیوں سے خفیہ گفتگو شروع کی، یہ گفتگو ایک یہودی سردار نے کی جو مشرکین کے ساتھ آیا تھا، ابتداء میں تو یہودیوں نے انکار کیا لیکن اس یہودی سردار نے مدینے کے یہودی سردار کو قائل کر ہی لیا، آخر کار بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسید نے وہ معاہدہ چاک کر دیا جو اس نے رسولؐ سے کیا تھا اور اپنے تمام قبیلے کو اس کی خبر دی۔

کچھ لوگ جو کرتے کراتے کچھ نہیں لیکن دہشت ناک خبریں پھیلانے میں وہ خود کو ہیرو تصور کرتے ہیں، اسی خصلت کے عمر ابن خطاب بھی تھے وہ فوراً دوڑے ہوئے رسولؐ کے خیمے میں آئے اور اطلاع دی کہ بنو قریظہ نے وہ معاہدہ چاک کر دیا ہے جو آپ سے ہوا تھا رسول کو یہ خبر شاق گذری یہ موقعہ ایسی خبر چھپانے کا تھا تا کہ عام مسلمانوں کی ہمت نہ ٹوٹے لیکن اتنا سلیقہ ان صاحب کو نہ تھا۔

رسول اکرمؐ نے سعد بن معاذ کو بلایا اور صورت حال دریافت کرنے کے لئے

بھیجا کیونکہ اسلام سے قبل سعد بن معاذ کے بنو قریظہ سے قریبی تعلقات تھے، آپ نے یہ ہدایت بھی کی کہ اگر خبر غلط نکلے تو اس کا اعلان کر دینا اور اگر خبر صحیح ہو تو مجھے اشاروں میں بتا دینا، سعد بن معاذ بنو قریضہ میں گئے تو انھیں گالیاں سننے کو ملیں، واپس آ کر انھوں نے اشارے میں صورتِ حال بتائی لیکن اس وقت اشاروں کی خبر کا کوئی فائدہ نہ ہوا، کیونکہ عمر ابن خطاب صاحب کے ذریعہ تمام مسلمانوں میں یہ خبر پھیل چکی تھی، اور مسلمانوں کی حالت کا نقشہ قرآن نے سورہ احزاب میں یوں کھینچا ہے۔

وہ وقت یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے کی جانب سے آ گئے اور تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور تمہارے دل مونہہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے بدگمانیاں کر رہے تھے، یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے بڑا آزمائشی اور سخت زلزلہ تھا۔

ابوبکر کو اپنے گھر والوں کی فکر کچھ زیادہ ہی ہوئی، واقدی نے ان کا خود کا بیان نقل کیا ہے کہ میں سلع پہاڑی پر چڑھ چڑھ کر مدینے کے مکانوں پر نظر ڈالتا تھا اور جب وہاں سکون پاتا تو میں شکرِ خدا کرتا۔

قرآن کریم گواہ ہے کہ عمر ابن خطاب صاحب کی پھیلائی ہوئی خبر سے صحابہ کا ایمان ڈگمگا گیا تھا، اور وہ اللہ کے متعلق بدگمانیاں کرنے لگے تھے، یہ قرآن کی گواہی ہے اور جو اہل سنت کہتے ہیں کہ صحابہ دودھ کے دھلے پکے ایمان والے تھے بتائیے کہ قرآن کی مانیں یا اہلسنت کی خبر کو مانیں،

ایک جگہ سے خندق کی چوڑائی ذرا کم تھی جو ثبوت ہے کہ کسی صحابی نے کام چوری کے سبب اتنی خندق نہیں کھودی جتنا حکم دیا گیا تھا، اسی جگہ سے عمر و ابن عبدود نے اپنے گھوڑے کو جو ایڑ لگائی تو وہ کود کر اس پار آ گیا، اس کے ساتھ پانچ افراد بھی ادھر آ گئے، یہ عمر و ابن عبدود اتنا طاقتور تھا کہ رات کو خندق کے اُس پار بھی آ جاتا تو مسلمان رسول کو سوتے ہوئے جگا دیتے تھے کہ عمر و ابن عبدود خندق کے اس پار قریب خندق آ گیا ہے، اور جب یہ

ادھر آیا تو مسلمانوں کا دہشت کے مارے یہ حال ہوا کہ تاریخ کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام صحابہ بے حس وحرکت تھے جیسے کہ پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں کہ ذرا بھی ہلے تو یہ پرندے اڑ جائیں گے (تاریخ خمیس)

غور تو کیجئے کہ اس طرف عمرو ابن عبدود کیساتھ صرف پانچ مشرک اور اس طرف پورا لشکر صحابہ اور ان میں عمر ابن خطاب بھی موجود جن کی بہادری کے قصے اہل سنت نے خوب تیار کیے ہیں اگر لشکر صحابہ ان مشرکین کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیتا تو یہ ختم ہو جاتے لیکن ان کی حالت جو تھی وہ ابھی اوپر آپ نے پڑھ ہی لی۔ عمرو ابن عبدود نے مسلمانوں کو للکارا، رسولؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ اس سے کون مقابلہ کرے گا۔ ایسا تین مرتبہ ہوا، ہر مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں اس کے مقابلے پر جاتا ہوں، جب کوئی نہ نکلا تب رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔

حضرت علیؑ اور عمر ابن عبدود میں سخت جنگ ہوئی اور اتنی ردو بدل ہوئی کہ غبار بلند ہو گیا، مسلمان نتیجہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے، خندق کے اس پار مشرکین مقابلے دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گئے۔

ردّوبدل کے نتیجے میں اتنی غبار بلند ہوئی کہ دکھائی کچھ نہ دیتا تھا اسی ردّوبدل میں عمرو ابن عبدود نے تلوار لگائی جس کو حضرت علیؑ نے ڈھال سے روکا اور تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی حضرت علیؑ کے سر تک پہونچی اور آپ کی پیشانی پر زخم آ گیا، تبھی حضرت علیؑ نے وار کیا تو تلوار اس کے کندھے پر پڑی جس سے وہ گر گیا، پھر لوگوں نے حضرت علیؑ کے ذریعہ بلند کیا ہوا تکبیر کا نعرہ سنا تو مسلمان سمجھ گئے کہ فتح ہو گئی ہے غبار چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اس کے سینے پر سوار سر کاٹنے کی تیاری کر رہے ہیں، لیکن پھر اُتر آئے۔

جس وقت حضرت علی علیہ السلام عمرو ابن عبدود کے مقابلے کے لئے چلے تھے تو اس وقت رسول اکرمؐ نے وہ تاریخی سند حضرت علیؑ کے لئے بیان کی جس کے مقابلے میں معاویہ کے حدیث ساز کارخانے کی تیار کی گئی احادیث بھی نہ آسکیں اور صحابہ زدہ افراد مجبور

ہو گئے کہ رسولؐ کی اس حدیث کو فراموش کریں آپؐ نے فرمایا کہ

آج کلِّ ایمان کلِّ کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے (حیوۃ الحیوان)

رسول اکرمؐ کی اس حدیث کا تذکرہ نہ کرنے سے صحابہ کے ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ رسول اکرمؐ جو سند دے چکے ہیں وہ قیامت تک کے لئے مل گئی اب وہ واپس نہ ہو گی، ہاں یہ ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ اس سند کو فراموش کرنا چاہتے ہیں وہ کُلِّ ایمان سے دور ہو رہے ہیں اور جب کُلِّ ایمان سے دور ہوئے تو رہ ہی کیا گیا ان کے پاس؟

عمرو ابن عبدود کے سینے سے اترنے کے بعد حضرت علیؑ نے کچھ دیر ٹھہر کر پھر اس کا سر قلم کیا، بعد میں صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ اس کے سینے سے کیوں اُتر آئے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اس کا سر قلم کرنا چاہتا تھا کہ اس نے میرے مونہہ پر اپنا لعابِ دہن اچھال دیا، مجھے غصہ آ گیا، میں اس کو خدا کے لئے قتل کر رہا تھا، اب جو مجھے غصہ آیا تو اس قتل میں میرا نفس بھی شامل ہو جاتا اس لئے میں اس کے سینے پر سے اتر آیا اور جب میرا غصہ ختم ہوا تو میں نے اس کو قتل کیا۔

جب حضرت علی علیہ السلام کی فتح کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپؐ نے دوسری عظیم سند حضرت علی علیہ السلام کو عطا کی۔

''خندق کے دن علی کی ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔''

صحابہ کو ماننے والے افراد اس حدیث کو بھی چھپاتے ہیں لیکن چھپانے سے ان کو فائدہ نہ ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ سورج نکلنے کے بعد کھڑکیاں بند کرنے سے رات نہیں ہوتی ہے۔

عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی مشرکین نے مسلمانوں پر تیر بارانی شروع کر دی یہ تیر بارانی ممکن ہے خفت مٹانے کے لئے کی گئی ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے عظیم شہسوار کے قتل کئے جانے پر غصے کے عالم میں کی گئی ہو یا یہ خطرہ ہو کہ جس راستے سے عمرو بن عبدود گیا تھا اسی راستے سے مسلمان آ کر حملہ آور نہ ہو جائیں غرضیکہ وجہ کچھ بھی ہو سعد بن معاذ

جو عظیم صحابی تھے اور ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے تھے ان کی کہنی پر ایک تیر لگا جس نے اکحل رگ کو کاٹ دیا، یہ رگ ایسی ہے کہ اگر اس سے خون نکلنا شروع ہو جائے تو بند نہیں ہوتا ہے اور انسان مر جاتا ہے، یہ دیکھ کر سعد بن معاذ نے خدا سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں بنی قریظہ کا انجام اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں، آپ کی دعا فوراً قبول ہوئی اور خون رُک گیا لیکن جسم سے اتنا خون بہہ گیا تھا کہ آپ نہایت کمزور ہو گئے اور چلنے پھرنے کے لائق بھی نہ رہے۔

عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھ آنے والے بقیہ افراد میں سے ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن وہب نے مل کر حضرت علیؑ پر حملہ کر دیا، حضرت علیؑ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ضرار بن خطاب کی نظر حضرت علیؑ کے چہرے پر پڑی تو اس کو احساس ہوا کہ موت آ گئی وہ خوفزدہ ہو کر بھاگا، لیکن ہبیرہ بن وہب مقابلے کو آیا اور مولا کے پہلے وار میں ہی واصلِ جہنم ہوا، بعد میں مشرکین نے ضرار بن خطاب سے بھاگنے کا سبب پوچھا تو اس بتایا کہ میں نے علیؑ کے چہرے پر اپنی موت دیکھی اس لئے بھاگ آیا۔

ضرار جو بھاگا تو حضرت علیؑ نے اس کو نظر انداز کر دیا کیونکہ حضرت علی علیہ السلام بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا کرتے تھے، ضرار بن خطاب کو بھاگتا ہوا دیکھ کر دوسرے سقیفائی حاکم عمر ابن خطاب صاحب نے اس کا پیچھا کیا اچانک ضرار کو احساس ہوا کہ حضرت علیؑ بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کرتے ہیں یہ کون ہے؟ اس نے مڑ کر نیزے سے حملہ کر دیا، اب جو دیکھا کہ عمر ابن خطاب ہے تو ضرار نے ہاتھ روک لیا اور کہا اے عمر! یہ احسان تمہارے ساتھ کر رہا ہوں (کہ تمہیں مار نہیں رہا ہوں) شکر گذار رہنا اور یہ احسان ایسا ہے جس کا معاوضہ کچھ نہیں ہو سکتا، بس یاد رکھنا۔

(تاریخ اسلام حصہ سوم تحریر مولانا سید علی نقی صاحب صفحہ ۲۰۸ بحوالہ تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۴۸۷)

عمرو ابن عبدود کو قتل کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے اس کی نہ زرہ اتاری

نہ کپڑے اتارے جبکہ اس زمانے میں یہ دستور تھا اور اسلام نے اس دستور سے منع نہیں کیا تھا لیکن خاندانِ رسالت ان چیزوں سے بلند ہے اس لئے آپ نے اس طرف توجہ نہ کی، جب عمر ابن عبدود کی بہن روتی ہوئی بھائی کی لاش پر آئی اور اس نے اپنے بھائی کی لاش کو برہنہ نہ پایا تو اسکے مونہہ سے نکلا کہ اس کا قاتل کوئی شریف اور ہم رتبہ ہے، اس کے بعد اس نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اگر عمرو کا قاتل اس کے سوا کوئی اور قاتل ہوتا تو میں اس پر ہمیشہ روتی رہتی، مگر اس کا قاتل وہ ہے جس کے ہاتھ سے قتل ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے، وہ تو وہ ہے جس کا باپ اس شہر کا ممتاز ترین شخص کہا جاتا تھا۔

کہنے کو تو یہ جنگ خندق ہے لیکن یہاں پر میں یہ کہوں گا کہ یہ جنگ خندق نہیں مولا علی علیہ السلام کے فضائل کی برسات ہے، صحابہ کے ماننے والے حضرت علیؑ کے فضائل لاکھ چھپائیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم الشان احادیث اور عمر ابن عبدود کی بہن کا قول اور اس کے اشعار مولا علی علیہ السلام کے فضائل تو بیان کر ہی رہے ہیں لیکن اس کے آخری شعر میں حضرت ابو طالب علیہ السلام کا بھی قصیدہ پڑھ دیا ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد

۵ھ میں اہل سنت نے واقعہ افک کا افسانہ بھی تراشا ہے جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا آپ اس کی تلاش میں قافلے سے پیچھے رہ گئیں اور بعد میں ایک صحابی آپ کو اونٹ پر بٹھا کر اس حالت میں لائے کہ خود پیدل چل رہے تھے لیکن منافقین نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے متعلق قرآن میں آیات نازل ہوئیں، تب منافقین کی زبانین بند ہوئیں۔

میں نے اپنی کتاب ''ام المومنین عائشہ'' میں اس واقعے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے صرف اہل سنت کا تراشا ہوا افسانہ ہے تاکہ اس تذکرے سے حضرت عائشہ کے متعلق قرآن میں بھی کچھ دکھا سکیں۔

کتاب ''چودہ ستارے''میں تحریر ہے کہ ۵ھ میں تیمّم کا حکم بھی نازل ہوااور جنگ خندق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اذان میں حی علی خیر العمل کہا جانے لگا، جس کو بعد میں دوسرے سقیفائی حاکم نے اپنے دورِ حکومت میں اذان سے خارج کردیا، ملاحظہ ہو نیل الاوطار امام شوکانی جلد ۱، صفحہ ۳۳۹ صحیح مسلم مترجم جلد ۲ صفحہ ۱۰ (چودہ ستارے صفحہ ۷۱ تحریر علامہ نجم الحسن کراروی صاحب)

عمرو بن عبدود کے مارے جانے سے مشرکین مکہ کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ یہاں سے فرار ہونے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ہوا سخت سردی نے ان کے اوسان خطا کردئے اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے، ہوا اتنی تیز تھی کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں اڑکر مشرکین کے چہروں پر لگ رہی تھیں ان کے خیمے اکھڑ گئے اور انھوں نے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی، اس طرح اللہ نے مسلمانوں کو ان مشرکین سے بچایا پھر اس کے بعد مشرکین مدینے کا رُخ نہ کرسکے۔

مشرکین کے جانے کے بعد حکم خدا پہونچا کہ بنی قریظہ کی سرکوبی کی جائے چنانچہ مسلمانوں نے وہاں جاکر ان کا محاصرہ کرلیا، اس مہم میں بھی حسبِ سابق علمدارِ لشکر حضرت علی علیہ السلام ہی رہے، سقیفائی حکمرانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی فوج اسلام کا علمدار نہیں بنایا، یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ جو وقتی طور سے رسول اکرمؐ کی سرپرستی ہوتے ہوئے بھی سرداری کے لائق نہ سمجھے گئے ہوں وہ بعدِ رسولؐ مسلمانوں کے حکمراں ہونے کے لائق کیونکر ہو سکتے ہیں؟

بنی قریظہ کے محاصرے کو ۲۵ ردن گذرے آخر کار انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کی ہیبت کی وجہ سے ہتھیار ڈال دئے ان کو احساس ہوگیا کہ سردارِ لشکر نے عمرو بن عبدود کو ختم کردیا ہے یہ ہم کو بھی جھکا دے گا، اور اگر ہتھیار نہ ڈالے تو آئندہ ایام میں قلعے میں غذا کی تنگی جھکا دے گی، اس لئے ہتھیار ڈال دینا بہتر ہوگا۔

اس کے بعد بنی قریظہ نے ایک آدمی جس کا نام نباش ابن قیس تھا، رسولؐ کے

پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہمیں بنی نظیر کی طرح یہاں سے جانے دیں اور ہماری املاک اور جنگ کے سامان کے مالک آپ ہو جائیں اور ہم اپنی عورتوں اور بچوں کے لیکر یہاں سے نکل جائیں اور صرف وہ مال لے جائیں جو اونٹوں پر جا سکتا ہو، اس پر رسولؐ نے انکار کیا تو پھر اس نے کہا اچھا بس ہم عورتوں اور بچوں کو لے کر نکل جائیں اور سامان کچھ بھی ساتھ نہ لے جائیں آپؐ نے فرمایا غیر مشروط ہتھیار ڈالو کہ میں جو چاہوں فیصلہ کروں، اس پر نباش ناامید ہو کر چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد بنی قریظہ کو احساس ہو گیا کہ رسولؐ کے تیور سخت ہیں اس لئے انھوں نے رسولؐ سے فرمائش کی کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے ہمیں ان سے مشورہ کرنا ہے، رسولؐ نے ابولبابہ کو بھیج دیا، انھوں نے ہتھیار ڈالنے کے انجام کے متعلق جب معلوم کیا تو ابولبابہ نے زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کر دیا کہ انجام تمہارا قتل ہے، اتنا کرنے کے بعد ابولبابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے ایک طرح کی خیانت کی ہے، شرم کے مارے آپ رسولؐ کے پاس نہ آئے اور خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے لگے، رسول کو جب معلوم ہوا تو کہا کہ اگر وہ سیدھے میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے خدا سے استغفار کرتا، جب وہ میرے پاس نہیں آئے تو اب اللہ ہی ان کے متعلق جو چاہے فیصلہ کرے۔

یہیں پر وسیلے کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے، وہابی جس وسیلے کے منکر ہیں رسولؐ خود کہہ رہے ہیں کہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا لیکن انھوں نے رسولؐ کے پاس آنے کے بجائے براہِ راست خدا سے استغفار کیا تو ان کو سزا طویل بھگتنی پڑی اور پندرہ دن تک آپ ستون سے بندھے رہے، صرف حوائج ضروریہ کے لئے خود کو کھولتے تھے، اس درمیان اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ آواز نہ نکلتی تھی اور ان کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی، آخر کار وحی الٰہی نے ان کی توبہ قبول ہونے کی اطلاع رسولؐ کو دی، لوگ ان کو کھولنے کے لئے دوڑے لیکن انھوں نے کہا جب تک رسولؐ خود آ کر نہ کھولیں میں اسی طرح بندھا رہوں گا،

تب رسولؐ نے آ کر ان کو آزاد کیا۔

بنو قریظہ کو رسولؐ کے سخت فیصلے کا احساس ہو گیا انھوں نے چاہا کہ ان کا فیصلہ سعد بن معاذ کریں، سعد بن معاذ چونکہ اسلام سے قبل بنو قریضہ سے اچھے تعلقات رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے ثالثی کے لئے ان کا نام لیا، رسولؐ نے بھی سعد بن معاذ کو بطور ثالث قبول کیا، سعد بن معاذ مسجد نبوی کے احاطے میں قیام پذیر تھے، کمزوری کے باعث چل نہیں سکتے تھے، ان کو سوار کر کے لایا گیا، انھوں نے آ کر طرفین سے دریافت کیا کہ میرا فیصلہ جو ہو گا وہ منظور کرنا ہو گا، جب سب نے اقرار کیا تو سعد بن معاذ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنایا وہ یہ کہ

"ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور جتنے اموال ان کے ہیں وہ سب بطورِ مالِ غنیمت تقسیم کئے جائیں اور ان کی غیر منقولہ جائیداد صرف مہاجرین میں تقسیم کی جائے کیونکہ یہ پردیسی ہیں ان کے پاس یہاں املاک نہیں ہیں، اس جائیداد میں انصار کو حصہ نہ دیا جائے۔"

اس فیصلے سے بنی قریظہ اور قبل اسلام کے ان کے حلیف قبلیہٗ اوس (جس کے سردار سعد بن معاذ تھے) کی زبان بند ہو گئی، فیصلہ بظاہر سخت تھا، لیکن توریت کے عین مطابق تھا توریت میں ہے کہ

جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہیں سب تیرے غلام ہو جائیں گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کرو اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔

توریت یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے اس کے مطابق ہی فیصلہ کیا گیا اور ہر طرح درست تھا، یہاں بھی وسیلے کے سلسلے میں بنی قریظہ سے چوک ہو گئی، یہودی اچھی طرح

جانتے تھے کہ آپ آخری رسولؐ ہیں لیکن ہٹ دھرمی کے سبب مانتے نہ تھے، اس لئے انھوں نے وسیلہ غیر معصوم سعد بن معاذ کو بنایا، اور رحمت للعالمین کو وسیلہ نہ بنایا نتیجے میں سب قتل ہوئے، گو کہ سعد بن معاذ کا فیصلہ انصاف پر مبنی تھا اور یہودیوں کی مذہبی کتاب توریت کے مطابق تھا لیکن اگر یہ لوگ رسولؐ سے فیصلہ کراتے تو اتنا سخت فیصلہ نہ ہوتا چونکہ آپؐ عالمین کے لئے رحمت تھے اس لئے آپ انصاف کے بجائے رحم کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرماتے، فیصلے پر عمل درآمد کے وقت رسولؐ کا طرزِ عمل گواہ ہے کہ آپ ایک ناخوشگوار فریضے کو مجبوراً ادا کر رہے ہیں، اس کا تذکرہ ابھی آگے آتا ہے۔

چنانچہ قلعے کے دروازے کھول دئے گئے اور مردوں کو باندھ دیا گیا اور ان کو اسامہ بن زید کے گھر میں قید کر دیا گیا، دوسری طرف، عورتوں اور بچوں کو بنت حارث کے گھر میں اکٹھا کر دیا گیا، اونٹ مویشی سب کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا، وہاں سے جو اسلحہ ہاتھ آیا وہ بھی بنت حارث کے مکان میں جمع کر دیا گیا، اس کے بعد رسولؐ نے ان کے کھانے کے لئے کھجور کے ٹوکرے مردوں اور عورتوں میں بھجوائے، سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔

اب فیصلے پر عملدرآمد کا وقت تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگہ جگہ گڑھے کھودنے کا حکم دیا، مسلمانوں نے گڑھے کھودے، پھر رسول اکرمؐ کچھ مخصوص افراد کو لے کر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے، پھر بنو قریظہ کے لوگوں کا ایک ایک دستہ لایا جاتا اور ان کی گردنیں کاٹی جاتیں، گردن قلم کرنے کی ذمہ داری حضرت علی علیہ السلام نبھا رہے تھے اور آپ کا ساتھ زبیر دے رہے تھے۔

یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا، دھوپ کی شدت کی وجہ سے گرمی شدید تھی اس لئے رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ

ان پر سورج کی گرمی اور ہتھیار کی گرمی دونوں کو اکٹھا نہ کرو۔

حکمِ رسولؐ پاتے ہی مسلمان ان قیدیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے کھانا کھلایا پانی پلایا اور ان کو نہایت آرام سے رکھا، جب گرمی کم ہوئی تو رسول پھر برآمد ہوئے اور باقی

☆ حضرت لوط علیہ السلام ☆ حضرت ہارون علیہ السلام ☆ حضرت ایوب علیہ السلام ☆ حضرت صالح علیہ السلام ☆ حضرت شعیب علیہ السلام ☆ حضرت خضر علیہ السلام وغیرہ ہیں۔

ہر مومن کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے ،ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ یقین رکھے کہ انبیاء خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور انھوں نے انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا ہے ،تمام انبیاء معصوم تھے ،خطاونسیان (بھول چوک) اور گناہوں سے دور تھے پاک وپاکیزہ خدا کے برگزیدہ بندے تھے ،لوگوں کو خدا کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے ،اور احکامِ خدا پر اپنی امّت سے زیادہ بہتر طریقے سے خود عمل کرتے تھے ،عبادت گذار تھے۔ بعض انبیاء پر بڑی کتابیں نازل ہوئیں ،اور بعض انبیاء علیہم السلام پر صحیفے (چھوٹی کتابیں) نازل ہوئے ان کتابوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ سوائے قرآن مجید کے ہر کتاب اور ہر صحیفے میں ان امتوں نے جن کے درمیان وہ کتابیں تھیں تبدیلیاں کردیں ،اس لئے خداوندعالم نے ان کتابوں کو منسوخ کردیا ،اب دنیا میں خدا کی واحد کتاب قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں موجود ہے ،اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوئی ہے۔

اب ہم ان چھ عظیم اور جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے مختصر حالات تحریر کر رہے ہیں تاکہ کم علم مومنین بھی جان لیں کہ زیارت میں امام حسین علیہ السلام کو ان کا وارِث کیوں کہا گیا ہے؟ کتنی زحمتیں اٹھا کر انبیاء علیہم السلام نے احکامِ خدا کو رائج کرنے کی سعی کی ہے۔

افراد کو بلا کر قتل کیا گیا، اس طرح سات سو پچاس افراد قتل کیئے گئے، عورتوں اور بچوں کو کنیزوں وغلاموں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا، ان کی تعداد ایک ہزار تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کی کہ بچوں کو ماؤں سے الگ نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائیں۔

بنی قریظہ نے مسلمانوں سے لڑائی کے لئے کتنی تیاری کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے اور پانچ سو مختلف قسم کی سپریں قلعے میں سے برآمد ہوئیں، اس کے علاوہ شراب کا بڑا ذخیرہ ہاتھ لگا جس کو حکمِ رسولؐ سے بہا دیا گیا۔

اِدھر بنی قریظہ کی مہم ختم ہوئی ادھر سعد بن معاذ کی کہنی کا وہ زخم پھر کھل گیا اور اس سے خون جاری ہو گیا، اس کے صدمے سے آپ کی موت واقع ہوئی،

سعد بن معاذ نے دعا مانگی تھی کہ خدا مجھے بنی قریظہ کا انجام دیکھنے تک زندہ رکھنا، وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی بلکہ بنی قریظہ کے انجام کے لئے حالات نے ثالث بھی سعد بن معاذ کو ہی بنا دیا، آپ کے انتقال پر رسولؐ اکرم نے فرمایا کہ ان کی موت سے عرشِ الٰہی ہلنے لگا،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے غم میں ردا دوش مبارک سے اُتار دی اور ان کی میت کے ساتھ پیادہ چلتے رہے حتی کہ آپ کو دفن کر دیا گیا۔

سنہ ۶ ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں اور تمام مسلمان کعبے کا طواف کر رہے ہیں، رسولِ اکرمؐ نے یہ خواب مسلمانوں کو سنایا، یہ سن کر مسلمان بے چین ہو گئے کیونکہ مشرکین مکہ کی وجہ سے وہ لوگ کعبہ سے محروم ہو گئے تھے، اب جو رسولؐ نے خواب دیکھا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، تو انھیں یقین ہو گیا کہ اب ہم کعبے کا طواف کریں گے، کیونکہ رسولؐ کا خواب سچا ہوتا ہے لیکن مسلمان یہ فراموش کر گئے کہ کیا ضروری ہے کہ وہ خواب اسی سال پورا ہو؟

تمام مسلمانوں نے اصرار کیا کہ بطور عمرہ مکہ تشریف لے چلئے! بالآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار چار سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے نکلے کسی مسلمان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا، سوائے تلوار کے اور تلوار عربوں کی زندگی میں اس طرح داخل تھی کہ وہ الگ نہیں کی جا سکتی تھی، رسولِ اکرمؐ نے ستر اونٹ قربانی کے لئے بھی ساتھ لئے تھے یہ تمام باتیں ثبوت تھیں کہ آپ کا ارادہ جنگ کا نہیں بلکہ عمرہ کا ہے۔

اثناء راہ میں مکے والوں کو خبر پہونچی کہ مسلمان آرہے ہیں انھوں نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے خالد بن ولید کی قیادت میں لشکر بھیجا، رسول اکرم کو جب محسوس ہوا کہ خالد بن ولید راہ روکنے کے لئے آرہا ہے تو آپؐ نے کہا اس راستہ کو چھوڑ دو اور دوسرے راستے سے چلو اس طرح آپ مکّے سے نو میل دور مقامِ حدیبیہ میں پہونچ گئے اور وہاں پہونچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

اب رسول کو فکر ہوئی کہ مکّے والوں کو اطلاع دیں کہ ہم عمرے کے لئے آئے ہیں لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے عمر ابن خطاب سے کہا کہ تم جاؤ اور مکّے والوں کو بتاؤ کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں جنگ ہمارا مقصد نہیں ہے لیکن انھوں نے جانے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں قریش کے ہاتھ لگ گیا تو وہ مجھے ماریں گے اور قتل کئے بنا نہ چھوڑیں گے، میرے قبیلے کا کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھے قریش سے بچائے، آپ عثمان بن عفان کو بھیجئے کہ وہ قریش کو زیادہ عزیز ہیں اور ان کے قوم و قبیلے والے مکّے میں بہت ہیں، تب عثمان ابن عفان اپنے عزیز ابان بن سعد کی پناہ میں مکّے میں داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سنایا، اس کے بعد یہ اپنے عزیزوں سے ملنے جلنے میں مصروف ہو گئے جس کی وجہ سے ان کو واپس ہونے میں دیر ہو گئی۔

دیکھا آپ نے یہ وہی عمر ابن خطاب ہیں جو بعد میں دوسرے سقیفائی حاکم ہوئے مشرکین مکہ سے خوف کا یہ عالم ہے کہ رسولؐ کے حکم پر عمل سے انکار ہے، اور آج اہل

سنت نے ان کو عظیم پہلوان بنا دیا ہے اور کہتے ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے کعبہ میں علی الاعلان اسلام کی آواز بلند کی، جب مسلمان کمزور تھے جب تو یہ آواز بلند کر رہے تھے اور اب جبکہ پورا لشکر مکے سے باہر حمایت کے لئے موجود ہے اور وہ لشکر ہے جو مکے والوں کو بدر وغیرہ میں شکست دے چکا ہے اور ان کی حیثیت ایک سفیر کی ہے اور سفیر کو دنیا میں کہیں قتل نہیں کیا جاتا ہے، تب ان بہادر صاحب کی یہ حالت ہے کہ مارے خوف کے مکے میں جانے کو تیار نہیں ہیں۔

جب عثمان بن عفان کے آنے میں دیر ہوئی تو صحابہ نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ان کو مشرکین مکہ نے قتل کر دیا ہو، یہ خیال بعد میں افواہ بن گیا اور سارے مسلمانوں میں اس کا چرچا ہو گیا، جس کی وجہ سے صحابہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے اس حالت میں کہ ان کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے۔

رسولِ اکرمؐ ان صحابہ کو گذشتہ جنگوں میں آزما چکے تھے اور جانتے تھے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو وقت پڑنے پر فرار اختیار کرتی ہے اور ایسی حالت میں کہ جب ان کے پاس ہتھیار بھی نہیں یہ فرار ہی اختیار کریں گے۔

آپؐ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر بیٹھ گئے اور صحابہ کو بیعت کا حکم دیا گذشتہ حالات کو دیکھتے ہوئے آپؐ نے صحابہ کو کس چیز پر بیعت کا حکم دیا؟ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت سے ظاہر ہے کہ رسولؐ نے صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ جنگ سے کبھی بھاگیں گے نہیں، جب بیعت ہو گئی تو قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا جنھوں نے سچے دل سے درخت کے نیچے بیعت کی۔

یہاں پر لفظ ''کبھی'' بہت اہمیت کا حامل ہے، رسول کو خدا نے قیامت تک کے واقعات علم دیا تھا، وہ جانتے تھے کہ کل کیا ہونے والا ہے مقامِ حدیبیہ میں تو جنگ ہوئی نہیں اس کے بعد جنگ خیبر، جنگ حنین اور جنگ موتہ بڑی جنگیں ہیں، ان جنگوں میں ثابت قدم رہنا ان مسلمانوں کی ذمہ داری تھی جو مقامِ حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کر چکے

تھے لیکن ایسا ہوا نہیں۔

عثمان بن عفان دیر سے ہی سہی واپس آئے تو ان کے ساتھ مشرکین کا نمائندہ سہیل بن عمرو بھی تھا، اس نے آکر پیغام دیا کہ اگر آپ لڑنا نہیں چاہتے تو ہم بھی لڑنا نہیں چاہتے ہیں، ہم آپس میں ایک معاہدہ تحریر کرلیں مکّہ والوں میں اور مسلمانوں میں معاہدہ ہوگیا ہے کہ اب جنگ نہ ہوگی، رسولؐ نے اس کو منظور فرمالیا۔

اب معاہدہ لکھنے کی نوبت آئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس پر مشرکین کے نمائندہ نے کہا کہ رحمٰن کو ہم نہیں جانتے لکھو اللہ کے نام سے، رسول اکرمؐ نے کہا اسی طرح لکھو۔ مشرکین کا نمائندہ جہاں دیدہ تھا اس نے محسوس کرلیا تھا کہ آج یہ جنگ سے بچنا چاہتے ہیں اس لئے ان کو جتنا دبا سکتے ہو دبالو، اس لئے اس نے ہر ہر لفظ پر اعتراض کیا اور اپنی مرضی سے صلح نامہ تحریر کرالیا، سہیل بن عمرو کی ہر شرط کو رسولؐ اور حضرت علیؑ ہی منظور کر رہے تھے، دیگر مسلمان سخت ناراض تھے، ممکن ہے کہ اس کا شرائط میں سختی رکھنا اس لئے بھی ہو کہ مسلمانوں میں آپس میں پھوٹ پڑ جائے تو یہ بھی مشرکین کے لئے فائدہ مند ہوگا اور اگر پھوٹ نہ بھی پڑے تو مسلمان معاہدہ سے کچھ حاصل نہ کرسکیں صرف ہم کو ہی سب کچھ ملے، یہ ظاہری اسباب تھے کہ مشرکین کا نمائندہ معاہدے کی شرائط سخت کرتا چلا گیا۔

جس وقت معاہدہ لکھا جارہا تھا اس وقت ابوبکر ابن ابی قحافہ بھی قریب میں موجود تھے مسلمانون نے معاہدہ کی شرائط پر جو تیور بدلے تو مشرکین کے نمائندہ نے ان کو دیکھ اپنی فراست کفریہ کے تحت کہا کے اے محمدؐ میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو وقت پڑنے پر بھاگ جائیں گے۔

تاریخ میں یہ تو موجود نہیں ہے کہ رسولؐ نے سہیل بن عمرو کے جواب میں کیا کہا لیکن قرائن یہ کہہ رہے ہیں کہ رسولؐ نے دل میں یہ کہا ہوگا کہ اسی لئے تو میں نے ان سے نہ بھاگنے پر بیعت لی ہے۔ المختصر یہ کہ مشرکین کے نمائندے کا جملہ سن کر ابوبکر بن ابی قحافہ نے

گالی دیکر کہا کہ کیا ہم رسول گو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

اسی کو کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا، دوسرے یہ کہ رسولؐ کے سامنے گالی دینا کیا کوئی مسلمان اس کو پسند کرے گا؟ یا ایسی ہمت کرے گا؟

غرضیکہ رسولؐ اپنی مرضی سے سب کچھ لکھوا رہے تھے اور حضرت علیؑ لکھتے رہے ،اور تمام صحابہ اجماع کر کے معاہدے کی شرائط پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے رہے لیکن صحابہ کا اجماع بھی رسول گو مجبور نہ کر سکا،اس معاہدے کی صحابہ اجماعی طور سے مخالفت کر رہے تھے وہی بعد میں سقیفہ میں چمکے اور آج سقیفائی حضرات اپنے حکمرانوں کی حکمرانی کو اجماع کی دلیل کے ذریعہ برحق ثابت کرتے ہیں اور یہ جان بوجھ کر فراموش کرتے ہیں کہ کل رسولؐ نے انھیں صحابہ کے اجماع کی مخالفت کی تھی۔

موجودہ دور میں تصور اجماع تو کافور ہوا لیکن جمہوریت نے سر نکالا ہے اب اہل سنت یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور بعد رسول جمہوری حکومت قائم ہوئی تھی ، یہ لوگ اپنے عوام کو یہ نہیں بتاتے کل حدیبیہ میں اکثریت کا فیصلہ تھا کہ دب کر صلح نہ کی جائے لیکن اقلیت یعنی صرف دو افراد رسولؐ اور حضرت علیؑ دب کر صلح کر رہے تھے اور جمہور کی رائے کو ٹھکرا رہے تھے۔

المختصر یہ کہ ابتداء میں رحمٰن لفظ کو کٹوا کر مشرکین کے نمائندے نے پھر اعتراض کیا کیونکہ رسولؐ نے تحریر کرایا تھا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور مشرکین مکہ کے نمائندے سہیل بن عمرو کے ساتھ ہوا۔اس نے پھر ٹوکا کہ ہم ان کو رسولؐ مانتے ہی نہیں اس لئے اسے بھی کاٹو،صحابہ پھر ناراض ہوئے لیکن رسولؐ نے کہا کاٹ دو پھر لکھا گیا کہ محمد بن عبداللہ ،مشرکین کے نمائندے نے شرط لکھوائی کہ لکھو کہ مسلمان اس مرتبہ زیارت کعبہ کئے بغیر واپس جائیں گے۔آئندہ سال آئیں گے اور وہ بھی صرف تین دن کے لئے ،اس شرط پر صحابہ پھر بھڑکے لیکن رسولؐ نے حضرت علیؑ سے کہا یوں ہی لکھو حضرت علیؑ نے بغیر کسی پریشانی کے تحریر کر دیا ،مشرکین کے نمائندے نے کہا اگلی شرط یہ لکھو کہ اس دوران

جو یہاں سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، مسلمان اس کو واپس کریں گے اور جو مسلمان مرتد ہو کر مشرکین کے پاس آجائے تو اہل مکہ اس کو واپس نہ کریں گے، اس شرط پر صحابہ پھر بھڑ کے لیکن رسولؐ نے اس شرط کو بھی منظور کر لیا۔

مشرکین کا نمائندہ اس چیز کو سمجھ گیا تھا کہ اس وقت پیغمبر کسی وجہ سے جنگ نہیں چاہ رہے ہیں اس لئے اس نے سخت شرائط منظور کرائیں اور صحابہ جن کی فراست کے چرچے اہل سنت کرتے ہیں وہ مرضیٔ رسول کو نہ سمجھ سکے اور مشرکین کا نمائندہ سمجھ گیا۔

چنانچہ بخاری میں بھی ہے کہ عمر ابن خطاب نے رسول اکرمؐ سے بحث کی کہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر ہم دب کر صلح کیوں کریں؟ کیوں ذلت برداشت کریں؟ رسولؐ نے کہا ابن خطاب میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اللہ مجھے کبھی نظر انداز نہ کرے گا۔ یہاں پر یہ غور طلب ہے کہ رسولؐ کی ذمہ داری تھی کہ ابن خطاب صاحب کو صلح کے راز سمجھاتے لیکن ایسا نہ کر کے آپ نے جواب میں کہا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، صاف ظاہر ہے کہ رسولؐ ان کے اندازِ تخاطب سے ہی سمجھ گئے تھے کہ ان کو میری پیغمبری میں شک ہو گیا ہے اس لئے جواب میں کہا کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔

پیغمبری میں شک ہونا ایمان کا نقص ہے اس نقص کا تذکرہ اور اپنے سقیفائی حاکم اور صحابہ کے متعلق اہل سنت اس طرح کرتے ہیں کہ

لوگوں کے دلوں میں اس سے امر عظیم گذرا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں (الکامل ابن اثیر)

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امر عظیم جو پیدا ہوا وہ کیا تھا؟ اس میں کون کون تھے تاریخ خمیس میں ہے کہ

عمر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک نہ ہوا سوائے اس دن کے

لیکن واقدی نے المغازی میں اس واقعہ کے ذیل میں لکھ دیا ہے کہ تمام لوگوں

کے دلوں میں شک وشبہ کی کیفیت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ سب ہلاکت میں پڑ جائیں۔

غور کیجئے کہ ۶ ھ ہے لیکن صحابہ کے ایمان کی یہ حالت ہے کہ ان کو رسالت میں شک ہو رہا ہے، دوسرے یہ کہ ۶ ھ کے صحابہ کے اجماع کو رسولؐ نظر انداز کر رہے ہیں تو پھر بعد رسولؐ صحابہ کے اجماع کی کیا حیثیت ہے کہ چند افراد کے سقیفہ میں اکٹھا ہونے کو حکمِ شریعت سمجھا جائے؟

صلح نامہ تمام ہونے پر رسولؐ نے کہا کہ اٹھو سر منڈاؤ اور قربانی کرو، لیکن صحابہ نے پھر بالا جماع حکمِ رسولؐ کی نافرمانی کی اور کوئی نہ اٹھا، یہ دیکھ کر رسولؐ کو سخت ایذا ہوئی، آپ اسی تکلیف کے عالم میں اپنے خیمے میں تشریف لائے، اُم المومنین ام سلمہ نے رسولؐ کی یہ کیفیت ملاحظہ کی تو فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی فکر نہ کریں، آپ اپنا سر منڈائیں اور قربانی کریں، رسولؐ نے آپ کے فیصلے کو پسند کیا اور آپ نے سر منڈایا، تب طوعاً و کرہاً تمام صحابہ نے بھی سر منڈایا اور قربانی کی۔

صلح نامہ ابھی مکمل ہی ہوا تھا کہ مشرکین کے نمائندے کا لڑکا ابو جندل جو اسلام قبول کر چکا تھا اور اسلام قبول کرنے پر اس کے والدین نے اس کو زنجیروں میں باندھ دیا تھا، وہ باپ کے گھر سے دور ہونے پر کوشش کر کے موقع پا کر مسلمانوں کے درمیان پہونچ گیا، مشرکین کے نمائندے نے کہا کہ صلح نامے کی رو سے آپ اس کو ہمیں واپس کریں، رسولؐ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس کو لے جاؤ، صحابہ پھر بھی منشائے رسولؐ نہ سمجھے اور طیش میں آگئے، اس موقع پر عمر ابن خطاب صاحب نے غنیمت سمجھا کہ یہ صلح نامہ درہم برہم ہو جائے چنانچہ انھوں نے چھلانگ لگائی اور ابو جندل کے قریب پہونچ گئے اور اپنی تلوار کے قبضہ کو ابو جندل کے قریب کیا اور کہا کہ مشرک کا خون تو کتے کے خون کے مثل ہے لیکن ابو جندل نے عمر ابن خطاب کی رائے کو پسند نہ کیا اور کہا کہ

"اے عمر! تم رسول اللہ کی فرمانبرداری کا حق مجھ سے زیادہ نہیں رکھتے" (تاریخ خمیس)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل کی کشائش کے لئے دعا کی اوران صحابہ سے جو تیوریاں چڑھائے ہوئے تھے کہا کہ اسے جانے دو یہ اپنے والدین ہی کے پاس تو جارہا ہے۔

''حدیبیہ سے واپس ہوئے تو سورہ فتح نازل ہوئی ،رسولؐ نے عمر ابن خطاب صاحب کو بلایا اور سورہ فتح سنائی تو آپ یوں گویا ہوئے کہ

اچھا تو یہ بھی کوئی فتح ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں!

(بخاری کتاب الجہاد)

یہ حدیبیہ کا صلح نامہ ہی تھا کہ حالات امن وامان پیدا ہوئے ،مسلمانوں کے کردار سے کفار متاثر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، کفار جو مسلمانوں کے درمیان آئے انھوں نے قریب سے مسلمانوں کو دیکھا تو لوگ مسلمان ہوئے ،اسلام لانے والوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ بقول امام جعفر صادق علیہ السلام یہ مدت گزرنے نہیں پائی تھی یہاں تک کہ قریب تھا کہ اسلام تمام اہل مکہ پر چھا جائے۔

**جنگِ خیبر** : اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ مدینے کے یہودی جو غداری کے سبب مدینے سے نکالے گئے تھے وہ خیبر میں آکر آباد ہوگئے تھے، اس کے علاوہ خیبر میں پہلے سے بھی یہودی آباد تھے ،ایک روایت کے مطابق ان یہودیوں کی تعداد چودہ ہزار تھی ،دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد دس ہزار تھی ،اتنی بڑی تعداد میں جنگجو افراد ایک جگہ اکٹھا ہوں تو ویسے بھی ان میں بڑھ کر حملہ کرنے کی جرأت ہو ہی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جنگ خندق میں حی بن اخطب نے ہی بنی قریظہ کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا، یہ حی بن اخطب یہودیوں کا سردار تھا، اوراس کو بھی بنی قریظہ کے قتل عام میں قتل کیا گیا تھا، یہ حی بن اخطب خیبر ہی کا رہنے والا تھا، اس کا قبیلہ اپنے سردار کے مارے جانے پر غم وغصہ میں تھا ،اس کے علاوہ یہودی اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس لئے یہ لوگ پہلے مشرکین مکہ کے پاس بھی گئے تھے اوران کو اکٹھا کر کے لائے تھے جس کے نتیجہ میں

جنگِ خندق واقع ہوئی، اس جنگ میں یہودیوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا بلکہ ان کا سردار حی بن اخطب اور بنی قریظہ کے افراد مارے گئے، ان خبروں نے بھی یہودیوں کو شرارت پر آمادہ کر دیا تھا۔

چنانچہ یہودیوں نے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان سے خفیہ معاہدہ کیا کہ اگر وہ مدینہ کو فتح کر لیں گے تو ان کو خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ اپنے حلیفوں کو دیا کریں گے، اس طرح کئی قبیلے تیار ہو گئے۔

مسلمانوں کو جب یہودیوں کے عزائم کا پتہ چلا تو آپس کے مشورے سے یہ طے پایا کہ مخالفین کا مقابلہ انھیں کی سرزمین پر جا کر کیا جائے مدینے میں رہ کر مقابلہ نہ کیا جائے۔ یہ تو تاریخ کے الفاظ ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے بعد ہجرت یہودیوں سے معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ کو توڑنے والے یہودی مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہوئے تھے، بالفاظِ دیگر حکومتِ اسلامی کے باغی خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور انھوں نے خیبر میں رہ کر حکومت اسلامی کی بیخ کنی کے لئے کارروائی شروع کر دی، اب حکومتِ اسلامی کی ذمہ داری تھی کہ مجرمین کو سزا دے کر امن وامان بحال کرے، اس سلسلے میں چودہ سو افراد خیبر پہونچ گئے اور جا کر خیمے نصب کر دئے۔

بنی غطفان جو یہودیوں کے حلیف کی حیثیت سے خیبر کے لئے نکلے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ مسلمان خیمہ زن ہیں تو ان کو خطرے کا احساس ہوا اور انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ واپس چلے جائیں، چنانچہ وہ واپس ہو گئے اور یہودی پھر اکیلے رہ گئے۔

خیبر پہونچ کر قدرتِ الٰہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دردِ شقیقہ میں مبتلا ہو گئے اور حضرت علی علیہ السلام کی آنکھیں اس قدر دکھنے آئیں کہ آپ کو اپنے پاؤں کی زمین نظر نہ آتی تھی۔ رسولِ اسلام اور علمدارِ اسلام دونوں بیک وقت بیمار ہوئے تو میدان خالی ہو گیا، اب ان افراد نے جن کو آج تک علمداری کے لائق نہ سمجھا گیا تھا تو انھوں نے ازخود عُلم لشکر اٹھایا اور مسلمانوں کو لے کر حملہ کیا لیکن کچھ نہ کر سکے، دوسرے دن دوسرے

صاحب نے عَلمِ لشکر اٹھایا اور مسلمانوں کو لے کر حملہ کیا لیکن یہ بھی کچھ نہ کر سکے، تاریخ میں ہے کہ لشکر علمدار کو بزدل کہتا تھا اور علمدار لشکر کو بزدل کہتا تھا، تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک روایت کی بنا پر پہلے ابوبکر گئے جب انھوں نے فرار کیا تو اگلے روز عمر ابن خطاب گئے انھوں نے بھی فرار کیا، دوسری روایت میں ہے کہ پہلے عمر ابن خطاب گئے انھوں نے فرار کیا دوسرے روز ابوبکر گئے انھوں نے بھی فرار کیا پھر تیسرے روز عمر ابن خطاب گئے اور پھر فرار کیا، اس طرح لشکرِ اسلام کی کافی سبکی ہوئی۔

ان حالات کی اطلاع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ

"کل میں علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے
اور اللہ ورسول اس سے محبت رکھتے ہیں، وہ کرار ہوگا غیر فرار ہوگا
اور اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عنایت کرے گا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اعلان کے بعد صحابہ کے دلوں میں عَلم لینے کی تمنا چٹکیاں لینے لگی، اور فوجِ اسلام نے رات تقریباً جاگ کر گذاری، یہ رات جاگ کر گذارنے والے وہ افراد تھے جنھیں اب تک کسی جنگ میں علمدار لشکر نہیں بنایا گیا تھا، ان کو تمنایوں پیدا ہوگئی کہ ہر لشکر میں فوج اسلام کا علمدار حضرت علیؑ تھے اور آپ کی آنکھیں شدت سے دکھنے آئی ہوئی تھیں، اس لئے اب ممکن ہے کہ عَلم کے لئے رسول ہمیں منتخب کرلیں، چنانچہ جب صبح ہوئی تو

سعد ابن وقاص کا بیان ہے کہ میں رسولؐ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا، پھر گھٹنوں کے بل بیٹھا پھر کھڑا ہوگیا اس امید میں کہ رسولؐ مجھے بلالیں، ابوبکر بن ابی قحافہ اور عمر ابن خطاب مہاجرین وانصار نے بھی اپنی اپنی گردنیں بلند کیں، عمر ابن خطاب کا بیان ہے کہ مجھے اس دن کے سوا کبھی سرداری کی تمنا نہیں ہوئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو دیکھا اور مجمع میں نظر دوڑا کر فرمایا علی کہاں ہیں؟ مجمع بیک زبان چلایا کہ ان کی آنکھیں دکھنے آئی ہوئی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کو

# حضرت آدم علیہ السلام

خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنانے کا فرشتوں کو حکم دیا، جب پتلا تیار ہوا اور مشیت الہٰی ہوئی کہ اب اس میں روح پھونک دی جائے تو خداوند عالم نے تمام آسمانوں میں رہنے والوں کو حکم دیا کہ میں جیسے ہی اس میں اپنی روح پھونکوں تم سب سجدے میں چلے جانا، تمام فرشتوں نے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس بدبخت نے یہ خیال کیا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے میں افضل ہوں، شیطان کے اس تکبر کی بناء پر لعنت کا طوق اس کی گردن میں پڑ گیا اور وہ آج تک ملعون ہے اور قیامت تک ملعون رہے گا۔

شیطان ایک سجدہ نہ کرنے پر ملعون ہو گیا اور ہماری کتنی نمازیں چھوٹی ہیں ان کا حساب لگا کر دیکھئے خدا کی بارگاہ میں ہماری حیثیت ملعون کی ہے یا نہیں؟

یہاں پر یہ ذہن میں رہے کہ شیطان فرشتوں میں سے نہیں ہے وہ جنوں میں سے ہے اس کو فرشتوں کے ساتھ عبادت کرنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن اس کو منزل امتحان سے گذارا نہیں گیا تھا، جب اس کو منزلِ امتحان سے گذارا گیا تو وہ مکمل طریقے سے ناکام ہو گیا۔

جسم میں روح آجانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا گیا، آپ وہاں سکون واطمینان سے رہ رہے تھے کیونکہ آپ تنہا تھے اس لئے آپ کی تنہائی کو دور کرنے کے لئے خداوند عالم نے حضرت حواؑ علیہ السلام کو پیدا کر کے آپ کا نکاح حضرت آدم علیہ السلام سے کر دیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ایک درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا تھا، لیکن شیطان نے جھوٹی قسم کھا کر حضرت آدمؑ کو پھل کھانے کی طرف راغب کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات نہ مانی، تب شیطان ملعون نے حضرت حواؑ سے کہا کہ تم کو اس درخت کے پاس جانے کی اجازت مل گئی ہے، اب تم اس کا

بلانے کے لئے کسی کو بھیجو، جب حضرت علی علیہ السلام قریب آئے تو آپ نے اپنے لعاب دہن کو آپ کی آنکھوں پر لگایا آپ کی آنکھیں ایک دم ٹھیک ہو گئیں۔

پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عَلم کو جھٹکا اور اللہ سے دعاء کی اور پھر علم حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا۔

عَلم لے کر حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے پُر امن طریقے سے انھیں دعوتِ اسلام دو، بخدا تمہارے ذریعہ کسی ایک کی ہدایت ہو جائے تو یہ ہر قیمتی شئے سے زیادہ قیمت رکھنے والی چیز تمہارے لئے ہوگی۔

عَلم لے کر حضرت علی علیہ السلام اس تیزی سے آگے بڑھے کہ مسلمان پیچھے رہ گئے اور سعد بن وقاص پکارے کہ

ابوالحسن ذرا ٹھہرئے کہ لوگ پہونچ جائیں

اور جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ

لوگ کہہ رہے تھے کہ یا علی رحم کیجئے (یعنی جلدی نہ کیجئے)

حضرت علی علیہ السلام نے قلعے کے سامنے جا کر اپنا نیزہ سخت پتھریلی زمین میں گاڑ دیا، دوسری روایت میں ہے کہ پتھر پر گاڑا تھا، اس نیزے میں عَلم کا کپڑا بندھا تھا ، یہودی اس منظر کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج آنے والا وہ نہیں ہے جو پہلے آیا کرتے تھے، ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے نام دریافت کیا آپ نے بتایا تو اس نے کہا خدا کی قسم یہ شخص قلعے کو ضرور فتح کرے گا، کیونکہ توریت میں قلعے کو فتح کرنے والے کی جونشانیاں درج ہیں وہ اس شخص میں پائی جاتی ہیں۔

یہودیوں کے متعدد پہلوان تھے جن کی طاقت کی ہیبت مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی ،ان میں مرحب، عنتر، حارث، یاسر، زیادہ مشہور ہیں، انھیں پہلوانوں کی وجہ سے مسلمان مع اپنے سردار کے فرار کرتے تھے، اور واپسی پر سردار لشکر پر الزام لگاتا تھا

کہ پہلے یہ بھاگے اور سردارِ لشکر کے سپاہیوں پر الزام لگاتا تھا کہ پہلے یہ بھاگے، جب حضرت علی علیہ السلام پہونچے تو پہلے عنتر مقابلے کے لئے آیا، اور وہ ذوالفقار حیدری سے راہی ملک عدم ہوا، تو مرحب کو غصہ آگیا، وہ میدان میں آیا اس کے سر پر بھاری لوہے کا خود تھا اس کے اوپر ہیرا لگا ہوا تھا اس کی زرہ بڑی مضبوط تھی۔ طرفین میں ردوبدل ہوتی رہی آخر کار ذوالفقار حیدری مرحب کے سر پر پڑی ہیرے کو کاٹا خود کو کاٹا پھر پگڑی کو کاٹا پھر سر کو اور زرہ کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی زین تک پہونچ گئی اور مرحب دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ ضربِ حیدری کی گونج طرفین کے لشکروں نے بھی سنی۔

اس کے بعد جنگِ مغلوبہ شروع ہوئی، اثنائے جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے سپر چھوٹ گئی اس کو ایک یہودی لے بھاگا، آپ نے قریب موجود قلعے کا دروازہ اکھاڑ لیا اور اس کو سپر بنالیا، اور جنگ کرتے رہے، جب جنگ ختم ہوئی تو آپ نے اس کو پھینک دیا، اس دروازے کو جنگ کے بعد آٹھ آدمیوں نے پلٹنا چاہا تو نہ پلٹ سکے۔ (سیرت ابن ہشام)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ کی خبر دی گئی تو رسول اکرمؐ نے قلعے کی طرف رُخ کیا، جب حضرت علی علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو آپ استقبال کے لئے باہر نکلے تو رسولؐ نے فرمایا کہ

اے علی مجھے تمہارے کارنامے کی اطلاع ہوئی، اللہ تم سے راضی اور میں بھی تم سے خوش ہوں، یہ سنتے ہی حضرت علی علیہ السلام خوشی سے رونے لگے، رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ روتے کیوں ہو؟ عرض کی کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں کہ اللہ ورسولؐ مجھ سے راضی ہیں۔

جنگِ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق کے ہیرو حضرت علیؑ صلح حدیبیہ کے کاتب حضرت علیؑ، جنگ خیبر کے ہیرو حضرت علیؑ، اور رسولؐ نے ان کو اطلاع دی کہ اللہ ورسول تم سے راضی لیکن معاویہ حضرت علی علیہ السلام کو جمعے کے خطبے میں گالیاں دے اور گالیاں دینے کا حکم دے اور ستر ہزار منبروں پر حکم معاویہ سے حضرت علیؑ کو گالیاں دی جائیں

،اور دوسری طرف اُم المومنین عائشہ نفرت کی وجہ سے حضرت علیؑ کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں۔ اور سقیفہ میں حضرت علیؑ کو نظر انداز کر کے حکومت تشکیل دی جائے اب فیصلہ آسان ہے کہ حق کدھر ہے۔

جنگ کے خاتمے پر جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں یہودی سردار حی ابن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی تھیں، حضرت علی علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو بلا کر فرمایا کہ انھیں تم خود رسولؐ کے پاس لے کر جانا وہ جو چاہیں گے ان کے لئے فیصلہ کریں گے، جناب بلالؓ ان کو اس طرف سے لے کر چلے جس طرف ان کے عزیزوں کے لاشے پڑے ہوئے تھے اس منظر کو دیکھ کر ان کی حالت غیر ہوگئی، رسول کو یہ معلوم ہوا تو آپ بلالؓ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ''اے بلالؓ کیا تمہارے دل سے رحم بالکل ختم ہوگیا ہے؟

یہ صفیہ حی بن اخطب کی بیٹی تھیں، جو یہودی سردار تھا، پھر بعد میں اس کو بھی بنی قریظہ کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا، رسولؐ اکرم نے جناب صفیہ کے مرتبے کا خیال کرتے ہوئے ان کو عام قیدیوں سے الگ رکھا اور ان کو آزاد کر کے ان کو نکاح کا پیغام دیا، جس کو انھوں نے منظور کیا اور اس کے بعد یہ ام المومنین صفیہ ہوگئیں، تاریخ میں ان کے اور ام المومنین عائشہ کے خانگی جھگڑوں کا ذکر موجود ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ رسولؐ نے اُم المومنین صفیہ کو ہی ان جھگڑوں میں بے قصور پایا، اور غلطی حضرت عائشہ ہی کی پائی گئی، اس لئے رسول اکرمؐ نے اُم المومنین صفیہ کی حمایت کی، ام المومنین صفیہ کھانا اچھا پکانا جانتی تھیں جبکہ ام المومنین عائشہ کھانا اچھا نہیں پکا پاتی تھیں۔

**فدک** :- خیبر فتح ہونے کے بعد یہودیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور ان کے تمام بڑے پہلوان جنگ میں کام آگئے، باقی ماندہ یہودیوں کو احساس ہوگیا کہ مسلمانوں سے جنگ کر کے جیت جانا ممکن نہیں ہے، تو خیبر کے دوسرے قلعوں میں موجود یہودیوں نے رسولؐ سے جان کی امان چاہی اور شہر چھوڑ دینے کا وعدہ کیا، پیغمبر اسلامؐ نے ان کی درخواست منظور کرلی۔

فدک والوں کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جسے حضور اکرمؐ نے قبول کرلیا، اس لئے فدک سرکارِ دو عالمؐ کی خاص ملکیت قرار پایا، کیونکہ اس پر فوج کشی نہیں کی گئی تھی۔

قرآن کریم میں ہے کہ

جو اللہ نے اپنے رسول کو مال غنیمت میں عطا کیا، اس لئے کہ تم نے اس پر سواروں اور پیادوں کی شکل میں فوج کشی نہیں کی مگر اللہ اپنے پیغمبر کو قابو دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

**المختصر** یہ کہ فدک پر رسولؐ کا قبضہ ہو گیا اور اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہ رہا تو قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ

وَاٰتِ ذَالقُربیٰ حقَّہٗ (صاحب قرابت کو اس کا حق دید یجئے)

اس آیت کے آنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بلا کر فدک کی ملکیت کی تحریر ان کے لئے لکھوا دی۔

رسولؐ کی تحریر کے بعد فدک کا انتظام حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاتھ آ گیا، آپ نے وہاں اپنا ایک منتظم چھوڑ دیا، یوں ہی رہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے سدھار گئے اور سقیفہ میں دھینگا مشتی کر کے حکومت قائم کی گئی اور ابوبکر ابن ابی قحافہ سربراہِ حکومت ہو گئے انھوں نے حکومت حاصل کرنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ فدک سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے منتظم کو نکال کر اس پر قبضہ کرلیا، فدک سے متعلق مزید تفصیلات میں نے اپنی کتاب ''نصابِ مجالس'' میں تحریر کر دی ہیں، شائقین کو چاہئے کہ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

**مہاجرین حبشہ کی مراجعت**: خیبر سے واپس جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینے تشریف لائے تو حضرت جعفر طیار ملک حبشہ سے واپس ہوئے، آپ کو دیکھ

کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ
مجھے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ مجھے خیبر کے فتح ہونے کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آ کر ملنے کی خوشی زیادہ ہے۔

یہ جعفر حضرت علی علیہ السلام کے بھائی حضرت عبداللہ ابن جعفر (جناب زینبؑ کے شوہر) کے والد تھے۔

یہاں سے فراغت کے بعد صلح حدیبیہ کے رو سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع تمام مسلمانوں کے عمرہ بجالانے کے لئے مکہ روانہ ہوئے، مشرکین مکہ نے قرارداد کے مطابق تین دن کے لئے مکہ خالی کردیا اور مسلمانوں نے جی بھر کر کعبے کی زیارت کی ،طواف کیا۔

تین دن کے بعد مشرکین مکہ نے اپنا نمائندہ حضرت علیؑ کے پاس بھیجا کہ شرائط کے مطابق تین دن ہو چکے ہیں، حضرت علیؑ نے مشرکین کا پیغام رسول کو پہونچایا، رسول نے فوراً مکہ خالی کردیا۔

یہاں پر غور طلب یہ ہے کہ مشرکین نے اپنا نمائندہ حضرت علیؑ کے پاس ہی کیوں بھیجا؟ صاف ظاہر ہے کہ مشرکین بھی جانتے تھے کہ رسولؐ کے نائب خاص حضرت علیؑ ہی ہیں، لیکن سقیفہ میں حکومت قائم ہونے کے بعد سقیفائیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص تعلق سقیفائیوں کا کردیا، جبکہ دورِ رسولؐ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

**خطوط** : صلح حدیبیہ کی وجہ سے جو امن قائم ہوا اور فرصت میسر آئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں، جن کو خطوط لکھے گئے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) کسرائے ایران (۲) قیصرِ روم (۳) نجاشی بادشاہ حبشہ (۴) حاکم بحرین (۵) حاکم عمان (۶) مقوقس تاجدارِ مصر (۷) حاکمِ یمامہ (۸) حاکم شام منذر بن حارث (۹) حاکم نصریٰ

ان خطوط میں سے بعض کے متعلق روایت ہے کہ وہ کتب خانوں میں موجود ہیں بادشاہِ روم کو جو خط لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا۔

یہ خط اللہ کے پیغمبر محمد کی طرف سے روم کے بادشاہ کے نام۔

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اسلام لے آؤ تو تمہارے لئے سلامتی ہوگی اور تم اسلام لاؤ گے تو تمہیں دوہرا ثواب ہوگا، اور اگر تم انکار کروگے تو دوسرے تمام لوگوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

حاکمِ شام منذر بن الحارث کو جو خط لکھا گیا اس کا مضمون یہ ہے۔

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اس پر ایمان لائے، میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ایک اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ جس کا کوئی شریک نہیں، اس صورت میں تمہارا ملک باقی رہے گا۔

شاہِ ایران کو جو خط لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا۔

یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمدؐ کی طرف سے فارس کے بادشاہ کے نام

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کی جانب سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ ہر اس شخص کو جس میں زندگی ہے، اللہ کے غضب سے ڈراؤں، اسلام لے آؤ تو تمہارے لئے سلامتی ہوگی اور اگر تم انکار کروگے تو تمام آتش پرستوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

ان خطوط میں جو چیز واضح ہے کہ وہ یہ کہ پرامن طریقے سے اسلام لانے کی دعوت دی گئی ہے اور اسلام لانے میں سلامتی کا تذکرہ ہے، اور انکار کی صورت میں گناہ ہونے کی خبر دی گئی ہے، ان خطوط میں یہ کہیں نہیں ہے کہ اگر تم نے انکار کیا تو تم پر فوج کشی کی جائے گی۔

بعدِ رسولؐ سقیفہ میں جو حکومت قائم ہوئی اس کے جرنل خالد بن ولید وغیرہ یہ کہتے

تھے کہ اسلام لاؤ یا جزیہ دو اگر ان دونوں میں سے کوئی منظور نہیں ہے تو پھر ہم سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ (ملاحظہ فرمائیے طبری) ان سقیفائیوں کی انھیں حرکات کی وجہ سے غیر مسلمین نے الزام لگایا کہ اسلام تلوار سے پھیلا، رسولؐ کے کسی خط میں تلوار کی دھمکی نہیں ہے یہ آپ نے ابھی اوپر ملاحظہ فرمایا۔

ان خطوط پر بادشاہوں کا ردعمل یہ ہوا کہ شاہ ایران نے غصّے میں خط کو پھاڑ دیا، رسولؐ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس نے میرا خط پھاڑ ڈالا خدا اس کی حکومت کو پارہ پارہ کرے گا۔

مصر کے بادشاہ نے رسولؐ کے خط اور قاصد کا احترام کیا اور آپ کی خدمت میں تحفے بھیجے۔

حبش کے بادشاہ نجاشی نے کچھ تو جناب جعفر طیارؓ کی وجہ سے اسلام سے رغبت کی تھی اب جو خط پہونچا تو اس نے اسلام قبول کرلیا، اور رسولؐ نے اس کی وفات پر اس کے لئے دعاء مغفرت کی۔

حاکمِ بحرین نے بھی اسلام قبول کیا، حاکم عمان نے بھی اسلام قبول کیا، جن افراد نے اسلام قبول کیا پیغمبر خدا نے ان کی حکومت میں دخل نہیں دیا اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر فوج کشی نہیں کی گئی۔

حاکمِ بصرہ، شراجیل غسانی نے بین الاقوامی قانون کے خلاف رسولؐ کے قاصد حارث بن عمر کو سرزمین موتہ پر قتل کرادیا، جس کے نتیجے میں جنگ موتہ ہوئی۔

**جنگِ موتہ:** رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حارث بن عمر کو موتہ کے مقام پر شراجیل غسانی نے قتل کرادیا، یہ حرکت ایسی تھی کہ اس پر خاموش رہنا بے حسی اور بے بسی کا ثبوت تھا، اس بے خطا قتل پر ردعمل فطری تھا کیونکہ دنیا میں قاصد کا قتل کیا جانا معیوب ہے، اور بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے، اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار کا لشکر شراجیل کے خلاف روانہ کیا، شیعہ روایت کے مطابق سردار لشکر

حضرت جعفر طیار علیہ السلام تھے، اس کے بعد رسولؐ نے ہدایت کی اگر یہ کام آجائیں تو علمدارِ لشکر زید بن حارثہ ہوں گے اور اگر وہ بھی کام آجائیں تو علمدارِ لشکر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔

اہل سنت چونکہ بنی امیہ کے تیار دہ اسلام پر عامل ہیں اس لئے ان کے حلق سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے فرزندوں کی افضلیت نہیں اترتی ہے اس لئے ان کے اکثر مؤرخین یہ تحریر کرتے ہیں کہ سردارِ لشکر زید بن حارثہ ہوں گے اور اگر وہ کام آجائیں تو سردارِ لشکر جعفر طیار ہوں گے اور اگر وہ بھی کام آجائیں تو سردارِ لشکر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔ اہل سنت میں بعض جو زیادہ متعصب ہیں انھوں نے اپنے مؤرخین کے بیانات کو بھی تسلیم نہیں کیا اور تحریر کیا کہ جعفر طیار کا نمبر تیسرا تھا، یہ جعفر طیار وہی ہیں جن کے بھائی حضرت علی علیہ السلام ہر جنگ میں علمدار رہے ہیں، اور حبشہ کی ہجرت انھیں کی سربراہی میں ہوئی تھی، اس لئے ان کے ہوتے ہوئے زید بن حارثہ کو سردار لشکر بنانا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

شراجیل نے رسولؐ کے قاصد کو قتل تو کرا دیا لیکن اس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کر لیتا اس لئے اس نے رومیوں سے مدد مانگی، رومی بھی نئے مذہب کی روز بروز ترقی سے خوفزدہ تھے، گو کہ بعض روایات میں ہے کہ شاہ روم عیسائی ہونے کے باوجود اسلام سے متاثر تھا لیکن اس کو سیاسی ضرورت کے تحت اپنی رعایا کا بھی خیال رکھنا تھا اور یہ رعایا عیسائی تھی اور مذہب اسلام کو پسند نہ کرتی تھی، اس لئے اس نے ایک لاکھ فوج مدد کے لئے بھیج دی۔

ایک طرف تین ہزار افراد دوسری طرف ایک لاکھ اور ایک دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ فوج تھی، یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے صبر آزما تھا، مسلمان معان میں دو دن تک ٹھہرے رہے، اور صورتِ حال پر تبادلہ خیال کرتے رہے، ایک تجویز یہ آئی کہ ابھی مقابلہ نہ کیا جائے اور صورت حال کی اطلاع رسول کو دی جائے پھر جو ہدایت وہاں سے

آئے اس پر عمل کیا جائے، عبداللہ بن رواحہ نے کہا ہم نے کبھی دشمن کا مقابلہ تعداد کے بل بوتے پر نہیں کیا ہے بلکہ دین کی قوت پر کیا ہے، اگر ہم دشمن پر غالب نہ آسکے تو پھر بھی شہادت کا مرتبہ تو ہمیں ملے ہی گا، تمام مجمع نے اس تجویز کو قبول کیا اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔

اس جنگ میں تینوں سردار کام آگئے، حضرت جعفر طیار علیہ السلام نے سخت جنگ کی اور شوق شہادت میں اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور اس کے پاؤں کاٹ دئے ،تاریخ کا بیان ہے کہ یہ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے گھوڑے کے پاؤں قلم کئے ،اس زمانے میں بہادر افراد گھوڑے کے پاؤں اس لئے قلم کرتے تھے کہ جنگ سے بھاگیں گے نہیں، گھوڑے کے پاؤں قلم کرنے کے بعد آپ پیادہ فوج میں اندر گھس گئے ، یہاں تک کہ آپ کا لڑتے لڑتے دایاں ہاتھ قطع ہو گیا، تو آپ نے علم کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا، یہ ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینے سے لگا لیا، ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ ایک رومی نے آپ کے ایسی ضرب لگائی کہ جسم دو ٹکڑے ہو گیا، ان میں سے ایک ٹکڑے کے زخموں کا شمار کیا گیا تو ۳۰ سے زیادہ زخم تھے، اور ایک قول کے مطابق جسم پر ۷۲ زخم تھے ،اور عبداللہ ابن عمر کی روایت کے مطابق ان کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے نوے سے کچھ اوپر زخم تھے، جن میں سے کوئی پشت کی طرف نہ تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے حضرت جعفر کو جنت میں دو زمرّد کے پر عطا کئے ہیں اور آپ ان پروں کے ذریعہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں، اسی حدیث کے بعد جناب جعفر کو جعفر طیارؓ کہا جانے لگا۔

تینوں سرداروں کے شہید ہو جانے کے بعد ایک غیر معروف شخص نے علم اٹھالیا اور مسلمانوں سے کہا کہ کسی کو منتخب کر کے یہ علم اس کے سپرد کر دو، خالد بن ولید نے علم لشکر اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اور انھوں نے رومیوں کو الجھائے رکھا اور پیچھے ہٹتے چلے گئے اور بالآخر میدانِ جہاد سے فرار کیا۔

یوروپی مصنف جان باجوت غلوب نے اپنی کتاب میں جس کے عربی ترجمہ کا نام ''فتوحات العربیۃ الکبریٰ ہے اس کو بغداد سے شایع کیا گیا ہے، اس میں تحریر ہے کہ ''خالد بن ولید'' جو تازہ مسلمان تھے وہ بھی فوج میں موجود تھے، اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ جنت میں جانے کا شوق ان لوگوں سے (جعفر و زید و عبداللہ بن رواحہ) کم رکھتے تھے، انھوں نے نظم وحمیت کو قائم رکھتے ہوئے مسلمانوں کو میدان جنگ سے باہر نکال لائے، رومی بھی جنگ میں تھک چکے تھے اس لئے انھوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہیں کیا۔

قدیم تاریخوں میں ہے کہ جب یہ لشکر مدینے پہونچا تو صحابہ ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ اے فراریو! تم خدا کی راہ سے بھاگ کر آئے ہو، ان میں سے بعض باضمیر صحابہ نے دوسرے صحابہ کے طعنوں سے بچنے کے لئے نماز میں مسجد نبوی میں آنا چھوڑ دیا تھا، اس کا سبب ام المومنین ام سلمہ نے جب ان میں سے ایک کی بیوی سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ

خدا کی قسم وہ گھر سے نکل نہیں سکتے ہیں، ادھر نکلے اور لوگ چیخنے لگے کہ تم راہ خدا سے فرار کرکے آئے ہو، اس لئے وہ خانہ نشین ہوگئے ہیں، ان میں غیرت تھی جو خانہ نشین ہوگئے اور خالد بن ولید نے خانہ نشینی اختیار نہ کی جبکہ فرار کا منصوبہ انھیں کا تھا۔

یہ بھی خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کا جو پیچھا نہیں کیا اس کی وجہ تھکن نہیں تھی بلکہ وہ یہ سمجھے کہ یہ کوئی جنگی چال ہے تاکہ مسلمان رومیوں کو وہاں سے نکال کر ریگستان میں ڈال دیں اور پھر رومیوں کا نقصان ہو۔

**صلح نامے کی مخالفت** : صلح حدیبیہ کے شرائط میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں سے جو چاہے وہ پیغمبر اسلام کے ساتھ ہو جائے اور جو چاہے مشرکین مکہ کے ساتھ ہو جائے، اس دفعہ کی بناء پر عرب کے دو قبیلے خزاعہ اور بکر دونوں طرف تقسیم ہو گئے اس طرح کہ خزاعہ پیغمبر اسلام کے حلیف ہو گئے، اور بکر اہل مکہ کے حلیف ہوئے، ان دونوں قبیلوں میں مسلسل جنگیں ہوتی رہتی تھیں، اس لئے یہ لوگ ہر وقت مسلح رہا کرتے تھے

پھل کھاسکتی ہو،انھیں ہرطرح کا یقین دلایا وہ اس کے بہکائے میں آگئیں،اور انھوں نے پھل کھالیا،اورحضرت آدمؑ کے لئے بھی پھل لے کر آئیں ،اور کہا اس درخت کا پھل کھانے کی اجازت ہوگئی ہے، میں نے پھل کھالیا اور مجھے کچھ نہیں ہوا،اب آپ بھی پھل کھالیجئے ،حضرت آدمؑ نے پھل کھالیا تو فوراً جنتی لباس ان کے جسم سے اُتر گیا اور وہ درختوں کے پتوں سے اپنی شرم گاہوں کوڈھانپنے لگے۔

دیکھا آپ نے دوسرے کے بہکاوے میں آکر نادانستہ طریقے سے خدا کی اطاعت نہ کرنے پرلباسِ جنت اُتر گیا اور ایک ہم ہیں کہ جانتے بوجھتے گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا ہم جنت کے لباس کے حقدار ہیں؟ اب بھی وقت ہے کہ ہم غفلت سے چونکیں اور اطاعت خدا بجالائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں خلیفۂ خدا کی حیثیت سے خلق کیا گیا تھا ان کو ابتداء میں جنت میں رکھنے کی دیگر مصلحتوں کے ساتھ ساتھ ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ وہ دشمن کو پہچاننا سیکھیں۔شیطان ان کا دشمن تھا،انھیں اس سے ہوشیار رہنا تھا لیکن اپنی سادہ لوحی کی بناء پر مات کھاگئے،اور ذراسی بے توجہی کے سبب شیطان نے ان سے ایک معمولی سی نافرمانی کرادی،اور ان کے جسم سے جنتی لباس اُتر گیا۔

دوسری طرف ہم ہیں کہ دن رات گناہ کرتے رہتے ہیں اور خود کو جنتی سمجھتے ہیں ،شیطان اور اس کے چیلوں نے ہم کو گناہوں پر دلیر بنادیا ہے،اور ہمیں یہ دھوکا دیا ہے کہ خدا بخشنے والا ہے،ہم عزادار ہیں، جنت میں جائیں گے اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ خدانے ہی نماز ،روزہ ،حج ،زکات خمس کا بھی حکم دیا ہے،ان چیزوں کو چھوڑنے کے بعد خدا ہم کو جنت میں کیوں داخل کرے گا جب کہ ایک معمولی سی نافرمانی پر ہمارے دادا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال چکا ہے،اب بھی وقت ہے کہ ہم واجبات پر عمل کریں اور حرام چیزوں سے بچیں۔

مذکورہ واقعے میں واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلا نے اپنی سادہ لوحی کی بناء پر

معاہدے میں چونکہ آئندہ دس سال تک طرفین میں جنگ نہ کرنے پر اتفاق ہو چکا تھا، اس لئے خزاعہ نے ہتھیار رکھ دئے، سال بھر تو خیریت سے گذر گیا، لیکن ۸ھ میں جنگ موتہ کے بعد بنی بکر کے ایک گروہ نے ایک پرانے خون کا بدلہ لینے کے لئے خزاعہ پر حملہ کر دیا، خزاعہ اپنی جان بچانے کے لئے حرم کعبہ میں پناہ گزیں ہوئے، اہل مکہ نے حملہ آوروں کو سمجھایا بھی کہ حرم کی حرمت ضائع نہ کرو، لیکن وہ نہ مانے اور خزاعہ کے ایک شخص کو حرم میں قتل کر دیا گیا، بقیہ لوگ شہر کے مکانوں میں چھپ گئے اس طرح ان کی جان بچی

خزاعہ کے آدمی مدینے پہونچے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدے کے مطابق امداد کے طالب ہوئے، رسول اکرمؐ نے تحقیق حال کے لئے اپنا نمائندہ مکّے بھیجا اور انھیں تحریر کیا کہ ان شرطوں میں کوئی ایک شرط پوری کرو۔

(۱) بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خوں بہا دو۔

(۲) بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھاؤ۔

(۳) اعلان کرو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

کفار مکہ نے تیسری شرط مان لی، لیکن بعد میں پچھتائے اور انھوں نے ابوسفیان کو تجدید معاہدہ حدیبیہ کے لئے دربارِ رسالت میں بھیجا۔

ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ بیوہ ہوئیں تو اس سے رسول اکرمؐ نے عقد کر لیا تھا۔ اس لئے ابوسفیان سیدھا بیٹی کے گھر پہونچا، اس کو امید تھی کہ بیٹی مددگار ہوگی لیکن ہوا یہ کہ جب ابوسفیان نے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام المومنین ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا کہ یہ رسولؐ کا بستر ہے اور تو مشرک ہے اور نجس ہے، ام حبیبہ کے عمل سے ابوسفیان کو احساس ہو گیا کہ بیٹی مددگار نہ ہوگی (ابوالفداء)

آج اہل سنت میں مشرک نجس نہیں ہیں ان کو پاک مانا جاتا ہے جبکہ ام المومنین اُم حبیبہ کا عمل واضح کر رہا ہے کہ دورِ رسولؐ میں مشرک کو نجس مانا جاتا تھا، صاف ظاہر ہے کہ ابوسفیان کی اس خفت کو مٹانے کے لئے اہل سنت نے مشرکین کو پاک کیا ہے، جبکہ شیعوں

میں مشرکین ازروئے قرآن آج بھی نجس ہیں۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّے پر فوج کشی کا ارادہ کرلیا، اوراس کے لئے تیاریاں شروع کردیں، یہ تیاریاں خفیہ تھیں تاکہ مکّے والوں کو خبر نہ ہو لیکن ایک صحابی جو جنگ بدر میں شامل ہوچکے تھے انھوں نے خفیہ طریقے سے ایک خط مشرکین مکہ کو لکھا کہ رسول تمہارے خلاف فوج کشی کے لئے تیاری کررہے ہیں، اوراس خط کو ایک سیاہ فام عورت کو دیکر روانہ کردیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی اطلاع رسولؐ کو دی رسولؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو روانہ کیا، حضرت علی علیہ السلام تیزی سے روانہ ہوئے اوراس عورت کو پکڑ لیا تلاشی کے بعد بھی خط نہ ملا تب حضرت علی علیہ السلام نے اس کو سختی سے دھمکی دی، وہ عورت حضرت علیؑ کے بدلے تیور دیکھ کر ڈرگئی اوراس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر حضرت علیؑ کو دیا، آپ نے وہ خط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاکردیا۔

اہل سنت جو صحابہ کو دودھ کا دھلا کہتے ہیں وہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ یہاں توخیانت بالکل واضح ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حاطب بن بلتعہ کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر احسان کردوں اس لئے میں نے یہ خط تحریر کیا تھا،

حاطب بن بلتعہ کا جواب کوئی معقول جواب نہ تھا کیونکہ کئی سو میل دور کے رہنے والوں پر احسان کرنے سے کوئی فائدہ نہ تھا، دوسرے یہ کہ ہر منافق اسی قسم کے دنیاوی فائدے بیان کرکے مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے اعمال کی تاویل کرسکتا ہے، اسی لئے عمر ابن خطاب صاحب کا یہ بیان تاریخ میں موجود ہے کہ اس کی گردن ماردو اس نے نفاق اختیار کیا ہے (ابوالفداء) لیکن چونکہ رسول رحمت للعالمین تھے، آپ نے ان کو بس اتنی سزا دی کہ اس کو مسجد سے نکال دو، صحابہ اس کو دھکّے دے دے کر مسجد سے باہر کرنے

لگے ،اور وہ حسرت سے رسولؐ کی طرف دیکھ رہا تھا، رسولؐ کو اس پر رحم آ گیا، آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس کو واپس لے آؤ اور اس سے فرمایا کہ اب تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا۔

غور فرمائیے! عمر ابن خطاب ایک بدری صحابی حاطب بن بلتعہ کو منافق کہہ کر اس کی گردن قلم کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں، تو صحابہ زدہ افراد خاموش ہیں، اور اگر ہم شیعہ یہ کہیں کہ صحابہ سب ایمان کے پکے نہیں تھے، ان میں منافق بھی تھے، تو فوراً صحابہ زدہ شیعوں پر کفر کے فتوے عائد کریں اور ان کو واجب القتل قرار دیں۔

## اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو۔

حاطب ابن بلتعہ کے خط کے پکڑے جانے کے بعد رسولؐ نے روانگی میں تاخیر مناسب نہیں سمجھی اور جلد مکّے کے لئے روانہ ہو گئے، یہ روانگی ماہِ رمضان میں ہوئی تھی ،آپ جب عسفان دانج کے درمیان پہونچے تو آپ نے روزہ کھول دیا تو بعض صحابہ نے روزہ نہیں کھولا اس کی اطلاع رسولؐ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ روزہ نہ کھولنے والے گناہگار ہیں۔

اہل سنت آج بھی حالتِ سفر میں روزہ رکھتے ہیں اور شیعوں میں حالتِ سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اب قارئین کرام خود اندازہ کریں کہ رسول کے احکام پر عمل کس کا ہے اور ان صحابہ کی سیرت پر عمل کس کا ہے، جن کے متعلق رسولؐ نے کہا کہ روزہ نہ کھولنے والے گناہگار ہیں۔

اہل مکہ ابھی مکمل تیاریاں بھی نہ کر پائے تھے کہ رسولؐ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکّے کے قریب پہونچ کر خیمہ زن ہو گئے، مسلمانوں کے لشکر کی خبر سے اہل مکّہ سراسیمہ تھے ابوسفیان صورتِ حال کا معائنہ کرنے کے لئے نکلا اس کی ملاقات رسولؐ کے چچا حضرت عباس سے ہو گئی، حضرت عباس نے ابوسفیان کو بتایا کہ رسولؐ فوج کشی کے ارادے سے تشریف لائے ہیں ابوسفیان نے پوچھا کہ اب ہم کیا کریں؟ حضرت عباس

نے کہا ہتھیار ڈال دو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

ابوسفیان کو لے کر حضرت عباس رسولؐ کی خدمت میں آئے ابوسفیان سے کہا کہ مسلمان ہوجا اس نے کہا مجھے تمہارے بھتیجے کی رسالت میں شک ہے، حضرت عباس نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا کہ کلمہ پڑھ ورنہ تیری گردن قلم ہوجائے گی تب اس نے کلمہ پڑھا، اہل سنت کہتے ہیں کہ ابوسفیان اسلام لے آیا یہ درست نہیں ابوسفیان نے استسلام کیا ہے، یعنی ہتھیار ڈالے ہیں اسلام نہیں لایا، اسی وجہ سے رسولؐ نے ابوسفیان ،معاویہ، وغیرہ کو مؤلفۃ القلوب میں رکھا، (سیرت ابن ہشام) بالفاظِ دیگر رسولؐ نے ان کے اسلام کو اسلام لانا قبول نہ کیا، بعد کے حالات نے بھی بتادیا کہ ابوسفیان مسلمان نہ ہوا تھا، آج یہی ابوسفیان اہل سنت کے نزدیک مسلمان ہے اور اسلام کو پناہ دینے والے ابوطالب کو اہل سنت کافر کہتے ہیں ........... کہیں جو کہنا ہے فرشتے سب کچھ لکھ رہے ہیں، جو اہل سنت مرچکے ہیں ان کو قبر میں معلوم ہوگیا ہوگا، کہ انھوں نے کیا بویا کیا کاٹا، اور جو زندہ ہیں ان کے پاس عنقریب ملک الموت پہونچنے والا ہے ان کو بھی معلوم ہوجائے گا کہ ان کا کیا حشر ہوا، جب لشکر اسلام روانہ ہوا، تو حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر ایک بلندی پر کھڑے ہوگئے لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان نے کہا تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت بڑی ہوگئی ہے، حضرت عباس نے کہا اے ابوسفیان اتنا حسد "ابے یہ نبوت ہے بادشاہت نہیں"[1] ابوسفیان بولا "اچھا یوں ہی سہی" یہ واقعہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ ابوسفیان کے دل میں اب بھی اسلام نہیں داخل ہوا تھا، صاف ظاہر ہے کہ فوجی ہیبت سے ابوسفیان نے ہتھیار ڈالے یعنی استسلام کیا اس کے دل میں ایمان نہیں تھا، اب وہ آزاد ہوگیا تھا کہ اسلامی لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو نقصان پہونچائے۔

اور لوگ اس کو مسلمان سمجھتے رہے، اس کی ریشہ دوانیوں کا ہی اثر تھا کہ شام میں

---

[1] لفظ "ابے" گوکہ ادبی معیار سے گرا ہوا ہے، لیکن کلمہ پڑھ لینے کے بعد نبوت کو بادشاہت کہنے والے کو اسی لہجہ میں ٹوکا جانا مناسب ہے، اس لئے میں نے ابے تحریر کیا ہے۔

اس کی اولاد یکے بعد دیگرے مسلسل حکمراں رہی اور پھر انھوں نے اسلام کو جو نقصان پہونچایا وہ تاریخ میں موجود ہے۔

یہ ابوسفیان کا بیٹا معاویہ ہی تھا کہ جس نے خلیفہ راشد سے جنگ کی اور اسلامی حکومت کو جنگوں میں الجھا کر کمزور کیا، یہ معاویہ ہی تھا کہ اس نے زیاد کو اپنا بیٹا بنایا، یہ معاویہ ہی تھا کہ اس نے بیت المال کو ذاتی ملکیت بنایا، اور قوانین اسلام کو پائمال کیا جس کی فہرست بہت طویل ہے۔

اور یہ ابوسفیان کا پوتا یزید ہی تھا جس نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے نواسۂ رسولؐ کو کربلا میں عظیم مظالم کے بعد قتل کرایا، یہ ابوسفیان کا پوتا ہی تھا جس نے مدینے لشکر بھیج کر واقعہ حرہ کو انجام دلوایا، جس کے نتیجے میں ہزاروں بچے صحابہ کی کنواری لڑکیوں نے پیدا کئے، یہ ابوسفیان کا پوتا ہی تھا جس کے لشکر نے حدودِ حرم میں جنگ کی خانۂ کعبہ پر سنگ باری کی آگ کے گولے پھینکے اور غلافِ کعبہ جل گیا۔

یہ ابوسفیان، معاویہ، یزید اور ہندہ جگر خوارہ آج مسلمان کہے جاتے ہیں، اور اہل سنت ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حالانکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت ابوسفیان معاویہ وغیرہ کافر تھے۔

المختصر یہ کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اسلامؐ نے ان کے جرائم گنائے اور کہا کہ تم کتنے برے پڑوسی تھے اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں، سب کی حالت غیر تھی، سب کو احساس تھا کہ گردن کٹنا سب سے ہلکی سزا ہوگی، کہنے لگے آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

ان مشرکین کا یہ بیان اگرچہ حقیقت پر مبنی تھا، لیکن اس میں خوشامد پرستی عیاں تھی، اس وقت اگر یہ نہ کہیں تو پھر گردن ہی کٹے گی چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا

اذھبو افانتم الطلقاء (جاؤ تم سب کو آزاد کرتا ہوں)

رسولؐ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں نے معاف کیا لیکن اس میں وہ ذلت نہ ہوتی

جو طلقاء میں پنہاں ہے، چنانچہ بعد میں ان کو صحابہ طلقاء کہہ کر موقعہ بموقعہ طعنے دیا کرتے تھے، گویا ان کی حیثیت مجرم غلام اور کنیز کی سی تھی، پھر بھی ان کو آزاد کر دیا گیا، بعد میں جب بنی امیہ کی حکومت آئی تو انھوں نے صحابیت کا صابن تیار کیا اور اس صابن کو اپنے اوپر مل کر طلقاء کے دھبے کو دھویا ہے، آج کے اہل سنت کے پاس چونکہ بنی امیہ کا تیار کردہ اسلام ہے اس لئے ابوسفیان معاویہ کی ان یہاں قدر و منزلت ہے، حتی کہ یزید کی حمایت میں یہ لوگ آگے آتے ہیں ورنہ دور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کو عزت حاصل نہ تھی.

مشرکین مکہ کو ان کی اوقات بتانے کے بعد آزاد کر دیا گیا اب باری تھی کہ کعبے میں موجود بتوں کو توڑا جائے، حضرت علی علیہ السلام نے تمام بت توڑ دیئے لیکن بعض بت بلندی پر تھے اس کے متعلق سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریر سے ایک اقتباس نقل کیا ہے اس کو میں یہاں من و عن نقل کر رہا ہوں

> ''کچھ بڑے بت ایک اونچے مقام پر رکھے تھے کہ ہاتھ ان تک نہیں پہونچتا تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان میں کا سب سے بڑا بت وہ تھا جس کا نام ہبل تھا، حضرت علیؑ نے کہا یارسول اللہ اپنا پیر میرے کندھے پر رکھئے اور ان بتوں کو گرادیجئے۔''

حضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ! تم میں بارِ نبوت اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، تم پیر میرے کندھے پر رکھو اور اس کام کو انجام دو، علیؑ نے تعمیل ارشاد کی بناء پر رسول خداؐ کے کاندھے پر پاؤں رکھا اور بتوں کو نیچے گرادیا، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ کہا یارسول اللہ ایسا دیکھ رہا ہوں کہ پردے اٹھ گئے ہیں اور گویا میرا سر عرش کے پائے تک پہونچا ہوا ہے، اور جس شے کی طرف ہاتھ بڑھاؤں وہ میری دسترس میں ہے، حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ خوشا بحال تمہارے کہ تم حق کا کام کر رہے ہو اور خوشا بحال میرے کہ میں حق کا بار اٹھائے ہوئے ہوں، بیان کیا گیا کہ جب حضرت

علیؑ نے بتوں کو زمین پر پھینکا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو اپنے کو حضرتؐ کے کاندھے سے ایک دم زمین پر گرا دیا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے کو کعبہ کے پاس باہر گرا دیا، ادب کے خیال سے اور آنحضرتؐ کے زحمت کے لحاظ سے اور زمین پر گرے تو مسکرا دیئے۔

رسولِ خداؐ نے پوچھا کہ کیا چیز تمہاری ہنسی کا سبب ہوئی؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے کو اتنی اونچی جگہ سے نیچے گرا دیا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، حضرتؐ نے فرمایا کہ کیونکر تکلیف ہو سکتی ہے درانحالیکہ اٹھانے والا تمہارا احمدؐ اور اُتارنے والے جبرئیلؑ ہیں۔

تقریباً یہی مضمون امام احمد بن حنبل کی مسند میں بھی موجود ہے، اور اہل سنت کے دوسرے مشہور عالم حافظ عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی نے اپنی کتاب خصائص علویہ میں بھی درج کیا ہے، لیکن بنی امیہ سے الفت رکھنے والے کو اہل سنت مورخین یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ فضیلت علیؑ ظاہر ہو اس لئے انھوں نے تحریر کیا کہ رسول اکرمؐ جس بت کے سامنے سے گذرتے اور ہاتھ میں موجود چھڑی سے اشارہ کرتے اور قرآن کی آیت جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (حق آیا اور باطل مٹ گیا بلاشبہ باطل مٹنے والی چیز ہی تھا) پڑھتے تو وہ بت خود بخود زمین پر گر پڑتا تھا، اگر ایسا ہی تھا تو رسولؐ نے یہ کام قیام مکہ کے درمیان کیوں نہ کیا، قرآن کی آیت پڑھتے بت کے قریب سے گذرتے اور بت خود بخود زمین پر گر پڑتے اس طرح قبلہ بدلنے کی ضرورت نہ ہوتی کعبہ ہی قبلہ رہتا اور مشرکین مکہ بتوں کو خود بخود گرتا دیکھ کر مسلمان ہو جاتے اور مسلمان مشرکین کے ستائے جانے سے محفوظ رہتے اور ہجرت کی ضرورت نہ ہوتی۔

**ہندہ کی بیعت**: فتح مکہ میں اہل مکہ کی عورتیں جب آئیں تو رسولؐ نے ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، لیکن معاویہ کی ماں ہندہ جگرخوارہ جب آئی تو رسولؐ نے اس سے بیعت میں اس بات پر بھی بیعت لی کہ وہ چوری نہیں کرے گی، زنا نہیں کرے گی، لیکن اس نے ان باتوں پر بیعت نہیں کی بلکہ گول مول جواب دیا، مثلاً زنا نہ کرنے پر جب بیعت لی تو اس کو اقرار کرنا چاہئے تھا کہ یقیناً میں زنا سے دور رہوں گی لیکن

اس نے جواب میں یہ نہ کہہ کر یہ کہا کہ کیا شریف عورت زنا کرتی ہے؟ بالفاظِ دیگر اسلام کالبادہ اوڑھنے کے بعد بھی اس کے حوصلے جوان تھے۔

کتاب چودہ ستارے مین ہندہ کی زنا کاری پر یوں تحریر ہے کہ ''نصائح کافیہ ص ۱۱۰میں ہے قال الشعبی فقداشار رسول لله الی هنده یوم فتح مکة بشئی عن هذا الخ امام شعبی کا بیان ہے کہ ہندہ کی زنا کاری کی طرف آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس موقع پر اشارہ فرمایا تھا جبکہ وہ بیعت کرنے آئی تھی ہندہ نے کہا میں کس چیز پر بیعت کروں؟ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اس چیز پر بیعت کر کہ آج سے زنا نہیں کرے گی اس نے کہا کہ کہیں ''حرہ'' آزاد عورتیں زنا کرتی ہیں، فنظر رسول الله الیٰ عمر تبسم'' یہ سن کر آپؐ نے عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا، ملاحظہ ہو (معاویہ دائرۃ الاصلاح ص ۸) علامہ مجلسی حیوۃ القلوب جلد۲، صفحہ ۷۴۳، پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر زمانۂ جاہلیت کے عملی شاہد تھے اسی لئے رسول اللہؐ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے۔'' (چودہ ستارے صفحہ ۲۰۶)

طبری کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہندہ سے بیعت نہ لی بلکہ عمر ابن خطاب سے کہا کہ تم اس سے بیعت لو، اس لئے ہندہ سے عمر ابن خطاب نے بیعت لی، یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ ہندہ سے جن باتوں پر رسولؐ نے بیعت کو کہا یہ باتین مکے کی دیگر عورتوں سے نہیں کہی گئیں۔

**تبلیغی مہمیں** : مکے میں فراغت پانے کے بعد رسولِ اکرمؐ نے تبلیغی مہمیں روانہ کیں، ہر مہم کا ایک سردار ہوتا تھا، ایک مہم کے سردار خالد بن ولید بنائے گئے، ان تمام سرداروں کو ہدایت تھی کہ جنگ وجدل سے دور رہیں، سب نے اس پر عمل کیا لیکن خالد بن ولید نے بغیر کسی اشتعال کے جا کر قتلِ عام کیا جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں پر ایک دھبہ آگیا، اس کی خبر جب رسولؐ کو پہونچی تو آپ نے قبلہ رُخ ہو کر تین مرتبہ فرمایا پالنے والے میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔

پھر آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلا کر مالِ کثیر دے کر روانہ کیا آپ نے

وہاں جا کر تمام مقتولین کا خوں بہا ادا کیا، حتیٰ کہ اگر ان کا کتا بھی مارا گیا تھا تو اس کا بھی معاوضہ دیا گیا اس طرح حضرت علیؑ نے خالد کے بگاڑے ہوئے کام کو سدھارا بالفاظِ دیگر جب صحابی نے اسلام کو بدنام کیا تو اہل البیتؑ نے اسلام کی عزت بچائی

رسولِ اکرمؐ جب تک مکے میں رہے نماز قصر پڑھتے رہے لیکن بعد میں تیسرے سقیفائی حاکم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی مخالفت کی اور نماز پوری پڑھی جس پر مسلمانوں میں کافی غم وغصہ پھوٹ پڑا، چنانچہ ان حضرت پر جو الزامات ان کے قتل کے لئے عائد کئے گئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خلافِ سنت رسولؐ انھوں نے پوری نماز پڑھی، اسی وجہ سے اُم المومنین عائشہ نے کہا تھا کہ قتل کردو نعثل کو اس نے دین کو بدل دیا ہے۔

نعثل ایک یہودی تھا اس کی داڑھی تیسرے سقیفائی حاکم کی داڑھی سے ملتی جلتی تھی، اس لئے اُم المومنین عائشہ نے ان کو نعثل کہا تھا، اہل سنت اُم المومنین عائشہ کو صدیقہ کہتے ہیں صدیقہ کی گواہی ہے کہ انھوں نے دین کو بدل ڈالا تھا۔

**جنگِ حنین** : حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے یہاں کے افراد نے جب اہل مکہ کے مغلوب ہونے کی خبر سنی تو انھوں نے پوری جنگی تیاری کرلی اور منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں پر مکے ہی میں حملہ کردیا جائے، قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہوتے رسولؐ اکرم نے لشکر اسلام کو کوچ کا حکم دیدیا، یہ لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا اس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے جان کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا، یعنی ہتھیار ڈال دئے تھے، اور اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، اس عظیم لشکر کو دیکھ کر بقول ابن سعد ابوبکر ابن ابی قحافہ نے کہا آج ہم مغلوب نہ ہوں گے، یہ جملہ اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا، اس لئے یہ الفاظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گراں گذرے

دوسری طرف مالک بن عوف اپنے ساتھ والے قیس وثقیف کے قبیلوں کو لے کر نکلا، رسول اکرمؐ نے صورت حال دریافت کرنے کے لئے دو افراد کو بھیجا، ان میں ایک ابن

ابی حدود تھے، انھوں نے آ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی کہ مالک بن عوف اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ تمہارے مدمقابل کا سامنا ایسے لوگوں سے رہا ہے جو سچے معنی میں مردانِ جنگ نہ تھے، اب تمہارا کام ہے اپنی تلواروں کے نیام توڑ دو اور ایک دم حملہ کردو۔

ابن ابی حدود نے جب یہ اطلاع رسول کو دی تو عمر ابن خطاب نے کہا کہ یا رسول اللہ اس کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے، رسولؐ نے عمر ابن خطاب کی سرزنش کی اور کہا کہ ابن ابی حدود اپنے بیان میں بالکل سچا ہے، ابن ابی حدود نے عمر ابن خطاب سے کہا تم مجھے جھٹلا رہے ہو کوئی نئی بات نہیں ہے، تم عرصے تک حق کو جھٹلاتے رہے ہو۔ (طبری)

غرض کہ مسلمان حنین کی وادی میں پہونچے تو وہاں طولانی نشیب کا راستہ تھا اور کفار اس راہ پر ادھر ادھر چھپ گئے تھے اور مسلمان قطار میں اس پہاڑی راستے کو طے کر رہے تھے کہ اچانک کفار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ان کے ہاتھوں میں نیزے، تلواریں، لوہے کے گرز تھے، اس اچانک حملے سے آگے والے پیچھے والے درمیان والے سبھی مسلمان متاثر ہوئے اور ان کے پاس سوائے فرار کے کوئی چارہ نہ رہا، یہ لوگ اس طرح بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب بڑھے، اس حالت میں کہ آپ کی سواری کو صرف ۹/ آدمی گھیرے ہوئے تھے جو سب کے سب بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، اس وقت منظر یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام رسولِ خدا کے آگے تلوار کھینچے کھڑے تھے، عباس بن عبدالمطلب آپ کے مرکب کی نیام پکڑے تھے فضل بن عباس داہنی طرف اور مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف تھے، رسول اکرمؐ اپنے مرکب پر دونوں رکابوں پر زور دے کر کھڑے ہو گئے پہلے تو خداوند عالم سے فتح ونصرت کی دعا مانگی پھر مسلمانوں کو حدیبیہ کی یاد دلا کر آواز دی کیونکہ حدیبیہ میں جنگ سے نہ بھاگنے پر ہی بیعت لی گئی تھی، پھر آپ نے جنابِ عباس کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو پوری طاقت سے پکاریں، جنابِ عباس کی آواز بلند تھی آپ نے مسلمانوں کو پکارا، اس کے علاوہ رسول اکرمؐ

حضرت حواؑ سے یہ نہ پوچھا کہ تمہیں آخر کس نے اطلاع دی کہ درخت کا پھل کھانے کی اجازت ہوگئی ہے، بیوی کی اطلاع پر یقین کر کے پھل کھالیا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جنت کا لباس اُتر گیا، ہمیں بھی چاہئے کہ اگر بیوی (یا کوئی عورت یا کوئی اور) اطلاع دے کہ تمہارے بھائی نے یہ کیا ہے، تمہاری بھاوج نے یوں کیا، تمہاری اماں نے مجھے یوں کہا ، تمہارے ابا نے یہ کیا، یا فلاں نے یوں کہا یا فلاں نے یوں کیا تو فوراً اس پر یقین نہ کریں بلکہ تحقیق کریں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور اس میں صلح کے موقع کتنے ہیں تا کہ گھر میں انتشار نہ بڑھے۔

المختصر یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے نو سو تیس سال زندہ رہے ، جس وقت آپ کا انتقال ہوا آپ کی اولاد کی تعداد دنیا میں چالیس ہزار تک پہونچ چکی تھی ، آپ کی زندگی کا اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے فرزند جناب ہابیلؑ کو اپنا وصی قرار دیا، یہ بات قابیل ملعون کو ناگوار گذری کہ میرے ہوتے ہوئے چھوٹے بھائی کو وصی بنایا جارہا ہے۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ ان دونوں سے کہو کہ اپنی اپنی قربانی پیش کریں ، جس کی قربانی قبول ہوگی وہ منصب کا حقدار ہوگا، حضرت ہابیل علیہ السلام کے پاس بھیڑیں تھیں، وہ نہایت اچھی بھیڑ قربانی کے لئے لائے ، قابیل ملعون کاشتکار تھا اس پر کنجوسی غالب آئی اور وہ گندم کی خراب بالیاں لے کر آیا، حضرت ہابیل علیہ السلام کی قربانی قبول ہوگئی ، اس بات سے قابیل ملعون کا حسد اور زیادہ ہوگیا، اور اس نے ایک روز ان کے سر پر پتھر مار کر ان کو قتل کر دیا، یہ پہلا قتل تھا جو روئے زمین پر ہوا، اس قتل کے بعد سے قیامت تک جتنے بھی قتل ہوں گے ان سب قاتلوں کے ساتھ قابیل کو بھی دوسرے تمام قاتلوں میں سے عذاب کا حصہ ملے گا اور مل رہا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کر جائیں کہ ہمارے مرنے کے بعد بھی ہمیں گناہ ملتا رہے، جیسے یہ کہ اگر ہم نے خود کو ایڈوانس سمجھتے ہوئے بیوی کو بے پردہ کر دیا تو تو قیامت تک جتنی بے پردگی ہماری نسلوں میں ہوگی اس کی سزا بھی ہمیں ملتی رہے گی ، یا یہ کہ ہم نے

نے وقت صداد و مصرعہ نظم کئے، اس کے علاوہ، آپ نے زندگی میں شعر نظم نہ کئے۔

انا النبی لاکذب　　انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں میں جھوٹا نہیں ہوں　　میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں

آپ کا یہ شعر ثبوت ہے کہ ماحول ایسا ہوگیا تھا کہ آپ کی رسالت پر مسلمان شک میں مبتلا ہوگئے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح حدیبیہ میں عمر ابن خطاب اور دیگر مسلمانوں کو رسالت میں شک ہوا تھا، اس لئے آپ کو شعر میں یہ کہنا پڑا کہ میں نبی ہوں اور میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے۔

حنین میں صحابہ کے فرار کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ

اور حنین کے موقع کو یاد کرو، جب تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کردیا تھا، تو اس (کثرت) نے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہونچایا اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ پھیر کر فرار اختیار کیا (سورہ براءت) غرضیکہ ابوبکر ابن ابی قحافہ نے جو تکبر کیا تھا اس کو قرآن نے بھی جتادیا کہ یہ غرور تھا۔

جب صحابہ فرار کررہے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک جگہ سے ہوا، وہاں اُم سلیم اپنے شوہر ابوطلحہ کے اونٹ کو سنبھالے کھڑی تھیں ان کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔ رسولؐ نے ان سے دریافت کیا کہ اُم سلیم تم یہاں کہاں کھڑی ہو؟ انھوں نے کہا حضور! آپ ان مشرکوں سے جنگ کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان بدنصیب مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کردوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگے چلے جارہے ہیں، کیونکہ وہ قتل کے مستحق ہیں۔

رسول اکرمؐ نے اُم سلیم کی بات کو رد نہیں کیا کہ وہ واجب القتل ہیں بلکہ فرمایا أو یکفی اللہ یاام سلیم، اس کو اُردو میں آپ یوں کہئے کہ جانے دو ام سلیم! اللہ انھیں سمجھے گا

یہاں پر میں موضوع سے ہٹ جاؤں گا لیکن ایک اشارہ کرتا چلوں کہ اہل سنت اپنے صحابہ کو بچانے کیلئے کیا کیا کرنے پر مجبور ہیں، رسول اکرمؐ کا ارشاد کہ أو یکفی اللہ

یا ام سلیم  ایسا جملہ ہے کہ جو عربی نہیں جانتا اور کچھ اُردو سے واقفیت ہے وہ بھی سمجھ لے گا، کہ اس جملے کا کیا مطلب ہے لیکن تاریخ طبری جو اُردو ترجمے کے ساتھ دیوبند سے چھپی ہے اور اس کے مترجم ہیں سید محمد ابراہیم ندوی صاحب انھوں نے رسولِ اکرمؐ کے اس ارشاد کا ترجمہ کیا ہے ''ام سلیم اللہ بس ایک ہے'' اس ترجمہ سے مقصدِ رسولؐ بالکل ختم ہو گیا ،اور صحابہ پر جو حرف آ رہا تھا وہ نہ آیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں ابوسفیان اور اس کے ساتھی مشرکین کا حملہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور محفوظ جگہ پر پہونچ کر ابوسفیان نے بھاگتے مسلمانوں کو دیکھا اور کہا کہ ''بس اب ان کی پسپائی سمندر سے اِدھر نہیں رُک سکتی ہے'' مؤرخین نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ابوسفیان کے ترکش میں ازلام یعنی وہ پانسے جو زمانہ شرک کی یادگار تھے اس وقت بھی موجود تھے، یہاں بھی ابوسفیان کا کفر واضح ہے لیکن اہل سنت پھر بھی اس کو مسلمان کہتے ہیں ،اور حضرت ابوطالبؑ کی تمام زندگی حفاظتِ  اسلام میں گذری پھر بھی ان کو اہل سنت کافر کہتے ہیں یہ ہے بنی امیہ سے حاصل کیا ہوا اسلام۔

صفوان ابن امیہ کے سوتیلے بھائی کلدہ نے کہا آج ان کا جادو ختم ہو گیا اس پر صفوان نے کہا کہ خاموش رہ خدا تیرا مونہہ توڑے. بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ قریش کا کوئی آدمی میرا سرپرست بنے اس سے بہتر ہے کہ قبیلۂ ہوازن کا کوئی شخص میرا مالک ہو۔

شیبہ بن عثمان بنی عبدالدار میں سے تھا اس کے خاندان کے کئی علمدار حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے جس میں خود شیبہ کا باپ بھی تھا، جو جنگ احد میں مارا گیا تھا اس نے ارادہ کیا کہ وہ رسول اکرمؐ کو اس ہنگامے میں قتل کر کے اپنے باپ کا بدلہ لے گا لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جنگ کا اختتام اس طرح ہوا کہ قبیلۂ ہوازن کا ایک شخص اپنے سرخ اونٹ پر سوار سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھا، یہ جھنڈا ایک لمبے نیزے میں بندھا ہوا تھا، حضرت علیؑ علیہ السلام اور ایک انصاری آگے بڑھے تب حضرت علیؑ نے پیچھے سے جا کر اس کے اونٹ کے

دونوں پیر کاٹ دیئے تو وہ اونٹ کولہوں کے بل گر گیا پھر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر اس شخص پر تلوار چلائی تو اس کے بھی پیر کو پنڈلی پر سے قطع کر دیا، علمدار کے گرتے ہی مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے ابھی مسلمان مکمل طریقے سے واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ مشرکین کو جنگ میں موجود مسلمانوں نے قیدی بنانا شروع کر دیا تھا۔

جنگ کے اختتام پر کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا، ایک روایت میں ہے کہ ۲۴ر ہزار اونٹ چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور تقریباً ایک من چاندی ہاتھ آئی اور دوسری روایت کے مطابق چار ہزار قیدی بارہ ہزار اونٹ اور بے شمار نقد و جنس مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

جنگ کے بعد رسولِ اکرمؐ نے تمام مالِ غنیمت ان افراد میں تقسیم کر دیا جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جن کے ایمان کی حالت کا اندازہ آپ نے ابھی اوپر پڑھا کہ مسلمانوں کی شکست پر ان کے تاثرات کیا تھے؟ ان لوگوں میں مال دنیا تقسیم کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ یہ اسلام کی طرف راغب ہوں، ان لوگوں کو شرعی اصطلاح میں مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے، مؤلفۃ القلوب میں ابوسفیان معاویہ سرفہرست ہیں، مؤلفۃ القلوب کا مطلب یہ ہی ہے کہ انھوں نے جو اظہارِ اسلام کیا ہے اس پر ابھی بھروسہ نہیں ہے، ممکن ہے کہ مال دنیا کے لالچ میں اسلام ان کے دل میں بھی آجائے اور اگر دل سے مسلمان نہیں ہوتے ہیں تو کم سے کم ظاہری طور پر اسلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں، اس طرح ان میں بعض ایسے تھے کہ ان میں سے ایک ایک کے حصہ میں سو سو اونٹ آئے تھے، اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن میں ایک جگہ لوگوں میں اتنا تقسیم کیا کہ دنیا کی تاریخ میں کسی بادشاہ نے ایک دن میں اور ایک جگہ اتنا تقسیم نہیں کیا ہے۔

اس تقسیم پر انصار کے بعض افراد نے چہ می گوئیاں کیں کہ انھیں جب اپنے قوم قبیلے کے افراد ملے تو ان کو اس طرح تقسیم کر رہے ہیں اور ہمارا کوئی خیال نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ مال غنیمت تقسیم کرتے وقت انصار کو کچھ نہیں ملا تھا، رسولِ اکرمؐ کو جب اس کی خبر ہوئی

تو آپ سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ تمام انصار ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اس جگہ کوئی غیر انصاری نہ ہو، جب تمام انصار جمع ہو گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے آپ کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام تھے آپؐ ان کے بیچوں بیچ تشریف لے گئے اور ان کی گذشتہ حالت جو تھی وہ بیان کی اور پھر بیان کیا کہ میرے آنے کے بعد تمہاری حالت کتنی سدھر گئی، سب نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، اس طرح رسول اکرمؐ نے ایک ایک کر کے ان کی حالت بتاتے رہے اور اسلام کے بعد ان کی حالت سدھرنے کا تذکرہ کرتے رہے، انصار تمام باتوں کا اقرار کرتے رہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جواب دو، انصار نے کہا کہ ہم کیا جواب دیں آپ کے احسانات ہم پر بہت ہیں، رسولِ اکرمؐ نے کہا کہ تم کہہ سکتے ہو کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا ہم نے تصدیق کی، آپ خوف و دہشت میں ہمارے پاس آئے ہم نے آپ کو پناہ دی، ابھی آپ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ انصار کے معزز افراد دوڑ کر آپ کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھوں پیروں گھٹنوں کا بوسہ لینے لگے اور کہا کہ ہم آپ کے فیصلے سے ناراض نہیں ہیں، ہمارے اموال بھی آپ کے ہیں آپ انھیں چاہیں تو تقسیم کر دیں، تاریخ کی صراحت ہے کہ انصار میں گریہ وبکا کا شور بلند ہوا اور یہ عالم تھا کہ انصار کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

تب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنھیں یہ مال دیا ہے ان کی تالیف قلب منظور تھی اور تمھیں میں نے تمہارے خلوص و ایمان کے حوالے کیا، کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ دوسرے لوگ بھیڑ بکریاں اونٹ لے کر جائیں اور تم خود رسولؐ کو اپنے حصے میں لے کر واپس جاؤ، یہ سنتے ہی تمام انصار چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ ہم پیغمبر خدا کو اپنے حصے میں لینے پر تیار ہیں۔

پھر آپ یوں گویا ہوئے، انصار میرے خاص بھروسے والے ہیں، اگر دنیا ایک طرف جائے اور انصار دوسری طرف جائیں تو میں انصار ہی کی طرف جاؤں گا۔

اے خدا! انصار کو بخش دے انصار کی اولاد دراولاد کو بخشش سے مالا مال فرما۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ مولفۃ القلوب وہ افراد ہیں جن کے ظاہری اسلام کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ کیا تھا، اس لئے ان کو مال دنیا دیا گیا تھا کہ شاید یہ مسلمان ہو جائیں، ان افراد کو کتنا مال دنیا ملا اس کی تفصیل طبری نے تحریر کی ہے، اس میں تحریر ہے کہ ابوسفیان کو سو اونٹ، ابوسفیان کے بیٹے معاویہ کو، سو اونٹ، اور صلح حدیبیہ میں مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو کو سو اونٹ ملے، بقیہ اور افراد کے نام بھی ہیں ان کو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اسی ابوسفیان کا پوتا اور اسی معاویہ کا بیٹا یزید تھا، جس نے رسولِ اکرمؐ کے گھرانے کو کربلا میں بھوکا پیاسا قتل کرا دیا اور اس احسان کو بھول گیا کہ جب فتح مکہ میں اس کے باپ اور دادا کو قتل کرنے کے بجائے معاف کر دیا گیا تھا، اور نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ ان کے گھر میں ایک دن میں دو سو اونٹ بھی پہونچ گئے تھے اور یہ معاویہ اونٹ تو ہنکا کر لے گیا تھا لیکن بعد میں اسی معاویہ کے حکم سے ستر ہزار منبروں پر رسولؐ کے بھائی اور داماد کو گالیاں دی جاتی تھیں۔

اور ابوسفیان کا ایمان اس واقعے کے بعد ایسا سامنے آیا کہ بقول طبری رسولؐ نے مغیرہ کو اور ابوسفیان کو مشہور بت لات کو توڑنے کے لئے بھیجا تو ابوسفیان راہ میں اپنی املاک پر ٹھہر گیا اور مغیرہ سے کہا کہ تم جاؤ، مغیرہ نے جا کر لات کو توڑا اور وہاں جو خزانہ (بت پر چڑھاوے کی دولت) تھا اس پر قبضہ کر لیا تو ابوسفیان کو بلایا ابوسفیان وہاں پہونچ گیا۔

**جنگ تبوک**: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کے قتل کی وجہ سے جنگ موتہ ہوئی اور اس جنگ میں حکومت روم کی شمولیت کی وجہ سے مسلمانوں کے تین علمدار لشکر شہید ہوئے تھے۔

اب رسولِ اکرمؐ کو اطلاع ملی کہ رومی حکومت نے فوجیں جمع کی ہیں اور ان کا ارادہ مدینے پر حملہ کرنے کا ہے، یہ اطلاع ایسے وقت میں آئی جب کہ شدید گرمی تھی

فصل بالکل تیار تھی اس زمانے میں مدینہ اوراس کے اطراف میں قحط کی سی صورت تھی اس لئے فصل تیار چھوڑ کر کوئی جانے کو تیار نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ مقابلہ رومی حکومت سے تھا اور رومی حکومت کی طاقت وقوت سے بھی صحابہ ہراساں تھے، اس کے ساتھ ساتھ یہ چیز اس مرتبہ بالکل نئی ہوئی، کہ رسولؐ نے بتادیا کہ کہاں جانا ہے تاکہ ہر شخص پوری تیاری کرلے ورنہ جنگی حکمت عملی کے تحت چلنے سے پہلے بتاتے نہیں تھے کہ کہاں جانا ہے؟

مقابلہ رومی حکومت سے تھا اس لئے تمام قبائل عرب جو اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان سب کو جنگ میں شرکت کا حکم دیا گیا اور مسلمانوں سے مالی امداد کی درخواست کی گئی ،نوبت بایں جارسید کہ مالی امداد کرنے میں منافقین اور مولفۃ القلوب افراکو بھی حصہ لینا پڑا، اس لئے کس نے کس نیت سے دیا تھا اس کا فیصلہ تو بعد مرگ معلوم ہو جائے گا دنیا میں یہ کہہ کر خوش ہونا کہ فلاں صاحب نے اتنا دیا کہ اتنا کسی نے نہ دیا کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔

المختصر یہ کہ لشکر روانہ ہوا بعض منافقین اور بعض مسلمان جان بوجھ کر پیچھے رہ گئے اور جہاد سے جی چرایا ایک صحابی نے تو رسولؐ سے بڑی بے غیرتی کے ساتھ کہا کہ میں رومی عورتوں کو دیکھ کر برداشت نہ کرسکوں گا، اس لئے آپ مجھے اس جنگ سے دور رکھئے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد میں نہ جانے والوں کی پرواہ نہ کی اور آگے روانہ ہوئے ،ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ لاغر تھا وہ تیز نہیں چل پاتا تھا، اس لئے آپ پیچھے رہ گئے مجبوراً آپ پیدل چل پڑے ،راہ میں جب رسولؐ نے قیام کیا تو ابوذر کو پیچھے آتا ہوا دیکھ کر لوگوں نے رسولؐ کو اطلاع دی کہ ابوذر رضی اللہ عنہ تنہا آرہے ہیں تو آپ نے فرمایا

"خدا ابوذرؓ پر رحم کرے وہ تنہا پیدل آرہے ہیں، حالتِ تنہائی میں ان کو موت آئے گی اور تنہا قبر سے اٹھائے جائیں گے۔"

رسولِ اکرمؐ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اس پیشین گوئی سے دو باتیں اور واضح ہوئیں کہ رسول کو آئندہ آنے والے حالات کا علم تھا جبکہ وہابی رسولؐ کے علمِ غیب کے منکر ہیں، دوسرے اس پیش گوئی نے تیسرے سقیفائی حاکم کے مظالم کا بھی ذکر کر دیا جو انھوں نے ابوذرؓ کو حق گوئی کے سبب جلاوطن کر کے کیئے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام جو ہر جنگ کے فاتح تھے اس مرتبہ ان کو رسولؐ نے مدینے میں ہی چھوڑ دیا، خدا اور رسولؐ تو جانتے ہی تھے کہ جا تو ضرور رہے ہیں لیکن وہاں جنگ نہ ہوگی اس لئے سفر میں حضرت علیؑ کی ضرورت [illegible] دوسرے یہ کہ منافقین فتوحات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور روز بروز اسلام کے پھیلتے اثرات کی وجہ سے انگاروں پر لوٹ رہے تھے، خطرہ تھا کہ رسولؐ کی غیر موجودگی میں منافقین رسولؐ کے اہل خانہ کو اذیت نہ پہونچائیں اس لئے یہاں ایسا شخص ہونا ضروری تھا
جس کی دھاک کی وجہ سے منافقین کچھ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور اس کے لیے حضرت علیؑ سے بہتر کوئی نہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو نہ صرف مدینے میں چھوڑا بلکہ ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ لَابُدَّ للمدینة منی او منك (مدینے کے لئے ضروری ہے کہ یا میں رہوں یا تم رہو)

رسولِ اکرمؐ سفر پر روانہ ہوئے، منافقین نے کہنا شروع کیا کہ رسولؐ ان سے ناراض ہیں اس لئے ساتھ نہیں لے گئے، کسی نے کہا رسولؐ نے ان کو نکما سمجھا اس لئے ساتھ نہیں لے گئے، کسی نے کہا رسولؐ نے انھیں عورتوں اور بچوں میں چھوڑا ہے وغیرہ۔

ان چہ می گوئیوں کی خبر حضرت علیؑ کو ہوئی آپ نے ہتھیار لگائے اور تیزی سے روانہ ہو کر رسولِ اکرمؐ سے راہ میں ملاقات کی اور منافقین کی گفتگو نقل کی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں تم جاؤ اور میرے اہلِ خانہ کی حفاظت کرو، اور کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ اماترضی ان تکون

منی بمنزلة هارون من موسیٰ الاانه لانبی بعدی (کیاتم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)

غور فرمایئے! رسول روانگی کے وقت فرماتے ہیں کہ مدینے کے لئے ضروری ہے کہ یا میں رہوں یا تم رہو اور اب فرماتے ہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، یعنی یہ کہ تم اسی طرح میرے جانشین ہو جس طرح ہارون موسیٰؑ کے جانشین تھے بس فرق یہ ہے کہ ہارون نبی تھے اور میرے بعد نبوت نہیں ہے۔

رسول اکرمؐ کے ان دو جملوں نے ہمیشہ کے لئے حضرت علیؑ کے جانشین رسولؐ ہونے کی حقیقت کو نمایاں کر دیا ہے، اس کا انکار اسی صورت میں ممکن ہے کہ چمگادڑ کی طرح دن میں آنکھیں بند کر لے۔

کتنا فرق ہے اس دلیل میں اور اس دلیل میں کہ ابو بکر نے از خود رسولؐ کی غیر موجودگی میں نماز پڑھائی اور مسلمانوں نے پڑھ لی اس لئے وہ خلیفہ برحق ہو گئے، اگر یوں ہی ہے تو پھر سقیفہ میں کیا کرنے گئے تھے؟ اگر سقیفہ میں چلے گئے تھے تو کہتے کہ میں نے نماز پڑھائی ہے میں خلیفہ ہوں تم لوگ میری مخالفت کیوں کر رہے ہو؟ ابو بکر کا ایسا نہ کہنا ثبوت ہے کہ امامت نماز کا افسانہ بعد میں بنی امیہ نے تیار کیا ہے، اس دلیل سے اُس وقت ابو بکر بھی واقف نہیں تھے۔

بارہ تیرہ روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں مقیم رہے، اور آپؐ کی شاہ روم سے ایک روایت کے مطابق خط و کتابت بھی ہوئی، مملکت روم کی سرزمین پر آپ کا قیام بڑا فائدہ مند ثابت ہوا، مسلمانوں کی دھاک چہار طرف بیٹھ گئی قرب و جوار کے چھوٹے چھوٹے فرمانرواؤں نے آکر رسولؐ سے معاہدے کئے اور جزیہ دینے پر رضا مند ہو گئے، اس طرح یہ فرمانروا سلطنت روم کے بجائے اسلام کے باجگزار ہو گئے، اللہ نے رسول کو ہیبت عطا کی تھی یہ اس ہیبت کی عملی تصویر تھی۔

واپسی پر منافقین نے چاہا کہ رسولؐ کی زندگی کا خاتمہ کردیں کیونکہ وہ اس بات پر مایوس تھے کہ سلطنت روم کی طرف سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا ہے، چلتے چلتے انھوں نے ایک منصوبہ بنا ہی لیا اور وہ یہ کہ

راہ میں ایک جگہ دشوار اور تنگ گھاٹی تھی، اس میں لشکر کے گذرنے سے خطرے کا امکان تھا کہ کوئی حادثہ نہ ہوجائے اور دوسرا میدانی راستہ تھا جو طویل تھا لیکن محفوظ تھا ،رسولِ اکرمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ میدانی راستے سے چلیں اور کوئی گھاٹی کے راستے سے نہ جائے۔

تمام مسلمان میدانی راستے سے چلے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھاٹی والا راستہ اختیار کیا، آپ کے ساتھ حذیفہ یمانی اور عمار یاسر تھے، عمار یاسر اونٹ کی مہار تھامے آگے آگے پیدل چل رہے تھے اور حذیفہ یمانی پیچھے سے اونٹ ہنکا رہے تھے ،منافقین نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود بھی گھاٹی والا راستہ اختیار کیا ،جبکہ تمام مسلمانوں کو گھاٹی کی راہ سے جانے سے منع کردیا گیا تھا، ان کی سواریوں کے قدموں کی آہٹ سن کر رسولِ اکرمؐ سخت ناراض ہوئے آپ نے حذیفہ کو حکم دیا کہ جا کر ان لوگوں کو واپس کرو۔

حذیفہ لاٹھی لئے ہوئے ان لوگوں کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ یہ لوگ چہروں پر ڈھانٹے باندھے ہیں، جناب حذیفہ نے لاٹھی ان کے مرکبوں کے مونہوں پر مارنی شروع کی تاکہ وہ واپس ہوں، ان منافقین نے حذیفہ کے اس عمل سے گھبرا کر فرار اختیار کیا اور مسلمانوں کے گروہ میں خود کو چھپالیا۔

رسول اکرمؐ نے منافقین کے جانے کے بعد حکم دیا کہ اونٹ کو تیزی سے آگے بڑھاؤ، اس طرح آپ جلدی سے گھاٹی پار کر کے اس جگہ پہونچ گئے جہاں طولانی راستہ پار کر کے مسلمانوں کو آنا تھا، اور آپ مسلمانوں کا انتظار کرنے لگے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون

لوگ تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہ ڈھانٹے باندھے ہوئے تھے لیکن میں ان کے مرکبوں کو پہچان گیا ہوں کہ یہ فلاں فلاں کا مرکب تھا، رسولؐ نے کہا کہ جانتے ہو ان کا منصوبہ کیا تھا؟ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ میرے اونٹ کو بھڑکا کر مجھے نیچے کھڈے میں گرادیں، حذیفہ نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر تو یہ واجب القتل ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ مخالفین یہ کہیں کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو خود ہی قتل کررہے ہیں۔

اس واقعے کے بعد حذیفہ رازدارِ رسولؐ کے نام سے مشہور ہو گئے، روایات میں ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے جن میں سات قریش کے تھے، یہ کون لوگ تھے یہ بات راز ہی رہی جناب حذیفہ نے ہدایت رسولؐ کے مطابق ان ناموں کو کسی کو نہیں بتایا،

ہاں تاریخ میں دو باتیں ملتی ہیں جو بڑی اہم ہیں

ایک یہ کہ عمر ابن خطاب جب یہ دیکھتے کہ حذیفہ نے کسی شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تو سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص منافق تھا۔

دوسری بات اس سے بھی زیادہ عجیب ہے وہ یہ کہ عمر ابن الخطاب صاحب نے بار بار مختلف اوقات میں جناب حذیفہ سے دریافت کیا کہ کیا میرا بھی نام منافقین میں ہے؟ جناب حذیفہ نے بار بار پوچھے جانے کے باوجود راز رسول کو راز ہی رکھا اور عمر ابن خطاب صاحب کے سوال پر مناسب انداز میں کترا گئے اور کوئی وضاحت نہیں کی، جب رازدارِ رسولؐ خاموش رہے تو ہم بھی خاموش ہوتے ہیں لیکن ہمارے ہندوستان میں مشہور ہے کہ ''چور کی داڑھی میں تنکا''

مدینہ واپس آئے تو سردارِ منافقین عبداللہ بن ابی کی موت ہوگئی اور مسلمانوں کو اس ایک زہریلے انسان سے نجات ملی، جبکہ بقول قرآن مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا ہے،

**تبلیغ سورۂ برأت** : ۹ھ میں سورہ براءت نازل ہوئی، رسولِ اکرمؐ نے یہ سورہ ابوبکر کو دے کر مکہ روانہ کیا کہ اس کو جا کر حج کے موقع پر مشرکین کو سنائیں، ابوبکر ابھی مدینے

ٹیلی ویژن خرید کر گھر میں فلمیں دیکھنی شروع کیں، یہ گناہ تو ہمیں ملا ہی ہمارے بعد جب تک ہماری نسلوں میں ٹیلی ویژن پر فلمیں دیکھی جاتی رہیں گی اس کا گناہ ہمیں بھی ملتا رہے گا۔

دوسرے یہ کہ قابیل کنجوسی کے باعث گیہوں کی خراب بالیاں لایا تھا، یہ کنجوسی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ ابدی ہلاکت میں پڑ گیا، ایسا نہ ہو کہ ہم مال کی محبت میں خمس وزکات وفطرہ وغیرہ سے دور ہو کر ابدی بدبختی مول لے لیں۔

تیسرے یہ کہ قابیل نے جب دیکھ لیا کہ میری قربانی قبول نہیں ہوئی تو اس کو چاہئے تھا کہ توبہ واستغفار کر کے اپنے عمل کو پاکیزہ بناتا، اس نے ایسا نہ کیا اور دل میں حسد کو جگہ دے دی، حسد کے ذریعہ وہ اس منزل پر پہونچ گیا کہ قتل جیسا گناہ کر بیٹھا، ہمیں بھی چاہئے کہ حسد سے دور رہیں، حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے، اور دنیا میں حسد کرنے والا خود اپنی حسد کی آگ میں جلتا ہے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلے گا۔

## حضرت نوح علیہ السلام

نوح کے لفظی معنی نوحہ کرنے والے کے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام خوفِ خدا سے بہت زیادہ گریہ کرتے تھے اس لئے ان کا نام نوحؑ پڑ گیا، روایت میں ہے کہ آپ نے پانچ سو سال تک خوفِ خدا میں گریہ کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام معصوم تھے کوئی گناہ نہیں کیا تھا پھر بھی خوفِ خدا میں اتنا گریہ کیا کہ نام ہی نوح پڑ گیا، دوسری طرف ہم ہیں دن رات گناہ کرتے ہیں اور خوفِ خدا بالکل نہیں ہے اس پر طرّہ یہ کہ شیطان نے ہمیں بہکا دیا ہے کہ خدا غفور ہے رحیم ہے وہ ہمیں معاف کر دے گا، ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خداوند عالم جبار وقہار بھی ہے اور وہ گناہگاروں کو سخت عذاب دے گا، اس نے جہنم پر بدمزاج اور تند خو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

سے باہر ہی نکلے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکمِ خدا پہونچا کہ یہ سورہ آپ خود جا کر سنائیں یا حضرت علی علیہ السلام جا کر سنائیں حکمِ خدا کے آتے ہی رسولِ اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو طلب کیا اور کہا کہ تم ابو بکر سے جا کر وہ آیات لے لو اور خود جا کر مکے میں مشرکین کو سناؤ، حضرت علی علیہ السلام تیزی سے رسولؐ کی اونٹنی پر روانہ ہوئے اور ابو بکر سے وہ آیات لے لیں اور مکے جا کر سنائیں۔

حضرت علی علیہ السلام فصیح خطیب ہونے ساتھ ساتھ جری و بے باک تھے، تمام عرب میں آپ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، گذشتہ تمام جنگوں کی وجہ سے مشرک آپ سے ڈرتے تھے، آپ نے مکے جا کر اس وقت جب لوگ حج ادا کر رہے تھے ان تمام آیتوں کو پڑھ کر سنایا، جب تلاوت ختم کر چکے تو ذرا دیر ٹھہرے اور پھر بلند آواز سے مجمع کو مخاطب کیا، اے لوگو! (لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے) تو فرمایا اے لوگو! جان لو کہ جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور اب خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف نہیں کیا جائے گا، اور جس سے رسولؐ کا کوئی معاہدہ ہے وہ رہے گا لیکن مدّت ختم ہونے کے بعد وہ ختم ہو جائے گا (یعنی آگے نہیں بڑھایا جائے گا)

حضرت علی علیہ السلام (میری جان آپ پر فدا) نے چیخ چیخ کر یہ چار حکم سنائے پھر ان لوگوں کو چار مہینے کی مہلت دی کہ تمام لوگ جہاں جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس پہونچ جائیں۔ المختصر یہ کہ اسلامی حکومت قائم ہو گئی حضرت علی علیہ السلام نے یہ پیغام صرف حرم ہی میں نہیں سنایا بلکہ آپ نے لوگوں کے گھروں پر مکّے میں جا جا کر سنایا، یہ بہادری اور دلیری حضرت علی علیہ السلام ہی سے ممکن تھی، ابو بکر کی ہمت نہ تھی کہ مشرکین کو مشرکین کے مجمع میں للکاریں اور ان کے گھروں پر جا کر کہیں کہ تم جنت میں نہ جا سکو گے آئندہ تم حج نہ کرنا وغیرہ۔

اس واقعہ نے اہل سنت کو حیرت میں ڈال دیا، اور وہ پریشان ہو گئے کہ ابو بکر ابن ابی قحافہ کی سبکی جو ہوئی اس کو کس طرح دور کریں چنانچہ بعد میں جوانھوں نے روایات

تیار کیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے سورہ براءت کی وہ آیات ابوبکر سے لے لیں تو ابوبکر رسولؐ کے پاس چلے آئے ،اور دریافت کیا کہ میرے متعلق کیا کوئی وحی آگئی ؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے چاہا کہ اس پیام کو میں پہونچاؤں یا میرا کوئی اپنا۔ابوبکر کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ غار میں رہے اور تم حوض کوثر پر میرے مصاحب رہو گے ،اس کے بعد ابوبکر امیر حج کی حیثیت سے مکہ روانہ ہوئے ..........لیجئے اہل سنت کے شکستہ دل کو تسلی مل گئی۔

اب ذرا غور کیجئے ! قرآن کہہ رہا ہے کہ رسولؐ بغیر وحی کے بولتے ہی نہیں ، یہاں رسول کی زبانی روایت بتا رہی ہے کہ میں نے چاہا کہ اس پیام کو میں پہونچاؤں یا میرا کوئی اپنا،اس روایت نے حکمِ خدا کو چھپا دیا کہ جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر حکمِ خدا سنایا تھا کہ یا آپؐ جائیں یا علیؑ جائیں۔

یہاں پر دُوسرا سوال یہ ہے کہ ابتداء میں رسولؐ نے کیوں نہ چاہا کہ میں پہونچاؤں یا میرا کوئی اپنا؟ تیسرے یہ کہ یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ ابوبکر میں اپنائیت نہ تھی تبھی تو رسولؐ نے ان کے بجائے حضرت علیؑ کو اپنا سمجھ کر روانہ کیا۔

تم میرے ساتھ غار میں رہے ہو،اس کا موجودہ واقعے سے کیا ربط ؟ تاریخی حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تائید الٰہی نہ ہوتی تو مشرکین مکہ ان کے رونے کی آواز سن لیتے اور وہ رسول کو قتل کر ڈالتے اسی لئے تو رسولؐ نے ان کو جھڑک دیا کہ (خاموش رہ) اللہ ہمارے ساتھ ہے، لاتحزن (حزن نہ کر) اس پر شیعہ متکلمین نے کافی گفتگو کی ہے یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں ہے۔

حوضِ کوثر پر میرے مصاحب رہو گے ، بے چارے روایت تیار کرنے والے یہ بھی نہیں جانتے کہ حوضِ کوثر پر بیٹھ کر مصاحبت نہ ہوگی وہاں لوگ پانی پینے آئیں گے اور ساقیٔ کوثر حضرت علی علیہ السلام ہوں گے اور بخاری گواہ ہے کہ صحابہ کو حوضِ کوثر سے ہنکا کر جہنم میں لے جایا جائے گا، اور بخاری میں یہ بھی ہے کہ ان کا برا انجام حکومت کے

لالچ کی وجہ سے ہوگا، یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد رسولؐ ابوبکر نے حکومت کی طرف قدم بڑھائے۔

ابوبکر امیر حج کی حیثیت سے مکّے روانہ ہوئے، اس سال تک مشرکین حج میں کعبے آتے تھے برہنہ ہوکر طواف کرتے تھے، تو کیا ابوبکر ان مشرکین کے امیر حج تھے؟ اور انھوں نے امیر حج ہوکر کیا فریضہ انجام دیا؟ صاف واضح ہے کہ ابوبکر کے لئے یہ باتیں وضع کی گئیں ہیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ جو شخص قرآن کی چالیس آیات سنانے کے لائق نہیں سمجھا گیا وہ مطلقاً رسولؐ کا خلیفہ ہونے کے لائق ہرگز نہیں ہے اور اگر وہ آگے بڑھ جائے تو حکم خدا کے تحت اس کو ہٹا کر حضرت علی علیہ السلام کو آگے بڑھایا جائے گا۔

**مُباہلہ** : رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس متعدد وفود آئے اور ان میں سے اکثر مسلمان ہوگئے، ان آنے والے وفود میں اہل نجران کا بھی وفد تھا، نجران ایک مقام کا نام ہے، یہ یمن میں تھا اور عیسائیوں کا بڑا مسکن تھا، یہاں کے بڑے بڑے پادریوں کا ایک وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا، ان کو خیال تھا کہ وہ شاہِ عرب کے پاس جارہے ہیں اس لئے قیمتی کپڑے پہن کر آئے، رسول اکرمؐ نے ان کی حالت دیکھی تو ان سے گفتگو نہ کی اور منھ پھیر لیا، وہ بڑے حیران ہوئے کیونکہ انھوں نے آپ کے اخلاق کے بہت چرچے سنے تھے لیکن یہاں منظر بالکل الٹا تھا، انھوں نے گفتگو نہ کرنے کے متعلق بقول اہل سنت صحابہ سے دریافت کیا لیکن کوئی وجہ نہ بتا سکا کہ مزاجِ رسولؐ کیا چاہتا ہے، تب ان سے کہا گیا کہ اس کا پتہ تو وہی دے سکتا ہے جو رسولؐ کے مزاج سے واقف ہے اور وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، یہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور رسولؐ کے گفتگو نہ کرنے کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا تم لوگ یوں تو رہبانیت اختیار کئے ہو لیکن تمہارا لباس شاہی طرز کا ہے اس لئے رسولؐ نے تم سے گفتگو نہیں کی، یہ سن کر انھون نے شاہانہ لباس بدلا اور سادہ لباس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس

گئے آپ نے انھیں دیکھتے ہی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔

ان عیسائی پادریوں نے دینی مسائل کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اسلامی نظریہ معلوم کیا لیکن انھوں نے اسلامی نظریہ قبول نہ کیا اور وہ اس بات پر اڑے رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، رسولؐ نے ان کو ہر طرح سمجھایا لیکن یہ نہ مانے تب قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی کہ جب یہ کٹ حجتی کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ ہم دونوں اپنے اپنے بیٹوں کو بلائیں اپنی اپنی عورتوں کو بلائیں اپنے اپنے نفوس کو بلائیں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں۔

عیسائیوں نے اس شرط کو مان لیا کہ اگلے روز ہم جھوٹوں پر لعنت کریں گے، اگلے روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کو لے کر نکلے اور مقامِ مباہلہ میں پہونچ گئے۔

یہاں پر یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں مباہلے میں جانے والوں میں حضرت علیؑ کا نام غائب کر دیا ہے جبکہ یہ متفق علیہ ہے، اس طرح شبلی نے اپنے خیال میں حضرت علیؑ کی ایک فضیلت کم کر کے ان کو صحابہ کی صف میں کھڑا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال میں اہل سنت نے کیا کیا نہ کیا ہوگا، ملاحظہ فرمائیے سیرت النبیؐ مطبوعہ کفایت اکیڈمی کراچی ۱۹۹۰ء۔

دوسری طرف عیسائی آگئے ان کے بڑے پادری نے دریافت کیا کہ رسولؐ کس کس کو لے کر آئے ہیں اس کو جب پتہ چلا کہ پنجتن پاک اکٹھا ہیں تو اس نے کہا کہ میں ایسی صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ یہ اگر پہاڑ کو اشارہ کر دیں تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے، ان سے مباہلہ نہ کرو ان کو جزیہ دینا منظور کر لو۔

مباہلے میں عیسائیوں کی شکست ہوئی تھی وہ اگر مباہلے کے واقعے کو چھپائیں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اہل سنت بھی مباہلے کے تذکرے کو چھپانے میں عیسائیوں کے مانند ہیں، میرے سامنے دیوبند سے چھپی تاریخ طبری موجود ہے اس میں مباہلے

کا تذکرہ نہیں ہے جبکہ دیگر چھوٹی سے چھوٹی واردات اور واقعہ درج ہے نہیں معلوم یہ مترجم کی حرکت ہے یا پھر طبری نے ہی ایسا کیا ہے۔

مباہلے میں ایک چیز اور عیاں ہے کہ بقول اہل سنت صحابہ میں صدیق اور صدیقہ اس وقت موجود تھے، دوسرے سقیفائی حاکم بھی موجود تھے جن کے بارے میں معاویہ کے حدیث ساز کارخانے کی بہت سی احادیث موجود ہیں ان میں کی ایک یہ ہے کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا عمر ابن خطاب ہوتا'' ایسی شخصیات کے ہوتے ہوئے رسولؐ صرف حضرت علیؑ کو لے کر گئے ان کو لے کر کیوں نہ گئے وجہ صاف ظاہر ہے رسولؐ جھوٹوں پر بددعا کرتے تو تمام جھوٹے ہلاک ہو جاتے خواہ وہ جھوٹے اِدھر موجود ہوں یا اُدھر ہوں، اس لئے رسولؐ ان معصوم ہستیوں کو لے کر گئے کہ ان کی زبان کبھی جھوٹ سے آلودہ نہ ہوئی ہو، اگر ساتھ جانے والوں میں کوئی بھی ایسا ہوتا کہ اس نے زندگی میں چاہے ایک مرتبہ ہی جھوٹ بولا ہو وہ لعنت کی زد میں آجاتا، اس طرح رسولؐ کا موقف کمزور ہو جاتا، حدیث رسولؐ ہے کہ اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے تو لعنت کی وجہ سے نجران میں کوئی ذی روح باقی نہ بچتا سب جل کر خاک ہو جاتے۔

**فتح یمن** : بدر و اُحد اور خندق و خیبر و حنین میں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کی دھاک عربوں میں بیٹھ گئی تھی اور ان تمام جنگوں کی فتح کا سہرا حضرت علی علیہ السلام کے سر تھا، لیکن مباہلہ میں آپ کے کردار کی پختگی اور سچائی کی چھاپ عیسائیوں پر ایسی پڑی کہ وہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ایسی صورتیں ہیں کہ اگر پہاڑ کو اشارہ کر دیں تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔

تلوار اور کردار کی پختگی کے بعد حسن تدبیر کی چمک ابھی باقی تھی اس کا کوئی ایسا موقع نہ آیا تھا کہ آپ کی شخصیت کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑے، لیکن انتظامِ قدرت دیکھئے کہ بعد میں جس کے لئے بنی امیہ نے سیف اللہ کی روایت وضع کر لی اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے روانہ کیا کہ تم جا کر یمن میں قبیلۂ ہمدان کو دعوت اسلام دو، خالد بن ولید چھ ماہ تک وہاں مقیم رہے اور ایک شخص کو بھی مسلمان نہ کر سکے، تب رسولؐ

اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو یمن روانہ کیا۔

جب حضرت علی علیہ السلام وہاں پہونچے توراتکو قیام کیا اور بعد نمازِ صبح اللہ کی حمد وثنا بہتر طریقے سے کی پھر آپ نے قبیلۂ ہمدان کو اسلام کی دعوت دی، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا آپ کے حسنِ تدبیر سے ایک دن میں پورا قبیلہ ہمدان اسلام لے آیا، اور پھر یکے بعد دیگرے تمام اہل یمن مسلمان ہو گئے۔

یہ تفصیل حضرت علی علیہ السلام نے رسولؐ کو لکھ کر بھیجی آپ نے خط کا مضمون جب سنا تو پہلے سجدۂ شکر بجالائے اور فرمایا ہمدان پر سلامتی ہو، ہمدان پر سلامتی ہو۔

یہ قبیلہ ہمدان جو حضرت علی علیہ السلام کی دعوت پر اسلام لایا تھا بعد میں ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کا جاں نثار رہا اور اہل ہمدان تمام جنگوں میں جو حضرت علیؑ کو ظاہری حکومت میں لڑنا پڑیں حضرت علیؑ کے قوت بازو رہے۔

(''مجھ حقیر کا بھی سلام ہو اہلِ ہمدان پر'' (رضوی)

یہیں سے سمجھ میں آتا ہے کہ صحابی اور اہل البیتؑ کا فرق، جہاں صحابی ناکام وہاں اہل البیتؑ کامیاب، دوسرے یہ کہ اہل البیتؑ کے مستحکم کردار نے جس طرح پورا یمن فتح کیا اس طرح کوئی صحابی اپنے کردار پر کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔

یمن میں کامیابی کی وجہ سے صحابہ کو حسد ہوا، انھوں نے چاہا کہ رسولؐ کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف کریں، اتفاق سے ایک موقعہ ان کو ہاتھ آیا، ہوا یہ کہ خمس کے مال سے حضرت علی علیہ السلام نے ایک لونڈی اپنے لئے منتخب کر لی، اس کی شکایت ان صحابہ نے جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے رسولؐ سے کی، یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ اس طرح حضرت علیؑ رسولؐ کی نظروں میں گر جائیں گے لیکن ہوا اس کے برعکس، کتاب چودہ ستارے میں اس واقعے کو یوں تحریر کیا ہے

''جب جناب امیر تبلیغ اہل یمن کے لئے مامور کئے گئے تھے اور آپ کے خلاف چند لوگوں کی شکایت سن کر حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے علیؑ کی برائی نہ کرو فانہ منی

وانـامنـه وهـو وليكم بعدى علیؑ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا حاکم ہے، بعض احادیث میں وهـو وليـكـم بـعـدى کے الفاظ نہیں پائے جاتے اور بعض میں وهو مولى كل مومن ومومنة پائے جاتے ہیں، شکایت یہ تھی کہ جناب امیر نے خمس سے ایک لونڈی (اپنے لئے) منتخب کر لی تھی، امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکایت سن کر رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا فـان لـه خمس اکثر من ذالك علیؑ کا حصہ خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے یہ حدیث اہل تسنن کی تمام معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اس سے جو منزلت جناب امیرؑ کی ظاہر ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں'' (صفحہ ۸۲)

## حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا یہ خبر چہار طرف پھیل گئی، ہر طرف سے لوگ حج کے لئے ٹوٹ پڑے کچھ آپ کے ساتھ مدینے سے چلے کچھ راہ میں آکر ملے اور کچھ مکے میں آگئے اس طرح ایک روایت کے مطابق سوا لاکھ کے قریب افراد حج کے موقع پر اکٹھا ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے رسولِ اکرمؐ مکے میں تھے، آپ نے اس وقت حج کئے تھے، لیکن ہجرت کے بعد اب تک حج نہ کر سکے تھے، اس سے قبل آپ کا مکے جانا ہوا اور آپ نے عمرہ کیا لیکن چونکہ حج کا زمانہ نہ تھا اس لئے حج نہ کر سکے۔

مکے پہونچ کر آپ نے عمرہ کیا اور احرام کھول دیا، یہ بات بعض نامی گرامی صحابہ کو ناگوار گذری کیونکہ ایامِ جاہلیت میں مشرکین ایسا نہ کرتے تھے، جب ان نامی گرامی صحابہ نے ناک بھوں چڑھائیں تو رسولِ اکرمؐ نے کہہ دیا کہ ''تم اس حکم پر کبھی ایمان نہ لاؤ گے''

چنانچہ بخاری میں ہے کہ تیسرے سقیفائی حاکم حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع کرتے تھے جبکہ رسولؐ نے حکمِ خدا وَاَتِمُّوالحجَّ والعمرةَ لِلّٰه پر عمل کر کے دکھا دیا تھا کہ

ایسا کرنا ہے لیکن انھوں نے سنت رسولؐ اور حکم خدا کی مخالفت کر کے ثابت کر دیا رسولؐ نے جو کہا تھا کہ "تم اس حکم پر کبھی ایمان نہ لاؤ گے" وہ درست ثابت ہوا، اور یہ ایمان نہ لائے۔

جب رسولؐ نے عمرہ اور حج کو حکم خدا سے ملایا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ حکم اسی سال کا ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے تو رسولؐ نے زور دے کر کئی دفعہ فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے، عمرہ حج کا جز قیامت تک کے لئے ہے۔

یہ حج کیونکہ ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج تھا اس لئے اس کی تمام تفصیلات راویوں نے بڑی باریکی سے بیان کی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام یمن گئے ہوئے تھے اس لئے آپ قربانی کے جانور لے کر وہیں سے تشریف لائے اور رسولؐ کے ساتھ حج کیا، بقول طبری حضرت علیؑ نے حج کی وہی نیت کی تھی جو رسولؐ کی نیت تھی اس لئے رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ حج میں شامل کیا اور آپ نے اپنی طرف سے اور حضرت علیؑ کی طرف سے بھی قربانی کی۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلا اور آخری حج تھا جو رسولؐ نے مسلمانوں کے جمِ غفیر کے ساتھ کیا تھا، حضرت عائشہ اس حج سے محروم رہ گئیں، طبری نے تحریر کیا ہے کہ (یہ خود حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ) "میں اسی دن حائضہ ہو گئی، علیؓ میرے پاس آئے میں رو رہی تھی انھوں نے پوچھا کیا ہوا شائد تم کو حیض آیا ہے، میں نے کہا ہاں اور اچھا ہوتا کہ اس سال میں تم سب کے ساتھ حج کے لئے نہ جاتی انھوں نے کہا یہ خیال نہ کرو بلکہ یہ بات زبان سے بھی مت کہو طواف کے علاوہ تم اور تمام وہی مناسک حج ادا کر سکتی ہو جو دوسرے حاجی کرتے ہیں۔"

مذکورہ روایت لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت نے حضرت عائشہ کو روایات وضع کر کے بلندیوں پر پہونچا دیا ہے اور فخر سے کہتے ہیں کہ دین حمیرا سے سیکھو (سیرت عائشہ ص ۴۷) ان کی علمی بلندی کتنی تھی اس کا اندازہ خود ان کی روایت سے ظاہر ہے کہ حیض آنے پر رونا شروع کر دیا اور کہنے لگیں کہ میں اس سال حج کو نہ آتی، اُم المومنین کے اس

قول سے ثابت ہے کہ وہ مسائل دین نہ جانتی تھیں، اُم المومنین عائشہ کی لاعلمی سنہ ۱ھ میں تھی اور اس کے کچھ ماہ بعد رسولؐ کا انتقال ہو گیا۔

دوسری طرف بابِ شہر علم حضرت علیؑ ہیں انھوں نے بغیر معلوم کئے یہ بھی بتا دیا کہ تمہیں حیض آیا ہے، اور تمہاری شرعی ذمہ داری اب یہ ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود عملِ اہل سنت یہ ہے کہ ''پرنالہ وہیں گرے گا'' مزید ثبوت کے لئے ایک روایت اور تحریر کر رہا ہوں، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اہل سنت نے اُم المومنین عائشہ کے علمی مرتبے میں کتنا مبالغہ کیا ہے، سلیمان ندوی اپنی کتاب سیرت عائشہ میں تحریر کرتے ہیں کہ قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ وشاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا حضرت عائشہ سے بڑھ کر عالم کسی کو نہیں دیکھا گیا (ص ۱۷۳) اتنی عالمہ، فاضلہ اور حیض آتے ہی رونا شروع کر دیا، اور باب شہر علم نے بتایا کہ اب تم اس طرح کرو، صاف ظاہر ہے کہ اہل سنت نے جو اپنے دینی بزرگوں کے فضائل بیان کئے ہیں وہ صرف ان کو اہم بنانے کے لئے ہیں، اصلیت میں یہ سب کچھ نہ تھے، ام المومنین عائشہ کی اصل شخصیت کیا تھی اس کو میں اپنی کتاب ''اُم المومنین عائشہ'' میں لکھ چکا ہوں شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

**غدیرِ خُم**: مومنین کے دِلوں کی ٹھنڈک غدیرِ خم سے وابستہ ہے، خُم ایک مقام کا نام ہے اور اس مقام پر ایک تالاب تھا، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں، یہاں پر پیش آیا ایک عظیم الشان واقعہؑ غدیر خم کے نام سے جانا جاتا ہے، ہوا یہ کہ حج سے واپسی پر جب قافلۂ رسولؐ سوا لاکھ حاجیوں (اور بقول اہل سنت صحابیوں) کو لے کر مقامِ خم میں پہونچا تو آیت قرآن نازل ہوئی کہ یاایھا الرسول بلّغ ما انزل الیك من ربك و ان لم تفعل فما بلّغتَ رسالتہ' (اے رسول اس (حکم) کو پہونچا دیجئے جو نازل کیا جا چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا کارِ رسالت انجام ہی نہ دیا) آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ کوئی حکم نازل ہو چکا ہے لیکن رسولؐ نے ابھی اس حکم کو مصلحت کی بنا پر

پہونچایا نہیں تھا، اب ایسی جگہ جہاں سایہ نہیں تھا خاردار جھاڑیاں تھیں شدید گرمی تھی ،سورج سروں پر تھا کہ حکمِ پروردگار نازل ہو گیا، اور اس حکم سے ظاہر تھا کہ خداوند عالم اب اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس حکم کو جو پہلے نازل کیا جا چکا ہے اس میں تاخیر ہو اور اگر تاخیر ہوئی تو گویا تم نے کارِ رسالت انجام ہی نہیں دیا، حالانکہ آپ گذشتہ تیئس سال سے وحدانیت وقیامت کے ساتھ ساتھ مکمل طریقے سے احکامِ دین سے لوگوں کو آشنا کر رہے تھے، لیکن قرآن کے تیور نہایت سخت تھے، اس لئے آپ فوراً اپنی سواری سے اُترے آپ کیساتھ تمام مسلمان اپنی سواریوں سے اُتر گئے، آپؐ نے حکم دیا کہ کانٹے صاف کئے جائیں جو آگے تھے ان کو بلایا گیا اور جو پیچھے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔

مقامِ خم ایسی جگہ تھی کہ یہاں سے راستے مختلف ہو جاتے تھے اس لئے مسلمانوں کا اتنا بڑا مجمع ایک وقت میں پھر میسر نہ آتا اس لئے خداوند عالم نے حکم دیا کہ جو نازل ہو چکا ہے اس کو پہونچاؤ۔

یہاں پر غور طلب چیز یہ ہے کہ رسولؐ نے گذشتہ تیئس برس سے احکامِ خدا لوگوں کو پہونچائے اور مصلحت کی وجہ سے حکمِ خدا سنانے میں مناسب وقت کا انتظار نہ کیا تو یہ ایسا کونسا حکم تھا کہ رسولؐ مناسب وقت کی تلاش میں تھے، اور رسولؐ کو کیا خطرہ تھا کہ قرآن نے ہمت بندھائی کہ واللہ یعصمك من الناس اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اب جب خدا نے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دیدی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ خم میں پالان شتر کا منبر بنوایا اور الصلوٰۃ جامعة کا اعلان ہوا، تمام مسلمان اکٹھا ہو گئے، گرمی کی شدت سے ریت اتنی گرم ہو رہی تھی کہ لوگوں نے اپنی عبائیں یا چادریں اپنے پیروں پر لپیٹ لی تھیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پالان شتر کے منبر پر تشریف لے گئے اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا اور اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں خدا کی حمد وثنا کے بعد لوگوں کو وعظ ونصیحت کی اور پھر اپنی موت کے قریب ہونے کا ذکر کیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ

، جو عذاب دینے میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرستی اور آگ کی پوجا میں غرق تھی، آپ نے ان کی بے دینی ملاحظہ کی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی، اور آپ نے اپنی قوم سے علاحدگی (الگ ہوگئے) اختیار کی اور غیر آباد مقام پر قوم سے دور جا کر رہنے لگے اور وہاں پر عبادت خدا میں زندگی بسر کرتے رہے، جب آپ کی عمر آٹھ سو پچاس برس ہوئی، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ آپ نے کیوں اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کی؟ آپ نے فرمایا کہ میری قوم خدا کو نہیں مانتی اور گمراہ ہے، اس لئے میں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے، یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے، اور خدا نے آپ کو اپنی قوم پر رسول مبعوث کیا ہے، آپ گوشہ نشینی ترک کر کے قوم کو خدا کی طرف بلائیے۔

دیکھا آپ نے! اگر لوگوں میں بے دینی پائی جائے تو سیرت نبیؑ یہ ہے کہ ان لوگوں سے علاحدگی اختیار کی جائے، اگر آپ کے قرب و جوار میں چاہے وہ آپ کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں اگر بے دینی میں ڈوب جائیں نمازیں چھوڑ دیں، خمس و زکات دینا ترک کر دیں داڑھی مونڈیں، عورتیں بے پردہ ہو جائیں، غیر مسلموں کا پکایا نجس کھانا کھائیں ، نیک باتوں کی ہدایت نہ کریں بری باتوں سے نہ روکیں تو آپ بھی ان افراد سے کنارہ کشی کریں تا کہ ان کو احساس ہو کہ ان کی بے دینی کی وجہ سے ان سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔

بہر حال! حکمِ خدا آ جانے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں تشریف لائے، اس دن ان کی قوم سالانہ عید منا رہی تھی، آپ نے درد بھری آواز میں قوم کو مخاطب کر کے فرمایا! کہ ایک خدا کی عبادت کرو شیطان نے تم کو جہنم کے قریب تک پہونچا دیا ہے، اور خدا نے تم پر رحم کیا اور مجھے تم پر رسول بنا کر بھیجا ہے، خدا کی عبادت واطاعت کرو گے تو مرنے کے بعد تم کو جنت ملے گی، جس وقت آپؑ قوم کو سمجھا رہے تھے تو خدا نے آپ کی آواز میں یہ اثر پیدا کیا کہ تمام بتوں میں لرزہ پیدا ہو گیا اور سب اوندھے

"میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل البیت ہیں میں اپنے اہل البیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں"

آخری جملے کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا اس کے بعد آپ کے فرمایا ایھا الناس من اولی الناس بالمؤمنین من انفسھم (لوگو! بتاؤ تو سہی میں مومنین پر خود ان کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں؟ سب نے بیک آواز کہا بے شک، پھر آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر اونچا کیا کہ دونوں کے بغل کی سفیدی ظاہر ہوگئی اور فرمایا

ان اللہ مولای وانامولی المومنین وانااولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ' (خدا میرا مولا ہے میں ایمان والوں کا مولا ہوں اور خود ان سے زیادہ ان کی جانوں پر اختیار رکھتا ہوں پس جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی اس کے مولا ہیں

تاریخ کا بیان ہے آپؐ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا اور امام احمد ابن حنبل کا اصرار ہے کہ تین دفعہ نہیں بلکہ رسولؐ نے اس جملہ کی چار مرتبہ تکرار کی، اس کے بعد آپ نے فرمایا اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہٗ واخذل من خذلہٗ وادر الحق معہ حیث دار الافلیبغ الشاھد الغائب (پروردگار! جو علی سے محبت کرے تو اسے دوست رکھ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ، علیؑ کی مدد کرنے والوں کی مدد فرما اور جو علی سے مونہہ موڑے تو بھی ان سے مونہہ موڑ لے اور علیؑ جدھر رُخ کریں تو حق کو ادھر پھیر دے، اور ہاں! جو اس وقت حاضر ہیں وہ اس بات کو ان تک پہونچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

پھر آپ پالانِ شتر کے منبر سے نیچے اُترے دو رکعت نماز پڑھی اور اس وقت زوالِ آفتاب ہو گیا تو آپؐ نے اذانِ ظہر کا حکم دیا، پھر مسلمانوں کو نمازِ ظہر پڑھائی اس کے بعد آپ نے ایک خیمہ نصب کرایا، یہ خیمہ آپ نے اپنے خیمے کے سامنے نصب کرایا تھا،

اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ جا کر خیمے میں بیٹھیں اور تمام صحابہ کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے حضرت علی علیہ السلام کے پاس جا کر مبارکباد دیں، صحابہ جب مبارکباد دے چکے تو آپؐ نے یہی حکم اپنی ازواج کو دیا، جب تمام امہات المومنین مبارکباد دے چکیں تو رسولؐ نے تمام صحابیات کو حکم دیا کہ وہ بھی جا کر مبارکباد دیں، جب یہ بھی فارغ ہو گئیں تو رسولؐ سے حسان بن ثابت نے اجازت چاہی کہ اس وقت میں علیؑ کے بارے میں کچھ اشعار پڑھنا چاہتا ہوں، رسولؐ نے اجازت دیدی، قصیدے کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

فقال له قم یاعلی فاننی رضیتیك من بعدی اماماً وھادیاً

(پھر رسولؐ نے فرمایا) اے علیؑ اٹھو میں نے اپنے بعد کے زمانے کیلئے تمہیں امت کا امام اور ملت کا رہنما بنایا ہے۔

فمن کنت مولاہٗ فھذا ولیہٗ فکونوا لہٗ انصارٌ صدقاً موالیاً

(لہٰذا جس کا میں حاکم ہوں یہ بھی اس کا فرماں روا ہے ،لوگو! تم سب علیؑ کے سچے حامی اور تابعدار بنو۔

تاریخ نے خاص طور سے دوسرے سقیفائی حاکم کی مبارکباد کے الفاظ درج کئے ہیں، چنانچہ عمر ابن خطاب نے حضرت علیؑ سے کہا کہ

مبارک ہو اے فرزند ابوطالب ! تم آج سے میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا جامع اور بھرپور اعلان افراد پر کیا جو دل میں یہ تمنا لئے بیٹھے تھے کہ بعد رسولؐ علی کو حکومت نہ ملنے دیں گے یہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ تھے جن کا بیان تاریخ کے ٹیپ ریکارڈ نے ٹیپ کیا کہ

""عرب اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع ہوں" (الفاروق)

ان صاحب نے مرتے وقت عبدالرحمٰن بن عوف کا ووٹ ڈبل کر کے خلافت

کو علیؑ سے دور کر دیا، لیکن آج ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی ہے کہ یہی وہ ٹولہ تھا جس کی سازش سے بچنے کے لئے رسولؐ حکمِ ولایت نازل ہونے کے بعد بھی مناسب موقع کے منتظر تھے، لیکن خداوند عالم کا حکم آنے کے بعد رسولؐ نازل شدہ حکم کو سنانے کے لئے تیار ہوئے اور خطرے سے نمٹنے کے لئے قرآن نے واضح کر دیا کہ اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، واللہ یعصمك من الناس کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ یہ گروہ رسولؐ پر کتنا جری ہو رہا تھا کہ قرآن کو تسلی نازل کرنا پڑی۔

مخالفین رسولؐ کی جرأت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ آپ کی جان لینے کے درپے تھے، تبوک سے واپسی پر گھاٹی کا واقعہ پیش آ ہی چکا تھا، تاریخ نے بعد میں یہ ریکارڈ شدہ بیان بھی سنایا کہ ایک صاحب بار بار دریافت کر رہے ہیں کہ میرا نام منافقین میں تو نہیں ہے؟ اس کے بعد قلم اور کاغذ کا واقعہ آخر عمر میں پیش آیا، جس کا تذکرہ ابھی آگے آتا ہے اس میں بھی رسولؐ پر ہذیان کا الزام لگا کر قلم اور کاغذ دینے سے انکار کیا اور جب رسولؐ کا انتقال ہو گیا تو مدینے میں کہرام برپا ہو گیا تو تلوار باہر آئی کہ اگر کسی نے کہا کہ رسولؐ کا انتقال ہو گیا تو گردن اڑا دی جائے گی، کچھ لوگ حکومت مضبوط کرنے کے لئے سقیفہ پہونچے تجہیز و تکفین رسولؐ کی فکر نہیں کی۔ اور جب حکومت مضبوط ہو گئی تو اقرار کیا کہ رسولؐ کے انتقال کی خبر والی آیتِ قرآن سن کر آنکھیں کھلیں اور یقین آیا کہ رسولؐ کی وفات ہو چکی ہے۔

یہ تو اس دور کے افراد تھے بعد میں ان افراد کے ماننے والوں کو احساس ہوا کہ غدیر خم کا واقعہ سقیفائی حکومت کی بنیادیں ہلا رہا ہے، تو اس کا پہلا علاج یہ کیا کہ واقعہ کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے، اس کے لئے مختلف ہتھکنڈے اپنائے مثلاً مولوی شبلی نعمانی نے بڑی تفصیلی کتاب ''سیرت النبیؐ'' تحریر کی لیکن اس میں غدیر کا تذکرہ چند لائن میں ہی کیا اور تحریر کیا کہ

صحیح مسلم (مناقب حضرت علیؑ) کی روایت ہے کہ نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی

ہے، ان روایتوں میں ایک فقرہ مشترک ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعادہ من عاداہ جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہئے، الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ (سیرت النبی مطبوعہ کفایت اکیڈمی کراچی)

شبلی کا اقرار ہے کہ یہ واقعہ طبری میں ہے اور میرے سامنے اس وقت طبری کا اُردو ترجمہ جو ادارہ تبلیغ دین دیوبند نے شائع کیا ہے موجود ہے، اس میں واقعہ غدیر غائب کر دیا گیا ہے اس طرح سقیفائی خوش ہو گئے کہ ہم نے حق کو چھپالیا، اس طبری کا اُردو ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی نے کیا ہے، لیجئے ہندوستان میں اہل سنت کے دو بڑے مرکز ندوہ اور دیوبند دونوں کا مشن ایک کہ حق کو چھپاؤ۔

غدیر خم کے واقعے میں دوسری حرکت یہ کہ مولا کے معنی میں تحریف کی جائے، اس لئے سقیفائی مسلک کے قلم میں حرکت میں آ گئے اور بحث شروع کی کہ مولا کے معنی کیا ہیں؟ اس کے لئے صرف اتنا کہنا ہے کہ مولا کے معنی کیا ہیں اس کو وہ بتائے جس نے یہ لفظ استعمال کیا ہے اور رسولؐ کا منشاء اتنا واضح ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں، یا وہ بتائیں جنھوں نے سنا ہے اور جنھوں نے سنا ان میں ایک صحابی حسان بن ثابت ہیں ان کے اشعار نے بتا دیا کہ مولا کے کیا معنی ہیں اس کے بعد مولا کے معنی پر بحث کرنا صرف اس لئے ہے کہ حق سے دور رہا جائے۔

ٹھیک ہے آپ حق سے دور رہیں کل قیامت میں حوضِ کوثر سے دور کیا جائے گا اس کی گواہ بخاری شریف ہے (کتاب الحوض) دور کئے جانے کا سبب کیا ہوا اس کی گواہی بھی بخاری نے دی ہے کہ صحابہ کا بُرا انجام حکومت کے لالچ کے سبب ہوگا۔

المختصر یہ کہ غدیر میں حضرت علیؑ کو رسولؐ نے اپنا جانشین بنا کر قیامت تک کے لئے دین کی حفاظت کی ذمہ داری علیؑ اولادِ علی علیہ السلام کو دی گئی اب آپ کی اولاد میں امام مہدی علیہ السلام آج بھی حیات ہیں اس لئے شیعوں میں آج بھی دین محفوظ ہے

اور جنھوں نے اس سلسلے کو نہیں مانا ان کے یہاں خلافِ قرآن عقائد اور اعمال آج بھی موجود ہیں۔

اور جب دین کی حفاظت کا قیامت تک کے لئے انتظام ہوگیا تو قرآن نے ولایت علیؑ کے بعد سند نازل کردی کہ

**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً** (سورہ مائدہ)

آج دین کامل ہوگیا نعمتیں تمام ہوگئیں اور اللہ دین اسلام سے راضی ہوگیا

غدیر خم میں آفتاب امامت کے بلند ہوتے ہی رقیبوں میں ہلچل مچ گئی، حارث ابن نعمان فہری سے برداشت نہ ہوا، وہ رسولؐ کے پاس آکر بولا کہ اے محمدؐ تم نے ہمیں احکامِ اسلام بتائے ہم نے ان کو مان لیا اب تم چلتے چلتے علیؑ کو ہم پر حاکم بنا کر جارہے ہو کیا یہ بھی خدا کا حکم ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ ہاں یہ خدا کا حکم ہے ،اس کو اطمینان نہ ہوا اور وہ رسولؐ کے پاس سے یہ کہہ کر اٹھا کہ اگر علیؑ کو یہ عہدہ خدا کی طرف سے ملا ہے اور رسولؐ اس اعلانِ ولایت میں سچے ہیں تو اے خدا! تو مجھ پر آسمان سے عذاب نازل فرما، یہ کہہ کر وہ ابھی اپنی سواری تک بھی نہ پہونچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اور اس کے سر پر پڑا اور وہ ہلاک ہوگیا، اللہ نے سورہ معارج کی تین آیتوں کے ذریعہ اس عذاب کی تشہیر کا قیامت تک کے لئے انتظام کردیا۔

تفسیر وحدیث کی دنیا کی تیس مشاہیر کی علمی کاوشوں سے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے لیکن اہل سنت اس واقعہ کو پوشیدہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح یہ واقعہ مشکوک کیا جا سکے تاکہ شکستہ دل کو تسلی ملے اور لرزتی ہوئی سقیفائی عمارت کو قرار آئے۔

المختصر یہ کہ عید غدیر کی روایت کرنے والے ایک سو دس اصحاب وازواج رسولؐ کے نام کتابوں میں آج بھی موجود ہیں۔

اعلانِ غدیر ۱۸/ ذی الحجہ کو ہوا اور یہ وہ تاریخ ہے جس میں گذشتہ تمام انبیاء نے

اپنے وصی کا اعلان کیا ہے، اس دن مومنین کو چاہئے کہ
غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہنیں، خوشبو لگائیں، زوال آفتاب کے وقت دو رکعت نماز پڑھیں زیارت حضرت علی علیہ السلام پڑھیں دعائیں پڑھیں گھروں میں جشن کا سماں رہے، مومنین کی زیارت کریں ایک دوسرے کو تحفے دیں ایک دوسرے کو غدیر کی مبارکباد دیں، خدا کا شکر ادا کریں اور بہتر ہے کہ اس روز روزہ رکھیں، اور پیغامِ غدیر اور واقعہ غدیر سے لوگوں کو آگاہ کریں، اور اپنے اہل خانہ کے لئے خوش حالی وشادمانی کا سامان فراہم کریں۔

**لشکرِ اُسامہ** : رومیوں سے تصادم ابتداء میں جنگ موتہ میں ہوا پھر خبر ملی کہ رومی حملے کی تیاری کر رہے ہیں، اس لئے آپ لشکر لے کر تبوک پہونچے لیکن وہاں جنگ نہ ہوئی لیکن سفر تبوک سے اسلام کے پھیلنے میں مدد ملی اختصار کی وجہ سے اس کا تذکرہ یہاں پر نہیں کیا جا رہا ہے۔

غدیر خم میں چونکہ رسول اکرمؐ اپنی وفات کا اشارہ دے چکے تھے اور آپ اس دور میں علیل بھی رہنے لگے تھے لیکن اس حالت میں بھی آپ نے لشکر اسامہ ترتیب دیا
جنگ موتہ میں چونکہ مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اس کی تلافی بھی کرنا تھی آپ نے زید بن حارثہ کے فرزند اسامہ بن زید کو سردار قرار دیا اور اس میں تمام مہاجرین وانصار کو جانے کا حکم دیا، اسامہ ایک کم عمر شخص تھے اور آزاد کردہ غلام زید کے فرزند تھے، اس لئے ابوبکر، عمر، عثمان، سعد بن وقاص، ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی اور انھوں نے لشکر میں نہ جانے کے لئے حیلے حوالے شروع کئے، رسولؐ بار بار لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیتے لیکن لشکر کو نہ جانا تھا اور نہ گیا، اس حالت سے بقول عبدالحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور آپ غضبناک ہوئے (مدارج النبوۃ) ان افراد کے قیل وقال کی خبر جب رسول کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ
"تم لوگوں نے اس سے قبل اسامہ کے باپ زید بن حارثہ کو سردار بنانے پر بھی

ناگواری ظاہر کی تھی ،اوراب تم اسامہ کوناپسند کررہے ہومگر خدا ورسول تمہاری ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں جوفیصلہ خدا ورسولؐ کا ہے وہ ٹل نہیں سکتا ہے،اورخدالعنت کرے لشکراسامہ میں نہ جانے والوں پر(ملل ونحل وغیرہ)

رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کولشکراسامہ سے الگ رکھاتھا،حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ جناب سلمان فارسیؓ،ابوذرغفاریؓ اورمقداد وغیرہ کوبھی لشکر سے الگ رکھا گیا تھا،اوران تمام افراد کوجن کے دل میں خلافت چٹکیاں لے رہی تھی،لشکراسامہ میں جانے کاحکم دیدیاتھا،اس چیز کو یہ لوگ بھی محسوس کررہے تھے کہ انھوں نے ہمیں مدینہ سے باہر روانہ کرنے کامنصوبہ بنالیا ہے کہ اگر ہماری غیر موجودگی میں وفاتِ رسولؐ ہوگئی تو حضرت علی علیہ السلام حسب منشائے رسولؐ خلیفہ رسولؐ ہوجائیں گے اورہمارا منصوبہ حکومت حاصل کرنے کادھرارہ جائے گا،اس لئے ان لوگوں نے لشکراسامہ میں نہ جانے کے حیلے حوالے شروع کردئے،ان کونہ جاناتھانہ یہ گئے ان افراد نے رسولؐ کی اس لعنت کی بھی پرواہ نہ کی جوآپ نے لشکراسامہ میں نہ جانے والوں کے لئے تھی۔

اہل سنت اس لعنت کے تذکرے کوچھپاتے ہیں اوراس بات پرزوردیتے ہیں کہ رسولؐ نے نہ جانے والوں پرلعنت نہیں کی تھی،ابھی اوپرآپ نے عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ کے حوالے سے پڑھا کہ رسولؐ کولشکر نہ جانے پرتکلیف ہوئی اورآپ غضبناک ہوئے،قرآن واحادیث گواہ ہیں کہ رسولؐ کوایذادینے والے لعنتی ہیں۔

اب اگرکچھ دیر کے لئے ہم یہ مان لیں کہ رسولؐ نے لشکراسامہ میں نہ جانے والوں پرلعنت نہیں کی تو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رسولؐ کوتکلیف پہونچانے والے لعنتی ہیں اس طرح بھی لشکراسامہ میں نہ جانے والوں پرلعنت وارد ہوگئی،اورہمارامقصد حاصل ہوگیا کہ وہ افراد جولعنت کی زدمیں آئیں وہ خلیفہ رسولؐ نہیں ہوسکتے ہیں۔

لشکراُسامہ سے متعلق طبری نے کوئی تذکرہ نہیں کیا،اورشبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ میں چندلائن میں بات ختم کردی،جوثبوت ہے کہ اہل سنت اس لشکر کے تذکرے سے ہی

گھبراتے ہیں اور گھبراہٹ کی وجہ سقیفائیوں کا حکم رسولؐ کا نہ ماننا اور لشکر میں نہ جانے والوں پر رسولؐ کی لعنت ہونا ہے یہ بھی ثبوت ہے کہ رسولؐ نے لشکر میں نہ جانے والوں پر لعنت کی تھی۔

لشکر اُسامہ سے متعلق گفتگو اور بھی ہوسکتی ہے لیکن ہم تاریخ سے ہٹ کر میدانِ مناظرہ میں پہونچ جائیں گے اس لیئے اس تذکرے کو اب ختم کیا جاتا ہے

**مرض الموت اور آخری لمحات** : ماہِ صفر کی آخری تاریخیں تھیں جب آپ پر بیماری کا زیادہ غلبہ ہوا، اس وقت آپ کی تیمار داری آپ کے اعزّہ کر رہے تھے، جب آپ نے محسوس کیا کہ اب طاقت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور جنت البقیع کی طرف چلے، دیگر افراد بھی ساتھ ہولئے، یہاں آپ کے خاص خاص اعزہ دفن تھے، وہاں پہونچ کر آپ نے اہل قبور کو سلام کیا اور ساتھ میں آئے افراد کو مخاطب کر کے بتایا اب میرے دنیا سے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے، پھر ان سب کے سامنے آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم مجھے غسل دینا کسی کی نگاہ میرے جسم پر نہ پڑنے دینا ورنہ اچھا نہیں ہوگا، یہ منگل کے دن کا واقعہ ہے، اس کے بعد روز جمعہ آپ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس میں فرمایا کہ

> اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ اور کسی بھی شخص کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسے کچھ بھلائی عطا کرے یا اس سے کوئی برائی کو دور کرے، بجائے نیک اعمال کے، اے لوگو! کوئی دعویدار دعوے نہ کرے اور کوئی سبز باغ دیکھنے والا آرزوؤں کے سبز باغ نہ دیکھے قسم اس کی جس نے مجھے سچائی کیساتھ بھیجا ہے مجھے بھی سوا عمل کے کوئی چیز نہیں جو نجات دے ہاں اس کے ساتھ اللہ کے رحمت اور اگر میں بھی نافرمانی کروں تو کہیں کا نہ رہوں پھر تین دفعہ کہا (گواہ رہنا) مجھے جو پہنچانا تھا پہنچا دیا۔

اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی اور گھر تشریف لے گئے، اس خطبے کو بھی اہل سنت نے اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خطبے میں سبز باغ دیکھنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

علالت نے زور پکڑا تو بنی ہاشم جو آپ کی تیمارداری میں مصروف تھے وہ اس سے متاثر ہوئے اور ان کا متاثر ہونا فطری بھی تھا اور ایمانی بھی تھا، جس وقت آپ علیل ہوئے تھے اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے، لیکن عائشہ کا گھر سبز باغ دیکھنے والوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، مسلسل آمدورفت تھی، اس چیز کو رسولؐ نے محسوس کیا اور اس آمدورفت پر قدغن لگانے کے لئے آپ نے ازواج سے اجازت لے کر خود کو عائشہ کے مکان میں منتقل کرلیا اس طرح ان سبز باغ دیکھنے والوں کو زحمت ہوگئی کیونکہ تیماری داری کی وجہ سے عائشہ کے گھر میں مسلسل بنی ہاشم کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی، انھیں ایامِ علالت میں جب رسولؐ نے محسوس کیا کہ میرے یہاں آنے کے بعد بھی سبز باغ دیکھنے والوں کی کارروائیاں ونگرانیاں مسلسل جاری ہیں اور ان کی کمک عائشہ کر رہی ہیں تو آپ نے عائشہ سے جو کہا اس کو مولوی سلیمان ندوی کی زبانی سنئے:

> ''ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا آنخضرت ﷺ کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم میرے سامنے مرتیں تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز وتکفین کرتا تمہارے لئے دعا کرتا، عرض کی یارسول اللہ آپ میری موت مناتے ہیں اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لاکر رکھیں گے۔'' (سیرت عائشہ صفحہ ۵۸)

مولوی سلیمان ندوی کی تحریر سے اندازہ ہو رہا ہے کہ رسولؐ ان کی حرکات دیکھ کر ان کی موت کی تمنا کر رہے تھے ان کی حرکات پر ڈپٹی نذیر احمد دہلوی صاحب نے یہ تذکرہ کیا ہے

''عائشہ شروع علالت سے تا دمِ مرگ پاس سے نہ کھسکیں'' (اُمہات الامہ صفحہ ۹۱)

انھیں ایامِ علالت میں عائشہ کے حجرے میں حفصہ بھی آگئیں، ان کے ابا بھی اس گروہ کے رُکن تھے جن کے دماغ میں خلافت چٹکیاں لے رہی تھی، اس کو اتفاق ہی کہا جائے یا معمول کے مطابق سمجھا جائے کہ جس وقت حفصہ عائشہ کے گھر میں موجود تھیں اس وقت بلال رسول کو نمازِ صبح کے لئے بلانے آئے، اُمّ المومنین عائشہ نے ابوبکر سے کہا کہ وہ نماز پڑھائیں، حضورؐ کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھا سکیں، حفصہ بھی ام المومنین کا تمغہ رکھتی تھیں اس لئے انھوں نے بھی بلال سے کہا کہ عمر سے کہو کہ نماز پڑھائیں حضورؐ اس وقت نماز پڑھانے کے لائق نہیں ہیں، یہ چیز جب اُم المومنین عائشہ نے محسوس کی تو خاموشی سے ایک آدمی کو دوڑایا کہ ابوبکر سے کہو کہ حضورؐ کی حالت نازک ہے آپ آکر نماز پڑھایئے، چنانچہ یہ وہی نماز ہے جو ابوبکر نے پڑھائی اور اس نماز کو سقیفائی دلیل خلافت بنانے لگے، اور یہ بھول گئے کہ رسولؐ نے ان کو یعنی ابوبکر کو لشکر اسامہ میں روانہ کیا تھا اور لشکر اسامہ میں نہ جانے والوں پر لعنت کی تھی لعنت کی زد میں آکر امامت نماز کو دلیل بنانا دیوانگی ہے۔

علماء نے اس نماز جماعت کا ذکر جس طرح کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر جب نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو ابوبکر کی آواز سن کر رسولؐ فضل بن عباس اور حضرت علی علیہ السلام کے سہارے مسجد میں پہونچے اور ابوبکر نماز شروع کر چکے تھے لیکن رسولؐ نے ان کے بجائے خود نماز پڑھائی۔

صاف ظاہر ہے کہ رسولؐ ابوبکر کے نماز پڑھانے پر راضی نہیں تھے، انتہائی نقاہت کے عالم میں رسولؐ سے یہ برداشت نہ ہوا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، آپ اپنے عزیزوں کے سہارے مسجد پہونچے اور خود نماز پڑھائی، اب یہ بات واضح ہوگئی کہ رسولؐ ابوبکر کے نماز پڑھانے پر راضی نہیں ہیں تو پھر ابوبکر کی خلافت پر کیسے راضی ہوں گے؟

صرف اتنا ہی نہیں بعد نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے اور ابوبکر و عمر کو بلا کر فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ

منہ زمین پر آ گرے ،اوران کے آتشکدوں میں روشن آگ ایک دم بجھ گئی، یہ دیکھ کر تمام قوم پر خوف طاری ہو گیا، اس مجمع میں عمورہ نام کی ایک عورت بھی تھی اس پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا ،اور وہ فوراً ایمان لے آئی۔ اس کے باپ نے جب یہ دیکھا کہ اس نے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے، تو اس کو سمجھایا جب وہ نہ مانی تو اس کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا کہ تجھے نہ کھانا ملے گا نہ پانی اور نہ باہر نکالا جائے گا، جب تک تم اپنا دین ترک نہ کرو گی ،لیکن اس نے اپنا دین ترک نہ کیا اور اسی طرح سال بھر گذر گیا، انھوں نے کھانا پانی بالکل نہ دیا، لیکن خدا نے حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعہ اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا، آپ بذریعہ معجزہ اس کو کھانا پانی پہونچاتے رہے، جب سال بھر بعد اس کے باپ نے اس کھوٹھری کو کھولا تو عمورہ پہلے سے زیادہ تندرست نظر آئی، سب کو تعجب ہوا کہ یہ بغیر آب وغذا سال بھر تک کیسے زندہ رہی ،لوگوں نے عمورہ میں ایک نورِ عظیم بھی دیکھا، اس واقعے کے بعد لوگ آہستہ آہستہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے لگے، اس کے بعد خدا نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ آپ عمورہ سے نکاح کر لیجیے، حضرت نوحؑ کی ایک بیوی اور تھی وہ مرتے دم تک ایمان نہ لائی۔

جب حضرت نوح علیہ السلام قوم سے عاجز آ گئے اور یہ دیکھ لیا کہ یہ سدھرنے والی نہیں ہے ،تو آپ نے قوم پر عذاب کی بدعاء کر دی۔ چنانچہ خداوند عالم نے حکم دیا کہ پہلے ایک کشتی بناؤ ،جب کشتی تیار ہو گئی اور تمام مومنین اس میں سوار ہو گئے تب ہر چہار طرف سے پانی برسنے لگا زمین سے پانی ابلنے لگا، نتیجے میں تمام کفار و مشرکین ہلاک ہو گئے، کشتی پر سوار ہونے والے مومنین کی کل تعداد اسّی تھی، حضرت نوحؑ علیہ السلام طوفان کے بعد پانچ سو برس تک زندہ رہے ،پھر آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ آپ کی نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا اپنے فرزند سام کو اپنا جانشین مقرر کیجیے جناب سام کی والدہ جناب عمورہ تھیں جو سب سے پہلے ایمان لائی تھی، حضرت نوح علیہ السلام نے میراثِ علم نبوت اور آثارِ پیغمبری جو آپ کے پاس تھے وہ سب اپنے بیٹے سام کے سپرد فرمائے اور ان کو اپنا جانشین بنا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے ۔روایت میں ہے کہ آپ کی عمر شریف ڈھائی ہزار سال ہوئی۔

روانہ ہو؟ اس پر ابو بکر نے کہا کہ

''میں گیا تھا پھر واپس آیا کہ ایک دفعہ اور آپ کی زیارت کرلوں''

رسولؐ کا ابو بکر سے یہ سوال ظاہر کر رہا ہے کہ رسولؐ ان کی امامت سے خوش نہیں تھے اب عمر ابن خطاب کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

''میں اس لئے نہیں گیا کہ میں نے یہ نہیں چاہا کہ میں مسافروں سے جو یہاں سے جائیں آپ کا حال پوچھتا رہوں''

ابو بکر اور عمر ابن خطاب کا نہ جانے کا بہانہ ملاحظہ کیا آپ نے؟ اس بہانے سے تو تمام لشکر جو مدینے سے باہر پڑاوڈالے پڑا تھا وہ بھی لشکر میں جانے سے انکار کر سکتا تھا، اسی چیز کو محسوس کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

ارے اُسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔

مؤرخین نے اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ اس کے بعد اس تھکان سے جو آپ کو ہوئی تھی آپ بے ہوش ہو گئے۔ لیجئے قصہ ختم ہوا۔

لیکن ذرا غور کرنے پر احساس ہوتا ہے کہ ابو بکر اور عمر کے جوابات سن کر آپ کو اذیت ہوئی غصہ آیا صدمہ ہوا اور آپ بے ہوش ہو گئے، اس چیز کو سقیفائی مؤرخین کیوں لکھیں گے؟ غلطی خود ان کے بزرگوں کی ہے نا۔

وہ رسولؐ جس کے لئے قرآن نے کہا تھا کہ جو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ، آج وہ رسولؐ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ مسلسل تاکیدوں کے بعد بھی اس کے احکامات کی مخالفت ہو رہی ہے تو پھر آنکھ بند ہونے کے بعد یہ لوگ کیا کیا نہ کریں گے؟ نماز جماعت والے معاملے میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ یہ لوگ از خود اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے بے چین ہیں جس طرح امامت نماز از خود لے لی، (سقیفائی کہتے ہیں کہ نماز کا حکم رسولؐ نے دیا تھا اگر اس کو درست مان لیں تو پھر رسولؐ خود نماز پڑھانے کیوں آگئے؟)

ان حالات کو دیکھتے ہوئے رسولؐ نے اس گروہ کے منصوبے پر پانی پھیرنے کے لئے کہا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ جس سے میرے بعد قیامت تک کے لئے گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ گے، دوسری روایت میں ہے کہ میرے پاس دوات، قلم اور ذبیحہ جانور کا شانہ لے آؤ، میں تمہارے لئے گمراہی سے بچنے کی تحریر لکھ دوں (اس زمانے میں مثل کاغذ شانے پر لکھا جاتا تھا) کاغذ مانگا تھا یا شانہ یہ اہم نہیں ہے لیکن تحریر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، کہ جس سے گمراہی سے نجات مل جاتی، یہ ایک عام بات تھی، رسولؐ زندگی بھر لوگوں کو گمراہی سے بچنے کی ہدایات دیتے رہے اب ہدایت تحریری دینا چاہتے تھے اس لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس کو دیکھ کر یہ کہا جائے کہ ان کا دماغ اس وقت صحیح نہیں ہے، لیکن اس گروہ کے افراد جن کے دلوں میں خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے کیا کیا اس کو ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنی کتاب امہات الامہ میں یوں تحریر کیا ہے کہ

"جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبرؐ صاحب کے حواس بر جا نہیں ہیں کاغذ قلم کا لانا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا لکھوا دیں گے۔ (صفحہ ۱۰۰)

حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب یوں تو مشہور سقیفائی مولوی ہیں لیکن یہ جبرِ حق ہے کہ وہ سب کچھ لکھنے پر مجبور ہو گئے لیکن انھوں نے بھی احتیاط سے کام لیا اور یہ نہ بتایا کہ وہ کون صاحب تھے جنھوں نے اتنی جسارت کی کہ رسولؐ کے منصوبے کو دھینگا مشتی سے چٹکیوں میں اڑا دیا اور ایسا کرنے والے کا آخرت میں انجام کیا ہوگا، کیونکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ جو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ، لیکن یہ لوگ رسولؐ پر اتنے جسور ہو گئے کہ رسولؐ کو لکھنے ہی نہ دیا، یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ اعتراض شبلی نے بھی کیا ہے کہ بعد میں رسولؐ نے زبانی کیوں نہ بتایا کہ کیا لکھوانا چاہتے ہیں؟

تاریخ میں ماحول کی عکاسی نہیں ہے دوسرے یہ کہ جو مخالفین تھے وہی حکومت پر قابض بھی ہوئے اورانھیں افراد کے زیراثر مؤرخین ومحدثین اورراویوں کے زبان وقلم تھے اس لئے ان لوگوں نے جتنی تحریف ہوسکتی تھی وہ کی جتنا اضافہ ہوسکتا تھا وہ کیا، جتنا جھوٹ بول سکتے تھے وہ بولا اس کے بعد آج سوال کرنا کہ زبانی کیوں نہ بتایا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر بھی میں یہ کہوں گا کہ ماحول اتنا نازک تھا کہ اگر رسولؐ زبانی کچھ کہتے تو نہ جانے یہ لوگ کتنی گستاخی کرتے جبکہ قلم دوات مانگنے پر ہی ہذیان زدہ کی سند دے دی تھی اس لئے رسولؐ نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی، بول کر اپنی مزید توہین کرانے کی ضرورت نہ تھی۔

مسند امام احمد بن حنبل کی راویت ملاحظہ فرمایئے:

عبداللہ بن عبداللہ کی روایت ہے ابن عباس سے انھوں نے کہا کہ جب رسول خدا کے احتضار کا وقت قریب آیا اوراس وقت مکان میں کچھ لوگ تھے، جن میں عمر ابن خطاب بھی تھے رسولؐ نے فرمایا میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہوں گے تو عمر نے کہا کہ رسولِ خدا پر مرض کی تکلیف کا غلبہ ہے [1] اور ہمارے پاس قرآن موجود ہے کتابِ خدا ہمارے لئے کافی ہے تو گھر میں اس وقت جو لوگ موجود تھے ان میں اختلاف ہوگیا، جس نے جھگڑے کی صورت اختیار کرلی ان میں سے کوئی کہتا تھا کہ ان کے پاس قلم دوات لے آؤ کہ لکھ دیں تمہارے لئے تحریر جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو، اور بعض ان میں سے وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا، تو جب بے ہودگی اور اختلاف رسولِ خدا کے پاس بہت ہوا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اٹھ جاؤ'' عبداللہ کا بیان ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت ساری مصیبت وہی تھی کہ رسولِ خدا کو اس تحریر کے لکھنے سے اختلاف اور شوروغل کرکے ان سے کہیں کہ اب وہ نوشتہ تحریر فرمادیں۔

---

(۱) امام احمد بن حنبل کی مسند کی دوسری روایت میں ہذیان کا لفظ ہے اختصار کی وجہ سے اس کو نقل نہیں کیا گیا بقیہ باتیں تقریباً یہی ہیں جو اس روایت میں ہیں۔

مذکورہ عبارت میں ملاحظہ فرمائیے ''اختلاف ہو گیا'' جھگڑے کی صورت اختیار کر لی'' بعض ان میں سے وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا'' (یعنی یہ کہ یہ حضرت اکیلے نہ تھے ان کے گروہ کے دیگر افراد وہاں موجود تھے) ''بے ہودگی اور اختلاف رسولِ خدا کے پاس بہت ہوا'' ''اختلاف اور شور و غل''

یہ تمام باتیں اگر کسی گھر میں ہو رہی ہوں تو کیا وہاں کان پڑی آواز سنائی دے گی؟ جبکہ شور و غل کرنے والے وہ حضرت ہیں جو حالتِ کفر میں تلوار لے کر چلے تھے کہ آج محمد کا کام تمام کر دیا جائے، وہی حضرت یہاں بھی ہیں جھگڑے کی صورت پیدا ہو چکی ہے، یہ شور و غل اور اختلاف ہے ایسی حالت میں ہر عزت دار اور سمجھدار آدمی زبان بند کر لے گا جب قلم کاغذ مانگا تو اتنا ہنگامہ اور اگر اب زبان سے کچھ کہوں تو یہ کیا کچھ نہ کریں گے اس لئے روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے پھر کسی سے کچھ نہ کہا صرف ان ہنگامہ پرور افراد کو کہہ دیا کہ اٹھ جاؤ میرے پاس سے، اب یہ فیصلہ مسلمان خود کریں کہ رسول اپنے پاس سے جس کو اٹھا دیں اس کا آخرت میں کیا انجام ہوگا۔

سقیفائی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے دوات قلم کیوں نہ دیا، یہ مضحکہ خیز سوال ہے جب دوات قلم مانگنے پر اتنا ہنگامہ برپا کیا تو اگر دوات قلم دیدیا جاتا تو پھر یہ لوگ تلوار نکال لیتے اور پھر خونریزی ہوتی اور جو حرم رسول کا تقدس پامال ہوتا اور رسول خداؐ کی توہین کی جاتی وہ نقصان اس سے زیادہ ہوتا جتنا قلم دوات نہ دیکر ہوا، آج کم سے کم اسلام کے نام پر لوگ بت پرستی سے دور ہیں، قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں، رسولؐ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، اگر خونریزی کر کے حضرت علیؑ اپنا مقصد حاصل کر لیتے تو ارتداد پھیل جاتا جس کے گواہ بعد کے واقعات ہیں کہ دورِ ابوبکر میں بقول اہل سنت کثرت سے لوگ مرتد ہو گئے تھے جن کے تذکرے سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں:

"(وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارانہ تھی آپ نے انکار فرمایا اسی حالت میں غشی طاری ہوگئی ،لوگوں نے مونہہ کھول کر دوا پلادی ، افاقے کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباس شامل نہ تھے اس لئے وہ اس حکم رسولؐ سے مستثنیٰ رہے (صفحہ ۱۴۱)

یہ بظاہر ایک عام واقعہ ہے لیکن اس واقعے سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت ماحول کیا تھا؟ رسولؐ منع کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ زبردستی مونہہ میں بنام دوا کوئی رقیق ڈال دیتے ہیں، یہ دوا تھی یا کچھ اور؟ شک کی سوئی اسی گروہ کی طرف حرکت کرتی ہے۔ جب آپ کو ہوش آتا ہے تو فرماتے ہیں کہ ان سب کے مونہہ میں بھی یہ رقیق ڈالو، یہ بھی غور طلب ہے کہ تیمارداری بنی ہاشم کر رہے تھے، یہ کون لوگ تھے اور کیا پلا رہے تھے اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دوا کے نام سے رقیق پلانے میں رسولؐ کے عزیز شامل نہ تھے اس لئے ان کو حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا، غرضکہ اس واقعے سے یہ تو واضح ہو گیا کہ آخر وقت میں کچھ افراد نے رسولؐ کا حکم ماننا بالکل بند کر دیا تھا اور من مانی کرتے تھے، اور یہی ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسولؐ کی نافرمانیاں کچھ مخصوص لوگوں نے اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے آپ کی زندگی ہی میں شروع کر دی تھیں۔ المختصر یہ کہ نافرمانِ رسولؐ کبھی فلاح نہیں پائیں گے

دوات وقلم کے واقعہ سے آپ کو اتنا صدمہ ہوا تھا کہ آپ نے لوگوں کی طرف سے مونہہ موڑ لیا، اس درمیان آپؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا، اور آپ کو گلے لگایا اپنی انگوٹھی انگلی سے نکال کر دی کہ اسے پہن لو اس کے بعد اپنی تلوار اور اپنی زرہ منگوائی اور فرمایا ان چیزوں کو میری زندگی میں اپنے قبضہ میں لے لو اور اپنے مرکب خاص کو زین ولجام سے آراستہ کرا کے آپ کو دیا اور کہا اسے اپنے گھر لے جاؤ۔

رسولؐ کا یہ عمل ثبوت ہے کہ رسول حالات سے بالکل مطمئن نہیں تھے اور گھر میں وہ زوجہ تھی جس کی حرکات کو دیکھ کر آپ نے تمنا کی تھی کہ کاش تم میرے سامنے مرجاتیں کیونکہ یہی وہ محترمہ تھیں جو اندر کی خبریں باہر پہونچارہی تھیں۔

اس کا ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوات قلم والے واقعے کے بعد گھر سے باہر کر دیا تھا اور پھر دوا پلانے والے واقعے نے اس چیز کو اور واضح کر دیا، کہ ان لوگوں کا گھر میں آنا مناسب نہیں ہے، آپ کے پاس آپ کے عزیز موجود تھے اور تیمار داری کا فرض نبھارہے تھے، اس وقت حضرت علیؑ کسی کام سے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے ،آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ادعوالی اخی وصاحبی" (میرے بھائی اور میرے رفیق کو میرے پاس لاؤ) اُم المومنین عائشہ نے ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوبکر کو بلوالیا وہ آئے ، رسولؐ نے دیکھا تو مونہہ پھیرلیا پھر دوسری دفعہ آپ نے وہی کہا تو اُم المومنین حفصہ نے اپنے والد عمر ابن خطاب کو بلالیا، اس مرتبہ بھی رسولؐ نے دیکھا اور مونہہ پھیرلیا، یہ منظر دیکھ کر اُم المومنین ام سلمہ رضوان اللہ علیہا نے کہا کہ ارے لوگو! علی کو بلاؤ انکا مقصد علی کے علاوہ اور کوئی نہیں، تب لوگوں نے حضرت علیؑ کو بلایا اور سینے سے لگا کر دیر تک باتیں کیں، پھر حضرت علیؑ کھڑے ہو گئے اور آپ نے آنکھیں بند کرلیں، آپ نے فرمایا کہ علیؑ تم میرا سر اپنی گود میں لے لو، اپنا ہاتھ میرے مونہہ کے قریب رکھنا اور میرا دم نکلے تو اپنا ہاتھ اپنے مونہہ پر مل لینا مجھے قبلہ رُخ کر دو اور تم ہی میرے تمام اُمور انجام دینا اور سب سے پہلے تم نماز پڑھنا اور جب تک مجھے قبر میں دفن نہ کرلو مجھ سے جدا نہ ہونا، چنانچہ حضرت علیؑ نے سر مبارک کو گود میں لے لیا، آپ پر غشی طاری ہو گئی، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جھک کر چہرے پر نظر کی تو ایک دم گریہ طاری ہو گیا، یہ شعر پڑھا جسے خود رسولؐ ایک مرتبہ پڑھوا چکے تھے

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

شمال الیتمیٰ عصمة للارامل

پیغمبر خدا نے آنکھ کھول دی اور بہت کمزور آواز میں فرمایا یہ میرے چچا ابو طالبؑ کا شعر ہے مگر اس وقت موقعہ اس کلامِ ربانی کے پڑھنے کا ہے کہ

وَمَا محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (محمد نہیں مگر اللہ کے ایک رسول، جس سے پہلے سب پیغمبر گذر گئے تو کیا اگر یہ مرجائیں یا قتل کر دئے جائیں تو تم لوگ پیچھے پیروں پلٹ جاؤ گے)

وقت آخر رسولؐ نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کر کے بتا دیا کہ آپ کو احساس ہو گیا تھا کہ لوگ پچھلے پیروں پلٹنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں نافرمانیاں شروع کر دی ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا دیر تک روتی رہیں (عائشہ وحفصہ کے رونے کی کوئی روایت تاریخ میں نہیں ملی کیا انھیں غم نہ تھا) حضرت نے اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور آہستہ سے کان میں کوئی بات کہی یہ بات سن کر آپ خوش ہوگئیں، بعد میں حضرت فاطمہؑ نے بتایا کہ اس وقت رسولؐ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ میرے اہل البیتؑ میں سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملو گی۔

اس کے بعد پیغمبرؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی، اس وقت حسب الحکم حضرت علیؑ اپنا داہنا ہاتھ حلقوم مبارک کے نیچے رکھے ہوئے تھے جسے روحِ اقدس کی مفارقت کے بعد آپ نے اپنے مونھہ پر ملا پھر جو آداب میت ہیں انھیں پورا کیا اور تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف ہوئے۔

بعد انتقالِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی صدائے نالہ وشیون کے ساتھ مدینے میں کہرام مچ گیا اور عالم یہ تھا کہ لوگ اپنے سروں پر خاک ڈال رہے تھے اور بقول شبلی نعمانی

"عمر نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔"

اور پھر جب دست راست ابو بکر آ گئے تو منصوبے پر عمل درآمد کا وقت آیا کہ خلیفہ

کے لئے ضروری ہے کہ پیش رو کی موت ہو، اس لئے اعلان کیا کہ قرآن میں رسولؐ کی موت سے متعلق آیات ہیں ان کو ابوبکر سے سن کر میری آنکھیں کھلیں تو خلافت کے لئے سقیفہ پہونچ گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آپ کی وفات کی مشہور روایت ۲۸ رصفر ۱۰ھ ہے اور اہل سنت عام طور پر ۱۲ ربیع الاول مانتے ہیں ان کے یہاں یکم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول کی روایات بھی موجود ہیں ابھی آپ نے اوپر پڑھا کہ رسولؐ کے انتقال پر اہل مدینہ سروں پر خاک ڈال رہے تھے، لیکن آج صحابہ کے ماننے والے بارہ وفات کو جشن مناتے ہیں چراغاں کرتے ہیں یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے رسولؐ کی موت پر خوشی مناتا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں کو مانتے ہیں جن کی دلی تمنا شمع حیات رسولؐ کو گل کرنا تھی، تبھی تو موتِ رسولؐ پر ان کو خوشی ہوتی ہے، موت پر خوشی دشمن مناتے ہیں، دوست نہیں۔

## خانۂ زہرا سلام اللہ علیہا پر آگ اور لکڑیاں

یہ لوگ سقیفہ تو پہونچ گئے لیکن یہ سقیفہ ہے کیا چیز اس کے لئے جب ہم نے لغت کا سہارا لیا تو غیاث اللغات میں سقیفہ کے متعلق تحریر ہے کہ اس کو مشورہ ہائے باطل کے لئے بنایا گیا تھا، بات واضح ہوگئی کہ سقیفہ کیا ہے اور خلافت کے لئے وہاں کیوں گئے؟ اور اسی سقیفہ سے اُردو میں ایک اصطلاح وجود میں آئی کہ ''سقیفہ بندی'' اسکے معنی فیروز اللغات میں تحریر ہیں کہ ''بہتان'' بے ہودہ بات''۔

اب آپ کو سقیفہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، وہاں پر جو بے ہودگی ہوئی اس کی ہلکی جھلک طبری میں بھی موجود ہے۔ اور اس بے ہودگی کے فاتح کو خلیفہ رسول کا نام دے دیا گیا، یہ ایک بے ہودہ بات تھی اور سقیفہ بندی کو مرضئ رسول قرار دینا بہتان ہے اور اس بہتان کو علماء اہل سنت آج تک خوب دہرا رہے ہیں کہ سقیفہ بندی سے جو کام کیا گیا وہ بالکل درست تھا۔

المختصر یہ کہ سقیفہ میں توتو میں میں گالم گلوچ دھکا مکی ہوئی عمرابن خطاب کی داڑھی پکڑ لی گئی (طبری) آخر کار عمر اور ابوبکر کا گروہ غالب آیا اور ابوبکر خلیفۂ رسولؐ بن کر وہاں سے برآمد ہوئے، پھر مسجد نبوی میں آکر مسلمانوں کو بیعت کرنے کا شاہی فرمان جاری ہوا، سیدھے سادے عوام نے آآکر خوف ودہشت میں بیعت کرنا شروع کردی لیکن جن افراد میں سوجھ بوجھ تھی جو احکامِ شریعت سے واقف تھے جو غدیر خم کے واقعے کو دلوں میں محفوظ کیے ہوئے تھے اور بہادر تھے انھوں نے بیعت نہیں کی۔

بیعت نہ کرنے والوں میں بنی ہاشم تھے جن کے سردار حضرت علی علیہ السلام تھے ، جو منجانب اللہ رسولؐ کے برحق جانشین تھے، یہ سب لوگ گوشہ نشین ہوگئے اور حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں خاموش بیٹھ گئے ،لیکن سقیفائیوں نے اس پر بھی بس نہ کی بلکہ حکم دیا کہ علیؑ اور دیگر افراد جو گھر میں موجود ہیں وہ آکر بیعت کریں جب یہ لوگ بیعت کے لئے باہر نہ آئے تو ابوبکر نے کچھ افراد کو حکم دیا کہ ان افراد کو زبردستی گھر سے باہر لائیں، یہ سقیفائی خانۂ زہراؑ پر آئے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا، جب دروازہ نہیں کھولا گیا تو ان لوگوں نے دروازے پر آگ اور لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دی اور دروازے کو توڑنے کے لئے دھکا دینے لگے، یہ منظر دیکھ کر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا دروازے کے پیچھے تشریف لائیں اور دروازے کو پوری طاقت سے دھکا دیا کہ دروازہ نہ کھل سکے اور عمر سے کہا کہ تیری سرکشی اتنی بڑھ گئی ہے کہ تو مجھے شیطانی گروہ کے ذریعہ ڈراتا ہے، اس پر عمر نے کہا کہ علیؑ سے کہو کہ گھر سے باہر آئیں، اور ابوبکر کی بیعت کریں، اگر یہ گھر سے باہر نہ آئے تو میں تمام گھر کو جلادوں گا، اس واقعے کو ابن قطیبہ دینوری نے اپنی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں یوں لکھا ہے کہ عمر نے گھر کے دروازے پر ایندھن اور لکڑیاں جمع کیں اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے اگر بیعت کے لئے علی گھر سے باہر نہ آئے تو یہ گھر اور اس میں موجود لوگوں کو جلادوں گا، کہا گیا: اے ابوحفص (عمر کی کنیت) گھر میں فاطمہؑ ہیں کہا چاہے فاطمہؑ ہی کیوں نہ ہو۔

جب دروازہ نہ کھلا تو عمر ابن خطاب اور اس کے ساتھیوں نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ دروازہ کھل گیا اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہ در و دیوار کے درمیان پس گئیں اور آپ نے فرمایا کہ

"اے ابا جان! اے رسولِ خدا! کیا یہ روا ہے کہ آپ کی چہیتی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے؟ ہائے فضہ مجھے سنبھالو، خدا کی قسم جو بچہ میرے بطن میں تھا اسے قتل کر دیا گیا۔"

یہ لوگ جب اندر داخل ہوئے تو عمر ابن خطاب نے قنفذ کے ہاتھ سے تازیانہ لے کر اس زور سے حضرت فاطمہؑ کے مارا کہ آپ کے بازو پر آماس بازوبند کی طرح ابھر آئی ایک روایت میں ہے کہ قنفذ کو عمر ابن خطاب نے کہا کہ فاطمہ کو تازیانہ مار اور اس نے مارا، اس طرح دوسری روایت میں ہے کہ جب دروازے کو ان لوگوں نے دھکا دیا تو وہ ٹوٹ کر حضرت فاطمہؑ پر گر گیا اور آپ اس کے نیچے دب گئیں، دروازے سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھی جس سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا چہرہ جھلس گیا، عمر ابن خطاب نے پھر ایک زوردار طمانچہ حضرت فاطمہؑ کے مارا جس سے آپ کا گوشوارہ کان سے نکل کر زمین پر آگرا، بقول ملا معین کاشفی فاطمہؑ اسی ضربِ عمر کی وجہ سے رحلت کر گئیں۔

حضرت فاطمہ کو زدوکوب کرنے کے بعد یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت علی علیہ السلام یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن حسبِ وصیت رسولؐ خاموش تھے کیونکہ آپ کو رسولؐ نے اطلاع دیدی تھی کہ میرے بعد اس طرح ہوگا اور اے علیؑ تم ان حالات میں صبر کرنا۔

(الصواعق المحرقہ اور روضۃ الاحباب، مدارج النبوت)

ان لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو گرفتار کیا اور آپ کے گلے میں رسی باندھی اور لے کر مسجد میں ابوبکر کے سامنے پہونچے اور کہا کہ بیعت کرو ورنہ ہم تمہاری گردن ماردیں گے، جب حضرت فاطمہؑ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے قتل کی دھمکی دی

# حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جناب تارخ خدارسیدہ بزرگ تھے آپ نمرود کے زمانے میں تھے نمرود کی عمر چار سو سال ہوئی لیکن مرتے وقت تک وہ جوان تھا، نمرود کے دربار میں جناب تارخ کا بھائی آزر بھی تھا، آزر بڑا نجومی تھا، لیکن شیطان نے اس کو بہکا دیا تھا اور یہ نمرود کے دربار میں رہنے کی وجہ سے بت پرست ہو گیا تھا، کیونکہ نمرود خود بت پرست تھا، اس کی بت پرستی کی وجہ سے تمام ملک بت پرست ہو گیا تھا، آزر نے ایک روز نمرود کو اطلاع دی کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے، جو تیرے دین کے خلاف لوگوں کو بلائے گا اور تیرے لئے خطرہ ثابت ہوگا، نمرود نے پوچھا وہ کس شہر میں ہوگا، آزر نے کہا اسی شہر میں ہوگا، یہ سن کر نمرود نے حکم دیا کہ عورتیں اور مرد آپس میں جنسی تعلق نہ پیدا کریں، اور اس نے دائیاں مقرر کیں جو عورتوں کا معائینہ کرتیں کہ وہ کہیں حاملہ تو نہیں ہیں۔

لیکن خدا کی مصلحت کچھ اور تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا حمل ان عورتوں پر ظاہر نہ ہوا، اور وقت وِلادت وہ ایک غار میں چلی گئیں، وہیں آپ کی ولادت ہوئی، جب آپؑ پیدا ہوئے تو آپ نے کئی مرتبہ کہا اشھد ان الاالہ الااللہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ سمجھ گئیں یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے، آپ نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر غار میں لٹا دیا، اور غار کا منہ ایک پتھر سے بند کر کے چلی آئیں، خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انگوٹھے میں دودھ پیدا کر دیا، آپ اسی دودھ سے پروان چڑھے، لیکن آپ کی والدہ موقعہ پا کر آتیں اور اپنا بھی دودھ پلاتیں، اس طرح آپ کی پیدائش کی خبر کسی کو نہ ہو سکی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے کہ جتنا دوسرا بچہ ایک ماہ میں بڑھتا ہے، جب آپ تیرہ سال کے سن کے بچوں کے برابر ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو گھر لے آئیں، ان کو دیکھ کر آزر نے کہا یہ کون ہے؟ ان کی والدہ نے کہا

جارہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ

''ابوالحسن کو چھوڑ دو ورنہ اپنے سر کے بال کھول کر بددعا کروں گی آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ مسجد نبوی کی دیواریں بلند ہو گئیں۔''

دوسری طرف حضرت نے علیؑ نے کہا کہ

''یہ تم کیا کرر ہے ہو؟ اور کس قاعدے اور بنیاد پر مجھ سے بیعت طلب کرر ہے ہو یہ کبھی نہیں ہوسکتا ہے''

جب ان لوگوں نے حضرت علیؑ کی استقامت دیکھی اور حضرت فاطمہؑ کی صرف گفتگو سے ہی مسجد نبوی کی دیواروں کو بلند ہوتا ہوا دیکھا تو پھر انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کو رہا کر دیا، تب مسجد نبوی کی دیواریں اپنی جگہ پر واپس ہوئیں، روایت میں ہے کہ دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں تھیں کہ آدمی ادھر سے اُدھر دیکھ سکتا تھا، بالفاظِ دیگر دیواریں قد آدم بلند ہو گئیں تھیں۔

اب یہاں پر یہ باقی رہ گیا ہے کہ وہ کون افراد تھے جو خانۂ زہراؑ پر یورش کرنے گئے، کچھ مشہور صحابہ کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوبکر ابن ابی قحافہ، انھوں نے یورش کا حکم دیا تھا (۲) عمر ابن خطاب (۳) اسید بن حضیر (۴) سلمہ بن سلامہ (۵) ثابت بن قیس خزرجی (۶) خالد بن ولید (۷) محمد بن مسلمہ (۸) بشر بن سعد (۹) مغیرہ بن شعبہ (۱۰) ابوعبیدہ بن جراح (۱۱) سالم مولیٰ ابوحذیفہ (۱۲) معاذ بن جبل (۱۳) قنفذ (۱۴) عثمان (۱۵) عبدالرحمٰن بن عوف (۱۶) زیاد بن ولید (۱۷) معاویہ ابن ابی سفیان (۱۸) عمرو ابن عاص (۱۹) زید بن اسلم (۲۰) زید بن ثابت (۲۱) سلمہ بن اسلم

یہ نام مختلف کتابوں میں مختلف روایات میں موجود ہیں، کسی ایک جگہ تمام نام یکجا نہیں، ان صحابہ کے علاوہ اور صحابہ بھی تھے لیکن ان کے نام تاریخ میں موجود نہیں ہیں ،حکومت چونکہ سقیفائیوں کی تھی، اس لئے اس اندوہناک واقعے کو اور ان صحابہ کو اس جرم

سے بری کرنا سقیفائی محدثوں، راویوں، مؤرخوں کا فرضِ اولین تھا، لیکن نظامِ کائنات خداوندعالم کے ہاتھوں میں ہے، اس نے ایسا انتظام کیا کہ آج چودہ سو برس بعد بھی یہ سانحہ سقیفائی کتابوں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا کیا قصور تھا، کہ ان کو اتنی سخت ایذا دی گئی اور نواسۂ رسولؐ جس کا نام رسولؐ نے قبل ولادت محسن رکھا تھا وہ بطنِ مادر ہی میں شہید کر دیا، یہ لوگ حضرت علیؑ سے بیعت لینا چاہتے تھے گھر میں دروازہ گرا کر داخل ہو ہی چکے تھے پھر انھوں نے حضرت فاطمہ کو کیوں مارا؟ صاف ظاہر ہے کہ ان صحابہ کے دلوں میں اگر ذرا بھی پاسِ رسولؐ ہوتا تو یہ صحابہ دخترِ رسولؐ کو ایذا نہ دیتے، جو انھوں نے کیا وہ فرشتوں نے لکھ لیا اور یہ صحابہ اپنی قبروں میں پہونچ چکے ہیں وہاں ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ انھوں نے کیا بویا اور کیا کاٹا؟ اب بعد میں اس گروہ کے ایک فرد عبدالرحمٰن بن عوف عشرۂ مبشرہ کی روایت تیار کریں اور اس میں اپنا نام بھی شامل کریں تو یہ روایت فرشتوں کی تحریر کو مٹا نہیں سکتی ہے، احادیث سے واضح ہے کہ حضرت فاطمہؑ خاتون قیامت ہیں، جب آپ محشر میں تشریف لائیں گی تو فرشتہ ندا دے گا اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو کہ فاطمہ کی سواری گذرے (الصواعق المحرقہ) محشر میں حضرت فاطمہؑ پر مظالم ڈھانے والوں کا جو انجام ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ابوبکر مرتے وقت حسرت سے کہہ رہے تھے کہ کاش میں نے فاطمہ کا در نہ کھلوایا ہوتا، اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لئے ہی کیوں نہ دروازہ بند کرتے۔

سقیفائی حکمراں کی آخر وقت میں یہ حسرت ثبوت ہے کہ حضرت فاطمہؑ پر ظلم ہوا اور یہ لوگ پُر امن طریقے سے گھر بند کر بیٹھ گئے تھے، پھر ان کو ایذا دینا خلافِ اسلام ہے، اور معاملہ حقوق العباد کا ہو گیا، حضرت فاطمہؑ ان افراد سے ناراض حالت میں دنیا سے رُخصت ہوئیں۔ اب حضرت فاطمہؑ جب تک معاف نہ کریں خدا بھی ان افراد کو معاف نہ کرے گا، اور حدیث سے واضح ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی ناراضگی، رسولؐ کی ناراضگی ہے

اور رسولؐ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے اور خدا جس سے ناراض ہو وہ جہنمی ہے اور اگر کوئی اس کو اپنا دینی بزرگ مانتا ہے تو وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرے کہ کل قیامت میں وہ کہاں ہوگا؟؟

# حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

(ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں)

آپ کا نام فاطمہؑ تھا، اور القاب صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیّہ، راضیہ، مرضیہ، ام ابیھا، محدثہ، زہرا وغیرہ ہیں، آپ کی والدہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا ہیں جن کی دولت کے باعث اسلام کی بقا ممکن ہوئی، آپ تقویٰ و پرہیز گاری میں بے مثال تھیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جنت کی بہترین عورتوں میں خدیجہ اور مریم والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے والد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے اشرف ترین شخص تھے، اس طرح آپ والدین کی طرف سے انتہائی باعزت خاتون تھیں، اور خود آپ کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

**فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا**

رسولؐ کی یہ حدیث بظاہر چھوٹی سی ہے لیکن اس میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل کا سمندر پنہاں ہے، غور تو کیجئے! جب آپ رسولؐ کا ٹکڑا ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ رسولؐ سے بالکل اسی طرح رابطہ رکھتی ہیں جیسے رسولؐ کے جسم کا ایک جزء ہوں، یعنی یہ کہ آپ کی عقل رسولؐ کی عقل ہے، آپ کی روح رسول کی روح ہے، آپ کی حیات رسول کی حیات ہے، آپ کی پاکیزگی، صدق اور امانت داری بھی رسولؐ کا ایک حصہ ہے، اسی لئے عقل کا فیصلہ ہے کہ جس سے رسولؐ ناراض اس سے فاطمہؑ ناراض، اور جس سے فاطمہؑ ناراض اس سے رسولؐ بھی ناراض اسی عقلی فیصلے کو رسولؐ نے مذکورہ حدیث میں ظاہر کیا ہے۔

آپ کی پیدائش ۵ھ بعثت نبوی میں بتاریخ ۲۰ / جمادی الثانی یوم جمعہ مکہ معظمہ میں ہوئی، آپ کا سالِ ولادت عام الفیل کے لحاظ سے ۴۶ھ ہے

جب آپ کی ولادت کا وقت قریب پہونچا تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے زنانِ قریش کو زچگی میں مدد کے لئے طلب کیا، انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ تم نے قریش کے بڑے بڑے رشتوں کو ٹھکرادیا اور ایک نیا دین قبول کرلیا اس لئے ہم تمہاری مدد کے لئے نہیں آئیں گے، یہ جواب پاکر حضرت خدیجہؑ کو فکر لاحق ہوئی، جب وقت ولادت قریب پہونچا تو حضرت خدیجہ نے دیکھا کہ چار خواتین آئیں اور انھوں نے آکر حضرت خدیجہؑ کو سلام کیا اور کہا کہ آپ فکر نہ کریں ہمیں خداوند عالم نے آپ کی خدمت کے لئے بھیجا ہے، ہم آپ کی بہنیں ہیں ان میں سے ایک نے بتایا کہ میں سارہ زوجۂ ابراہیمؑ خلیل اللہ ہوں، اور یہ دوسری آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون ہیں اور یہ تیسری مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام ہیں، اور چوتھی کلثوم حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی بہن ہیں۔

روزِ جمعہ بوقت صبح صادق حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں تو اس وقت ایسا نور چمکا کہ مکے کے تمام مکان روشن ہوگئے، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور سر اٹھانے کے بعد کلمہ پاک زبان پر جاری کیا پھر رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی، اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی گواہی دی اس کے بعد ان چاروں بیبیوں کو نام لے کر سلام کیا، اس وقت دس حوریں طشت اور نہلانے کا سامان لے کر حاضر ہوئیں اور اس پاک و پاکیزہ دختر کو آبِ کوثر سے غسل دیا، اور ایک سفید اور خوشبودار کپڑے میں لپیٹ کر اور ایک مقنعہ سر پر ڈال کر اُم المومنین حضرت خدیجہؑ کو دیا اور کہا لیجئے آپ کو مبارک ہو اس لئے کہ یہ بیٹی پاک و پاکیزہ اور مبارک نسل والی ہے، اُم المومنین حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپ کو گود میں لے کر دودھ پلایا اس کے بعد وہ حوریں اور چاروں مقدس خواتین جو جنت سے آئی تھیں مبارکباد دیتی ہوئی رخصت ہوگئیں۔

آپ کا بچپن بھی بڑا مبارک تھا، آپ بچپن میں نہ جھولا جھولیں، نہ گڑیوں سے

کھیلیں، جیسا کہ سقیفائی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا شادی کے بعد بھی یہ شغل باقی تھا اس لحاظ سے بھی آپ حضرت عائشہ سے افضل تھیں، آپ بچپن میں مکّے کی عورتوں سے باتیں کرتیں تو مکّے کی عورتیں آپ کی علمیت اور اخلاق سے پُر باتوں کو سنکر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتیں اور ان کو حیرت ہوتی کہ آپ کتنی باصلاحیت ہیں، جب آپ کا بچپن تھا تو رسولؐ نے آپ کی تربیت کے لئے بعد جناب خدیجہؑ دیگر عورتوں کو ہدایت کی فاطمہ کو آداب سکھائیں، ان میں حضرت فاطمہ بن اسد (حضرت علیؑ کی والدہ) جناب ام الفضل (زوجہ حضرت عباس بن عبدالمطلب) جناب اُمّ ہانی (حضرت علیؑ کی بہن) جناب صفیہ (دختر جناب حمزہ) اُم المومنین ام سلمہ اور گھر کی پرانی کنیز اُم ایمن اور جناب برکہ (حضرت خدیجہ کی کنیز) ان تمام عورتوں نے آپ کی قابلیت وصلاحیت کا اعتراف کیا ہے، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں انھیں آداب سکھانے کے بجائے خود اُن سے آداب سیکھتی ہوں اور میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کو کسی بات کو سکھانے کی ضرورت نہیں ہے اور فاطمہؑ تمام باتوں کو بدرجہ اتم جانتی ہیں۔

## بچپن اور خدمتِ اسلام

کہنے کو تو یہ آپ کا بچپن تھا لیکن اس عالم میں بھی آپ تبلیغ اسلام اور خدمت رسولؐ سے مکمل طریقے سے آگاہ تھیں، جب آپ کے والد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کو دعوتِ اسلام دی تو مکّے کا ذرّہ ذرّہ آپ کا دشمن ہو گیا، لوگ آپ کو ستانے لگے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ لوگوں کے پتھر مارنے کی وجہ سے آپ لہولہان ہو جاتے، اس حالت میں جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ اپنی والدہ کے ساتھ مل کر آپ کو خون سے پاک کرتیں اور اپنے والد کو تسلی دیتیں اور کہتیں کہ بابا تبلیغ اسلام میں کمی نہ ہونے پائے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، خداوند عالم نے آپ کو اس پر مامور کیا ہے وہی دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے رسولؐ کے سر پر خاک ڈال دی اور آپؐ کو زخمی بھی کیا، جب اس حالت میں گھر آئے تو آپؐ کا حال دیکھ کر حضرت فاطمہؑ رونے لگیں روتی جاتی تھیں اور آپؐ کا سر مبارک دھوتی جاتی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کی یہ بے قراری دیکھی تو بیٹی کو سینے سے لگایا اور فرمایا بیٹی صبر کرو خدا ناصر و مددگار ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے، ایک روز رسولؐ اکرم حرمِ خدا میں نماز پڑھ رہے تھے، وہاں پر روسائے قریش بھی موجود تھے، ابو جہل، بد بخت بھی تھا اس نے کہا کاش کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھڑی نجاست سمیت اٹھالاتا، اور جب محمدؐ سجدے میں جاتے تو ان کی گردن میں ڈال دیتا، عتبہ ملعون نے کہا کہ میں ایسا کروں گا، چنانچہ اس نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر اس وقت آپ کے اوپر ڈال دی جبکہ آپ سجدے میں ذکرِ خدا میں مشغول تھے، کسی طرح اس کی خبر حضرت فاطمہؑ زہراؑ کو ہوگئی، اس وقت آپ کی عمر پانچ چھ سال تھی، آپ فوراً مسجد حرام میں تشریف لائیں عتبہ کو اس حرکت پر برا کہا، اور دشمنوں کا کوئی خوف نہ کیا، حضرت رسول اکرمؐ پر سے اوجھڑی ہٹائی اور جب رسولؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو گھر لے گئیں۔

یہاں پر یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ سقیفائیوں نے رسولؐ کی دو بیٹیاں اور بھی بنا ڈالیں اور پھر سقیفائی حاکم کو ذوالنورین بھی بنا دیا، اگر واقعی رسولؐ کی اور بیٹیاں تھیں تو ایسا کوئی واقعہ سقیفائی ان بیٹیوں کا بھی دکھائیں جیسا کہ اوپر حضرت فاطمہؑ کے دو واقعے ہم نے تحریر کئے ہیں، یہاں پر یہ بھی غور طلب ہے کہ سقیفائی کہتے ہیں کہ رسولؐ اور ابو بکر میں بہت دوستی تھی رسولؐ روز ابو بکر کے گھر جاتے تھے، ابو بکر کی بیٹی عائشہ جو بقول سقیفائی حضرت فاطمہؑ کی ہم عمر تھی انھوں نے بھی کوئی خدمت اسلام اپنے بچپن میں کی ہے یا نہیں؟ ابو بکر اور ان کی بیٹی کی کوئی خدمت اس دور کی تاریخ میں موجود نہیں ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان کی فضیلت کے افسانے بعد میں حکومت کی نگرانی میں تراشے گئے ہیں۔

سیدة النساء عالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بچپن میں ہی تقویٰ

وپرہیز گاری کی اس منزل میں تھیں کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کسی شادی میں جانے کی تیاری کررہی تھیں تو دیکھا جناب سیدہ کے پاس کوئی نیا لباس نہیں ہے آپ اسی فکر میں تھیں کہ بیٹی کو احساس ہو گیا عرض کی کہ مادرِ گرامی میں پرانے ہی کپڑوں میں چلوں گی کیونکہ باباجان فرماتے ہیں کہ مسلمان لڑکیوں کا زیور حیاء اور تقویٰ ہے اور بہترین آرائش شرم وحیا ہے۔

جب آپ کی عمر پانچ سال کی تھی تو آپ کی والدہ گرامی حضرت خدیجہؑ بیمار ہوگئیں اور آپ دن رات اپنی والدہ کی تیمارداری میں مشغول رہیں اس دوران آپ اپنی والدہ کے قریب بیٹھ کر اپنی والدہ کے چہرے پر نظریں جمائے رہتیں، ماں کا چہرہ بحال دیکھتیں تو خوش ہوتیں اور ماں کے چہرے پر پژمردگی دیکھتیں تو رنجیدہ ہوتیں، ایک دن حضرت خدیجہ نے بیٹی کو گلے لگایا اور خوب روئیں، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے دریافت کیا کہ والدہ گرامی آج آپ کا انداز کچھ جدا ہے تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی میں اب تجھ سے رخصت ہو رہی ہوں افسوس میں تجھے دلہن بنتے نہ دیکھ سکی، ماں بیٹی یہ گفتگو کر رہی تھی کہ موت کا پیغام آ گیا اور آپ دس رمضان کو اس دنیا سے سدھار گئیں اور مقبرہ حجون میں دفن ہوئیں، حضرت فاطمہؑ اور رسولؐ کو اس موت سے سخت صدمہ پہونچا اور آپ نے اس سال کو "عام الحزن" کہا یعنی رنج واندوہ کا سال

**شادی**:- حضرت فاطمہؑ سلام اللہ علیہا جب سن بلوغ کو پہونچی تو لوگوں نے پیغامات دینے شروع کردئے، تاریخ میں ہے کہ پیغام دینے والوں میں ابوبکر اور عمر بھی تھے، جب ان لوگوں نے پیغام دیا تو رسولؐ نے دونوں کے پیغام کے بعد غضبناک ہو کر مونہہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷)، عبدالرحمٰن بن عوف نے پیغام دیا تو زیادہ مہر دینے کا تذکرہ بھی کر دیا، یہ چیز رسولؐ کو کہاں پسند تھی کہ کوئی مال دنیا سے رسولؐ کو مرعوب کرے آپ نے اس پر شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور کہا کہ عبدالرحمٰن تمہاری یہ حرکت افسوس ناک ہے، لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ آپ کیوں پیغام نہیں دیتے آپ رسولؐ کے پاس تشریف لے گئے

اور زنجیر در ہلائی ، اس وقت رسولؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس موجود تھے ، اُم المومنین نے دریافت کیا کہ کون ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ام سلمہؓ دروازہ کھول دو ، اس وقت وہ شخص دروازے پر ہے جس کو خدا ورسولؐ دوست رکھتے ہیں ، اور جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے ، ام سلمہؓ نے کہا کہ میرے والدین آپ پر فدا وہ کون ہے؟ جس کے متعلق آپ گواہی دے رہے ہیں ، آپ نے فرمایا وہ میرے ابن عم علی ابن ابی طالب ہیں ، یہ سن کر انھوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا ، حضرت علی سر جھکا کر بیٹھ گئے ، شرم کے مارے کچھ کہہ نہ سکے ، دوسرے روز بھی ایسا ہی ہوا ، تیسرے روز حضرت علیؑ نے پھر خدمت رسولؐ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور خدا کا پیغام پہونچایا کہ خدا نے اپنی کنیز خاص فاطمہؑ کا عقد علیؑ کے ساتھ آسمان پر کر دیا ہے اور اس موقع پر تمام آسمان اور عرش کی زینت کی گئی ہے ، اور خدا کے حکم سے زر و جواہر نثار کئے گئے ہیں ، جن کو ملائیکہ ، حور و غلمان نے لوٹا ہے اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں آپ کے پاس بطورِ تبرّک یہ نچھاور لاؤں اور آپ کو اس عقد کی خوش خبری سناؤں اور آپ سے کہوں کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ میں نے آسمان پر عقد پڑھ دیا ہے تم اس عقد کی زمین پر تجدید کرو۔

اتنے میں حضرت علیؑ تشریف لائے اور خاموش بیٹھ گئے ، تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ بتاؤ کس ضرورت سے آئے ہو ، تمہاری ہر خواہش مجھے منظور ہے ، یہ سن کر حضرت علیؑ نے نہایت مودبانہ انداز سے پیغامِ نکاح دیا ، رسول کا چہرہ کھِل اٹھا مسکرا کر فرمایا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ آپ میری حالت کو خوب جانتے ہیں ، میرے پاس ایک تلوار ، ایک زرہ ، اور ایک اونٹ ہے ، آپ نے فرمایا کہ تلوار جہاد کے لئے ضروری ہے ، اونٹ بھی بار برداری کے کام آتا ہے ، تم زرہ کو بیچ دو ، یہی فاطمہ کا مہر ہے ، اس کے بعد رسولؐ حضرت فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا نکاح خداوند عالم نے آسمان پر علی ابن ابی طالبؑ سے کر دیا ہے اور مجھے حکم ہوا کہ میں اس کی تجدید زمین پر کروں ، پس میں تمہارا نکاح ا ۔۔

عزیز ترین بھائی علی مرتضیٰؑ سے کرتا ہوں جو خدا کے ولی اور میری اُمّت کے امام ہیں جناب معصومہ نے یہ سن کر حیاء سے سر جھکا لیا اور خاموش رہیں، جو رضامندی کا اشارہ تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زرہ عثمان بن عفان کو ۵۰۰ درہم میں فروخت کی اور یکم ذی الحجہ ۲ھ کو آپ کا نکاح حضرت علی علیہ السلام سے ہوا، حضرت علی علیہ السلام کے ادا کئے ہوئے مہر سے حضرت فاطمہؑ کا جہیز خریدا گیا، ایک قمیص سات درہم کی، ایک مقنع، ایک سیاہ کمبل، ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنا ہوا، دو موٹے ٹاٹ، چمڑے کے چار تکیے، آٹا پیسنے کی لئے چکی ایک کپڑا دھونے کے لئے لگن، ایک مشک، ایک لکڑی کا بادیہ، کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ایک ٹوکری، دو مٹی کے آب خورے، ایک مٹی کی صراحی، ایک چمڑے کا فرش، ایک سفید چادر، ایک لوٹا۔

یہ تھا عالمین کے حکمراں کی بیٹی کا جہیز جس سے ظاہر ہے کہ رسول اکرمؐ دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ فانی دنیا میں ضرورت بھر سامان پر قناعت کی جائے، آخرت کی زندگی اچھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، اس کے لئے کوشش کی جائے۔

جس وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی اس وقت حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ایک چمڑا تھا رات کو بچھاتے تھے اور دن میں اس پر اونٹ کو چارہ دیتے تھے۔

جب حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ کے گھر تشریف لائیں تو آپ نے اطاعتِ شوہر اور خدمتِ شوہر اس طرح کی کہ اس کی مثال ممکن نہیں، آپ نے زندگی بھر کوئی کام ایسا نہ کیا کہ جو شوہر کی مرضی کے خلاف ہو، اور نہ ایسی چیز پکائی جو شوہر کو ناپسند ہو، آپ نے زندگی بھر حضرت علی علیہ السلام سے کوئی فرمائش نہ کی جس سے حضرت علی علیہ السلام کو زحمت ہو، دونوں میاں بیوی میں زندگی بھر آپس میں تلخی پیدا نہیں ہوئی، حضرت علی علیہ السلام کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد آپ کی ساس تھیں لیکن زندگی بھر ساس بہو میں کشیدگی پیدا نہ ہوئی، آپ اکثر اقربا کی ملاقات شادی وغمی میں شرکت کیلئے جناب فاطمہ بنت

اسد کو بھیجتیں اور خود امورِ خانہ داری مثلاً آٹا پیسنا، روٹی پکانا، برتن دھونا، کپڑے دھونا، گھر میں جھاڑو دینا وغیرہ کو اپنے ذمہ رکھتی تھیں، آپ تھک کر چور ہو جاتیں لیکن کبھی آپ کی پیشانی پر شکن نہ آتی۔

جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سَلمانُ مِنّااھل البیت'' کی سند دی تھی، بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دن کسی ضرورت سے جناب سیدہؑ کے گھر گیا، دیکھا کہ وہ چکی پیس رہی ہیں ،محنت کی وجہ سے اُن کے دونوں ہاتھ زخمی ہو چکے ہیں، چکّی کی کھونٹی آپ کے ہاتھوں کے خون سے رنگین ہے، اور ایک گوشے میں امام حسینؑ بھوک کی شدت سے رو رہے ہیں، یہ دیکھ کر میں بے تاب ہو گیا، اور جناب سیدہ کی خدمت میں عرض کی کہ فضہ کے ہوتے ہوئے آپ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہی ہیں، ان سے کام کیوں نہیں لیتی ہیں، آپ نے فرمایا اے سلمان! فضہ کو میرے حوالے کرتے وقت میرے پدر بزرگوار نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ ایک دِن گھر کا کام کاج میں کیا کروں اور ایک دن فضہ، اس حساب سے آج میری باری کا دن ہے، فضہ کا نہیں اسلئے میں فضہ کو ناحق تکلیف دینا نہیں چاہتی ہوں، یہ سن کر میں بے اختیار رونے لگا اور عرض کی کہ میں تو آپ کا آزاد کردہ غلام ہوں مجھے حکم دیجئے کہ میں حسینؑ کو بہلاؤں یا چکّی چلاؤں؟ یہ سن کر فاطمہ زہراؑ نے فرمایا کہ حسینؑ میرے بغیر نہیں بہلیں گے اس لئے تم چکی چلاؤ، میں نے حکم کی تعمیل کی، میں ابھی چکی چلا ہی رہا تھا اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز آ گئی، میں اجازت لے کر چلا گیا وہاں بعد نماز حضرت علیؑ سے واقعہ بیان کیا آپ مسجد سے گھر آئے اور فوراً ہی ہنستے ہوئے گھر سے باہر آئے، میں نے ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا سیدہ تھک کر سو گئیں ہیں اور حسینؑ آپ کے سینے پر آرام کر رہے ہیں، اور چکی آپ ہی آپ گردش کر رہی ہے، اس لئے میں ہنسا، جب یہ واقعہ رسولؐ سے بیان کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ سیدہ بہت تھک گئی تھیں اسلئے خدا نے ان پر نیند کو مسلط کر دیا کہ وہ آرام کر لیں، اور فرشتے کو

میرا بچہ ہے، آزر نے کہا افسوس تم پر اگر نمرود کو خبر ہوگئی تو میری عزت اس کی نظروں میں گر جائے گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے کہا اگر نمرود کو خبر ہوگئی تو تمہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا، نمرود کو صحیح بات بتا کر مجھے اس کے سامنے پیش کر دیجئے گا، آزر نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ نمرود کو اطلاع کر دے، لیکن جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھتا تھا تو اس کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت پیدا ہو جاتی تھی، اس لئے اپنے ارادہ سے باز رہتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے انتقال کے بعد آزر نے چونکہ آپؑ کی پرورش کی تھی، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو ''ابا'' کہتے تھے، قرآن نے بھی آزر کو حضرت ابراہیمؑ کے ''ابا'' کہہ کر تذکرہ کیا ہے، اس لئے بعض نادان افراد نے آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ مان لیا ہے، جبکہ وہ چچا تھا جیسا کہ ابتداء میں تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

آزر چونکہ بت پرست ہوگیا تھا وہ بت بنا کر بیچا کرتا تھا، یہی اس کا ذریعہ معاش تھا، اس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو بھی بت دیا کہ جاؤ اس کو بازار میں فروخت کرو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کے گلے میں رسی باندھی اور اس کو کھینچتے ہوئے بازار میں لے گئے، اور اس طرح آواز لگائی کہ ''کون ہے اس بت کا خریدار جو نہ نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان'' پھر اس کو پکڑ کر پانی کے پاس لے گئے اور اس کو پانی میں ڈبو کر کہا پانی پی لے اور مجھ سے باتیں کر، یہ باتیں جب آزر کو معلوم ہوئیں تو وہ سخت ناراض ہوا، پھر اس نے آپؑ کو بیچنے کے لئے بت نہیں دئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ بتوں کے علاوہ زہرہ ستارے کے ساتھ ساتھ چاند اور سورج کی بھی پوجا کرتے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے زہرہ ستارے کو دیکھ کر زہرہ پرستوں سے کہا یہ میرا خدا ہے لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا اگر یہ خدا ہوتا تو نہ ڈوبتا۔ اسی طرح آپ نے چاند پرستوں کو متوجہ کیا پھر جب سورج نکلا تو سورج پرستوں کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ یہ میرا خدا ہے پھر جب وہ

مقرر کیا کہ وہ چکی چلائے۔

جب بھی موقع ملتا تو حضرت علی علیہ السلام گھر کے اندرونی کاموں میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا ہاتھ بٹاتے کبھی چکی چلاتے کبھی دوسرے امور خانہ داری انجام دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ ہانڈی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اور حضرت علیؑ مسور صاف کر رہے تھے کہ رسول اکرمؐ تشریف لے آئے، اور اس منظر کو دیکھ کر فرمایا کہ اے علیؑ! یاد رکھو جو شخص اپنے گھر کے کاروبار میں اپنی زوجہ کی مدد کرے گا تو خداوند عالم ہر موئے بدن کے عوض اسے ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا کرے گا، جس کے دنوں میں روزہ رکھا گیا ہو اور راتوں کو عبادت کی گئی ہو، اور خدا اس کو صابرین کا ثواب بھی بخشے گا۔ اے علیؑ ایک ساعت اپنے عیال کی خدمت یا اپنے گھر کا کام کرنا بہتر ہے ہزار برس کی عبادت سے ہزار حج سے ہزار عمرہ سے ہزار غلام آزاد کرنے سے، ہزار جہاد کرنے ہزار مریضوں کی عیادت کرنے، ہزار جمعہ پڑھنے ہزار جنازوں کی مشائعت کرنے ہزار بھوکوں کو کھانا کھلانے ہزار لوگوں کو لباس پہنانے ہزار گھوڑے راہِ خدا میں دینے ہزار مسکینوں کو صدقے دینے توریت و زبور قرآن پڑھنے ہزار قیدی آزاد کرنے، ہزار اونٹ مساکین کو دینے سے۔ اور اے علیؑ جو شخص خدمتِ عیال سے شرم نہیں کرتا وہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوگا۔

دن یوں ہی گذرتے رہے ایک طرف رسول اکرمؐ تبلیغ دین میں مصروف تھے تو دوسری طرف حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تبلیغ دین میں مصروف تھیں، زنان مدینہ آپ کے پاس آتیں، مسائل دریافت کرتیں، آپ ان عورتوں کو تفصیل سے مسائل بتاتیں، اور عورتیں خوش خوش واپس جاتیں، تبلیغ دین کی مصروفیات کی وجہ سے کبھی بھی حضرت فاطمہؑ کے امور خانہ داری میں کمی واقع نہیں ہوئی آپ تمام کام وقت پر اور سلیقے سے انجام دیتی تھیں۔

عہدِ رسالت میں حضرت فاطمہؑ کی توقیر و منزلت بہت زیادہ تھی فرشتوں کی

آمد و رفت گھر میں رہتی تھی، وقتاً فوقتاً خوانِ جنت گھر میں آتے، رسولؐ بچوں کو گود میں لیتے انھیں پیار کرتے، المختصر یہ کہ گھر نمونۂ جنت تھا، لیکن رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی آپ پر جو گذری اس کا ایک نمونہ آپ نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کیا، بعد رسولؐ اہل البیت رسولؐ نے یہ منظر دیکھا کہ

رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والوں نے رسولؐ کا جنازہ چھوڑ دیا ہے اور ایک گروہ نے دھینگا مشتی کر کے حکومت تشکیل دے کر رسولؐ کی بیٹی کے گھر پر چڑھ آئے اور رسولؐ کے بھائی اور داماد کو بیعت کے لئے مجبور کیا، اس کے بعد ایک روز اچانک حضرت فاطمہؑ کا کارندہ جو فدک کی دیکھ بھال پر متعین تھا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ نئی حکومت نے فدک پر قبضہ کر لیا ہے اور مجھے وہاں سے نکال دیا گیا ہے، اس خبر سے آپ کو سخت صدمہ پہونچا اور آپ مجبوراً اپنا حق لینے سقیفائی حکومت کے دربار میں تشریف لے گئیں، آپ نے ہر طرح کے ثبوت فراہم کئے لیکن حاکمِ وقت نے ایک فرضی حدیث بیان کر کے فدک پر قبضے کو جائز رکھا، اس سے آپ کو اور زیادہ صدمہ پہونچا اور آپ مرتے دم تک ابوبکر اور عمر سے ناراض رہیں، احادیث سے ظاہر ہے کہ فاطمہؑ کی ناراضگی رسولِ خدا کی ناراضگی ہے اور رسولؐ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی اور خدا جس سے ناراض ہو وہ ہلاکت میں پڑا۔

ترمذی میں ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"علیؑ سے کوئی منافق نہ محبت رکھتا ہے اور نہ رکھے گا اور ان سے کوئی مومن نہ بغض رکھتا ہے اور نہ رکھے گا۔"

اور ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ

ہم لوگ (یعنی انصار) منافقوں کو حضرت علیؑ کے بغض سے پہچانتے تھے

(ترمذی)

یعنی یہ کہ حضرت علی علیہ السلام معیارِ ایمان ہیں جو حضرت علیؑ کو دوست رکھے وہ مومن اور جو حضرت علی علیہ السلام سے بغض رکھے چاہے وہ خود کو مسلمان کہتا ہو وہ منافق

ہے، بالکل اسی طرح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں، آپ حدیث رسولؐ کے مطابق رسول کا جز ہیں، اور رسول مکمل حق ہیں اسی طرح حضرت فاطمہ مکمل حق ہیں، جہاں فاطمہ ہیں سمجھ لیجئے کہ حق بھی وہیں ہے، جو حضرت فاطمہؑ کے مقابل ہے سمجھ لیجئے کہ وہ حق سے دور ہے، یہ بھی غور طلب ہے کہ جو رسول کا جنازہ چھوڑ کر بھاگے تھے وہ حضرت فاطمہؑ کے جنازے سے بھی دور رہے انھیں کے لئے حضرت فاطمہؑ نے وصیت کی تھی کہ یہ میرے جنازے پر نہ آئیں۔

## عبادت کا مختصر تذکرہ

حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ میری والدہ شب جمعہ میں جب عبادت کے لئے کھڑی ہوتیں تو تمام رات رکوع وسجود و قیام و دعا کرتیں رہتیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، میں نے سنا کہ تمام مومنین و مومنات کے لئے دعا کرتیں تھیں، ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ والدۂ گرامی آپ اپنے لئے دعا کیوں نہیں کرتیں جیسا کہ دوسروں کے لئے دعا کرتی ہیں آپ نے فرمایا کہ بیٹا پہلے ہمسایہ کے لئے دعا کرے بعد میں اپنے لئے۔

حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ حضرت فاطمہؑ اس امت میں سب سے زیادہ عبادت گذار تھیں، وہ عبادت خدا میں اتنی دیر کھڑی رہتیں کہ پیروں پر ورم آجاتا، جب پیغمبر نے ان سے پوچھا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر کیا چیز ہے تو فاطمہؑ نے فرمایا کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اسے دیکھے، یہ سن کر رسولؐ نے بیٹی کو سینے سے لگالیا۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرمؐ نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ عورت کس وقت خدا کے نزدیک ہوتی ہے؟ اصحاب جواب نہ دے سکے، جب حضرت فاطمہؑ نے سنا تو فرمایا کہ عورت سب سے زیادہ خدا کے نزدیک اُس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی چہار دیواری کے اندر ہو اور گھر سے باہر نہ نکلے، یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔

حضرت فاطمہؑ فرماتی ہیں کہ میں سونے کے لئے بستر بچھا چکی تھی اور سونا چاہتی تھی کہ اچانک رسولِ اکرمؐ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ فاطمہ اس وقت تک نہ سویا کرو جب تک چار عمل بجانہ لاؤ، قرآن ختم کرو، انبیاء کو اپنا شفیع قرار دو، مومنین کو اپنے سے خوش کرو اور حج وعمرہ بجالاؤ، یہ فرما کر آپ نے نماز شروع کر دی، میں رُک گئی یہاں تک کہ آپ نے نماز تمام کی تو میں نے عرض کی کہ آپ نے ایسے چار امور کا حکم دیا ہے، کہ جن کے بجالانے کی میں اس وقت قدرت نہیں رکھتی ہوں، آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور کہا: جب تم تین مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھو تو گویا قرآن ختم کرلیا، اور جب مجھ پر اور گذشتہ انبیاء پر صلوات بھیجو تو ہم قیامت کے دن تمہارے شفیع ہو جائیں گے اور جب مومنین کے لئے استغفار کرو گی تو مومنین خوش ہو جائیں گے اور جب سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہو گی تو گویا حج وعمرہ بجالائی ہو۔

تسبیح حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا تو اسلام کے تمام فرقوں میں مشہور ہے، یہ تسبیح رسول اکرمؐ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو تعلیم کی تھی، اس تسبیح کی بہت زیادہ فضیلت ہے، مومنین کو چاہئے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ وِرد کریں۔

## آپ کی وفات

بعد سقیفہ جب بقول اہل سنت صحابہ نے حضرت فاطمہؑ سلام اللہ علیہا کے گھر پر یورش کی اور آپ کے دروازے میں آگ لگائی اور پھر دروازے کو گرا کر گھر میں داخل ہوئے تو حضرت فاطمہ زہراؑ دروازے کے نیچے دب گئیں اور آپ کا حمل ساقط ہو گیا اور آپ کی ایک پسلی شکستہ ہو گئی اس کی وجہ سے آپ بعد رسولؐ ۷۵ دن زندہ رہیں، دوسری روایت میں ہے کہ سو دن زندہ رہیں اور جب تک زندہ رہیں اپنے والد رسول اکرمؐ کو بآوازِ بلند روتی رہیں، اس کی وجہ سے متعلقین سقیفہ کو سخت پریشانی ہوئی کیونکہ آپ کے رونے کے سبب کو جب نو وارد معلوم کرتا تھا تو سقیفائی افراد کی داستانِ ظلم سننے کو ملتی تھی اس لئے اہل

سقیفہ نے حضرت علیؑ سے آپ کے رونے کی شکایت کی، تب مجبوراً حضرت علیؑ نے جنت البقیع میں ''بیت الاحزان'' یا بیت الحزن'' بنا دیا آپ دن میں وہاں جا کر گریہ کرتیں اور شام کو گھر آ جاتیں، دن یوں ہی گذرتے رہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلوایا اور وصیت کی کہ میرے بعد آپ امامہ سے شادی کر لیجئے گا وہ میرے بچوں کے لئے میری طرح ہوگی، دوسرے یہ کہ ملائکہ نے مجھے تابوت بنا کر دکھا دیا ہے اسی طرح کے تابوت میں میرا جنازہ اٹھایئے گا، یہ کہہ کر آپ نے تابوت کی شکل بیان فرمائی، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے ویسا ہی تابوت بنایا، یہ پہلا تابوت تھا جو زمین پر بنایا گیا، تیسرے یہ کہ میرا جنازہ رات میں اٹھایا جائے اور ان لوگوں کو میرے جنازے میں نہ آنے دیا جائے جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرا حق غصب کیا ہے، کیونکہ وہ میرے اور رسولؐ کے دشمن ہیں، اور ان کے پیروکاروں کو بھی میری نمازِ جنازہ پڑھنے نہ دیجئے، ایک روایت میں ہے کہ عائشہ بنت ابوبکر کو بھی جنازے پر آنے سے منع کیا تھا۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ پانی لاؤ تا کہ میں غسل کروں ایک دوسری روایت میں ہے کہ وضو کے لئے پانی طلب کیا، صاف ستھرا پاکیزہ لباس پہنا ایک روایت میں ہے کہ نیا لباس پہنا اور فرمایا کہ اے اسماء بنت عمیس میرے والد رسول اکرمؐ کی وفات کے وقت جبریل امین چالیس درہم کافور جنت سے لائے تھے، میرے والد نے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا تھا، ایک میرے لئے اور ایک حصہ علیؑ کے لئے ، وہ کافور لاؤ تا کہ اس سے مجھے حنوط کیا جائے جب کافور آ گیا تو اس کو آپ نے اپنے سرہانے رکھ لیا، پھر آپ اپنے پاؤں قبلہ رُخ کر کے لیٹ گئیں اور اپنے اوپر رسول اکرمؐ کی چادر اوڑھ لی اور اسماء سے کہا کہ تم حجرے سے باہر بیٹھو جب تک میری تسبیح کی آواز سنو خاموش رہنا اور جب میری تسبیح کی آواز بند ہو جائے تو مجھ کو آواز دینا اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لینا میں اپنے بابا کے پاس چلی گئی ہوں۔

چنانچہ اسماء بنت عمیس کچھ تک دیر تو تسبیح کی آواز سنتی رہیں اور جب آواز

آنا بند ہو گئی تو انھوں نے آوازیں دیں تین مرتبہ آواز دینے کے بعد جب کوئی جواب نہ ملا تو اسماء حجرے میں داخل ہو گئیں اور چہرے سے چادر کو ہٹایا تو دیکھا کہ آپ کی روح جنت کی طرف پرواز کر چکی ہے۔

وفات کی روایات پڑھنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ قبل وفات آپ حجرے میں جب تشریف لے گئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے آپ نے ان کو سلام کیا انھوں نے آپ کو موت کی اطلاع دی اس کے بعد ملک الموت تشریف لائے آپ نے ان کو بھی سلام کیا اس کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں ملائکہ آموجود ہوئے اور ہر طرف بہترین خوشبو پھیل گئی تب ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔

آپ کے انتقال کی خبر سے مدینہ میں کہرام مچ گیا، لوگ جمع ہو گئے جو مصروف گریہ تھے اور انتظار میں تھے کہ کب جنازہ باہر آئے، پس ابوذر غفاری بیت الشرف سے باہر تشریف لائے اور بتایا کہ جنازہ باہر آنے میں تاخیر ہے اس لئے مجمع منتشر ہو گیا، جب رات کا کچھ حصہ گذر گیا اور لوگ سو گئے تو جنازہ باہر لایا گیا جنازے میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ امام حسنؑ امام حسینؑ عقیل ابن ابی طالب سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقداد، عمار، بریدہ اور بنی ہاشم کا ایک گروہ تھا، حضرت زینب سلام اللہ علیہا جو کافی کمسن تھیں سیاہ لباس میں ملبوس اس سائے میں چل رہی تھیں جو شمع کی وجہ سے تابوت کے نیچے زمین پر پڑ رہا تھا جب جنازہ جنت البقیع میں پہونچا تو ہر طرف خطۂ زمین نے درخواست کی کہ یہاں دفنائیے لیکن ایک جگہ قبر پہلے سے کھدی ہوئی تیار ملی، حضرت علیؑ نے اسی قبر میں آپ کو دفن کیا، اور آپ نے اور مزید چالیس قبروں کے نشان بنائے تاکہ اصل قبر مشتبہ ہو جائے اور فاطمہ کو ستانے والے قبر پر نماز بھی نہ پڑھ سکیں ورنہ جناب سیدہ کو اذیت ہوگی۔

صبح کو جب سقیفائی حاکم اور ان کے مشیر خاص عمر ابن خطاب کو معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ کو دفنا دیا ہے تو یہ بہت نارض ہوئے اور عمر نے کہا کہ ہم ان کی قبر کھود کر ان کی

نمازِ جنازہ پڑھیں گے یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام کو غصہ آ گیا آپ نے فرمایا

اے پسر صہاک! خدا کی قسم اگر تو نے اس کا ارادہ بھی کیا اور اس طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور جس تلوار کو میں نے نیام میں رکھ لیا ہے پھر اسے باہر نکال لوں گا، اور پھر وہ نیام میں اس وقت تک نہ جائے گی جب تک تیرا خون نہ بہا لے، یہ سن کر عمر نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ عمر کو معلوم تھا کہ جب علیؑ قسم کھاتے ہیں تو اسے پورا بھی کرتے ہیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ سے عمر کی تلخ گفتگو سن کر مہاجرین وانصار کا ایک گروہ جمع ہو گیا، اور انھوں نے کہا کہ ہم رسولؐ کے بھائی سے یہ سخت کلامی برداشت نہیں کریں گے، اس کے بعد ان لوگوں میں سے بعض نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور فتنہ برپا ہوتے ہوتے رہ گیا، ایک دوسری روایت بھی ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

حضرت علی علیہ السلام جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دفن کر چکے تو رسولؐ کی قبر کی طرف رُخ کر کے کہا، یا رسول اللہ، بہت جلد آپ کی بیٹی آپ کو بتائے گی کہ آپ کی اُمت نے میرا حق غصب کرنے میں اور ان کے حق میں ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی کتنی اعانت کی۔

پس ان سے حالات پوچھئے گا، کتنے زیادہ غم ان کے سینے پر تہہ بہ تہہ بیٹھ چکے ہیں کہ جنھیں وہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتیں تھیں، بہت جلد وہ آپ کو بتا دیں گی کہ ان پر کیا گذری، پس خدا دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ میں آپ کی بیٹی کو اس کے دشمنوں کے خوف سے جنھوں نے اس کا حق قہر وغلبہ سے غصب کیا، اور اعلانیہ اس کی میراث کو روک لیا، حالانکہ آپ کے زمانے کو زیادہ وقت نہیں گذرا، اے رسولِ خداؐ وداع کرنے والے کا آپ پر سلام ہو (یہ روایت طویل ہے، یہاں پر اس کی تلخیص تحریر کی گئی ہے)

حضرت فاطمہؑ کو دفن کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام قبر حضرت فاطمہؑ کے پاس بیٹھ کر بے انتہاء روئے، پس آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے ان کا ہاتھ

پکڑ کر اٹھایا اور گھر لے گئے۔

## مصحف فاطمہؑ کیا ہے؟

مصحفِ فاطمہؑ کے نام سے ہی سقیفائی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں تھک ہار کر چڑھانے والی گفتگو کر کے اپنے ایمان وعقائد کی قلعی کھولتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بعد وفاتِ رسولؐ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے بابا کی جدائی کا بے حد ملال تھا اور آپ خود کو تنہا محسوس کرتی تھیں، چنانچہ خداوند عالم کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آتے اور آپ کو تسلی دیتے اور بتاتے کہ اب آپ کے بابا کس مقام پر ہیں اور کبھی یہ بیان کرتے کہ آپ کی ذریت کے ساتھ دنیا والے کیا سلوک کریں گے، حضرت علیؑ ان تمام باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے اسی تحریر کا نام مصحفِ فاطمہؑ ہے، مصحفِ فاطمہؑ میں قیامت تک آنے والے تمام حالات ہیں۔

**آپ کا مدفن** :-حضرت فاطمہؑ کے جائے مدفن میں اختلاف ہے بعض جنت البقیع میں بیان کرتے ہیں، بعض قبر رسولؐ اور منبرِ رسولؐ کے درمیان بیان کرتے ہیں، اور بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے ہی گھر میں مدفون ہوئیں، لیکن زیادہ شہرت یہ ہے کہ آپ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ایک عرصہ گذرنے کے بعد آپ کی قبر مبارک پر روضہ کی تعمیر عمل میں آئی۔جس کو آٹھ شوال ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء کو ابن سعود ملعون نے منہدم کرادیا، اس بد بخت نے مکے میں ۹، اور مدینے میں ۱۹ / مقامات مقدسہ کو منہدم کرادیا تھا، اس کے بعد سے اب تک (۲۰۱۶ء) آپ کی قبر ویران ہے۔

# سلسلۂ امامت کی پہلی کڑی

# مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام

آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلے معصوم جانشین ہیں ،آپ ۱۳؍رجب المرجب سنہ ۳۰ عام الفیل بمطابق سنہ ۶۰۰ ء یوم جمعہ بمقام خانۂ کعبہ پیدا ہوئے ،روایت میں ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کو دردِ زہ ہوا تو آپ بمشورۂ رسولِ کریم خانہ کعبہ کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئیں اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہنے لگیں ،اے پرودگار میں تجھ پر اور جو تُو نے نبی اور کتابیں بھیجی ہیں ان سب پر ایمان رکھتی ہوں ،اپنے جد حضرت ابراہیمؑ کی باتوں کی تصدیق کرتی ہوں ،جنھوں نے خانہ کعبہ بنایا تھا پس میں تجھ سے اس گھر کے حق کا اور اس فرزند کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے لئے اس وضع حمل کو آسان کر دے۔

جب حضرت فاطمہ بنت اسد یہ دعا کر رہی تھیں اس وقت اس دعا کو عباس بن عبدالمطلب ،یزید بن قعنب ،بعض افراد بنی ہاشم کے اور قبیلہ بنی العزیٰ کے ایک گروہ کے افراد کے ساتھ خانۂ کعبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے،اور اس دعا کو سن رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد اس دعا سے فارغ ہوئیں تو خانہ کعبہ کی پچھلی دیوار پھٹی اور فاطمہ اس شگاف سے کعبے کے اندر داخل ہوگئیں ،اور ہماری آنکھوں سے پنہاں ہوگئیں ،حکم خدا سے دیوارِ کعبہ دوبارہ مل گئی ،یہ منظر دیکھ کر ہم نے چاہا کہ خانہ کعبہ کا دروازہ کھولیں ،بہت ہی کوشش کی لیکن دروازہ نہ کھلا تب ہم نے سمجھ لیا کہ یہ معاملہ اللہ کی طرف سے ہے ،لوگ اس واقعہ کا آپس میں تذکرہ کرتے کوچہ و بازار میں اس کا چرچا ہونے لگا ،عورتیں اپنے گھروں میں اس کا تذکرہ کرتیں اور تعجب کرتیں ،جب چوتھا دن ہوا تو فاطمہ بنت اسد اپنے نومولود فرزند اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کو لے کر باہر آئیں ،اور وہ کہہ رہی تھیں کہ لوگو! خدا نے مجھے اپنی مخلوق میں سے چن لیا ہے ،اور مجھے ان خواتین برگزیدہ پر فضیلت دی جو مجھ سے پہلے گذر چکی ہیں ،میں خدا کے چنے ہوئے گھر کے اندر تین دن تک

عزت واحترام سے رہی ہوں اور میں نے جنت کے میوے اور پھل کھائے ہیں۔
غور تو کیجئے کہ مکہ تمام شہروں میں اشرف ہے، اور مکّے میں حرم مقدس مقام ہے ،اور حرم میں کعبہ مقدس ترین مقام ہے، اس کے ساتھ ساتھ جمعہ سید ایام ہے، اور رجب ماہِ حرام ہے، ایسے مقدس مقام اور ایسے مقدس دن اور مہینے میں حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے، آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ( تا قیامت ) کوئی کعبے میں پیدا نہ ہوگا، آپ کی کعبہ میں پیدائش کی بنا پر کعبے کے در پر علی کے نام کی تختی آویزاں کردی گئی جو ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک رہی اس کو اس نے اتروادیا۔

مکّے میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑا، حضرت ابوطالب علیہ السلام کثیر العیال تھے ان کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور رسول اکرمؐ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو اس بات پر راضی کیا کہ ان کے فرزند علیؑ کی پرورش رسولِ اکرمؐ کریں گے اور جعفر طیار کی پرورش حضرت عباس کریں گے اس طرح حضرت علی علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ پروان چڑھنے لگے ،آپ ہر وقت رسولؐ کے ساتھ رہتے اور رسالت کے جلوؤں کا مشاہدہ کرتے۔

(مومنین کو بھی چاہئے کہ اگر کوئی مومن کثیر العیال ہے اور پریشان حال بھی ہے تو اس کے صاحبِ استطاعت عزیز اس کی کسی اولاد کو گود لے لیں اور اس کی پرورش کریں گود لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو صرف روٹی پر ایک مفت کا نوکر مل گیا کہ اس سے خوب کام لے رہے ہیں، آپ نے گود لیا ہے تو اس کی پرورش بالکل اسی طرح کریں جس طرح اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں ،اگر گود نہیں لے سکتے ہیں تو اس کثیر العیال عزیز کی اس طرح پوشیدہ امداد کیجئے کہ ایک ہاتھ سے دیں تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو)

چنانچہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو شیطان نے مکّہ میں قیامت تک بت پرستی نہ ہونے کے سبب مایوس ہو کر چیخ ماری، اس چیخ کو حضرت علیؑ نے بھی سنا اور رسولؐ سے دریافت کیا کہ یہ چیخ کیسی تھی؟ آپؐ نے بتایا کہ شیطان مکہ میں بت پرستی سے مایوس

غروب ہو گیا تو کہا کہ اگر یہ خدا ہوتا تو نہ ڈوبتا، پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میرا خدا میری حفاظت نہ کرتا تو میں یقیناً گمراہ ہوتا۔

زہرہ پرستوں، چاند پرستوں اور سورج کی پوجا کرنے والوں کو متوجہ کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں کی ہدایت کے لئے ایک نئی راہ اپنائی، جس دن ان بت پرستوں کی عید تھی سب شہر سے باہر عیدگاہ میں جا رہے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جب سب شہر سے باہر چلے گئے تو ان کے تمام بت توڑ دئے اور سب سے بڑے بت کے گلے میں کلہاڑی لٹکا دی، جب لوگ واپس آئے اور دیکھا کہ بتوں کی حالت ابتر ہے کسی کا ہاتھ غائب ہے کسی کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے کسی کے پیر کٹے ہوئے ہیں تو ان لوگوں کو سخت غصہ آیا، اور سوچنے لگے کہ ایسا کون کر سکتا ہے، تب ان کو خیال آیا کہ یہ کام سوائے ابراہیمؑ کے اور کوئی نہیں کر سکتا، کیونکہ وہی بتوں کا مخالف ہے، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے سامنے پیش کیا گیا اس نے پوچھا کہ کیا تم نے ہی بتوں کو توڑا ہے؟ جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کام ان کے بڑے کا ہے اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ لو اور اگر نہیں بول سکتے تو پھر خدا کیونکر ہو سکتے ہیں، نمرود اور اس کے درباری سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے وہ لاجواب ہیں اس لئے انھوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ نمرود آزر پر خفا ہوا کہ تو نے اس بچہ کی پیدائش کی خبر مجھے کیوں نہ دی، اس نے کہا اس معاملے کو چھپانے میں اس کی ماں ذمہ دار ہے، اس نے اس کی پیدائش کو چھپایا اور جب وہ تیرہ سال کا ہو گیا جب اس کو گھر لائی، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے میرے حکم کے خلاف کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تیری رعایا کی بھلائی کے لئے کیا، کیونکہ جب میں نے دیکھا کہ تو اپنی رعایا کی اولاد کو بے جرم و خطا محض شبہ میں مار ڈالتا ہے تو میں نے سوچا کہ اگر میرا فرزند وہی لڑکا ہے جس کی خبر نجوم کے ذریعہ تجھے ملی ہے تو میں اس کو بادشاہ کو خود دیدوں گی کہ وہ اسے مار ڈالے

ہو گیا ہے، اور اے علیؑ! تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔

سقیفائی اکثر یہ گفتگو کرتے ہیں، کہ پہلے کون اسلام لایا اور پھر طوعاً و کرھاً کہتے ہیں کہ بچوں میں حضرت علیؑ بڑوں میں ابوبکر اور عورتوں میں حضرت خدیجہؑ اولین مسلمانوں میں ہیں، یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں میں بھی تو کوئی پہلے اسلام لایا ہوگا، اس کا نام کیا ہے؟

اس گفتگو کو ہم تھوڑی دیر کے لئے روکتے ہیں، اور یہ دیکھتے ہیں کہ جس وقت مکّے میں اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس وقت مکّے میں مذہبی اعتبار سے کتنے گروہ تھے، ایک گروہ بت پرست تھا ان میں سے جو مسلمان ہوا تو اس کے لئے کہا جائے گا کہ یہ اسلام لایا، جیسے ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ۔

دوسرا گروہ وہ ہے، جو دینِ حنیف یعنی دین ابراہیمؑ کا پیرو تھا، یہ جب علی الاعلان اسلام میں داخل ہوں گے تو ان کے لئے کہا جائے گا انھوں نے اظہارِ اسلام کیا جیسے جنابِ حمزہ علیہ السلام، جناب جعفر طیار علیہ السلام، حضرت ابوطالب علیہ السلام، حضرت عباس وغیرہ، اب اگر اس گروہ میں سے کوئی بمنشائے رسولؐ بقائے اسلام کی خاطر علی الاعلان اظہارِ اسلام نہ کرے تو اس کو کافر کہنے والے خدا اور رسولؐ کو ایذا دینے والے شمار ہوں گے۔

اور اگر کوئی کافر دل سے مسلمان نہ ہو اور رسول بھی اس کے اظہارِ اسلام کو قبول نہ کریں تو وہ منافق ہے یعنی کافر ہے، اور بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اس میں فتح مکہ کے وہ کفار آجائیں گے جنھوں نے جان کے خوف سے اسلامی لبادہ اوڑھ لیا تھا، ان افراد کو مسلمان کہنا مرضیٔ رسولؐ کے خلاف ہے، اور جو مرضیٔ رسولؐ کے خلاف عمل کرے وہ خسارہ اٹھانے والا ہے۔

اب ہم پھر موضوع پر آتے ہیں پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی، ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت علی علیہ السلام ساتھ ہیں، شیطان کی چیخ کو سنتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ یہ کیسی چیخ ہے، پھر حضرت جبرئیل طریقۂ وضو اور نماز کی تعلیم دیتے ہیں، اس طرح

حضرت علیؑ پہلے مسلمان ہوئے ،اس کے بعد رسولؐ گھر تشریف لاتے ہیں اور سارا ماجرا حضرت خدیجہ کو سناتے ہیں، حضرت خدیجہ عرصے سے آپ میں آثارِ نبوت دیکھ رہی تھیں، اور یہودی عالم سے سن چکی تھیں کہ تم (حضرت خدیجہ) پیغمبر آخر کی زوجہ بنوگی، اس لئے آپ فوراً ایمان لے آئیں، اور اس طرح اسلام میں داخل ہونے والی دوسری ہستی ہوگئیں، گھر میں تیسری ہستی جناب زید بن حارثہ غلام کی ہے یہ رسولؐ کے کردار سے اتنا متاثر تھے کہ انھوں نے اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ جب انھوں نے نئے دین کے متعلق سنا تو یہ فوراً اسلام لے آئے ، اس کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ہدایت پر جناب جعفر طیار نے نماز پڑھی، خود طبری میں روایت موجود ہے کہ

> ''عباد اللہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے خود علیؓ کو بیان کرتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور صدیق الاکبر ہوں، میرے بعد جو اس قسم کا ادعا کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا، میں نے دوسرے لوگوں سے سات سال قبل رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔''

(طبری صفحہ ۸۲ حصہ اول مطبوعہ دیوبند)

لیجئے اس روایت نے دو باتیں واضح کر دیں کہ حضرت علیؑ نہ صرف صدیق ہیں بلکہ صدیق الاکبر ہیں، اب اگر کسی کو یہ لقب دیا جائے یا وہ خود یہ دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا۔

دوسرے یہ کہ حضرت علی علیہ السلام نے اوروں سے سات سال قبل نماز پڑھی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج سقیفائی جن افراد کو اوّلین مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں وہ ابتداء میں سات سال تک اسلام سے دور تھے، اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ المختصر یہ کہ آج سقیفائی اپنے بزرگوں کے لئے جو چاہیں کہیں لیکن حقائق وہی رہیں گے جو ہیں۔

ابتداء میں دعوت ذوالعشیرہ ہوئی اس کا انتظام حضرت علیؑ نے کیا، سقیفائی جن کو اوّلین مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں ان کا اس دعوت میں بشکل منتظم، یا معاون، یا ناظر کہیں تو وجود ہوتا، ان کا وجود نہ ہونا ثبوت ہے کہ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، سقیفہ میں حکومت تشکیل دینے کے بعد، مؤرخین، محدثین، راویوں نے ان کو اولین مسلمان بنانے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

اسلام کا اعلان ہوتے ہی مکہ کا ذرّہ ذرّہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہوگیا، کفار مکہ نے رسولؐ کے بائیکاٹ کا معاہدہ کعبے میں لٹکا دیا، خطرے کو دیکھتے ہوئے حضرت ابوطالب علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر شعب ابی طالب میں چلے گئے، وہاں بھی خطرہ تھا کہ دشمن شبخون نہ مارے اس لئے حضرت ابوطالبؑ رسولؐ کے بستر پر اپنی اولاد میں سے کسی کو لٹا دیا کرتے تھے، چنانچہ رسولؐ کی جان بچانے کی خاطر حضرت علیؑ بھی بار ہا بستر رسولؐ پر سوئے کہ ہم قتل ہو جائیں لیکن رسولؐ کی جان بچی رہے۔

شعبِ ابو طالبؑ میں فاقوں کی نوبت آگئی تھی، رسولؐ کے ساتھ ان فاقوں میں حضرت علیؑ بھی مبتلا رہے، اس وقت جانثاری کے لئے بقول سقیفائی اوّلین مسلمان صحابہ کیوں آگے نہیں آئے اس کا جواب سقیفائیوں کو دینا چاہئے۔

شعب ابوطالبؑ کا معاہدہ ختم ہوا تو حضرت ابوطالبؑ نے داعی اجل کو لبیک اس حالت میں کہا کہ تقریباً ۴۵ سال تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و پرورش کرتے رہے اس کے باوجود آج سقیفائی ان کو کافر کہتے ہیں اور ابوسفیان و معاویہ جن کا ایمان رسولؐ نے تسلیم نہیں کیا تھا ان کو مؤلفۃ القلوب میں رکھا تھا آج وہ مومن کہے جاتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ رسولؐ کا اور بنی ہاشم کا بائیکاٹ کرنے والے کفار بھی آج سقیفائیوں کی نظر میں مسلمان ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ۱۵ ر شوال ۱۰ بعثت بعمر ۸۶ سال مکہ معظمہ میں ہوا، آپ کے انتقال سے حضرت علیؑ کو سخت صدمہ ہوا اور رسول اکرمؐ بھی بے حد متاثر ہوئے

اسی لئے آپ نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' رکھا۔

حضرت ابو طالبؑ کو اسلامی اُصول پر دفن کیا گیا۔

(چودہ ستارے بحوالہ تاریخ خمیس سیرت حلبیہ)

ہجرت کی شب حضرت علیؑ نے ہی تلواروں کے سائے میں بسترِ رسولؐ پر آرام کیا اور غارِ ثور میں رسولؐ کے لئے کھانے کا انتظام کیا، اور رسولؐ کے پاس جن کفار کی امانتیں تھیں ان کو واپس کر کے مخدرات عصمت کو لے کر مدینہ پہونچ گئے۔

مدینہ میں آپ کی شادی حکمِ خدا سے رسول اکرمؐ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے کی، حضرت فاطمہؑ سے رشتہ دیگر افراد نے بھی دیا تھا لیکن رسولؐ نے مونھہ پھیر لیا اور فرمایا تھا کہ علیؑ کے علاوہ فاطمہؑ کا کوئی کفو نہیں، آدمؑ سے لیکر قیامت تک۔

حضرت علیؑ کی شادی کے دو سال بعد آپ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسدؑ کا بھی انتقال ہو گیا، رسول کریمؐ حضرت علیؑ کی والدہ اور اپنی چچی کو ''ماں'' فرماتے تھے، انتقال کی خبر سے آپ کو سخت صدمہ ہوا، رسول اکرمؐ نے بنفس نفیس قبر کھودنے میں حصہ لیا اور قبر میں خود لیٹ کر کشادگی قبر کا اندازہ کیا، اور اپنی چادر اور کرتے کو کفن کے لئے دیا،

حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت ضرب المثل ہے اس کا تذکرہ رسول اکرمؐ کے حالات میں آچکا ہے یہاں دوبارہ لکھنا طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے ہم اس کو ترک کرتے ہیں خواہشمند حضرات ''حالاتِ رسول اکرمؐ'' کا مطالعہ کریں۔

فتح مکہ میں آپ ہی کو دوشِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر بتوں کو کعبے سے ہٹانے کا شرف حاصل ہے، اس کے بعد آپ کو غدیر خم میں مولائے کائنات کا رتبہ مرحمت فرمایا اور صحابہ وصحابیات کو مبارکباد دینے کا حکم دیا، بعدِ رسولؐ جب حضرت علی علیہ السلام کفن دفن رسولؐ میں مشغول تھے تو اس گروہ نے جو ابتداء سے حکومت ہتھیانے کی فکر میں تھا اور بقول سلیمان ندوی حضرت عائشہ کی شادی نبوت وخلافت کا رشتہ مضبوط کرنے کے لئے تھی (سیرتِ عائشہ)۔ سقیفہ میں دھینگا مشتی کر کے حکومت سازی کی اور حضرت علی علیہ السلام کے حق

کو غصب کیا، اس وقت ابوسفیان نے کوشش کی کہ مسلمانوں میں خوں ریزی ہو جائے اس لئے حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ پست خاندان کا ایک فرد حکومت پر قابض ہو جائے اگر تم کہو تو مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں، اس کے جواب میں حضرت علیؑ نے کہا کہ تو کب سے اسلام کا خیر خواہ ہو گیا۔

رسول اکرمؐ کی یہ حدیث مشہور ہے کہ اے عائشہ! اگر تیری قوم تازی کفر سے مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں اس کے ساتھ وہ کرتا جو کرنا چاہئے تھا، اسی قسم کی دوسری حدیث کعبہ کے دروازے کے ذیل میں بھی ہے جو خود حضرت عائشہ سے مروی ہے، یہی وجہ تھی کہ رسول اکرمؐ منافقوں کو قتل نہیں کرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں اس طرح نو مسلم اسلام سے بدظن ہوتے اور اسلام کو ترک کرتے۔

حضرت علیؑ کا دور اور رسولؐ کا دور ایک ہی تھا اسی لئے آپ کے پیش نظر بقائے اسلام کی خاطر وہی مصلحتیں تھیں جو رسول اکرمؐ کے پیش نظر تھیں، چنانچہ بحار الانوار میں ہے کہ جب عمر ابن خطاب نے حضرت فاطمہؑ کی قبر کھولنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "اے حبشن کے بچے میں نے اپنا حق اس لئے چھوڑ دیا کہ لوگ دین اسلام سے مرتد نہ ہو جائیں لیکن قبر فاطمہؑ کی طرف تو نے یا تیرے ساتھیوں نے آنکھ بھی اٹھا کر دیکھا تو میں تم لوگوں کے خون سے اس زمین کو سینچ دوں گا اب اگر چاہو تو قدم بڑھا کر دیکھو۔"

جب بیعت لینے کے لئے سقیفائی گروہ خانۂ سیدہ میں بغیر اجازت دروازہ توڑ کر زبردستی گھر میں داخل ہوا تو حضرت علیؑ نے عمر ابن خطاب سے کہا کہ

"اے عمر ابن خطاب! میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے محمدؐ کو عزت بخشی اگر اللہ نے مجھ سے پہلے ہی عہد نہ لے لیا ہوتا تم لوگ میرے گھر میں داخل ہی نہیں ہو سکتے تھے۔"

یہ تھی وہ وجہ جس کی وجہ سے حضرت علیؑ نے سقیفائیوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی، اگر تلوار اٹھا لیتے تو آج تاریخ میں سقیفائیوں کا نام مقتولین میں ہوتا، لیکن اس کا نقصان

یہ ہوتا کہ لوگ الٹے پاؤں پلٹ جاتے جس کی پیش گوئی قرآن نے کی تھی کہ

''محمدؐ رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں کیا یہ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنے پچھلے قدموں پر پلٹ جاؤ گے؟''

قرآن کی مذکورہ آیت ایک قسم کی پیش گوئی ہے، خود سقیفائی گواہ ہیں کہ عربوں کی اکثریت مرتد ہو گئی تھی، طبری میں تو سرخی ہی یہ لگائی گئی ہے کہ ''فتنۂ ارتداد'' ............ان حالات میں اگر حضرت علیؑ تلوار اٹھا لیتے تو وہ تمام محنت جو آپ نے اور رسولؐ اکرم نے ۲۳ سال تک شب و روز کی تھی وہ ختم ہو جاتی اور اسلام کا نام صرف تاریخ میں رہ جاتا، حضرت علیؑ کے سکوت کی وجہ سے بنو امیہ زدہ اسلام بھی مجبور ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ کہے کہ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، اور یہ لوگ کم سے کم اتنا تو ہے کہ بت پرستی سے دور ہیں اور توحید کا اقرار کرتے ہیں۔

خانۂ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پر سقیفائیوں کی یورش اتنی بڑی تھی کہ اگر تائید الٰہی اہل البیت رسولؐ کے شامل حال نہ ہوتی تو خانوادۂ رسولؐ اسی روز ختم ہو جاتا، خدا خدا کر کے یہ بلا ٹلی، اب حضرت علی علیہ السلام کو آئندہ کے لئے اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا تھا آپ ملاحظہ فرما چکے تھے کہ پیغامِ غدیر کو ٹھکرا دیا گیا اور حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا ہے اور من مانی کا دور شروع ہو چکا ہے، ان حالات میں بقائے اسلام کی فکر امام علی علیہ السلام کے لئے اولین ترجیح رکھتی تھی کیونکہ نبی صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور امام محافظِ شریعت ہوتا ہے شریعت کی حفاظت اس حال میں کہ من مانی شروع ہو چکی ہے، غدیر میں دی گئی ہدایتِ رسولؐ کو ٹھکرایا جا چکا ہے ایک مشکل ترین کام تھا، اس کی حفاظت کے لئے آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ قرآن جو دورِ رسولؐ میں آپ اکٹھا کر چکے تھے اس پر تفسیری حاشیہ لکھا تا کہ تفسیر بالرائے کا باب بند ہو جائے، پھر اس قرآن کو جس میں تفسیر بھی ساتھ میں تھی آپ نے اسے چادر میں لپیٹا اور لے کر مسجد میں ابو بکر کے پاس پہونچے اور کہا کہ یہ قرآن ہے اس کو میں نے جمع کیا ہے اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے گذر چکا ہے

اسے لے لو اور رائج کرو آپ نے مزید وضاحت یہ کی کہ میں یہ قرآن اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے اس کے لئے رسولؐ نے ہدایت کی تھی، ابوبکر نے جواب دیا کہ اسے واپس لے جاؤ ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ عالمِ اہل سنت ابن سیرین کا قول تاریخ الخلفاء میں ہے کہ "اگر وہ قرآن قبول کرلیا گیا ہوتا تو علم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوتا۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۵، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)

یہ درست ہے کہ اہل سنت اس قرآن کے نہ ہونے سے علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہوئے بلکہ اس کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ دین اسلام میں تبدیلی کے لئے راہ ہموار ہوگئی چنانچہ ابتدائی تین سقیفائی حکمرانوں نے اور پھر معاویہ نے دین کے قوانین میں من مانی تحریفیں کیں۔

متعہ کو حرام کر دیا گیا، شراب کی حد بڑھادی گئی، گھوڑوں پر زکات لی گئی، ایک نشست میں تین طلاق کو رائج کر دیا گیا، تراویح با جماعت رائج کردی گئی، فتح مکہ میں مقامِ ابراہیمؑ کو رسولؐ نے کعبے سے متصل کیا تھا لیکن عمر ابن خطاب نے اس کو وہاں سے ہٹا کر وہاں کر دیا جہاں کفارِ مکہ نے قبل اسلام کر رکھا تھا، چنانچہ تاریخ الخلفاء مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند کے صفحہ ۱۴۷ پر تحریر ہے کہ

> "آپ ہی نے (عمر ابن خطاب نے) مقامِ ابراہیمؑ
> کو اس جگہ قائم کیا جہاں اب موجود ہے، ورنہ پہلے وہ کعبہ
> شریف سے ملا ہوا تھا۔"

اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کر دیا گیا، رحمت للعالمین کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرنے والے نے درّہ ایجاد کیا اور اس کا بے دریغ استعمال کیا جس کی وجہ سے بعد میں یہ مثل مشہور ہوگئی کہ عمر کا درّہ تمہاری تلواروں سے بھی زیادہ خوفناک ہے، امیر المومنین کا لقب اختیار کیا جبکہ یہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے مخصوص تھا، اسی طرح پہلے سقیفائی حکمراں کو صدیق کا لقب دیدیا، جبکہ طبری میں حضرت علیؑ کا قول موجود ہے کہ

میں ہی صدیق الاکبر ہوں جو میرے علاوہ یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور مفتری ہوگا (صفحہ ۸۲ حصہ اول مطبوعہ دیوبند) حضرت عائشہ جن کو سقیفائی صدیقہ کہتے ہیں، ان کا قول تو آج تک تیسرے سقیفائی حکمراں کے لئے مشہور ہے کہ "قتل کردو نعثل کو اس نے سنت کو بوسیدہ کردیا"، صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو ظاہری حکومت ملی تو صحابی نے اقرار کیا کہ آج ہم کو رسولؐ کی نماز یاد آگئی، اس کے علاوہ صحیح ترمذی کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے

"۶۲۴ حضرت ابو عمران جونیؒ کہتے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جن چیزوں پر ہم رسول اللہ کے زمانے میں عامل تھے ان میں سے اب ہم کچھ نہیں پہچانتے میں نے کہا کہ آپ نماز کو نہیں دیکھتے (نماز تو اپنی اصلی حالت پر باقی ہے) حضرت انسؓ نے فرمایا نماز میں تم لوگوں نے وہ (نئی نئی) باتیں نہیں کرلیں جو تم جانتے ہو، یہ حدیث حسن غریب ہے"

مترجم ترمذی نے حدیث میں نمبر ڈال کر یہ وضاحت کی ہے

(۱) یعنی اب تمام چیزوں میں تغیر واقع ہوگیا ہے، عبادات کے تمام طور طریقے بدل گئے ہیں۔

(۲) اسی طرح امام مالک کے دادا حضرت مالک بن ابی عامر اصبحیؒ فرماتے ہیں کہ آج کل میں سوائے اذان کے اور کسی چیز کو اس حالت میں نہیں پاتا جیسا کہ میں نے صحابہ کے زمانے میں دیکھا ہے۔" اور تابعین کے زمانے میں گذرے ہیں۔

اذان سے حَی عَلیٰ خَیرِ العَمَل ختم کردیا گیا، بخاری میں کتاب العیدین میں ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسولؐ پہلے نماز پڑھاتے تھے اور پھر بعد نماز خطبہ دیتے تھے لیکن مروان بن حکم (تیسرے سقیفائی حاکم کا رشتہ دار) نے اپنی گورنری کے زمانے میں نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا میں نے (ابو سعید خدری) نے منع کیا اور کہا تم نے رسول

اللہ کا طریقہ بدل دیا، مروان بولا، ابوسعیدؓ جو تمہارا علم تھا وہ اب جاتا رہا، بات یہ ہے کہ لوگ ہمارا خطبہ پسند نہیں کرتے اس لئے میں نے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا، صحیح بخاری کتاب تقصیر الصلوٰۃ میں ہے کہ عثمان نے جب منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو ابن مسعودؓ صحابی نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر کہا کہ میں نے رسولؐ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں ہیں، صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ عثمان بن عفان لوگوں کو متعۃ الحج وعمرہ اکٹھا کرنے سے منع کرتے تھے حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو حج عمرہ کا احرام ساتھ باندھا اور کہا کہ میں رسول اللہ کی سنت کو کسی کے کہنے سے ترک نہ کروں گا (کتاب الحج)

## دورِ معاویہ ابن ابوسفیان میں تبدیلیٔ دین:

(۱) مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان وارث قرار نہ دیا۔

(۲) معاہد کی دیت مسلمان کے برابر تھی مگر معاویہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام پر جمعے کے خطبوں میں گالیاں دینے کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل کیا

(۴) مالِ غنیمت کے خمس میں سونا چاندی اپنے لئے مخصوص کر لیا۔

(۵) زیاد بن سمیہ (ولد الحرام تھا) اس کو اپنے نسب میں شامل کیا۔

(۶) معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون اسلامی سے بالاتر قرار دیا۔

(۷) معاویہ کے سپہ سالار نے مسلمان عورتوں کو لونڈی بنالیا۔

(۸) سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی رسم بد کی بدعت کو زندہ کیا اور اصحابِ رسولؐ کے سر کاٹ کر معاویہ کے پاس لے جائے گئے۔ مثلاً عمار یاسر اور عمر بن الحمق۔

(۹) فرزند ابوبکر کو گرفتار کر کے گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا گیا۔

(۱۰) عبداللہ ابن زبیر اور ان کے رفقاء عبداللہ بن صفوان اور عمارہ بن

حزم کے سر کاٹ کر مکّے سے دمشق لے جائے گئے اور ان کی لاشیں مکّے میں لٹکا دی گئیں حتیٰ کی وہ سڑ گئیں۔

(۱۱) معاویہ نے سقیفائی حکمرانوں کے فضائل کے لئے حدیث ساز کارخانہ کھولا۔

## دین میں تبدیلی یزید کے دور میں:

(۱) نواسۂ رسول کو بھوکا پیاسا رکھ کر قتل کرنا اور رسولؐ کی نواسیوں کو سروں سے چادریں اُتار کر انھیں سر برہنہ بازاروں میں پھرانا اور نواسۂ رسولؐ کی لاش کو پامال کرانا۔

(۲) واقعۂ حرہ جس میں مدینے پر چڑھائی کی گئی دس ہزار اہل مدینہ مارے گئے جن میں صحابہ اور تابعین تھے اور یزیدی فوج نے صحابیات اور ان کی اولاد سے تین دن تک زنا کیا جس کے نتیجے میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں اور تین روز تک مسجد نبویؐ میں نماز نہ ہوئی کیونکہ اس میں یزیدی فوج کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور وہ پیشاب ولید کر رہے تھے۔

(۳) یزیدی فوج نے مکّے پر چڑھائی کی، کعبے پر پتھر اور آگ کے گولے برسائے جس کی وجہ سے دیوار کعبہ شکستہ ہوگئی اور غلافِ کعبہ جل گیا۔

یہ ہے مختصر نمونہ اس خیر القرون کا اور اس خلافت راشدہ کا جس کی تعریف کرتے سقیفائی تھکتے نہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے احکامِ دین کو پاؤں میں روندا اور من مانی کرکے اپنے دن پورے کیے، اب یہ لوگ بارگاہِ خداوندی میں پہونچ چکے ہیں وہاں انھیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ انھوں نے کیا بویا اور کیا کاٹا۔

ان واقعات کو سقیفائی لکھتے ہیں پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں کیونکہ وہ اندھی تقلید پر باقی ہیں، بقول قرآن اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (اللہ کے لئے کھڑے رہو دو دو اور اکیلے اکیلے پھر سوچو) اگر اہل سنت قرآن کے اس حکم پر عمل کریں تو وہ جان لیں گے کہ ان کا مذہب تحریف شدہ ہے۔

اور تمام رعایا کے بچوں کے قتل سے باز آجائے۔ اور اگر یہ لڑکا وہ نہیں ہے تو میرا فرزند بچ جائے گا، اب چونکہ پتہ چل گیا ہے کہ یہ وہی بچہ ہے تو اس کو شوق سے مار ڈالئے (اگر مار سکتے ہوں) اور رعایا کے دیگر بچوں کے قتل سے باز آیئے، نمرود نے اس جواب کو پسند کیا اور درباریوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مشورہ کیا، سب نے مشورہ دیا کہ ان کو زندہ جلا دیا جائے۔

المختصر یہ کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا گیا، تمام بت پرست بخوشی لکڑیاں لائے کہ ان کے بتوں کے توڑنے والے کو جلایا جائے گا، نتیجے میں لکڑیوں کا عظیم انبار ہو گیا، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک بلند مقام تیار کرایا، اس میں نمرود اور اراکین سلطنت کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔

جب لکڑیوں میں آگ لگائی گئی تو شعلے اتنے بلند تھے کہ کوئی قریب نہیں جا سکتا تھا، سوال یہ پیدا ہوا کہ ان کو آگ میں کس طرح پہونچایا جائے یہ خود تو آگ میں جائیں گے نہیں، اس موقع پر شیطان نے آکر لوگوں کو منجنیق بنانا سکھایا، تب لوگوں نے منجنیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا کر آگ میں اس حالت میں پھینکا کہ آپ کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے بسی کو دیکھ کر زمین و آسمان سے ایک فریاد بلند ہوئی ہر چیز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کے لئے خدا سے اجازت طلب کی، زمین نے کہا اے پروردگار مجھ پر تیری عبادت کرنے والا سوائے ابراہیمؑ کے اور کوئی نہیں ہے، کیا تو راضی ہے کہ لوگ ابراہیمؑ کو جلا دیں؟ فرشتوں نے کہا اے ہمارے مالک لوگ ابراہیمؑ کو بے جرم وخطا جلانا چاہتے ہیں، آواز پروردگار آئی کہ اگر وہ مجھ سے مدد طلب کریں گے تو میں ضرور مدد کروں گا، حضرت جبرئیل علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اور عرض کیا کہ میرے مالک مجھے اجازت دے تو میں ابراہیمؑ کی مدد کو جاؤں تو خدا نے فرمایا جاؤ اگر وہ مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا اور اگر مدد نہ مانگیں تو ان کی مدد ہرگز نہ کرنا، اجازت ملنے

اگر غدیر خم کی ہدایت پر مسلمانوں نے عمل کیا ہوتا تو احکامِ شریعت کو اس طرح روندنے کی نوبت نہ آتی اور اگر یہ لوگ حضرت علیؑ کا پیش کردہ قرآن ہی لے لیتے تو بھی صورتِ حال اتنی ابتر نہ ہوتی۔

دوسری طرف شیعہ علیؑ تھے یہ حضرت علیؑ کی راہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے اس کا واضح اثر یہ سامنے آیا کہ آج شیعوں میں ایک بھی مسئلہ ایسا نہیں جو خلافِ قرآن ہو یا خلافِ شریعتِ رسول اکرمؐ ہو۔

ان سنگین حالات میں حضرت علیؑ سقیفائی حکمرانوں کو مشکل اوقات میں بقائے اسلام کی خاطر مفید مشورے دیتے رہے جن سے تاریخ بھری پڑی ہے، اور ان مشوروں کو تحریر کر کے سقیفائی یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے تعلقات ان تینوں حکمرانوں سے اچھے تھے جبکہ یہ مشورے صرف بقائے اسلام کے لئے تھے، تعلقات اچھے ہونے کا ثبوت تاریخ میں نہیں ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنے دورِ حکومت میں مملکت اسلامی میں خوش حالی اور ترقی کے لئے بہت کام کئے، آپ نے اپنے دست مبارک سے نہریں کھود کر مسلمانوں کے لئے وقف کیں اور آپ نے سترہ میل لمبی سڑک اپنے ہاتھوں سے ہموار کی اور اس پر میل کے پتھر نصب کئے، ہر پتھر پر تحریر تھا کہ ہٰذا میل علی، یہ پتھر کافی وزنی تھے آپ ان کو خود اٹھا کر لے جاتے اور نصب کرتے۔

آج اپنے کو شیعہ علیؑ کہنے والے غور کریں کہ کیا انھوں نے غریب مومن کے لئے کوئی پانی کا انتظام کیا ہے؟ کیا انھوں نے مومنین کی بستی میں پہونچنے والے راستوں کی مرمت کی؟ کیا انھوں نے غریب مومنین کی خوشحالی سے متعلق کوئی کام کیا؟ اگر نہیں تو یاد رکھئے کہ محبت علیؑ اور پیروی علیؑ کا دعویٰ زبانی ہے، آپ کا یہ عمل سیرتِ علیؑ سے بہت دور ہے

**جنگ جمل** : تیسرے سقیفائی خلیفہ کی خلافِ شریعت حرکتیں اتنی بڑھ گئیں تھیں کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ اگر میرا بس چلے تو میں تمہارے صاحب (عثمان بن عفان)

کو بورے میں بند کر کے سمندر میں پھینک دوں۔ حضرت عائشہ کا یہ قول اس زمانے کے حالات کی سنگینی کا عکاس ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اصحاب رسولؐ نے مل کر تیسرے حاکم کو قتل کر دیا اور مدینہ جو صحابہ سے بھرا ہوا تھا انھوں نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی اور حاکمِ وقت کی لاش مزبلے پر پڑی رہی اور تاریخ اعثم کوفی کی مانیں تو حاکمِ وقت کی ایک ٹانگ کو کتوں نے کھالیا، بالآخر کچھ لوگوں نے ہمت کر کے حاکم وقت کو یہودیوں کے قبرستان حش کوکب میں دفن کیا جس کو بعد میں معاویہ نے جنت البقیع میں شامل کیا۔

ان سنگین حالات میں حضرت علیؑ کو حکومت ملی، ایک طرف آپ کے مخالفین طلحہ وزبیر و عائشہ سرگرم سیاست تھے، دوسری طرف معاویہ شام سے آگے بڑھ کر تمام بلادِ اسلامی پر قبضہ کرنے کے فراق میں موقعہ ڈھونڈ رہا تھا، دوسرے یہ کہ اموی گورنر جن کو تیسرے حاکم نے کھلی چھوٹ دے رکھی تھی وہ اب بھی برسرِ اقتدار تھے، ان کو عہدوں پر اگر حضرت علیؑ باقی رکھتے ہیں تو ان کے مظالم جوں کے توں باقی رہیں گے اور اگر ان کو ہٹاتے ہیں تو بغاوت کے آثار واضح ہیں، جس سے آپ کی مشکلیں بڑھ جائیں گی، ان حالات میں حضرت علیؑ نے اپنی آسانی کی فکر نہیں کی بلکہ عام مسلمانوں کے راحت و آرام کی فکر کی، اس لئے آپ نے گذشتہ حکومت کے گورنروں کو معزول کر کے اپنے آدمی وہاں بھیجنے شروع کئے، گورنر معزول ہوتے گئے اور یہ گورنر یا تو معاویہ کے پاس جاتے یا اُم المومنین حضرت عائشہ کے پاس جاتے، ان گورنروں میں بعض ایسے تھے کہ جن کے بزرگوں کو یا عزیزوں کو حضرت علی علیہ السلام دورِ رسولؐ میں تہہ تیغ کر چکے تھے، یہ گورنر بیت المال کو ذاتی جاگیر کی طرح استعمال کرنے کے عادی تھے ان گورنروں میں عبداللہ بن عامر اور یعلی ابن امیہ تو حد سے گذر گئے تھے اور بیت المال کا خزانہ لے کر ہی بھاگ گئے، اور یعلی ابن امیہ نے ام المومنین عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار (چھ لاکھ درہم) اور چھ سو اونٹ اس غرض سے دئے کہ وہ حضرت علیؑ سے لڑنے کی تیاری کریں، ادھر طلحہ و زبیر بھی مدینے سے فرار کر کے ام المومنین عائشہ سے آن ملے، یہ سب کچھ تو ہو گیا اب یہ باقی تھا کہ حضرت

علیؑ سے لڑنے کا کیا جواز عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے، اس کے لئے ام المومنین عائشہ نے عثمان کے مظلومانہ قتل کی راہ دکھائی اور قصاصِ عثمان کا نعرہ دیا جس کو سب نے پسند کیا اور لشکر آگے بڑھا، قاتلین عثمان تو مدینے میں تھے لیکن یہ لوگ بصرہ کے طرف گئے یہی وہ نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد قصاص عثمان نہیں حکومت حاصل کرنا تھا یہیں سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ صحابہ اور اُم المومنین اپنے دنیاوی فائدے کے لئے جھوٹ فریب سے دریغ نہ کرتے تھے اس لئے صحابہ پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرنا خلاف عقل اور خلافِ قرآن ہے۔

بصرے پہونچ کران لوگوں نے وہاں پر موجود حضرت علیؑ کے گورنر کو زدوکوب کیا مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر دیا اور بیت المال کو لوٹ لیا، کتنا بہترین اسوہ ان صحابہ اورام المومنین نے پیش کیا، بالآخر دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے، حضرت علیؑ نے بہت کوشش کی کہ جنگ نہ ہو لیکن طلحہ وزبیر نے ۱۵ / جمادی الآخر ۳۶ھ یوم پنجشنبہ بوقت شب حضرت علیؑ کو قتل کرنے کے ارادہ سے شب خون مارا، حضرت علیؑ اس وقت بیدار تھے اور تہجد میں مشغول تھے، حضرت علیؑ کے لشکر والے دوڑے ہوئے حضرت علیؑ کے پاس آئے اور شب خون مارنے کی اطلاع دی، آپ نے جنگ کا حکم دے دیا۔

اگلے روز حضرت علیؑ نے پھر چاہا کہ جنگ نہ ہو اس لئے آپ نے مسلم نامی نوجوان کو قرآن دے کر روانہ کیا کہ لشکر عائشہ کے سامنے جاؤ اور کہو کہ ہم تم جنگ کے بجائے اپنا فیصلہ قرآن سے کریں، مسلم قرآن لے کر لشکر عائشہ میں جا گھسا طلحہ نے اس کے ہاتھ کٹوادئے پھر شہید کرادیا، اس کے بعد لشکر عائشہ نے تیروں کی بارش کردی اور جنگ شروع ہوگئی، جنگ کی ابتداء میں زبیر کو حضرت علیؑ نے سمجھایا وہ شرمندہ ہو کر میدان سے ہٹ گئے اور راہ میں ان کو ایک شخص نے قتل کر دیا، دورانِ جنگ مروان نے طلحہ کو تیر مار کر ہلاک کر دیا، بالآخر جنگ اس حالت میں ختم ہوئی کہ بقول مسعودی ۱۳ / ہزار افراد لشکر عائشہ کے مارے گئے اور پانچ ہزار حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کے

شہید ہوئے، بعد جنگ حضرت عائشہ کی ضد اور ہٹ دھرمی نے طول پکڑا تو حضرت علیؑ نے بذریعہ امام حسن علیہ السلام کہلا بھیجا کہ اگر تم مدینے جانے میں تاخیر کروگی تو میں تم کو زوجیت رسولؐ سے طلاق دیدوں گا، یہ سن کر وہ مدینہ جانے کے لئے تیار ہوگئیں اور ان کو عزت کے ساتھ مدینے بھیج دیا گیا۔

**جنگِ صفّین** : حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ معاویہ بھی ام المومنین عائشہ کا دیا ہوا نعرہ ''قصاص عثمان'' لگا کر بے خبر مسلمانوں کو خلیفہ راشد کے خلاف بھڑکا رہا ہے، نعمان ابن بشیر عثمان کا خون آلود کرتہ اور نائلہ (جو عثمان کی بیوی تھی اور عیسائی عورت تھی) کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر معاویہ کے پاس شام پہونچا، معاویہ ان چیزوں کو دکھا کر خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔

اس طرح معایہ نے ایک لاکھ بیس ہزار کا عظیم لشکر جمع کرلیا اور مقامِ صفین پہونچ گیا، حضرت علی علیہ السلام بھی نوّے ہزار کا لشکر لے کر نخیلہ اور مدائن ہوتے ہوئے صفین پہونچ گئے، معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور حضرت علی علیہ السلام کے لشکر پر پانی بند کردیا، لشکر پیاس سے بے تاب ہوگیا حضرت علی علیہ السلام نے کئی مرتبہ پیغام بھجوایا کہ پانی پر سب کا حق ہے اس کو بند نہ کرو لیکن معاویہ نہ مانا بالآخر حضرت علی علیہ السلام نے بذریعہ طاقت گھاٹ حاصل کرنے کی اجازت دیدی حضرت علی علیہ السلام کے لشکر نے زبردست حملہ کر کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا لیکن ساقئ کوثر نے معاویہ کے لشکر پر پانی بند نہ کیا اور ان کو بھی پانی لینے کی اجازت دیدی۔

میدانِ صفین میں چار ماہ تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں، اور معاویہ کے ۴۵ ہزار آدمی اس میں کام آگئے، لشکر علیؑ کا نقصان اس سے بہت کم ہوا، لڑائی میں عمرو بن العاص اور بشیر ابن ارطاۃ کا سامنا حضرت علیؑ سے ہوگیا، ان دونوں کو موت سر پر نظر آئی، جان بچانے کے لئے برہنہ ہوکر زمین پر لیٹ گئے، حضرت علیؑ نے یہ دیکھ کر مونہہ پھیرلیا اور یہ اٹھ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایک روز معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ تو نے اپنی

شرمگاہ کے صدقے میں جان بچائی ہے، حضرت علیؑ نے معاویہ کو کہلا بھیجا کہ اے جگر خوارہ کے بیٹے مسلمانوں کو کٹوا رہا ہے، سامنے آ، ہم آپس میں لڑ کر فیصلہ کرلیں لیکن معاویہ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا، اس جنگ میں نوّے لڑائیں وقوع میں آئیں، معاویہ کے نوّے ہزار سپاہی مارے گئے اور حضرت علی علیہ السلام کے بیس ہزار فوجی کام آئے۔

**لیلۃ الھریر**: جمعہ کی رات تھی، جنگ زوروں پر تھی، رات کو بھی جنگ نہیں رُکی، مالک اشتر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، اس رات حضرت علی علیہ السلام بھی جنگ کر رہے تھے، اور اسی رات میں آپ نے نوسو آدمیوں کو قتل کیا حتی کہ صبح ہوگئی، جنگ تب بھی جاری رہی، جناب مالک اشتر معاویہ کے خیمے تک پہونچ گئے تھے ان حالات کو دیکھ معاویہ نے عمرو بن عاص سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے عمرو ابن عاص نے نیزوں پر قرآن بلند کرادئے اور حضرت علیؑ کے لشکر میں معاویہ نے پہلے ہی رشوت کا بازار گرم کردیا تھا، انھوں نے قرآن دیکھ کر جنگ روک دی، اور حضرت علیؑ سے بھی کہا کہ جنگ روکئے ، حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ قرآن کے بہانے شکست سے بچنا چاہتے ہیں، وہ قرآن صامت دکھا رہے ہیں میں تمہارے درمیان قرآن ناطق موجود ہوں، لیکن یہ لوگ اشعث ابن قیس ، مسعود ابن فدک، زید ابن حصین کے بہکائے میں اتنے آچکے تھے کہ انھوں نے ایک نہ سُنی (یہ اشعث پہلے سقیفائی حاکم کا بہنوئی تھا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کے لشکر میں اندرونی دشمن موجود تھے ، اور ظاہری دشمن معاویہ سامنے تھا، کتنا مشکل وقت تھا) اور تقاضا کیا کہ مالک اشتر کو واپس بلائیے نہیں تو ہم آپ کو قتل کردیں گے، ان لوگوں کا یہ مطالبہ واضح کر رہا تھا کہ یہ لوگ رشوت کھا کر ایمان بیچ چکے ہیں، اور اس وقت بظاہر لشکر علیؑ میں ہیں لیکن دشمن علیؑ ہیں، حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو پیغام بھجوایا کہ واپس آجاؤ اگر تم نے دیر کی تو مجھ کو نہ پاؤ گے، مالک اشتر چارو ناچار اس حالت میں واپس ہوئے کہ آپ معاویہ کے محافظ دستے سے نبرد آزما تھے اور کچھ ہی دیر میں معاویہ کا کام تمام ہوا چاہتا تھا۔

**حکمین کا فیصلہ**: معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص کو مقرر کیا گیا، ادھر

حضرت علیؑ کے ان مخالفین نے جنھوں نے جنگ روکنے کی ضد کی تھی کہا کہ ابوموسیٰ اشعری کو بھیجا جائے، حضرت علیؑ نے منع کیا لیکن یہ نہ مانے مجبوراً ابوموسیٰ اشعری کو حضرت علیؑ نے بھیجا، عمروابن عاص نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ ہم دونوں ان دونوں (علی ومعاویہ) کومعزول کریں اور مسلمان جسے چاہیں پھر خلیفہ چن لیں، ابوموسیٰ نے اس رائے کو پسند کیا توعمروبن عاص نے کہا کہ آپ جاکر پہلے اعلان کریں کہ میں علیؑ کومعزول کرتا ہوں، ابوموسیٰ نے منبر پر جاکر اعلان کردیا اس کے بعد عمروبن عاص منبر پر گیا اور کہا کہ میں ابوموسیٰ کی تائید کرتا ہوں اور علیؑ کوحکومت سے ہٹاکر معاویہ کو خلیفہ بناتا ہوں، یہ سن کر ابوموسیٰ بہت خفا ہوئے اور چلاّ کر کہا کہ یہ دھوکا ہے، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس فیصلے کی روداد سن کر حضرت علیؑ نے مسکرا کر ان افراد کی طرف دیکھا جو حکمین کے لئے بضد تھے اور کہا کہ میں نے کہا تھا کہ دشمن فریب دینے کی فکر میں ہے، سقیفائی ہمیں بتائیں کہ صحابی کی مکاری پر آخرت میں اس کو کیا ملے گا، جنگ صفین شروع ہوئی اور ختم ہوگئی، لیکن بہت سے سوالات پیدا ہوگئے ان پر غور کیا جانا چاہئے، مثلاً

(۱) ابتدائی تین سقیفائی حکمراں جیسے تیسے بھی صاحبِ اقتدار ہوئے ان کے خلاف حضرت علیؑ نے فوج کشی نہیں تو پھر حضرت علیؑ کے خلاف فوج کشی کیوں کی گئی؟

(۲) قصاص عثمان اگر مطلوب تھا تو اس کے لئے حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرنے کے بجائے فوج کیوں ترتیب دی گئی اور کیوں جائز حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا۔

(۳) قاتلین عثمان مدینے میں تھے ان میں ام المومنین عائشہ کے بھائی بھی تھے لیکن حضرت عائشہ بصرے گئیں اور معاویہ صفین پہونچے وہاں انھیں کیا ملنے کی امید تھی؟

(۴) بصرے کا بیت المال لوٹنے کا حق کیا حدیث وقرآن سے ملا تھا؟

(۵) جنگ جمل اور جنگ صفین اور اس کے نتیجے میں وجود میں آئی جنگ نہروان اور پھر خارجیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے قتل عام میں مقتولین کی تعداد لاکھوں تک

پہونچتی ہے، اس کی ذمہ داری اُم المومنین عائشہ، طلحہ، زبیر، معاویہ اور عمرو ابن عاص پر آتی ہے، آخرت میں ان کا کیا انجام ہوگا؟

(۶) صفین میں حضرت علی علیہ السلام کو جنگ بندی کے لئے مجبور کرنا اور ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنانے پر مجبور کرنا ثبوت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں ایک عظیم گروہ سقیفائیوں کا موجود تھا، جو حضرت علیؑ کو مجبور کرتا تھا اور معاویہ کے لئے راہ ہموار کرتا تھا، اس گروہ کی حرکات دیکھ کر وہ مسلمان جو سیاست سے ناواقف تھے وہ حضرت علی علیہ السلام سے ناراض ہوئے اور خارجی ہو کر آخرت کا خسارہ مول لیا، اور دنیا میں مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے، یہ سب کچھ ان کی جہالت کی وجہ سے ہوا اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ علم حاصل کرو کیوں کہ جاہل کے لئے بہت آسان ہے کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور خود کو دیندار سمجھتا رہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں سقیفائی گروہ کا ذکر اس لئے کرنا پڑا کہ موجودہ دور کے سقیفائی (گذشتہ دور کے بھی) یہ حرکت کر رہے ہیں کہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کہ شیعہ حضرت علیؑ کے احکام کی نافرمانی کرتے تھے حضرت علی علیہ السلام ان کی سرزنش کرتے تھے اور شیعوں سے کبیدہ خاطر تھے۔

ایسا کچھ نہیں ہے، اس دور میں جو شیعہ علیؑ کے نام سے شہرت رکھتے تھے وہ حضرت علیؑ کے فرمانبردار تھے، شیعوں میں اطاعت امام واجب ہے، جن افراد کے نافرمانی کے واقعات تاریخ میں درج ہیں، وہ یا تو سقیفائی تھے یا خارجی تھے اور ان سے کبیدہ خاطر ہونا صحیح ہے وار ان کی سرزنش بھی ضروری ہے۔

(۷) سقیفائیوں نے حضرت علیؑ اور معایہ اور عائشہ سب کو حق پر قرار دیدیا ہے، لیکن یہ غلط ہے، حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جناب عمار بن یاسر تھے جن کے بارے میں حدیث رسولؐ ہے کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ واقعہ ہے کہ جناب عمار رضی اللہ عنہ کو معاویہ کے آدمیوں نے قتل کیا، پس ثابت ہوا کہ معاویہ حکومتِ اسلامی کا باغی تھا۔

**جنگ نہروان:** حکمین کی مکّاری کی وجہ سے بات سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ گئی ،تب حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے خلاف بھرپور فوج کشی کا ارادہ کیا، لیکن خبر ملی کہ وہ افراد جو جنگ جاری رکھنے کے خلاف تھے وہ اکٹھا ہو کر نہروان پہونچ گئے ہیں اور مسلمانوں کو ستا رہے ہیں، مجبوراً حضرت علیؑ اس طرف متوجہ ہوئے اور نہروان پہونچ گئے، ان خارجیوں کی تعداد ۱۲ر ہزار تھی، ان کو بہت سمجھایا لیکن ان میں چار ہزار ایسے تھے جو لڑنے کے لئے تیار تھے، بقیہ سمجھانے سے چلے گئے، ان کے ساتھ جنگ ہوئی، ان کے صرف نو آدمی زندہ بچے بقیہ سب مارے گئے، اور حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے صرف نو افراد شہید ہوئے۔

نہروان کی جنگ ختم ہونے کے بعد آپ کوفہ تشریف لائے اور معاویہ کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک کرنے کے لئے آپ نے ایک لشکر ترتیب دیا، ابھی لشکر نے کوچ بھی نہ کیا تھا کہ ابن ملجم کی تلوار نے آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

ابن ملجم ملعون معاویہ کا بھیجا ہوا تھا (مناقب مرتضوی صفحہ ۲۷۷) جس شب حضرت علی علیہ السلام شہید ہوئے اس کی صبح کو بیت المقدس کا جو بھی پتھر اٹھایا جاتا تھا تو اس کے نیچے سے خون تازہ برآمد ہوتا تھا، آپ کا جنازہ سرہانے کی طرف سے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، خارجیوں اور بنی امیہ کے مظالم کی وجہ سے آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی۔

## سقیفائی حکمرانوں کے متعلق حضرت علیؑ کی رائے

نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ کے نام سے ایک خطبہ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا موجود ہے، اس خطبے میں مولائے عالمین نے سقیفائی حکمرانوں کا تذکرہ کیا ہے اس خطبے سے سقیفائی بہت گھبراتے ہیں اور صرف اسی خطبے کی وجہ سے سقیفائی نہج البلاغہ کو ہاتھ لگانا بھی گوارہ نہیں کرتے ہیں، اس خطبے کو پڑھنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کی رائے سقیفائی حکمرانوں کے لئے کیا تھی، آپ

بھی ملاحظہ فرمائیے۔

خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیرہن خلافت پہن لیا، حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے، میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سیلاب کا پانی گذر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی، اور سوچنا شروع کر دیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے، اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہونچ جاتا ہے، مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا، لہٰذا میں نے صبر کیا، حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا (پھر حضرت نے بطورِ تمثیل اعشی کا یہ شعر پڑھا)

"کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں
وہ دن جو حیان برادر کی صحبت میں گذرتا تھا"

تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا، بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا، اس نے خلافت کو ایک سخت درشت محل میں رکھ دیا، جس کے چرکے کاری تھی، جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی، جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا، جس کا اس سے سابقہ پڑا وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی مونہہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی میں

شگاف ہو جاتا ہے (جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا) اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا، اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم! لوگ کجروی سرکشی متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے ہیں، میں نے اس طویل مدت میں شدید مصیبت پر صبر کیا، یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا، اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا، اور مجھے اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔

اے اللہ! مجھے شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا، جواب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں، مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچا ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت میں نباہ کرتا رہوں) ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا، اور دوسرا امادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا، یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے، جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصلِ ربیع کا چارہ چرتا ہے، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا، جب اس کی بٹی ہوئی رسّی کے بل کھل گئے اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا، اور شکم پُری نے اُسے منہ کے بل گرا دیا، اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجّو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ یہ عالم ہوا کہ حسنؑ حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے، وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلّے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود جب میں امرِ خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی دوسرا دین سے نکل گیا، اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا، گویا انھوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا کہ "یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا)

کے بعد حضرت جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت پہونچے جب وہ ہوا میں تھے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور آگ کی طرف تیزی سے جارہے تھے، حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اے خلیلِ خدا کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے جواب دیا اے جبرئیلؑ تم سے کوئی حاجت نہیں ہے اور جس سے حاجت ہے اس سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ میری حالت سے واقف ہے، حضرت جبرئیلؑ نے جب یہ جواب سنا تو حضرت ابراہیمؑ کی مخلوق خدا سے بے نیازی پر تعجب کیا اور کہا کہ بے شک خلیلِ خدا ( خدا کا دوست ) اگر کوئی ہو تو ایسا ہو۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت جبریلؑ کو یہ جواب دیا تو وہ آگ کے قریب پہونچ چکے تھے، چند لمحوں میں آگ میں گرا چاہتے تھے کہ اچانک حکمِ خدا ہوا کہ ''اے آگ'' تو ٹھنڈی ہو جا ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ'' مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر خدا یہ نہ کہتا کہ سلامتی کے ساتھ تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیمؑ کو ٹھنڈ سے تکلیف ہوتی ، یہ بھی روایت میں ہے کہ اس حکم کے بعد دنیا کی تمام آگ سے تین دن تک گرمی ختم ہو گئی تھی۔

حکمِ خدا ہوتے ہی آگ ٹھنڈی ہوئی چہار طرف پھول ظاہر ہوئے اور لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ پھولوں کے چمن میں تختِ شاہی پر شاہانہ لباس پہنے بیٹھے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا کہ اگر کوئی خدا اختیار کرے تو اُسے چاہئے کہ ابراہیمؑ کے خدا جیسا اختیار کرے۔

اس واقعے کو دیکھ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا متاثر ہوئیں، جو حضرت ابراہیمؑ کی خالہ زاد بہن تھیں، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں اور کہا کہ ابراہیمؑ میں تمہارے خدا پر ایمان لاتی ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے انھیں آزمانے کے لئے کہا سارہ تم کو خوف نہیں ہے کہ لوگ تمہیں ایذا دیں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے لوگوں کی ایذا سے وہ بچائے گا جس نے تمہیں آگ سے بچایا۔

بلندی چاہتے ہیں، نہ فساد پھیلاتے ہیں، اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے'' ہاں ہاں خدا کی قسم ! ان لوگوں نے اس آیت کو سنا تھا یاد کیا تھا لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھپ گیا اور اس کی سج دھج نے انھیں لبھا دیا، دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں، اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ نا قابلِ اعتنا پاتے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرت خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہونچے تو ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرت کے سامنے پیش کیا، آپؑ اسے دیکھنے لگے جب فارغ ہوئے تو ابن عباس نے کہا یا امیر المومنین آپ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا وہیں سے اس کا سلسلہ آگے بڑھائیں، حضرت نے فرمایا اے ابن عباس یہ تو شقشقہ تھا جو ابھر کر دب گیا، ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے کسی کلام کے متعلق اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام کے متعلق اس بناء پر ہوا کہ حضرت وہاں تک نہ پہونچ سکے جہاں تک وہ پہونچنا چاہتے تھے (خطبہ نمبر۳ نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب)

**اُم المومنین عائشہ سے متعلق** : خطبہ نمبر ۱۵۴۔ میں آپ نے اہل بصرہ کو فتنوں سے آگاہ کیا اس ضمن میں عائشہ بنت ابی بکر کا تذکرہ آگیا تو آپ نے مختصر سا اشارہ کیا ملاحظہ فرمایئے:

جو شخص (ان فتنہ انگیزیوں) کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت پر ٹھہرائے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اُسے ایسا ہی کرنا چاہئے، اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں انشاء اللہ تمہیں جنت کی راہ پر لگا دوں گا، اگرچہ وہ راستہ کٹھن دشواریوں اور تلخ مزوں کو لئے ہوئے ہے۔

رہیں فلاں (ام المومنین عائشہ) تو ان میں عورتوں والی کم عقلی آ گئی ہے اورلوہار کے کڑھاؤ کی طرح کینہ وعناد ان کے سینے میں جوش مار رہا ہے اور جو سلوک وہ مجھ سے کر رہی ہیں، اگر میرے سوا کسی دوسرے سے ویسے سلوک کو ان سے کہا جاتا تو وہ نہ کرتیں، ان سب چیزوں کے بعد بھی ہمیں ان کی حرمت کالحاظ ہے ان کا حساب و کتاب اللہ کے ذمہ ہے۔

**غور فرمایئے!** جب حضرت علی علیہ السلام احترام کے ساتھ اُم المومنین عائشہ کا تذکرہ کر رہے ہیں تو پھر کسی شیعہ کو حق نہیں کہ حدود سے آگے بڑھے، ہر شیعہ کے لئے واجب ہے کہ پیرویٔ مولائے عالمین کر کے اپنی آخرت سدھارے۔

ابتدائی سقیفائی حکمرانوں نے غدیر میں ولایت علی علیہ السلام پر حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دی تھی لیکن پھر سقیفہ میں دھینگامشتی کر کے حکومت تشکیل دی اور پیغامِ ولایت (حکومت) کو نظر انداز کر دیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکومت جائز تھی یا نہیں کیونکہ ولایت (حکومت) تو صرف حضرت علی علیہ السلام سے مخصوص تھی اس کے علاوہ کوئی اور اس کا مستحق نہ تھا۔

دوسری طرف سقیفائی ہیں وہ اپنے بزرگوں کی حکومت کو جائز ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں، ان حالات میں کوئی روایت ایسی مل جائے کہ جس سے مولا علیؑ کے حق ہونے کا ثبوت سقیفائیوں کی کتب میں ملے بہت مشکل ہے، لیکن حق حق ہے کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو ہی جاتا ہے، ملاحظہ فرمایئے اعلیٰ حضرت مجدد اعظم علامہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا اُردو ترجمہ قرآن جس پر تفسیری حاشیہ حضرت مولوی محمد نعیم الدین صاحب صدر الافاضل مراد بادی نے تحریر کیا ہے، آپ سورۂ مجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا گیا اور اس حکم پر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا

اور ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کئے، عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفا کیا ہے؟ فرمایا توحید اور توحید کی شہادت دینا، عرض کیا کہ فساد کیا ہے؟ فرمایا کفر وشرک، عرض کیا کہ حق کیا ہے؟ فرمایا اسلام، قرآن اور وِلایت جب تجھے ملے، عرض کیا حیلہ کیا ہے؟ یعنی تدبیر؟ فرمایا ترکِ حیلہ، عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت، عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے مانگوں؟ فرمایا صدق یقین کے ساتھ، عرض کیا کیا مانگوں؟ فرمایا عاقبت، عرض کیا اپنی نجات کے لئے کیا کروں فرمایا حلال کھا اور سچ بول عرض کیا کہ سرور کیا ہے؟ فرمایا جنت، عرض کیا راحت کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا دیدار، جب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ ان سوالوں سے فارغ ہوگئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور رخصت نازل ہوئی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ سقیفائی روایت ہے لیکن اس میں بھی یہ وضاحت ہے کہ ولایت (حکومت) اس وقت حق ہے جب حضرت علی علیہ السلام کو ملے۔

## دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام

آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے معصوم جانشین ہیں، آپ کے والد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تھے، آپ کی والدہ گرامی دخترِ رسولؐ جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں، آپ کے نانا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، آپ کی نانی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا تھیں۔

آپ کا نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام کے فرزند جناب شبر کے نام پر حسن رکھا، یہ نام اس سے قبل کسی کا نہ ہوا تھا۔ جب آپ پیدا ہوئے تو رسول اکرمؐ نے آپ کو اپنی زبان دیدی اور آپ نے اس کو چوسا، رسولِ اکرمؐ

نے آپ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور وِلادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی، آپ کے عقیقے کے بعد سے عقیقہ سنت رسولؐ ہو گیا۔ آپ مختون پیدا ہوئے، آپ بہ نص قرآن فرزند رسولؐ ہیں، آپ کے پیدا ہونے سے رسول کو جو ابتر ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا وہ ختم ہو گیا۔

آپ بچپن میں رسولؐ کے کاندھے پر سوار تھے کسی شخص نے دیکھا تو کہا کہ کتنی اچھی سواری ہے یہ سن کر رسولؐ نے کہا کہ یہ کہو کہ کتنا اچھا سوار ہے، ایک روز آپ نمازِ عشاء میں جب رسولؐ سجدے میں تھے تو جا کر پشتِ رسولؐ پر سوار ہو گئے، رسول اکرمؐ نے سجدے کو طول دیدیا، لوگ سمجھے کہ شاید دورانِ سجدہ وحی آ گئی، بعد نماز جب اس کا تذکرہ رسولؐ سے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا، میں نے چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے نہ اُتاروں جب تک یہ خود نہ اُتر جائے، اس لئے سجدے کو میں نے طول دیدیا، میرا یہ بیٹا سید ہے دیکھو عنقریب یہ دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ

"حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والدان دونوں سے بہتر ہیں"

ایک روز ابوسفیان حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسولؐ سے سفارش کر کے ایسا معاہدہ لکھوا دیجئے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں حضرت علی علیہ السلام نے کہا جو رسولؐ کہہ چکے ہیں وہی ہوگا اس میں تبدیلی نہ ہوگی ابوسفیان نے مایوس ہو کر امام حسن علیہ السلام سے خواہش کی کہ وہ سفارش کر دیں لیکن امام حسن علیہ السلام نے دوڑ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور اس کی ناک مروڑ کر کہا کہ کلمۂ شہادت زبان پر جاری کر لو تمہارے لئے سب کچھ ہے، یہ دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔

امام حسن علیہ السلام بچپن میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی کے متعلق گھر آ کر اپنی والدہ ماجدہ کو سنایا کرتے تھے اس کا تذکرہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت

علی علیہ السلام سے کیا، آپ نے کہا کہ میں بھی سننا چاہتا ہوں کہ حسنؑ کس طرح تم کو وحی کی کیفیت سناتے ہیں، ایک روز حضرت علیؑ امام حسن علیہ السلام سے پہلے گھر میں آ کر چھپ کر بیٹھ گئے امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور حسب معمول والدہ کی گود میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کی، لیکن تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ آپ نے فرمایا کہ والدہ گرامی آج زبان میں لکنت ہو رہی ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بزرگ مجھے دیکھ رہے ہیں، یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے دوڑ کر امام حسن علیہ السلام کو گود میں اٹھالیا اور پیار کرنے لگے۔

صحیح بخاری میں ایک غلط روایت موجود ہے کہ گھر میں صدقے کی کھجوریں رکھی ہوئی تھیں امام حسن علیہ السلام نے جبکہ آپ بچے تھے ایک کھجور اٹھا کر مونہہ میں رکھ لی، رسول اکرمؐ نے دیکھا تو فرمایا کہ تھو کو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے، یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ بقول علامہ عسقلانی امام حسن علیہ السلام بچپن میں لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے، اور شیعہ عقائد میں بھی یہی ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے اس کے یہاں خطا و نسیان اور جہل نہیں پایا جاتا ہے۔

ابن حجر، امام سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے ابوبکر کو منبر پر دیکھا تو کہا کہ میرے باپ کے منبر سے اُتر آؤ یہ تمہارے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔

ایک شخص مسجد نبوی میں آیا تو دیکھا کہ وہاں پر کچھ افراد احادیث رسولؐ بیان کر رہے ہیں، یہ لوگ عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر اور امام حسن علیہ السلام تھے، اس شخص نے آیت "وشاھدٍ و مشھود" (سورہ بروج) کے معنی دریافت کئے، ابن عباس نے شاہد سے مراد یومِ جمعہ اور مشہود سے مراد یومِ عرفہ بتایا، ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا، سائل کو تسلی نہ ہوئی وہ امام حسن علیہ السلام کے پاس آیا آپؑ نے کہا کہ شاہد سے مراد رسولِ خدا ہیں، اور مشہود سے یومِ قیامت، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے یاایھا النبی انا ارسلناک شاھداً و مبشرا و نذیرا (اے نبیؐ ہم نے تم کو شاہد، مبشر نذیر بنا کر بھیجا ہے) دوسری آیت میں ہے کہ ذالك یوم مجموع له الناس وذالك یوم

مشھود (قیامت کا دن وہ ہوگا جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور یہی یومِ مشھود ہے) سائل نے یہ جواب سننے کے بعد کہا ''فکان قول الحسن احسن '' امام حسنؑ کا جواب سب سے اچھا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کی عمر کی مبارک سات سال پانچ ماہ تیرہ دن کی ہوئی تو عالمین کے لئے بنائے گئے نانا کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ابھی آپ اس غم سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ نانا کے انتقال کے سو دن کے اندر اندر والدہ گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جس کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ غم ہوا، آپ شکل و شباہت میں اپنے نانا کے مشابہ تھے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا اوپری حصہ رسولؐ سے مشابہ تھا اور جسم کا نچلا حصہ حضرت علیؑ سے مشابہ تھا۔

ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ ابن جعفر حج کے لئے چلے جا رہے تھے راہ میں آپ کا سامان ضائع ہو گیا، دورانِ سفر یہ افراد بھوک پیاس سے بے تاب ہو گئے، چلتے چلتے ان کی نگاہ ایک خیمے پر پڑی وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ہے اس سے ان افراد نے کہا کہ کیا کھانے پینے کے لئے کچھ ہے بوڑھی عورت نے کہا ہاں ہے یہ لوگ سواریوں پر سے اُتر پڑے، اس عورت نے کہا کہ آپ بکری کا دودھ دوہ کر پی لیں، انھوں نے ایسا ہی کیا پھر پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اس نے کہا اس بکری کو ذبح کر لیں اور اس کی کھال اُتار دیں تو میں کھانا تیار کر دوں گی، انھوں نے بکری ذبح کی اور اس کی کھال اُتار کر گوشت عورت کو دیا اس نے گوشت بھون کر ان کے سامنے رکھ دیا، ان حضرات نے کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کر کے چلنے لگے تو بوڑھی عورت سے کہا کہ ہم قبیلۂ قریش کے افراد ہیں مدینے میں رہتے ہیں اگر تمہارا مدینے میں آنا ہو تو تم ہم سے ضرور ملنا تاکہ تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں۔

جب اس عورت کا شوہر آیا تو اس عورت نے واقعہ سنایا تو وہ سخت ناراض ہوا اور کہا کہ تو نے بکری ایسے لوگوں کھلا دی جن تو پہچانتی تک نہیں، ایک مدت کے بعد ضعیفہ اور اس

کا شوہر مدینے پہونچے اور چاہتے تھے کہ اپنا ایک اونٹ فروخت کر کے کچھ دوسرا سامان خریدیں، اسی اثناء میں وہ بوڑھی عورت امام کے سامنے سے گذری امام حسن علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور غلام کو دوڑایا کہ اس کو بلا کر لاؤ، جب وہ آئی تو امام حسن علیہ السلام نے اس سے کہا کہ خدا کی بندی تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے بتایا کہ میں فلاں دن اپنے دوساتھیوں کے ساتھ تیرا مہمان ہوا تھا اس نے کہا ہاں ہاں یاد آیا۔

امام حسن علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس عورت کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دئے جائیں، اس کے بعد اس عورت کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا امام حسین علیہ السلام نے بھی ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دئے، پھر اس عورت کو عبداللہ ابن جعفر کے پاس بھیجا انھوں نے بھی ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دئے، پھر وہ بوڑھی عورت اپنے شوہر کے ساتھ خوش وخرم واپس چلی گئی۔

معاویہ کے پروپیگنڈے کی وجہ سے شامی اہل البیت علیہم السلام سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ایک شامی مدینے آیا تو اس نے امام حسن علیہ السلام کو دیکھا تو بددعا دینے لگا آپ کو سخت برا کہا امام حسن علیہ السلام نے اس کو کوئی جواب نہ دیا جب وہ خاموش ہو گیا تو امام حسن علیہ السلام اس کے نزدیک گئے اور سلام کیا اور مسکرا کر بولے

اے شیخ میرا خیال ہے کہ تم یہاں مسافر ہو شاید تمہیں شبہ ہوا ہے، اگر تم ناراض ہو تو تمہیں راضی کروں، اگر حاجت ہو تو تمہیں عطا کروں، اگر راستہ بھول گئے ہو تو میں راستہ بتاؤں اگر تمہارا بوجھ وزنی ہے تو میں اٹھا کر چلوں، اگر بھوکے ہو تو کھانا کھلاؤں، اگر کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہناؤں، اگر محتاج ہو تو تمہیں مال دے کر غنی کر دوں، اگر تمہیں شہر بدر کیا گیا ہو تو تمہیں پناہ دیدوں اس کے علاوہ اگر کوئی حاجت ہو تو اسے پورا کروں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم میرے مہمان ہوتے، کیونکہ میرے پاس جگہ بھی کشادہ ہے، مال ودولت بھی ہے ،لہٰذا جب تک تم یہاں سے کوچ کرو اس وقت تک میرے پاس رہو۔

مرد شامی آپ کی گفتگو سے اتنا متاثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگا اور بولا

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کی زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں، واقعتاً اللہ سب سے بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنا امر رسالت کس کے حوالے کرے، آج تک میں آپ کا اور آپ کے والد کا سب سے بڑا دشمن تھا، مگر اس وقت میں آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ اپنا سامان آپؑ کے یہاں لایا اور کوچ کرنے تک آپؑ کا مہمان رہا اور آپ کا معتقد ہو گیا۔

امام حسن علیہ السلام کی ایک بیٹی کا انتقال ہو گیا تو کچھ شیعوں نے آپ کو تعزیت کا خط لکھا آپ نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا کہ

امابعد! میری دختر کی تعزیت کے سلسلے میں تم لوگوں کا خط مجھے ملا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء آزمائش پر صبر کر کے میں اس کے حکم قضا کے سامنے سر تسلیم خم کر کے میں اللہ سے اجر و ثواب کا طالب ہوں، واقعاً ان سب مصائب و حادثات نے ہمیں بہت دکھ اور تکلیف پہونچائی وہ قابل الفت احباب جو ہماری معرفت رکھتے تھے وہ برادانِ ایمانی جو ہم سے محبت کرتے تھے، دیکھنے والے جنھیں دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے، آنکھیں جنھیں دیکھ کر ٹھنڈک محسوس کرتی تھیں وہ گذر گئے، ان کی زندگی کے ایام پورے ہو گئے انھیں موت آگئی وہ اپنے اخلاف چھوڑ گئے اور کوچ کر گئے اب وہ قبرستانوں میں ہیں، آپس میں پڑوسی ہو کر بھی پڑوسی نہیں ہیں، اتنے قریبی پڑوسی ہو کر بھی نہ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں نہ ایک دوسرے کی زیارت کو آتے جاتے ہیں، ان کے جسم اپنے اہل وعیال سے دور ہیں، ان کی بزم احباب سے خالی ہے، جیسے مکانوں میں یہ رہتے تھے نہ اب ایسا مکان نظر آتا ہے نہ جائے قیام، وہ اپنے مانوس گھروں سے نکل کر ایک پُر وحشت گھر میں ہیں، وہ بچی میری کنیز (خدا) تھی وہ اس راستے پر روانہ ہو گئی جس پر اولین جا چکے ہیں اور آخرین جائیں گے۔ والسلام

# امام حسن علیہ السلام کی بیعت

۲۱ ر رمضان کو حضرت علیؑ کی شہادت ہوئی، اس وقت امام حسن علیہ السلام کی عمر ۳۷ رسال تھی، سب سے پہلے قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری نے آپ کی بیعت کی، اس کے بعد حاضرین نے بیعت کی جن تعداد چالیس ہزار تھی، اس کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس میں بارہ ائمہ کی امامت وخلافت کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک تلوار سے شہید ہوگا یا زہر دغا سے شہید کیا جائے گا، اس کے بعد آپ نے نئے سرے سے گورنروں کا تقرر شروع کیا، معاویہ کو جب امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی اطلاع ملی تو اس نے دو جاسوس کوفہ اور بصرہ روانہ کئے تاکہ وہ وہاں پر شورش پھیلائیں تاکہ لوگ امام حسن علیہ السلام سے بدظن ہو کر معاویہ کی طرف آئیں، یہ دونوں جاسوس پکڑے گئے اور ان کو قتل کیا گیا۔

امام حسن علیہ السلام کی بیعت کوفے میں ہوئی تھی، کوفے کی حالت مدینے سے بہت بدلی ہوئی تھی۔ کوفہ شہر کو دوسرے سقیفائی حاکم نے بسایا تھا، یہ ایک فوجی چھاؤنی تھا، فوجیوں کی جو ذہنیت ہوتی ہے اس کو سب جانتے ہیں وہی حالت ان کی بھی تھی، گذشتہ سقیفائی دور میں جو ایران وغیرہ کی فتوحات ہوئیں، اس میں ان کا کردار واضح نظر آتا ہے ،کبھی گاؤں والوں پر اس حالت میں حملہ کیا کہ وہ بے چارے گھروں میں آرام سے بیٹھے حقہ پی رہے تھے، ان فوجیوں نے بنامِ اسلام انھیں لوٹا، کبھی ہفتہ بازار بھرا ہوا تھا انھوں نے اچانک بازار پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیا کبھی جاتی ہوئی بارات لوٹ لی اور دلہن کو لے اڑے، کبھی مخالفین کے خون سے ندی کا پانی سرخ کر دیا۔

اس قسم کے واقعات تاریخ طبری میں بھرے پڑے ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ ان فوجی کارروائیوں میں اگر انھیں روزہ توڑنا پڑے تو وہ بھی توڑ دیتے تھے، اس کے باوجود آج سقیفائیوں کی نظر میں یہ حرکات جہاد کا درجہ رکھتی ہیں، جبکہ انھیں حرکات کی وجہ سے اسلام

پراعتراض ہو گیا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔

یہ تو کوفے سے باہر کی حالت تھی خود کوفے میں یہ حالت تھی کہ تیسرے سقیفائی حاکم کا رشتہ دار جو کوفے کا گورنر تھا وہ صبح کی نماز نشے کی حالت میں دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھا دیتا ہے اور بعد نماز پوچھتا ہے کہ مزید اور پڑھاؤں؟ یہ گورنر کی حالت تھی تو عوام کا کیا حال ہوگا اس لئے مثل مشہور ہے کہ جو حکمراں کا دین ہوتا ہے وہی عوام کا ہوتا ہے۔

جب حضرت علی علیہ السلام کو ظاہری حکومت ملی تو آپ نے معاویہ کے خطرے سے نمٹنے کے لئے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا، اس وقت یہاں کچھ شیعیت کا چرچا ہوا، اور بعض شیعہ علیؑ یہاں آکر آباد ہوئے، لیکن اکثریت سقیفائیوں کی تھی، چنانچہ جنگ جمل میں شرکت کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے دعوت دی تو ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف راہ اپنائی اور لوگوں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکا، تب حضرت علی علیہ السلام نے امام حسنؑ کو اور عمار یاسر کو بھیجا، امام حسن علیہ السلام نے خطبہ دیا اور ابوموسیٰ اشعری کے پروگرام کو فیل کر دیا، اور نو ہزار چھ سو چھیاسی افراد کا لشکر آمادہ شریک جنگ ہو گیا۔

پھر جنگ صفین میں سقیفائیوں نے شورش کی اور معاویہ نے ان میں سے بعض سر برآوردہ افراد کو رشوت دی، انھوں نے جنگ بند کرادی اور حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ حکم میں اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری کو بھیجیں جبکہ سب کو معلوم تھا کہ وہ حضرت علیؑ کا مخالف ہے اور از راہِ نفاق وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھا۔

حکمین کا جو فیصلہ ہوا وہ تاریخ میں آج بھی موجود ہے، کس طرح ابوموسیٰ اشعری نے ذلت کا سامنا کیا۔

اب حضرت علی علیہ السلام شہید ہو گئے امام حسن علیہ السلام کی بیعت ہوئی تو بیعت کرنے والے وہی کوفی تھے جو دراصل فوجی تھے اور لوٹ مار قتل و غارت گری ان

جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر مبارک ۲۲ ر سال تھی بعد میں بحکمِ خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہؓ سے شادی کرلی اور آپ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے ،جن کو نبوت ملی ،حضرت سارہؓ مالدار خاتون تھیں ،شادی کے بعد آپ نے اپنا سارا مال حضرت ابراہیمؑ کو بخش دیا، جس سے حضرت ابراہیمؑ کو سکون ملا ، آپ نے محنت کر کے اس مال میں اور اضافہ کر دیا، اس طرح تبلیغ دین میں حضرت سارہؓ کا مال بہت کام آیا۔

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے مال کو تبلیغ دین کے لئے صرف کریں ،دوسرے یہ کہ اگر بیوی کا مال ہے تو اس کو بیٹھ کر کھائیں نہیں بلکہ اس میں محنت کر کے اضافہ کریں ،اب تک جو حضرت ابراہیم علیہ السلام (ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں ) کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اس میں چند باتیں غور طلب ہیں۔

جب تمام شہر عید منا رہا تھا ،اس وقت نوجوان ابراہیمؑ تبلیغ دین کی فکر میں تھے ،ہمیں بھی چاہئے کہ جب اہل دنیا اپنی خوشیوں میں خدا کو بھولے ہوئے ہوں تو ہم اس وقت بھی خدا کو یاد رکھیں ، بلکہ کوشش کریں کہ دیگر افراد کو بھی خدا کو یاد دِلائیں ،حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے الگ رہنے کے لئے کہا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ،اہل سنت نے حضرت ابراہیمؑ کے بیان کو جھوٹ پر محمول کیا ہے، جبکہ یہ نبیؑ پر بہتان ہے انھیں کیا معلوم کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی طبیعت ٹھیک تھی؟ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ ہم بظاہر تندرست ہوتے ہیں لیکن جسم ٹوٹا ٹوٹا سا رہتا ہے، ایسی حالت میں ہم سے کوئی یہ کہے کہ فلاں جگہ چلو تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تم جاؤ میں نہیں جاسکتا ہوں۔

بالکل اسی طرح ممکن ہے کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ میں اس وقت ضعف پیدا کر دیا ہو تا کہ وہ شہر والوں سے باہر نہ جانے کے لئے کہیں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں، ایسا ہونا مصلحت خدا سے بعید نہیں ہے، جیسا کہ روز عاشور کربلا میں امام زین العابدین علیہ

کا محبوب مشغلہ تھا، اس پر طرّہ یہ کہ حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں انصاف، مساوات، احکامِ شریعت کی پابندی ان افراد کے مزاج پر بار ہوئی تھی کیونکہ گذشتہ تین حکومتوں میں بہت زیادہ چھوٹ کے یہ عادی ہو چکے تھے، اب امام حسن علیہ السلام کی بیعت ہوگئی اور اس حکومت میں بھی انھیں مراعات کی امید نہیں تھی۔

اس کے ساتھ ساتھ معاویہ کی رویشہ دوانیاں، کوفے کے بڑے بڑے سرداروں سے سازشی ملاقاتیں، بڑی بڑی رشوتیں، معاویہ کے جاسوسوں کے ذریعہ اختلاف وافتراق کا بیج بویا جانا تو ہو ہی رہا تھا اس کے علاوہ خارجیوں کی حرکات نے بھی ماحول کو ابتر بنانے میں کافی اہم کردار ادا کیا۔

یہ سب کچھ تو تھا ہی کوفے والے سقیفائی تھے اس لئے وہ حضرت علی علیہ السلام کو امام برحق ماننے کے بجائے چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور امام حسن علیہ السلام اب پانچویں خلیفہ تھے، ان حالات میں ایک قلیل تعداد شیعوں کی تھی جو امام حسن علیہ السلام کو امامِ برحق مانتی تھی، اب اگر امام حسن علیہ السلام معاویہ سے جنگ کرتے ہیں تو یہ ظاہر تھا کہ مخلص شیعہ جنگ میں ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ رہ جائیں گے جو امام حسن علیہ السلام کو پانچواں خلیفہ مان رہے ہیں، اس لئے امام حسن علیہ السلام نے جنگ سے پہلوتہی کی کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اشعث ابن قیس (پہلے سقیفائی حاکم کا رشتہ دار) عمر بن حریث، شیث ابن ربعی حجر ابن الحجر وغیرہ کھلم کھلا برسر عناد اور آمادۂ فساد نظر آرہے ہیں، معاویہ نے ان لوگوں کو پیغام بھی بھیجا کہ امام حسن علیہ السلام کو قتل کرادو اور جو یہ کام کرے گا اس کو دو لاکھ درہم نقد اور فوج کی سرداری اور معاویہ کی بیٹی سے نکاح کا موقعہ ملے گا، اتنا بڑا انعام حاصل کرنے کے لئے لوگ موقعہ کی تاک میں رہنے لگے، مجبوراً امام حسن علیہ السلام لباس کے نیچے زرہ پہننے لگے۔

دوسری طرف معاویہ تھا وہ حکومت حاصل کرنے کے لئے اپنی بیٹی تک کو دینے کو تیار تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور مجبور کیوں نہ

ہوں مگر علیؑ وفاطمہؑ کے فرزند ہیں اور رسولؐ کے نواسے ہیں وہ ہرگز ان شرائط پر صلح نہ کریں گے جو خلافِ اسلام ہوں۔

دوسرے یہ کہ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ صفین میں ۹۰ ہزار شامیوں کی ہلاکت کی ضرب کاری کھا چکا تھا، اس کو اندازہ تھا کہ شامیوں کی کثیر تعداد جنگ میں ہلاک ہو چکی ہے اب مزید جنگ کی وجہ سے شامیوں کا قتل عام خود معاویہ کے خلاف شام میں جذبات بھڑکانے میں مددگار ہوگا، اس لئے بھی معاویہ کسی بڑی جنگ سے کترا رہا تھا۔

تیسرے یہ کہ جنگ صفین میں تو قصاص عثمان کا نعرہ کام کر گیا تھا۔ اب امام حسن علیہ السلام سے براہِ راست ٹکرانے کے لئے کیا جواز پیش کیا جائے کہ رائے عامہ معاویہ کے خلاف نہ ہو، معاویہ اپنے خاندان کی پستی اور امام حسنؑ کے اعلیٰ خاندان کی فرد ہونے سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ رائے عامہ امام حسنؑ کی طرف ہوگی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انھیں شرائط پر صلح کے لئے تیار ہوں۔

یہ موقعہ تھا کہ باطل کو قلم کے ذریعہ مغلوب کیا جائے اب اگر اس موقعہ پر امام حسن علیہ السلام صلح سے انکار کریں تو آپ پر ہوس اقتدار کا دھبہ بھی مخالف لگا سکتا تھا کیونکہ معاویہ جھوٹ بولنے میں سازش کر کے قتل کرانے میں حدیث وضع کرا کے حق و باطل کو گڈمڈ کرانے میں ماہر تھا، اس لئے صلح کرنا ہی سب سے بہتر راستہ تھا، سو امام حسن علیہ السلام نے وہی کیا اس کے بعد بھی معاویہ نے حکومت مضبوط کرنے کے بعد امام حسن علیہ السلام کو بدنام کیا کبھی یہ کہا کہ یہ جنگ سے ڈرتے ہیں، اور جنگ کے تذکرے سے ہی مارے خوف کے رونے لگتے ہیں، جبکہ جنگ جمل و جنگ صفین میں امام حسنؑ نمایاں جوہر دکھا چکے تھے، کبھی یہ کہا کہ یہ تو بس شادیاں کرتے ہیں اور طلاق دیتے ہیں، ان بدبختوں نے الزام تو لگا دیا کہ آپ نے کثیر تعداد میں شادیاں کیں، لیکن سقیفائیوں کی تحریر کردہ کتب بھی ان کثیر ازواج کا پتہ نہ بتا سکیں کہ وہ کون تھیں کب ان سے شادی ہوئی اور کب ان

کوطلاق ہوئی۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو ازواج وقت وفات موجود تھیں اوراب آپ امام حسن علیہ السلام کے حالات پڑھیے تو آپ نے بھی کل نو شادیاں کیں ان میں سے بعض کو طلاق دی اس طرح آپ کی ازواج ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ رہیں۔

المختصر یہ کہ صلح نامہ تحریر کیا گیا اوراس کی شرطیں یہ تھیں

۱۔ معاویہ کتاب وسنت پر عمل کرے گا۔

۲۔ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳۔ شام وعراق ویمن وحجاز ہر جگہ لوگوں کے لئے امن ہوگی۔

۴۔ حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب وشیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس اور اولاد محفوظ رہیں گے۔

۵۔ معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور حسین ابن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی نقصان نہ پہونچائے گا یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے گا، نہ اعلانیہ نہ خفیہ اور نہ کسی کو ڈرایا جائے گا اور نہ کسی کو دھمکایا جائے گا۔

۶۔ حضرت علی علیہ السلام کو جو مسجد جامع میں اور قنوت میں گالیاں دی جاتی ہیں وہ بند ہوں گی۔

اس آخری شرط پر معاویہ نے اعتراض کیا کہ یہ نہ ہوگا تب یہ طے پایا کہ جہاں امام حسن علیہ السلام موجود ہوں گے وہاں پر گالیاں نہیں دی جائیں گی۔

بخاری میں کتاب فضائل صحابہ میں حدیث موجود ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا دے گا تب بھی ان میں سے کوئی ثواب کے ایک مُد کے برابر یا نصف کے برابر نہیں پہونچ سکتا۔

الصواعق المحرقہ میں انس کی بیان کی ہوئی حدیث درج ہے کہ اللہ نے مجھے

منتخب فرمایا اور میرے لئے اصحاب کا انتخاب فرمایا ان میں سے میرے لئے داماد بھی منتخب فرمائے پس جو شخص ان کے بارے میں میرا تحفظ فرمائے گا، اللہ اس کی حفاظت کرے گا اور جو شخص ان کے بارے میں مجھے تکلیف دے گا، اللہ انھیں ایذا دے گا،

الصواعق المحرقہ میں حضرت عائشہ کی بیان کی ہوئی روایت درج ہے کہ میری امت کے شریر لوگ وہ ہوں گے جو میرے اصحاب کو برا کہنے کی جسارت کریں گے۔

غور فرمایئے! حضرت علیؑ رسولؐ کے صحابی بھی ہیں، داماد بھی ہیں، بھائی بھی ہیں ان کو معاویہ گالیاں دیتا ہے اور سقیفائی معاویہ کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کیا یہ آخرت میں کامیاب ہوں گے؟۔

یہ معاہدہ ۴۱ھ کو عمل میں آیا، اس کے بعد معاویہ نے اپنے لئے عام بیعت کا اعلان کر دیا اور اس سال کا نام ''عام السنّت والجماعت'' رکھا۔

معاہدہ پورا ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام اپنے تمام خاندان والوں کو لیکر کوفے سے مدینے چلے آئے اور معاویہ کی تمام نازیبا حرکات اور ناخوشگوار حالات کو برداشت کرتے رہے، جبکہ معاویہ نے معاہدہ کی کسی شرط پر عمل نہیں کیا، معاہدہ کے بعد معاویہ نے نخیلہ میں قیام کیا (نخیلہ کوفے کے قریب ہے) اور جمعہ کے خطبے میں اعلان کیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم نماز پڑھنے لگو روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکات ادا کرو یہ سب تو تم کرتے ہی ہو، میرا مقصد تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلّط ہو جائے میرا یہ مقصد پورا ہو گیا، رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسن سے کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن کر مجمع حیران رہ گیا مگر اب کوئی کیا کر سکتا تھا۔

جب معاویہ کی حکومت مضبوط ہو گئی تو اس نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ اگر کوئی شخص ابوتراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گا تو میں اس سے بریٔ الذمہ ہوں علی کے بجائے فضائل عثمان بیان کئے جائیں علی کی فضیلت کی ایک حدیث کے

بدلے میں اس جیسی دس منقصت و مذمت کی احادیث تیار کی جائیں ۔ خطباء کو حکم تھا کہ خطبات جمعہ میں حضرت علی کو گالیاں دینا ترک نہ کریں، جب یہ خبر تمام مملکت میں پھیل گئی تو تمام خطیبوں نے منبروں سے حضرت علیؑ کو گالیاں دینی شروع کردیں اور شیعوں کا قتل عام شروع ہوا، سب سے زیادہ ظالم زیاد ابن ابیہ ثابت ہوا کیونکہ یہ حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں حضرت علیؑ کا طرفدار تھا، اس لئے شیعوں کو پہچانتا تھا، اس نے چن چن کر شیعوں کو قتل کیا ان کی آنکھیں پھوڑ دیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے، اس ظلم کے خوف سے شیعہ ہزاروں کی تعداد میں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے، بصرے میں اس نے آٹھ ہزار افراد قتل کرائے، جن میں بیالیس حافظ وقاری قرآن تھے، ان پر محبت علیؑ کا جرم عائد کیا گیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا دشمن از روئے حدیث حرامزدہ اور منافق ہوتا ہے زیاد ابن ابیہ نے مذکورہ اعمال انجام دے کر اپنی اصلیت واضح کی اور کچھ نہیں، صرف زیاد ہی نہیں جو بھی حضرت علیؑ کا دشمن دکھائی دے یا حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت سن کر اس کے چہرے کا رنگ بدل جائے تو اس کی اصلیت کو جان لیجئے۔

**شہادت** : امام حسن علیہ السلام گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے تھے، لیکن معاویہ یزید کی تخت نشینی کے لئے امام حسن علیہ السلام کی زندگی ختم کرنا چاہتا تھا، اس نے آٹھ مرتبہ مختلف طریقوں سے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوایا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، آخر کار جعدہ بنت اشعث جو امام حسنؑ کی زوجہ تھی، اس کے ذریعے زہر دلوانے میں کامیاب ہوگیا، اور جعدہ نے اس پانی میں زہر ملا دیا جو آپ کے سرہانے رات کو اگر پیاس لگے تو پینے کے لئے موجود تھا۔

جعدہ سے امام بدگمان تھے اس سے پہلے کئی مرتبہ مختلف طریقوں سے زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی اس لئے امام کے پاس حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ سو رہی تھیں ، پائنتی کی طرف کنیزیں سو رہی تھیں، جعدہ رات کو دبے پاؤں آئی اور سرہانے موجود پانی

میں زہر ملا کر چلی گئی، اس وقت امام حسنؑ نے خواب میں دیکھا کہ نانا رسول اکرمؐ، حضرت علیؑ، اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تشریف فرما ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ بیٹا کل رات تم ہمارے پاس ہوگے، یہ خواب دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ نے جناب زینبؑ کو آواز دی اور خواب بیان کیا اس کے بعد وضو کے لئے پانی مانگا اور خود ہاتھ بڑھا کر سرہانے موجود پانی پی لیا، زہر اپنا کام کر گیا، آپ نے فرمایا یہ کیسا پانی ہے جس نے حلق سے لیکر ناف تک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اس کی خبر امام حسین علیہ السلام کو ہوئی تو آپ تشریف لائے، دونوں بھائی گلے مل کر خوب روئے، امام حسن علیہ السلام نے پانی کے برتن کو پٹک دیا وہ چور چور ہو گیا، روایت میں ہے کہ جس جگہ وہ پانی گرا تھا زمین ابلنے لگی تھی، تھوڑی ہی دیر میں آپ کو قے آئی اور جگر کے ٹکڑے طشت میں آ گرے اور آپ زمین پر گر کر تڑپنے لگے، بدبخت جعدہ بھی آ گئی آپ نے اس سے کہا کہ تو نے بڑی بے وفائی کی یاد رکھ تو نے جس مقصد کے لئے زہر دیا ہے وہ پورا نہ ہوگا، اس کے بعد آپ نے امام حسینؑ سے اور بہنوں سے وصیتیں کیں، اور آنکھیں بند کر لیں اس کے بعد آنکھیں کھول کر کہا کہ حسینؑ میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں، یہ کہہ کر آنکھیں بند کیں اور اپنے نانا کے پاس پہونچ گئے

معاویہ نے مروان کے پاس پیغام بھیجا کہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی کا خاتمہ کردے، مروان نے رومی دلّالہ جس کا نام الیسونیہ تھا اس کو طلب کیا اور کہا کہ تو جعدہ بنت اشعث کے پاس جا کر میرا پیغام پہونچا کہ اگر تو کسی صورت سے امام حسنؑ کو زہر دے گی تو معاویہ تجھ کو ایک ہزار دینار سرخ اور پچاس خلعت مصری عطا کرے گا، اور یزید سے تیری شادی کرے گا، رومی دلّالہ جس وقت جعدہ کے پاس پہونچی اس وقت امام حسن علیہ السلام گھر پر نہیں تھے، دلّالہ کو گفتگو کا اچھا موقعہ ہاتھ آیا، دلّالہ نے سو دینار نقد جعدہ کو دئے جو مروان نے بھجوائے تھے، زہر دینے کے بعد مروان نے جعدہ کو معاویہ کے پاس بھیج دیا، روایت میں ہے کہ معاویہ نے جعدہ کے ہاتھ پاؤں باندھوا کر دریا میں یہ کہہ کر ڈلوا دیا کہ

تو نے جب امام حسنؑ کے ساتھ وفا نہ کی تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ معاویہ نے اس کو رقم تو دیدی لیکن یزید سے نکاح کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تو حسنؑ سے وفا نہ کر سکی تو یزید سے کیا وفا کرے گی ، بعد میں جعدہ نے ایک شخص سے شادی کی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا یہ لڑکا جب بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا تو دوسرے بچے اس کو کہتے تھے کہ اس کی ماں نے امام حسنؑ کو زہر دیا تھا اس طرح جعدہ اور اس کی اولاد زندگی بھر ذلیل رہے، بعد مرگ جعدہ کے لئے جہنم ہی ہے اور کچھ نہیں۔

یہاں پر غور طلب امر یہ ہے کہ جعدہ پہلے سقیفائی حاکم کی رشتہ دار تھی (بہن کی اولاد) گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاویہ اس شخص کو اپنی بیٹی دینے کو تیار تھا جو امام حسن علیہ السلام کو شہید کر دے، ان حالات میں ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جعدہ سازش کے تحت امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیجی گئی تھی کیونکہ آج اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ پر واضح ہوگا کہ اشعث بن قیس امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے قتل میں شریک رہا، اور اس کی بیٹی جعدہ بنت اشعث نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اور جعدہ کا بھائی محمد ابن اشعث امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک رہا۔ (بحار الانوار)

حضرت عائشہ اور خچر :امام حسن علیہ السلام نے وصیت کی مجھے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن کیا جائے اور لوگ مانع ہوں تو جدال کی ضرورت نہیں ہے، مجھے والدہ حضرت فاطمہؑ کے پاس دفن کر دینا، جب امام حسن علیہ السلام کا جنازہ قبر رسولؐ کے پہونچا تو مروان ام المومنین عائشہ کے پاس گیا کہ یہ لوگ حسنؑ کو رسولؐ کی قبر کے پاس دفن کرنا چاہتے ہیں اگر ایسا ہوا تو تمہارے باپ اور ان کے دست راست کو جو فضیلت حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی ، جلدی چلو اور ان کو منع کرو، ام المومنین عائشہ نے کہا کیسے چلوں سواری تو ہے نہیں مروان نے کہا کہ لو میرا خچر اس پر سوار ہو جاؤ عائشہ فوراً خچر پر سوار ہو کر چلیں ساتھ میں اموی افراد بھی ہو لئے اور جا کر عائشہ نے شور مچایا کہ یہ میرا گھر ہے میں

حسنؑ کو یہاں دفن نہ ہونے دوں گی، بات بڑھ گئی بنی ہاشم نے تلواریں نکال لیں، ادھر بنی امیہ کے آدمیوں نے تیروں کی بارِش کردی، ستر تیر امام حسنؑ علیہ السلام کے جسد اطہر میں پیوست ہو گئے، امام حسین علیہ السلام نے بنی ہاشم کو سمجھایا کہ بھائی کی وصیت ہے کہ جدال نہ کرنا، آپ امام حسنؑ کے جنازے کو بقیع لے گئے اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس دفن کیا۔ ابن عباس نے عائشہ سے کہا کہ کل اونٹ پر سوار ہوئی تھیں، آج خچر پر سوار ہو، زندہ رہی تو کل ہاتھی پر بھی سوار ہونا، رسولِ خداؐ تمہیں پردے میں بٹھا گئے تھے، تم ان کے بعد گھر سے نکل پڑیں، عائشہ نے کہا کہ تم دور ہٹ جاؤ تم پر اور تمہاری قوم پر اُف ہے۔

**معاویہ کا سجدۂ شکر:** مروان نے شہادت امام حسن علیہ السلام کی خبر معاویہ کو بھیجی یہ سنتے ہی معاویہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سجدۂ شکر ادا کیا، ساتھ میں درباری بھی نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے، تکبیر کی آوازیں سن کر معاویہ کی زوجہ فاطمہ بنت قرظہ نے پوچھا کہ یہ خوشی کس بات کی ہے؟ معاویہ نے کہا کہ حسنؑ کی شہادت ہوگئی اس پر میں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سجدۂ شکر کیا ہے، اور درباری بھی نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں، یہ سن کر فاطمہ بنت قرظہ کہنے لگی ہائے افسوس! فرزند رسولؐ قتل کیا جائے اور دربار میں خوشی منائی جائے۔

**زہر روم سے آیا تھا:** معاویہ نے شاہِ روم کو بہت سے تحفے بھیجے اور ایسا زہر طلب کیا جو قاتل ہو اور پلایا جا سکے، شاہِ روم نے وہ زہر بھیج دیا جو جعدہ کے ذریعہ امامؑ کو پلا دیا گیا۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام (تیسرے امام)

آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے معصوم جانشین ہیں، آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ کے نواسے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند اور امام حسن علیہ السلام کے چھوٹے بھائی ہیں، آپ کی وِلادت ۳ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی، آپ اپنے نانا، والد، والدہ اور بھائی کی طرح معصوم تھے اور علم لدنی کے مالک تھے۔

☆ آپ کی وِلادت سے قبل حضرت اُم الفضل بنت حارث نے خواب دیکھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے، وہ یہ خواب دیکھ کر گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کی کہ یارسول اللہ آج میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے یہ کہہ کر اپنا خواب سنایا ،خواب سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ تو نے نہایت اچھا خواب دیکھا ہے، اے ام الفضل اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری آغوش میں پرورش پائے گا۔

☆ حسبِ ارشادِ رسولؐ اُم الفضل امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں مصروف رہیں، ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے امام حسین علیہ السلام کو لے جا کر رسولؐ کی گود میں دیا، آپ نے مجھ سے لیکر بچے کو پیار کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد آپؐ نے رونا شروع کردیا، اُم الفضل نے رونے کا سبب دریافت کیا، آپؐ نے بتایا کہ ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے انھوں نے بتایا کہ آپ کا یہ فرزند آپ کی امت کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے شہید کیا جائے گا اور وہ مجھے قتل گاہ کی مٹی بھی دے کر گئے ہیں۔

دوسری روایت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اکرمؐ میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ چہرے پر گرد تھی بال بکھرے ہوئے تھے میں نے آپ کو پریشانی میں دیکھ کر دریافت کیا کہ یارسولؐ اللہ خیریت تو ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی مجھے جبرئیلؑ عراق کے مقام کربلا لے کر گئے تھے وہاں میں نے جائے قتل حسینؑ دیکھی ہے اور وہاں سے قتل گاہ کی یہ مٹی بھی لایا ہوں۔ اے اُم سلمہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھ لو جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسینؑ شہید ہوگیا ہے۔

☆ جب آپ پیدا ہوئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور اپنی زبان آپ کے مونہہ میں دے کر بڑی دیر تک چوسایا اور آپ کا نام حسینؑ رکھا، یہ نام بھی مثل امام حسنؑ اس سے پہلے کسی اور کا نہیں ہوا، روایت

میں یہ بھی ہے کہ یہ نام خداوند عالم نے رکھا ہے، جس طرح امام حسن علیہ السلام کا عقیقہ کیا گیا تھا اسی طرح امام حسین علیہ السلام کا بھی عقیقہ کیا گیا آپ بھی مختون پیدا ہوئے تھے

☆ جب آپ پیدا ہوئے تو خداوند عالم نے جبرئیل کو مبارکباد دینے کے لئے بھیجا اور ساتھ میں یہ حکم بھی دیا کہ ان کی شہادت کی خبر بھی رسول کو دیدو۔ جب حضرت جبرئیل نے خبر شہادت سنائی تو رسول محو گریہ ہو گئے، شہادت کی خبر جب امیر المومنین کو ہوئی تو آپ بھی رونے لگے، آپ کو روتا ہوا دیکھ کر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بے چین ہوگئیں، سبب گریہ دریافت کیا، شہادت کی خبر سن کر حضرت فاطمہ زہراؑ بھی گریہ کرنے لگیں اور دریافت کیا کہ بابا اس کو شہید کیوں کیا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ اسلام کی حمایت میں شہید ہوگا، حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کی کہ یہ کب ہوگا فرمایا اس وقت نہ میں ہوں گا نہ علیؑ ہوں گے نہ تم ہوگی، نہ حسنؑ ہوں گے پھر آپ نے فرمایا کہ پھر اس پر گریہ کون کرے گا؟ ابھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جواب بھی نہ دے پائے تھے کہ ہاتف غیبی کی آواز آئی کہ فاطمہؑ غم نہ کرو تمہارے فرزند کا غم ابد الآباد تک منایا جائے گا اور اس کا ماتم قیامت تک جاری رہے گا

☆ یحیٰ ابن ام طویل راوی ہے کہ میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں تھا کہ ناگاہ ایک نوجوان روتا ہوا آیا اس نے امام سے کہا کہ میری والدہ نے انتقال کیا اور کافی مال چھوڑا ہے لیکن اس کے لئے کوئی وصیت نہیں کی ہے، مرنے سے قبل والدہ نے ہدایت کی تھی میری موت کی خبر پہلے امام حسینؑ کو دینا اس کے بعد کفن دفن کی فکر کرنا، یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے اصحاب سے کہا کہ اس زنِ صالحہ کے گھر چلو، جب ہم اس مکان پر پہونچے تو امام نے دروازے پر کھڑے ہو کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے اللہ اس کو زندہ کر دے کہ یہ وصیت کرے، ابھی آپ کی دعا ختم ہی نہ ہوئی تھی کہ وہ زن صالحہ کلمہ پڑھتی ہوئی اٹھ بیٹھی، امام اس کے کمرے میں داخل ہوئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اپنی وصیت بیان کرو اس نے کہا کہ میرے مال کے ایک تہائی حصے کے

السلام کو خدا نے مصلحت سے بیمار کر کے جہاد سے بچالیا تھا ورنہ آپ شہید ہو جاتے اور بعد کربلا کے مراحل طے کرنے کے لئے خواتین عصمت کے ساتھ کوئی جواں مرد نہ ہوتا۔

یہ چیزیں بھی غور طلب ہیں کہ جس عمر میں حضرت ابراہیمؑ تبلیغ دین میں مصروف تھے اس عمر میں ہمارے بچے تبلیغ دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں کہیں یہ ہماری تربیت کی کمی تو نہیں ہے؟ یا پھر ہم صرف اس لئے شیعہ ہیں کہ شیعہ گھر میں پیدا ہو گئے ہیں؟ اب بھی وقت ہے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیں، دینی کلاسز قائم کریں، اپنے بچوں کو دینی کلاسز میں بھیجیں، جو افراد پڑھے لکھے ہیں وہ بے پڑھوں کو پڑھائیں اگر بچے اس طرف متوجہ نہیں ہیں تو والدین سختی کریں اور بچوں کو دینی کلاسز میں بھیجیں، ان کلاسز میں جو پڑھایا جائے اس کو غور سے سنیں، یہ نہ کہیں کہ ایسا ہم نے اب تک نہیں سنا یا یہ کہ پہلے سے تو ایسا ہوتا آیا ہے یا یہ کہ یہ نئی بات ہے وغیرہ کیونکہ جو سماج میں بنامِ دین ہو رہا ہے وہ ضروری نہیں ہے کہ مطابق دین بھی ہو۔

یہ چیزیں صرف لڑکوں تک محدود نہ ہو بلکہ لڑکیوں کی دینی تربیت بھی ضروری ہے ،اس راہ میں آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں، حضرت سارہ سلام اللہ علیہا جب ایمان لائیں تو وہ اس وقت لڑکی تھیں ،اور حضرت ابراہیمؑ کے متوجہ کرنے کے بعد بھی لوگوں کی ایذا سے نہ ڈریں، اس واقعے میں یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے غصہ کو اپنے سے دور رکھا اور باطل کو عقلی دلائل سے خاموش کیا چاہے ستارہ پرست، چاند پرست، یا بت پرست ہوں، باطل برا نہ مان جائے اور غصے میں بات نہ سنے، اس سے بچنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے زہرہ ستارا، چاند اور سورج کے لئے پہلے کہا یہ میرا رب ہے، جب باطل ان کی طرف متوجہ ہوا تو عقلی دلائل سے ان کی رد بھی کر دی، اور اپنا ایمان بھی ظاہر کر دیا، کہ اگر میرا پروردگار میری حفاظت نہ کرتا تو یقیناً میں گمراہ ہو جاتا، اس جملے کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ایمان کا تو اظہار کیا لیکن مہذب لہجے میں مخالفین کو خاموشی سے گمراہ کہہ دیا، اب اگر وہ عقل استعمال کریں تو راہِ حق یقیناً پا جائیں گے۔

آپ حقدار ہیں جسے چاہیں عنایت فرمائیں اور بقیہ دو حصے میرے فرزند کو دیجئے بشرطیکہ آپ کے غلاموں اور شیعوں میں سے ہو، اور اگر مخالف ہو تو اس بقیہ مال کے بھی آپ مختار ہیں اس لئے کہ مال مومنین میں مخالفین کا حق نہیں ہے، اس کے بعد اس زن صالحہ نے درخواست کی کہ میری نمازِ جنازہ آپ ہی پڑھایئے گا اور میری تجہیز و تکفین آپ ہی کرایئے گا، اتنا کہنے کے بعد اس مومنہ کی روح ریاض جنت کو پرواز کر گئی۔

☆ عصام بن مصطلق شامی بیان کرتا ہے کہ میں مدینہ منورہ گیا تو میں نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ لوگ ان کی بہت عزت کرتے ہیں یہ دیکھ کر میں بغض و حسد سے جل گیا اور میں ان کے قریب گیا اور کہا کہ تو ابوتراب کا بیٹا ہے؟ (شامی نے اپنے خیال میں امام حسین علیہ السلام کی توہین کی) امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! میں نے ان کو اور ان کے باپ کو جتنی گالیاں دے سکتا تھا اتنی دیں، امامؑ نے اس طرف شفقت و مہربانی سے دیکھا اور فرمایا اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥، خُذِ العَفْوَ وَأمُرْ بِالعرف وَاَعْرِضْ عَنِ الْجاهِلین الخ (یہ آیات اچھے اخلاق کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جن کی ہدایت پیغمبرؐ کو خدا نے کی ہے، ان میں یہ ہے کہ برے کو برا بدلا نہ دو جاہلوں کی حرکتوں پر کنارہ کشی کرو اور شیطانی وسوسے کے وقت خدا سے پناہ مانگو) پھر امام نے اس سے فرمایا خود آسان قرار دے اس معاملے کو اور خدا سے میرے لئے اور اپنے لئے بخشش طلب کر، اگر تو مدد چاہے تو ہم تیری مدد کریں گے، اگر عطاء بخشش کی خواہش ہے تو ہم تجھے عطا کریں گے، اگر ارشاد و ہدایت کا طالب ہے تو تجھے ارشاد و ہدایت کریں گے، عصام کہتا ہے کہ میں اپنی گفتگو پر پریشان ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ لاتثریب علیکم الیوم یغفر الله لکم وھو ارحم الراحمین (یہ حضرت یوسفؑ کے الفاظ ہیں جن کو قرآن نے نقل کیا ہے جب انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ) آج تم پر کوئی ملامت نہیں خداوند عالم تمہیں بخش دے گا، وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ تو اہل شام سے ہے، میں نے کہا جی ہاں شنشنۃ اغرعنھا من اخترم

یہ گالیاں جو ہمیں دی جاتی ہیں یہ عادت اہل شام کی ہے، جسے معاویہ نے ان کے درمیان جاری کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حَیانَا اللّٰہُ وَاِیَّاکَ (خدا ہمیں اور تجھے سلامتی دے) جو حاجت رکھتے ہوں کھل کر بیان کرو تم مجھے اس سے بہتر پاؤ گے جو تمہیں میرے متعلق گمان ہے، انشاء اللہ، عصام کہتا ہے کہ آپ کی گفتگو کے بعد میرے لئے زمین اتنی تنگ ہوگئی کہ میں چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں، میں آپ سے آہستہ آہستہ لوگوں کی اوٹ لیتا ہوا دور ہونے لگا، میری کوشش یہ تھی کہ امامؑ کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے، اس واقعہ کے بعد امام اور امام کے والد سے زیادہ دنیا میں کوئی مجھے محبوب نہ تھا۔

☆ امام حسین علیہ السلام کے ایک فرزند کو جب معلّم نے سورہ حمد کی تعلیم کی تو آپ نے ہزار دینار ہزار حلّے معلّم کو دئے اور کہا کہ اس کا مونہہ موتیوں سے بھر دو، وہاں موجود ایک شخص نے کہا کہ سورہ حمد سکھانے کی اس قدر اجرت نہیں ہوتی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ جو زرومال میں نے دیا ہے وہ بہت کم ہے (یعنی جو اس نے میرے بچے کو سکھایا ہے اس کے مقابلے میں یہ زرومال بہت کم ہے)

☆ امام حسین علیہ السلام مساکین کی ایک جماعت کی طرف سے گذرے تو وہ اپنی عبا بچھائے خشک روٹی کے ٹکڑے کھا رہے تھے، انھوں نے امامؑ کو کھانے کی دعوت دی، آپ فوراً گھوڑے سے اُتر پڑے اور فرمایا کہ اللہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے، آپ ان کے پاس بیٹھ گئے تھوڑا سا کھایا اور فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی، اب تم سب میری دعوت قبول کرو، انھوں نے دعوت قبول کی اور آپ کے گھر آئے، آپ نے کنیز سے ان کی ضیافت کو کہا، کنیز نے ان کے لئے اچھی ضیافت کا انتظام کیا جب سب فارغ ہو گئے تب آپ نے ان کو رخصت کیا۔

☆ جب امام حسین علیہ السلام سفر کربلا میں تھے تو راہ میں مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی، آپؑ نے کوفے کے حالات دریافت کئے تو فرزدق نے کہا کہ اہل کوفہ کے دل آپ کی طرف مائل ہیں، اور تلواریں بنی امیہ کیساتھ ہیں اور فتح ونصرت حق تعالیٰ کی

طرف سے ہے، امامؑ نے فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے، پھر ارشاد فرمایا:

''اہلِ دنیا بندۂ زر ہیں ان کا دین مہمل ہے زبان سے

اقرار کرتے ہیں اور جس چیز سے ان کو فائدہ حاصل ہو اس

پر جمع ہو جاتے ہیں اور جب **آزمائش کا وقت آتا ہے**

**تو دیندار بہت کم نکلتے ہیں۔**

اس وقت یہ حالت تھی اور آج بھی یہی حالت ہے کسی اور کی نہیں شیعوں کی یہ حالت ہے، ممکن ہے کہ مومنین ناراض ہوں کہ یہ میں نے کیا لکھ دیا اس لئے اختصار کے ساتھ چند اشارے کروں گا، ملاحظہ فرمایئے۔

دین کا حکم ہے کہ خمس وزکات ادا کرو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ روزہ رکھو نماز پڑھو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ حج کرو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ داڑھی رکھو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ ناچ گانے سے دور ہو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ غیبت چغلی سے دور رہو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ عورتیں پردہ کریں............دیندار بہت کم ملتی ہیں

دین کا حکم ہے کہ امانتیں واپس کرو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ نجس کھانا (غیر مسلم کا تیار کیا ہوا)......مت کھاؤ..دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ حرام اُمور سے بچو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ واجبات پر عمل کرو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

دین کا حکم ہے کہ بیٹیوں کو جائیداد میں حصہ دو............دیندار بہت کم ملتے ہیں

**اس کے بعد ہم خود کو دیندار اور جنتی سمجھیں یہ شیطانی وسوسہ ہے اور کچھ نہیں**

☆ امام حسین علیہ السلام بچپن ہی سے زاہد فی الدنیا تھے، حضرت علی علیہ السلام

کے ساتھ آپ بھی مخصوص خشک اور سادی غذائیں کھایا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ اس غذا میں برابر شریک رہتے، تنگی و پریشانی میں حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیتے آپ کے روزے اور نماز حضرت علی علیہ السلام کے جیسے تھے جبکہ حضرت علی علیہ السلام کی عبادت تک پہونچنا قریب قریب ناممکن تھا۔

☆جب امام حسین علیہ السلام کا سرِ انور شام میں یزید کے پاس لے جایا گیا تو ملعون نے سر مبارک کو نیچے رکھوادیا، اور حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے، جب دستر خوان بچھ گیا تو اس نے اپنے رفقاء کے ساتھ کھانا کھایا اور شراب پی، جب فارغ ہوا تو حکم دیا کہ سر امامؑ کو طشت میں رکھ کر تخت کے نیچے رکھیں اور وہ ملعون خود تخت پر بیٹھا اور شطرنج کھیلنی شروع کی، دورانِ کھیل امام حسین علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام کا مذاق اڑانا شروع کیا، جب بازی جیت جاتا تھا تو تین مرتبہ (تین پیگ) شراب پیتا تھا تو اس کی تلچھٹ سرِ امام پر جو طشت میں نیچے تھا پھینکتا جاتا تھا، امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارا شیعہ ہے اس کو چاہیے کہ شراب و شطرنج سے پرہیز کرے اور جو شخص شراب و شطرنج کو دیکھے وہ امام حسین علیہ السلام کو یاد کرے اور یزید و آل یزید پر لعنت کرے کہ حق تعالیٰ اس کے گناہوں کو ہٹائے گا اگر چہ وہ مانند ستارہ ہائے آسمان کے ہوں۔

**واقعۂ کربلا:** واقعۂ کربلا کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے اوراق الٹیں، تبھی واقعۂ کربلا سمجھ میں آ سکتا ہے، اگر کوئی ایسا نہیں کرتا ہے تو پھر واقعۂ کربلا کو سمجھ نہیں سکتا اس لئے ہم ذرا سی نظر تاریخ پر ڈالتے ہیں۔

قبلِ اسلام مکّے میں دو مشہور قبیلے تھے بنی ہاشم اور بنی امیہ، بنی ہاشم دینِ حنیف کے پیرو تھے، شرافت و بزرگی، دیانت و وفاداری، حلم و بردباری، تقویٰ پرہیزگاری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، تمام عرب میں ان کی شرافت و کرامت کا ڈنکا بج رہا تھا، مکّے کی سرداری ان کے گھر کی لونڈی تھی، ہر شخص ان کی عزت کرتا تھا، ان کی سخاوت مشہور تھی۔

دوسری طرف بنی امیہ تھے، یہ بت پرست تھے، دنیا زدہ تھے، دولت کے پجاری (سرمایہ دارانہ ذہنیت) تھے کنجوسی میں مشہور تھے، ظلم وزیادتی ان کا شیوہ تھا، بدکرداری میں طاق تھے، طلبِ جاہ ان میں بہت تھی۔ المختصر یہ کہ شرافت وکرامت سے دور جتنی باتیں ہوسکتی ہیں وہ سب ان میں موجود تھیں، اس لئے عرب میں ان کی وقعت نہ تھی ان کو اس بات سے حسد ہوتا تھا، کہ بنی ہاشم کی اتنی عزت کیوں ہے، اس لئے بنی ہاشم کو اپنا رقیب سمجھتے تھے جبکہ بنی ہاشم نے کبھی ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

مشہور ہے کہ دیگ کا ایک چاول دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے، اسی لئے یہاں پر میں نہایت اختصار سے دو ایک حوالے دوں گا تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ بنی امیہ کی جو کیفیت میں نے بیان کی ہے وہ درست ہے۔

فتح مکہ میں جب بنی امیہ کے سرغنہ ابوسفیان کی بیوی معاویہ کی ماں اور یزید کی دادی سے رسولِ اکرمؐ نے بیعت ان الفاظ میں لی ملاحظہ فرمایئے۔

''جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم روز فتح مکہ مردوں کی بیعت لے کر فارغ ہوئے تو کوہِ صفا پر عورتوں سے بیعت لینا شروع کی، ہندہ بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی خوف زدہ برقع پہن کر اس طرح حاضر ہوئی کہ پہچانی نہ جائے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، ہند نے سر اٹھا کر کہا کہ آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا، اور اس روز مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لی گئی تھی، پھر حضورؐ نے فرمایا اور چوری نہ کروگی، تو ہند نے عرض کی کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے اور میں نے اس کا مال ضرور لیا ہے نہیں سمجھتی مجھے حلال ہوا یا نہیں، ابوسفیان وہاں موجود تھا اس نے کہا جو تو نے پہلے لیا اور جو تو آئندہ لے سب حلال، اس پر نبی کریمؐ نے تبسم فرمایا، رسولؐ نے فرمایا تو ہند بنت عتبہ ہے؟ اس نے کہا ہاں جو مجھ سے قصور ہوئے معاف فرمایئے، پھر حضور نے فرمایا بدکاری نہ کروگی (ہند نے اقرار کرنے کے بجائے) کہا کیا کوئی آزاد عورت

بدکاری کرتی ہے، پھر فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی (مقصد اسقاطِ حمل نہ کرنے کا تھا لیکن ہند نے جواب میں کہا) ہم نے چھوٹے چھوٹے پالے جب بڑے ہو گئے تو تم نے انھیں قتل کر دیا تم جانو اور وہ جانیں، اس کا لڑکا حنظلہ بن ابوسفیان جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان کوئی بہتان نہ گھڑے گی۔

(ترجمہ احمد رضا خاں بریلوی تفسیری حاشیہ محمد نعیم الدین مراد آبادی صفحہ ۷۹۹، مطبوعہ خاتونِ مشرق ۴۲۳، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ٦، تاریخ طبری مطبوعہ ادارہ تبلیغ دین دیوبند)

کتاب چودہ ستارے کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں، حسان بن ثابت نے اس (امیہ کے) اولاد عبدالشمس ہونے سے انکار کیا ہے، دیکھو دیوانِ حسان ص ۱۱، (۲) الحریت فی الاسلام مصنفہ ابوالکلام آزاد کے ص ۲٦ پر ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دورِ فتن وبدعات شروع ہوتا ہے، جنھوں نے نظامِ اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں، (۳) تطہیر الجنان ص ۱۴۲، نصائح کافیہ ص ۱۰٦ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن قبیلہ بنی امیہ ہے (۴) ینابیع المودۃ ص ۱۴۸ میں ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن قبیلہ بنی امیہ ہے (۵) تطہیر الجنان ص ۱۴۸ میں ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک آفت ہے اور دین اسلام کے لئے آفت بنی امیہ ہیں (٦) تاریخ الخلفاء ص ۸ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر کود رہے ہیں جس سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا، جس کی تسلی کے لئے سورۂ قدر نازل ہوا، جس میں فرمایا گیا کہ شب قدر مدت حکومت بنی امیہ سے بہتر ہے، (۷) روضۃ المناظر برحاشیہ کامل جلد ۱۱ ص ۸۵ میں ہے کہ شجرۂ ملعونہ فی القرآن سے مراد بنی امیہ ہیں، (۸) تاریخ اعثم کوفی ص ۲۴۲ میں ہے کہ عہدِ جاہلیت میں بنی امیہ کی غذا اٹڈی اور مردار تھی (۹) فتح الباری ابن حجر عسقلانی جلد ۵ ص ٦۵ میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں فاحشہ عورتیں اپنے مکانوں پر پہچان کے لئے جھنڈے لگائے رہتی تھیں (۱۰) نصائح کافیہ ص ۱۱۰، ثمرۃ الاوراق ص

۱۰۸، ابوالفداء جلد ا ص ۱۸۸، ابن شهنه جلد ۲، ص ۱۳۴، ایرونگ ص ۴۸، تذکرہ خواص الامۃ ۱۱۷، تاریخ اعثم کوفی ص ۲۲۶ وغیرہ میں ہے کہ مشہور فاحشہ عورتیں جن کے مکانوں پر جھنڈے تھے وہ چار تھیں (۱) زرقا (۲) نابغہ عمرو عاص کی ماں (۳) حمامہ امیر معاویہ کی دادی (۴) ہندہ امیر معاویہ کی ماں، اور ہندہ کے متعلق اعثم کوفی ص ۲۲۶ میں ہے کہ یہ تمام عیبوں کی خزینہ دار تھی (۱۱) تاریخ الخلفاء ص ۲۱۸ میں ہے کہ یہ شاعرہ اور بڑی سنگ دل تھی، اس کا ایک شعر احوال مامون رشید میں درج ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہم خوبصورتی میں صبح صادق کی بیٹیاں ہیں نرم بستروں پر ہم کسی کے ساتھ یوں ملتے ہیں جیسے مجامعت کرنے والا مست چکور چاند کے گرد گھومتا ہے۔" (منتخب اللغات وصراح) (۱۳) نصائح ۸۳ میں ہے کہ حسان ابن ثابت نے ہندہ کی زنا کاری اپنے اشعار میں بیان کی، اور اسے آنحضرتؐ کو سنایا، حضرت خاموش رہے، اشعار ملاحظہ ہوں، دیوانِ حسان ص ۴۰-۶۰ میں (۱۴) ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے عقبہ کو مقامِ صفوریہ (شام) کا یہودی قرار فرمایا ہے (۱۵) نصائح کافیہ ص ۱۱۰ میں ہے کہ امیہ نے صفوریہ کی ایک یہودن لڑکی سے زنا کیا تھا جس سے ذکوان نامی لڑکا پیدا ہوا تھا، جس کی کنیت ابوعمرو مقرر کی گئی تھی، یہی ابوعمر عقبہ کا دادا تھا (۱۶) روض الانف اصابہ وکامل حلبی نے ذکوان کو غلامِ امیہ لکھا ہے (۱۷) آغانی ص ۴۸ جلد ۸ ترجمہ مسافر میں ہے کہ امیہ کے بعد ذکوان نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا (۱۸) آغانی ابوالفرج اصفہانی نصائح کافیہ حاشیہ ص ۸۴ تذکرہ سبط ابن جوزی میں ہے کہ اسی ابوعمرو کا بیٹا مسافر تھا جو سخاوت اور جمالی شعر گوئی میں مشہور تھا، ہندہ کا اس سے معاشقہ ہو گیا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی، جب حمل ظاہر ہوا تو اس نے مسافر سے کہا کہ تو کسی طرف چلا جا، چنانچہ وہ حیرہ کو چلا گیا، اس کے بعد ہندہ ابوسفیان کے تصرف میں آ گئی، جب مسافر کو پتہ لگا تو اس نے فراق میں جان دیدی، مسافر کے چلے جانے کے بعد ہندہ مقام اجیاد کی طرف چلی گئی اور وہیں بچہ جنا (۱۹) سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے ام حبیبہ خواہر معاویہ کو کہا قاتل اللہ ابنۃ الداھرۃ خدا ہلاک کرے دخترِ

زنا کار کو، امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے کہا کہ میں اس فرش کو جانتا ہوں جس پر تو پیدا ہوا ہے (چودہ ستارے صفحہ ۲۰۴، تا ۲۰۶ تالیف فخر العلماء الحاج مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی (پشاور) مطبوعہ امامیہ کتب خانہ مغل حویلی اندرونی موچی دروازہ لاہور ۸)

ان دو حوالوں کے بعد بنی امیہ کا ایک خاکہ ذہن میں بن جاتا ہے کہ ان کا کردار کیا تھا اس کردار کے ہوتے ہوئے یہ خود کو بنی ہاشم کی جگہ دیکھنا چاہتے تھے اس لئے ان کی اولین ترجیح یہ تھی کہ بنی ہاشم کی عزت وقوت کو ختم کیا جائے، اور ممکن ہو تو بنی ہاشم ہی کو ختم کیا جائے۔

ان حالات میں اسلام کا سورج طلوع ہوا، اور بنی ہاشم کے ایک شخص نے اعلان کیا کہ مجھے خدا نے پیغمبرؐ بنا کر تمہارے درمیان مبعوث کیا ہے، اس لئے تمام بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا پر اور مجھ پر ایمان لاؤ، بنی امیہ جو بت پرست تھے وہ چراغ پا ہوئے انہیں دوہرا غم تھا، ایک تو یہ کہ بت پرستی کی مخالفت کی آواز تھی، دوسرے یہ کہ صدا دینے والا بنی ہاشم سے تھا، اس پر طرّہ یہ کہ صدا دینے والے کا کردار اتنا مضبوط تھا کہ اس پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی تھی، ان کو یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ اس صدا پر لبیک کہنے والوں کا حلقہ جس روز وسیع ہو گیا تو بنی ہاشم ہم پر غالب آ جائیں گے، اس لئے انھوں نے تمام حربے جو مخالفت میں استعمال ہو سکتے تھے سب پر عمل کرنا شروع کیا، لیکن مسلمان روز بروز بڑھتے رہے۔

ان حالات سے یہ سخت پریشان تھے اور اپنے شکستہ دل کو تسلی دینے کے لئے یہ رسول کو ابتر کہہ کر خوش ہوتے کہ ان کے بعد تو ان کا مشن ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ ان کے اولاد نہیں ہے، لیکن ان سے پھر بھی صبر نہ ہوا اور انھوں نے ایک رات متحد ہو کر قتلِ رسول کا منصوبہ بنا لیا، رسولؐ ہجرت کر گئے اور اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو سُلا کر گئے صبح کو جب ان کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو ان کو یہ بھی خیال پریشان کر گیا کہ علیؑ ہی کی وجہ سے ہم دھوکا کھا گئے، اگر یہ بستر رسولؐ پر نہ ہوتے تو ہم رسولؐ کو رات ہی میں تلاش کر لیتے

،رسولؐ بخیریت مدینے پہونچے لیکن بنی امیہ مکّے میں رہتے ہوئے بھی انگاروں پر لوٹتے رہے جب برداشت نہ ہوا تو مدینے پر فوج کشی کردی، جس کے نتیجے میں بدر، احد، احزاب کی جنگیں ہوئیں، اوران جنگوں میں بنی امیہ شکست کھا گئے اور علیؑ کی تلوار نے بڑے بڑے اموی سرداروں کو قتل کردیا۔

ادھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی پیدائش ہوئی رسولؐ نے ان کو اپنا فرزند کہا اب بنی امیہ کا ابتر کا طعنہ تو ختم ہوا ہی انھیں یہ بھی احساس ہوگیا کہ رسولؐ کے مشن کو آگے بڑھانے والے آگئے ہیں۔

غور تو کیجئے کہ بنی امیہ کس ذہنی عذاب میں مبتلا تھے، رسولؐ کا مشن ترقی کر رہا ہے (۲) اس مشن کو آگے بڑھانے والے آگئے ہیں (۳) مشن کو آگے بڑھانے والوں کے والد نے ہمارے بڑے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے، یہ ابھی اسی عذاب ذہنی میں مبتلا تھے کہ فتح مکہ ہوگیا، اور بنی امیہ نے جان کے خوف سے اسلام قبول کیا، رسولؐ نے ان کے اسلام کو قبول نہ کیا اور ان کو مؤلفۃ القلوب میں رکھا، جس سے ظاہر ہوا کہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ استسلام کیا ہے، یعنی یہ کہ ہتھیار ڈال دئے ہیں ، سر نہیں جھکایا ہے، صرف اتنا ہی نہیں رسولؐ نے انھیں تا قیامت ذلیل کرنے والا ''خطاب ''طلقاء بھی ان کو دیدیا، جس سے ان کی ذلت میں بھرپور اضافہ ہوگیا۔

اب بنی امیہ اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے مسلمانوں میں خلط ملط ہو گئے، یہاں آئے تو انھیں احساس ہوا کہ مسلمانوں میں منافقین کا ایک ٹولہ موجود ہے جن کا مقصد بھی وہی ہے جو بنی امیہ کا ہے، ان لوگوں نے بھی معاہدہ کرلیا کہ نبوت اور خلافت دونوں بنی ہاشم میں نہ رہنے دیں گے، نبوت کی تو مجبوری ہوگئی لیکن اب نبی کا جانشین بنی ہاشم سے نہ ہوگا، بنی امیہ بھی ان لوگوں کے ساتھ مل گئے، ادھر رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی، ادھر منصوبے پر عملدرآمد کا وقت آگیا، ابھی بنی ہاشم کفن دفن رسولؐ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ معلوم ہوا کہ سقیفہ میں حکومت تشکیل دیدی گئی ہے۔

نئی حکومت کے لئے ضروری تھا کہ اپنے پاؤں مضبوط کرنے کے لئے اصل حقدار حکومت کو خوفزدہ کیا جائے، ممکن ہو تو قتل کیا جائے، ان کی جو عزت و توقیر مسلمانوں کے درمیان ہے اس کو ختم کیا جائے، ان کی معاشی حالت کو بگاڑا جائے تاکہ یہ نان و نفقہ کی فکر میں خیالِ حکومت دل میں نہ لاسکیں، چنانچہ سب سے پہلے تو رسولؐ کی بیٹی کے گھر میں آگ لگائی گئی، بنت رسولؐ کو مارا پیٹا گیا، رسولؐ کے داماد اور بھائی کے گلے میں رسّی ڈالی گئی، الختصر یہ کہ وہ تمام حرکات کی گئیں کہ یہ لوگ طیش میں آکر ایسا کچھ کر جائیں کہ ان کو قتل کیا جاسکے، لیکن وارثانِ رسولؐ کی فہم و فراست نے ان کو ایسا کچھ نہ کرنے دیا اور یہ لوگ محفوظ رہ گئے۔

بعد رسولؐ سقیفہ میں حکومت تشکیل دینے والے عرب میں باعزت تو نہ تھے اس پر ان کو حکومت مل گئی اس لئے جلد ہوش و حواس کھو بیٹھے اور ایسی حرکتیں کیں کہ صحابہ ان کے خلاف ہوگئے اور نوبت یہ آئی کہ ایک روز خود صحابہ نے سربراہِ مملکت کو گھیر کر قتل کردیا، اور حکومت پھر بنی ہاشم کے ہاتھ آگئی، اس اچانک تبدیلی پر وہ گروہ انگاروں پر لوٹنے لگا جن کا مقصد تھا کہ نبوت کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔

اب ہر طرف سازشیں شروع ہوئیں نتیجے میں جمل، صفین، نہروان کی جنگیں ہوئیں، ان جنگوں سے یہ مطلب حاصل نہ کرسکے تو پھر خفیہ سازش کے تحت رسولؐ کے پہلے حقیقی وارث کو قتل کرادیا گیا، پھر رسولؐ کے دوسرے وارث کو زہر دیدیا گیا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے رسولؐ کے تیسرے وارث نے محسوس کرلیا کہ ابتدائی دو وارثانِ رسولؐ کے قاتل عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں، صرف خواص جانتے ہیں کہ قاتل کون ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اگر جان دینی ہے تو اس طرح دی جائے کہ قاتل قیامت تک رُسوا رہیں۔

دوسری طرف بنی امیہ تھے، انھوں نے سازشیں کر کے امام حسن علیہ السلام کو صلح پر مجبور کردیا اور پھر پوری اسلامی دنیا کی بادشاہی حاصل کرلی، اب ان کی ایک تمنا تھی کہ اسلام کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے اور ابنی امیہ کا پیش کردہ اسلام باقی

یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ جب ہم کسی مصیبت میں پھنستے ہیں تو لوگوں کے پاس دوڑے جاتے ہیں، سیاسی لیڈروں سے سفارش کی درخواست کرتے ہیں، بیمار ہو جاتے ہیں تو فوراً ڈاکٹروں کی طرف دوڑتے ہیں سب کچھ کرتے ہیں لیکن کوئی نہیں جو مشکل کے وقت میں جائے نماز بچھا کر دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے مشکل آسان کرنے کی دعا کرے تصوّر کیجئے ایک شخص ہاتھ پیر بندھے ہونے کی حالت میں آگ میں گرنے والا ہے اور چند سیکنڈ کے بعد اس کی زندگی ختم ہوا چاہتی ہے اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائے گا، ایسے وقت میں جبرئیل علیہ السلام جیسا فرشتہ مدد کی پیشکش کرتا ہے لیکن وہ بے نیاز بندہ پھر بھی خدا پر توکّل کئے ہوئے ہے، امید ہے کہ آئندہ ہم بھی خدا پر بھروسہ کر کے اپنے امور انجام دیں گے۔ اسی چیز کو ہر نماز میں سورہ حمد میں بار بار دہرایا جاتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اپنی ہر مشکل میں پہلے خدا سے مدد طلب کیجئے پھر ظاہری اسباب اس مشکل سے نکلنے کے تلاش کیجئے، انشاء اللہ آپ خدا کی مدد سے کامیاب ہوں گے۔

### اب ہم پھر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہیں:-

آگ کے گلزار ہو جانے کے بعد نمرود کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہیبت بیٹھ گئی اور وہ ایذا دینے سے باز آیا، ایک روز نمرود نے اپنا لشکر جمع کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میں تمہارے خدا سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں، تمہارے خدا کا لشکر کہاں ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے خدا کا لشکر آیا چاہتا ہے دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر مچھر آئے کہ فضا تاریک ہوگئی اور یہ مچھر لشکر والوں کے سر اور ناک میں لپٹ گئے پورا لشکر دہشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور ایک کمزور مچھر (جو مچھروں میں کمزور تھا) نمرود کے دماغ میں گھس گیا اور اس کا دماغ کھانا شروع کر دیا، نمرود سخت بے چین ہوا جب اس کے سر پر مارا جاتا تو وہ مچھر خاموش رہتا تھا اور جیسے مارنا بند کرتے تھے مچھر کاٹنے لگتا تھا، مرتے دم تک نمرود کی یہی کیفیت رہی لیکن وہ ایمان پھر بھی نہ لایا۔

رہے تا کہ سیدھے سادے مسلمان خود کو مسلمان سمجھتے رہیں اور اصل اسلام سے دور رہیں ، اس کے لئے ضروری تھا کہ اصل وارثِ رسولؐ کو اور خاندانِ رسول کو اس طرح تاراج کیا جائے کہ ان کا کوئی نام لیوا نہ رہے ، اس منصوبے کے تحت یزید ملعون نے بیعت کے لئے امام حسین علیہ السلام پر اپنے گورنر کے ذریعہ دباؤ ڈالا ، اب امام پر زبردست ذمہ داری آپڑی ، اسلام کی آبرو بچانی ہے ، باطل کو بے نقاب کرنا ہے اس حالت میں کہ قوت وطاقت بھی نہ استعمال ہو نہیں تو باطل اس کو دو شہزادوں کی جنگ کہہ دے گا ، اس پروگرام کے لئے آپ نے مدینہ چھوڑا اور مکہ جو جائے امن وامان ہے وہاں سکونت اختیار کی۔

کوفہ دوسرے سقیفائی حاکم کا بسایا ہوا شہر ہے ، یہ سقیفائی فوجی چھاؤنی تھا یزید کے کارندوں نے امام کو مکّے سے نکالنے کے لئے بارہ ہزار خطوط امام کے پاس بھیجے کہ جلد تشریف لائیے ، ہم آپ کی اطاعت کریں گے ، آج سقیفائی یزیدی کارندوں کی حرکت چھپانے کے لئے کہتے ہیں کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو خط لکھ کر بلایا اور پھر قتل کر دیا ، تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دورِ معاویہ میں زیاد نے چن چن کر کوفہ میں شیعوں کو قتل کیا ان کی آنکھیں پھوڑ دیں ، ان کے گھر گرادئے ان کے سرکاری وظیفے جو جاری تھے وہ بند کر دئے ان کو سولی پر لٹکا دیا ، ان کو زندہ دفن کر دیا ان کی زبانیں کاٹ دیں ، ان کو ایسے تاریک قید خانوں میں رکھا کہ وہاں یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب آئی ، اس لئے کوفہ میں بارہ ہزار شیعوں کا وجود سقیفائی جھوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ، یہ خط لکھنے والے سب سقیفائی تھے مقصد یہ تھا کہ امام مکہ چھوڑ دیں کیونکہ مکّے میں ان کو اہل مکّہ کی حمایت ملنے کا خطرہ تھا ، کوفے میں امام کو گھیر کر قتل کرنا آسان تھا ، کیونکہ یہاں سب سقیفائی تھے ، امام نے مکہ چھوڑا اور حج کا زمانہ آگیا ، اب یزید کو فکر ہوئی کہ کہیں ایامِ حج میں امام حاجیوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلیں اس لئے اس نے حاجیوں کے بھیس میں قتلِ امامؑ کے لئے فوجی روانہ کر دئے امام کو حرمتِ حرم کو بھی باقی رکھنا تھا اور قاتل کو بے نقاب بھی کرنا تھا اور دین کی بقاء بھی پیشِ نظر تھی اس لئے آپ نے عین حج کے موقع پر حج کے احرام کو عمرے

سے بدلا اور مکہ چھوڑ دیا۔

امام کسی اور طرف بھی جا سکتے تھے لیکن آپ نے کوفے کا رُخ کیا تا کہ دنیا قیامت تک جان لے کہ سقیفائی کس طرح جھوٹ بولتے ہیں، آپ وہ خطوط لے کر روانہ ہوئے راہ میں حُر کا رسالہ ملا، اور آپ کربلا پہونچے، آپ نے لشکر یزید کے سامنے وہ خطوط رکھے جو انھوں نے بھیجے تھے نام لے لے کر لوگوں سے کہا یہ تمہارے خطوط ہیں، سب مکر گئے جبکہ یہ خطوط ان کے تحریری ثبوت تھے۔

بالآخر محرم کی نویں تاریخ کی شام کو یزیدی لشکر نے حملہ کر دیا پھر وہی مسئلہ سامنے تھا کہ اگر رات کو جنگ ہوئی تو قاتل پھر پردے میں رہ جائے گا، اس لئے آپ نے ایک رات کی مہلت عبادت کے لئے طلب کر لی، مہلت مل گئی، آپ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ عبادت اتنی اہم ہے کہ جب موت سر پر آ جائے تب بھی اگر مہلت لو تو عبادت کے لئے مہلت لو اور اپنے خدا سے راز و نیاز کرو۔

آج کے مومنین غور کریں کہ جو بغیر عبادت اور بغیر قربانی کے خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں، امام حسین علیہ السلام جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں وہ بھوک پیاس کے عالم میں بھی عبادت کے لئے مہلت طلب کرتے ہیں، تو پھر ہم گنہگاروں کے لئے کتنی ضروری ہے یہ عبادت، خدا ہم سب کو عبادت کی توفیق دے۔

صبح عاشور ہوئی، تین دن کے بھوکے پیاسوں نے وہ جنگ کی کہ دنیا آج تک ان کی بہادری اور شجاعت کے قصے سنا رہی ہے، عصر عاشور ہوتے ہوتے خاندانِ رسولؐ کے چاہنے والے اور خاندانِ رسولؐ کے چشم و چراغ ختم ہو گئے، باطل ہمیشہ کے لئے عریاں ہو گیا۔

اب سقیفائی کتنا ہی دینداری کا لبادہ اوڑھیں لیکن واقعۂ کربلا نے بتا دیا کہ ان کا دین اور ایمان کیا ہے اور یزید کا مقصد کیا تھا، چنانچہ روایت میں ہے کہ

"جب امام زین العابدین علیہ السلام کو بعد شہادتِ

امام حسینؑ قید کر کے دمشق لے جایا گیا تو ابراہیم بن طلحہ اپنے سر کو ڈھانپے محمل پر سوار سامنے آیا اور اس نے امام زین العابدین سے کہا: اے علی بتاؤ! کون غالب آیا؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر تجھے منظور ہے کہ معلوم کرے کون غالب آیا تو بوقت نماز اذان و اقامت کہہ اور دیکھ کس کا نام قیامت تک بلند رہے گا۔"

امامؑ نے جو جواب دیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ واقعۂ کربلا کس موضوع پر وقوع پذیر ہوا، اور نمائندہ باطل کا اس جواب پر خاموش ہو جانا ثبوت ہے کہ وہ بھی سمجھ گیا کہ واقعتاً یہی مقصد تھا اور اس میں یزید مکمل فیل رہا۔

واقعۂ کربلا میں موجود اور شریک دوسری ہستی رسولؐ کی نواسی حضرت علیؑ کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا تھیں، جب آپ کو سر برہنہ دربارِ یزید میں قید کر کے کھڑا کیا گیا اور یزید نے شراب اور فتح کے نشہ میں چور مارے خوشی کے امام حسین علیہ السلام کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنی شروع کی اور یہ اشعار پڑھے کہ

کاش کہ میرے بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے، اس وقت موجود ہوتے اور دیکھتے کہ قبیلۂ خزرج تلواروں کے پڑنے سے کس طرح چیخ اٹھا ہے تو یقیناً یہ دیکھ کر خوشی سے وہ چلا اٹھتے میں خندف سے نہ ہوں گا، اگر احمدؐ کے عمل کا ان کی اولاد سے انتقام نہ لے لوں۔

یہ سن کر علیؑ کی شیر دل بیٹی کو جلال آ گیا، آپ کھڑی ہو گئیں، اس حالت میں کہ آپ سر برہنہ تھیں اور رسن بستہ تھیں، آپ نے پہلے تو حمدِ خدا کی اور شکرِ خدا کیا اور پیغمبرؐ اور اہل البیتِ پیغمبر پر درود بھیجا پھر آپ نے فرمایا:

..........اے آزاد شدگان کے فرزند! تیرے ترکش میں جتنے تیر ہوں اُن کو آزما لے اور ہم پر ظلم و ستم ڈھانے کی پوری کوشش کر لے، خدا کی قسم! تو رہتی دنیا تک نہ ہمارا ذکر مٹا سکے

گا، نہ ہماری شریعت کو باطل کر سکے گا بلکہ رہتی دنیا تک یہ سانحہ تیرے لئے کلنک کا ٹیکہ بن کر رہ جائے گا، جو تیرے چھپائے نہ چھپے گا.......

(جناب زینب کا یہ خطبہ بڑا طویل ہے لیکن یہاں پر احقر نے بس وہ حصہ نقل کیا ہے جس سے واقعۂ کربلا کے مقصد پر روشنی پڑتی ہے)

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی اس گفتگو نے بھی واضح کر دیا کہ یزید کا منشاء کیا تھا اور جناب زینب سلام اللہ علیہا کے چیلنج (نہ ہمارا ذکر مٹا سکے گا اور نہ ہماری شریعت کو باطل کر سکے گا) نے واضح کر دیا کہ کربلا کے واقعے میں یزید کا مقصد اسلام کو مٹانا تھا اور امام کا مقصد اسلام کو بچانا تھا، آج دنیا میں اذان کا وجود اعلان کر رہا ہے کہ یزید ہار گیا اور اسلام باقی ہے، اس لئے امام کی فتح ہوئی۔

آج جب محرّم کا چاند طلوع ہوتا ہے اور شیعہ عزاداری امام حسینؑ کا اہتمام کرتے ہیں تو فوراً سقیفائی فتوؤں کی مشین گنوں سے حرام حرام بدعت بدعت کی گولیاں برسنے لگتی ہیں جو ثبوت ہے کہ سقیفائی تذکرہ شہادت سے گھبراتے ہیں، کیونکہ یہ عریاں ہو جاتے ہیں گذشتہ صفحات میں (تذکرہ امام حسن علیہ السلام میں) اشعث خاندان کی قتل معصومینؑ میں شمولیت اور اس خاندان کا پہلے سقیفائی حاکم سے رشتہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ تاراجِ خاندانِ رسالت کے تار سقیفہ تک پہونچتے ہیں اسی لئے تو سقیفائیوں کا فتویٰ ہے کہ ذکرِ قتلِ حسین سے بغض صحابہ پیدا ہوتا ہے۔ (الصواعق المحرقہ ۲۳۹)

# صلح اور جنگ

امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی اور امام حسین علیہ السلام نے فوج پاس نہ ہوتے ہوئے بھی یزید سے جنگ کی اس کی کیا وجہ ہے، اس موقع پر سقیفائی کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی اس کا مطلب واضح ہے کہ معاویہ برحق

تھا، کبھی یہ کہتے ہیں کہ دونوں بھائیوں کے مزاج میں فرق تھا کبھی یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا، کبھی کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے جمی جمائی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے غلط کیا وغیرہ وغیرہ۔

اس موضوع پر علماء شیعہ نے سقیفائیوں کو بڑے مفصل جواب دئے ہیں لیکن میں یہاں عام مومنین کو سمجھانے کے لئے چند باتیں عرض کروں گا۔

امام حسن علیہ السلام سے صلح کی پیش کش کی گئی تھی، امام حسن علیہ السلام نے مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچانے کے لئے صلح کی، جبکہ امام حسین علیہ السلام سے صلح کی پیش کش نہیں کی گئی تھی، امام حسن علیہ السلام سے قبل حضرت علی علیہ السلام بھی جمل، صفین، نہروان میں جنگ ٹالنے کی کوشش کر چکے تھے، جب وہ لوگ نہ مانے تب مجبوراً حضرت علی علیہ السلام نے جنگ کی تھی۔

امام حسن علیہ السلام سے بیعت کا سوال نہیں کیا گیا تھا، اگر بیعت کا سوال معاویہ کر لیتا تو کربلا کا نقشہ امام حسن علیہ السلام کی زندگی ہی میں نظر آ جاتا۔

معاویہ جھوٹ بولنے میں، حدیث تیار کرنے میں، رشوت دینے میں ایمان خریدنے میں خفیہ قتل کرانے میں سازشیں کرنے میں، بدامنی پھیلانے میں ماہر تھا، یہ سب چیزیں آج تاریخ میں موجود ہیں، جو معاویہ نے دورِ حضرت علی علیہ السلام میں کیں، اب اگر امام حسن علیہ السلام صلح نہ کرتے تو معاویہ ہر وہ ہتھکنڈہ اپناتا جس سے مسلمانوں کا اور اسلام کا نقصان ہوتا اور امام حسن علیہ السلام اس طرح قتل ہو جاتے کہ یہ پتہ ہی نہ چلتا کہ قاتل کون ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے صلح کر کے معاویہ کو یہ کھیل کھل کر کھیلنے کا موقع دیا آج تاریخ میں وہ تمام حرکات معاویہ کی موجود ہیں، جن کا مختصر تذکرہ میں نے ابھی اوپر کیا اور امام حسن علیہ السلام کے قتل میں معاویہ شامل ہے اس کے ثبوت آج چودہ سو سال بعد بھی تاریخ میں موجود ہیں، اور معاویہ نے جس طرح علی الاعلان دورانِ تقریر کہا کہ تمام معاہدہ میرے پاؤں کے نیچے ہے اس سے اس کی وعدہ خلافی بھی واضح ہے، اس کے بعد

اگر کوئی مسلمان معاویہ کو مسلمان کہے تو ہر صاحبِ ایمان کو حق ہے کہ اس سے سوال کرے کہ ایسے غیر اسلامی کردار والے کو تم کیوں مسلمان کہہ رہے ہو؟ اگر امام حسن علیہ السلام صلح نہ کرتے تو معاویہ کا کردار نظروں کے سامنے نہ آتا۔

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے تقریباً دس سال بعد معاویہ کی موت ہوئی اس طویل مدّت میں امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی صلح کے پیش نظر معاویہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جو ثبوت ہے کہ امام حسین علیہ السلام صلح پسند تھے۔

امام حسین علیہ السلام سے جب مدینے میں بیعت کا مطالبہ کیا گیا اور بیعت نہ کرنے پر سر کاٹنے کی بات کہی گئی تب امام نے مدینہ چھوڑا اور مکہ روانہ ہو گئے اور تقریباً چھ ماہ مکّے میں پر سکون زندگی گذاری اور جب وہاں بھی قاتلین حاجیوں کے بھیس میں آگئے تب مجبوراً امام حسین علیہ السلام نے مکہ چھوڑا، جو ثبوت ہے کہ امام قتال سے بچنا چاہتے تھے لیکن جب بالکل مجبور ہو گئے اس وقت آپ نے اس حالت میں تلوار اٹھائی جب تین دن سے بھوک، پیاس برداشت کرتے رہے لیکن تلوار پھر بھی نہ اٹھائی جب وہ لوگ ظلم کرتے کرتے تھک گئے اور قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے تب امام حسین علیہ السلام نے تلوار اٹھائی، ان تمام واقعات سے ثابت ہے کہ تمام شرارت یزیدیوں کی طرف سے تھی، امام بالکل بے خطا تھے اس لئے یزید پر ہی تمام الزامات عائد ہوتے ہیں، اس طرح ثابت ہوا کہ امام حسینؑ کا اقدام تمام دُور رَس نتائج کا حامل تھا اور یزیدی اقدام ظلم و بربریت کے ساتھ مکمل ناعاقبت اندیشی پر مشتمل تھا۔

امام حسین علیہ السلام کا اقدام اتنا مضبوط تھا کہ اس کے بعد بقیہ ائمہ طاہرینؑ سے اموی اور عباسی حکمراں بیعت کا سوال نہ کر سکے، ظلم وجور تو ائمہ پر روا رکھا گیا ان کو قید کیا گیا لیکن بیعت کا سوال کرنے کی ہمت ان میں نہ ہوئی۔

المختصر یہ کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا اپنے اپنے وقت میں اٹھایا گیا قدم اتنا کارگری تھا کہ باطل عریاں ہو گیا، آج چودہ سو سال گذرنے کے بعد

بھی سقیفائی معاویہ ویزید کی حمایت میں تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں لیکن بات وہیں ہے جہاں تھی۔

رہا یہ کہنا کہ امام نے جمی جمائی حکومت کے خلاف بغاوت کی بالکل غلط ہے، امامؑ تو اپنے نانا کی قبر پر خاموش مجاور کی طرح زندگی گذار رہے تھے حکومت نے ان کو ستانا شروع کیا تو آپ نے مدینہ چھوڑ دیا اور مکہ پہونچ گئے، جب مکے میں بھی حکومت کی دست درازی دیکھی تو مجبوراً مکہ بھی چھوڑ دیا اور پھر حُر کا رسالہ امامؑ کو گھیر کر کربلا لایا آپ نے فرات کے کنارے خیمے نصب کئے، یزیدی لشکر نے پھر دست درازی کی اور خیام لب دریا سے ہٹوادئے امام نے کربلا پہونچ کر ۱۶ مربع میل زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی ، بالفاظ دیگر امام اپنی خریدی ہوئی زمین پر قیام پذیر ہوئے لشکر یزید امام کی زمین پر آکر بغیر اجازت ٹھہر گیا، غلطی اور ظلم لشکر یزید کی طرف سے ہوا، امام کی طرف سے کوئی ابتدائی کارروائی نہیں ہوئی ،اس لئے امام پر بغاوت کا الزام لگانا سقیفہ بندی ہے اور سقیفائیوں کا قدیم شیوہ ہے۔

**کربلا میں شہید اصحابِ رسولؐ** : اہل سنت کی مشہور کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں صحابہ سے متعلق یہ عبارت موجود ہے کہ

> ''آنحضورؐ کے صحابہ ایک ایسی جماعت ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے شریعت کی حفاظت اور اپنے نبیؐ کی نصرت کے لئے چن لیا ہے اور انھیں آپ کی سنت کا امین قرار دیا ہے اور ان کے دِلوں کو اخلاص سے بھر دیا ہے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے راہِ خدا میں خود کو قربان کر دیا دیا انھوں نے جنگیں کیں قتل ہوئے مالوں کو خرچ کیا اور ہجرت کی ..........(صفحہ ۲۲)

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ کربلا میں صحابہ موجود تھے یا نہیں ،اختصار کی وجہ سے ہم صرف

مشہور ناموں پر اکتفا کریں گے، ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ کربلا میں اصحابِ رسولؐ نے امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی میں جامِ شہادت نوش کیا ہے۔

(۱) فخرِ صحابہ حضرت امام حسین علیہ السلام (آپ نواسۂ رسول بھی ہیں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور صحابیِ رسول بھی ہیں)

(۲) حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی (آپ طویل العمر صحابی رسولؐ ہیں اور کربلا میں شہید ہوئے)

(۳) حضرت زاہر بن عمر اسلمی کندی (آپ صحابیِ رسولؐ ہیں، بیعت رضوان کے شرف سے مشرف ہیں، کربلا میں شہد ہوئے)

(۴) حضرت شبیب بن عبداللہ (صحابیِ رسولؐ ہیں جنگ جمل، صفین، نہروان میں شریک رہے، کربلا میں شہید ہوئے)

(۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالرّب انصاری خزرجی (صحابیِ رسولؐ ہیں حضرت علیؑ کے شیدائی تھے کربلا میں شہید ہوئے)

(۶) حضرت مسلم بن کثیر صدفی ازدی (صحابیِ رسولؐ ہیں، جنگ جمل میں زخمی ہوئے کربلا میں شہید ہوئے)

(۷) حضرت جنادہ بن حارث سلمانی (صحابیِ رسولؐ ہیں جنگ صفین میں شریک ہوئے کربلا میں شہید ہوئے)

(۸) حضرت انس بن حارث اسدی (صحابیِ رسولؐ ہیں، کربلا میں سو سال سے زائد عمر تھی پھر بھی جہاد کیا اور شہید ہوئے)

(۹) حضرت جابر بن عروہ غفاری (صحابیِ رسولؐ ہیں، مدینے سے امام کے ساتھ رہے، ایک سو تیس برس کی عمر میں کربلا میں شہید ہوئے)

(۱۰) حضرت ہانی بن عروہ مذحجی (صحابیِ رسولؐ ہیں، حضرت مسلمؑ کی حمایت میں شہید کر دیئے گئے، کوفے میں ان کی لاش حضرت مسلم کی لاش کے ساتھ

بازاروں میں کھینچی گئی)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن یقطر قاصد امام حسینؑ (صحابیٔ رسولؐ ہیں، امام کا خط لیکر کوفے جارہے تھے نخیلہ کے مقام پر گرفتار ہوئے اور شہید کردیئے گئے۔

(۱۲) حضرت حبیب بن مظاہر اسدی (صحابیٔ رسولؐ ہیں، کربلا میں شہید ہوئے)

(۱۳) بریر ہمدانی (قاری قرآن تھے، صحابیٔ رسولؐ ہیں، بعض کہتے ہیں تابعی ہیں یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے)

(۱۴) حضرت عمار بن ابی سلامہ دالانی (صحابیٔ رسول ہیں، جمل، صفین، نہروان میں شریک ہوئے، کربلا میں شہید ہوئے)

یہ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں کہ نواسۂ رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کو قتل کرنے والے افراد کے لئے فیصلہ کریں کہ وہ جہنم میں جائیں گے یا نہیں، اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو آپ مسلمان ہیں اور اگر جواب نفی میں ہے تو یاد رکھئے کہ آپ مسلمان نہیں خواہ آپ زبان سے خود کو مسلمان کہتے رہیں، یہیں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آج جو یزید کو مسلمان کہنے کی تحریک چل رہی ہے وہ کون ہیں اور ان کا کیا مقصد ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے اصحاب رسولؐ سقیفائیوں سے منسلک نہ تھے اور جو صحابہ یزید کے لشکر میں تھے اور نواسۂ رسولؐ کے قتل میں شریک تھے، وہ سب کے سب سقیفائی تھے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قتلِ حسین سقیفہ میں ہوا تھا۔

## تبلیغ دین اور امام حسین علیہ السلام

معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں فرمان جاری کیا کہ ہر وہ شخص معاویہ کے عہد وامان سے خارج ہے جو علیؑ اور ان کے اہل البیت کے مناقب میں کوئی حدیث بیان کرے اور ہر خطیب جو منبر پر جائے وہ علیؑ پر لعنت کرے اور اہل بیتؑ پر بھی لعنت کرے، معاویہ نے اپنے عمال کو ہدایت کی کہ علیؑ کے دوستوں اور طرفداروں کی اچھی طرح چھان

بین کرواوران کے نام وظائف وعطیات لینے والوں کی فہرست سے کاٹ دواور جس میں بھی محبت علیؑ پاؤ اگر چہ پورے طور پر بھی ثابت نہ ہو، پھر بھی اس کو قتل کردواوراس کا سرتن سے جدا کردو، کسی شیعہ کی گواہی قبول نہ کی جائے اور جولوگ عثمان کے فضائل بیان کریں ان کو اپنا مقرب بناؤ، اوراس کا نام مجھے لکھ بھیجو تا کہ میں اس کو انعام دوں، پھر کیا تھا دنیا زدہ لوگوں نے فضائل عثمان میں حدیثیں تیار کیں اور انعام و خلعتیں حاصل کیں، پھر معاویہ نے اپنے عُمال کو لکھا کہ عثمان کے حق میں بہت زیادہ احادیث تیار ہوگئیں اور تمام شہروں میں پھیل چکی ہیں اب لوگوں کو ترغیب دو کہ میرے متعلق احادیث گھڑیں کیونکہ یہ چیز مجھے بہت پسند ہے، جب معاویہ کے لئے احادیث بے شمار تیار ہوگئیں تو پھر معاویہ کے حکم سے ابوبکر اور عمر کے لئے احادیث تیار کی گئیں، ان گھڑی ہوئی حدیثوں کو منبروں سے بیان کیا جاتا، مدرسین بچوں کو پڑھاتے قرآن کی طرح عورتوں اور لڑکیوں کو یہ گھڑی ہوئی حدیثیں پڑھائی جاتیں، المختصر یہ کہ حق دب گیا اور باطل چہار طرف پھیل گیا خطرہ یہ پیدا ہوا کہ اگر یوں ہی رہا تو سیدھے سادے مسلمان ان گھڑی ہوئی احادیث کو حق سمجھنے لگیں گے اور وہ صحیح احادیث مشتبہ ہوجائیں گی جن سے معاویہ کے گروہ کی حقیقت آشکار ہوتی ہے۔

اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام معاویہ کی موت سے ایک سال قبل حج کے لئے مکہ آئے، امام حسینؑ کے ساتھ عبداللہ بن جعفر، عبداللہ، ابن عباس اور بنی ہاشم کے مرد عورتیں آپ کے شیعوں کا ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ تھا، صحابہ اور تابعین میں سے جولوگ نیکی اور پرہیزگاری میں مشہور تھے جن تک آپ کی دسترس ہوسکی سب کو بلایا، ان تمام افراد کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، ایک دن آپ نے مقام منیٰ میں ان سب کو جمع کیا اور کہا کہ

معاویہ نے سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر ہمارے ساتھ اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے تم نے اس سب کو آنکھوں سے دیکھا ہے اور تمہیں خبر ملی ہے، اور تم نے سنا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ تم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کروں

غور کیجئے مچھر کمزور ترین مخلوق ہے اس کے جسم میں ہڈی بھی نہیں ہوتی ہے اگر خدا چاہے تو نافرمانوں پر مچھر مسلط کر کے شدید ایذا میں مبتلا کر سکتا ہے، اس کے بعد بھی ہم نافرمانیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں اور خدا کے عذاب سے بے پرواہ ہیں، اب بھی وقت ہے کہ اپنی اصلاح کر لیں اور حرام کاموں سے بچیں اور واجبات ادا کریں۔

نمرود نے عاجز آ کر حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ آپ ہمارے یہاں سے چلے جائیں حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں بھی تم پر حجت تمام کر چکا ہوں، اس لئے اب یہاں سے چلا جاتا ہوں، پس حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام (جو حضرت سارہؑ کے بھائی تھے) کو لے کر نکل گئے، بعد میں آپ کو یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو خداوند عالم نے ایک قوم کی طرف بھیجا کہ ان کی ہدایت کریں ،حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اغلام بازی جیسے عظیم گناہ میں مبتلا تھی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا لیکن یہ لوگ نہ مانے، مایوس ہو کر حضرت لوط علیہ السلام نے بددعا کر دی، اور ان پر اللہ نے پتھروں کی بارش کر دی، جس سے پوری قوم ہلاک ہوگئی، ہر پتھر پر ہر شخص کا نام لکھا تھا اور وہ پتھر اسی شخص کو لگتا تھا۔

موجودہ دور میں ہم جنسی کو قانونی شکل دی جارہی ہے وہ تمام برائیاں جو گذشتہ اقوام میں تھیں وہ سب رونما ہو رہی ہیں، اللہ ہم سب کو برائیوں سے محفوظ رکھے اور اپنے عذاب سے بچائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوسرے بادشاہ کی مملکت میں پہونچے تو بادشاہ نے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی طرف بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ شل ہوگیا، تو اس نے توبہ کی تب حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی اور اس کا ہاتھ ٹھیک ہوا، اس واقعے کے بعد بادشاہ کو حضرت ابراہیمؑ کی اہمیت کا احساس ہوا، اس نے حضرت سارہؑ کو تحفے میں حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو دیا کہ وہ حضرت سارہؑ کی خدمت کریں۔

جب حضرت ابراہیمؑ رخصت ہونے لگے تو بادشاہ ان کو رخصت کرنے

اگر سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا ورنہ میری تکذیب کرنا، سنو میں کیا کہتا ہوں میری باتوں کو یاد رکھو اور جب اپنے شہروں میں واپس جاؤ تو جن لوگوں پر تمہیں اعتماد ہو ان سے یہ باتیں بیان کرو مجھے ڈر ہے، کہ کہیں دین خدا مٹ نہ جائے اور حکم حق مجہول نہ ہو جائے حالانکہ خدا اپنے نور کو روشن رکھے گا، اور کافروں کے جگر بند کو آگ میں ڈالے گا۔

اس کے بعد آپ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ایک ایک فضیلت بیان کی اور وہ آیات جو حضرت علیؑ اور اہل البیتؑ کے متعلق نازل ہوئی ہیں سب بیان کیں تمام موجود افراد نے ان کی تصدیق کی، تمام صحابہ نے کہا ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپ نے کہا ہے ہم نے سنا اور ہم موجود تھے اور تابعین نے کہا ہم نے بھی سنا اور جن صحابہ نے ہم سے روایت کی ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں، پھر آخر میں امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب اپنے شہروں میں واپس جاؤ تو جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ان اشخاص کے سامنے نقل کرو کہ جن پر تمہیں اعتماد ہو۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے خطبہ ختم کیا اور لوگ متفرق ہو گئے۔

آج بھی وہی صورتِ حال ہے، اخبارات و رسائل میں برہنہ عورتوں کی تصویریں، ہیجان انگیز اشتہارات، فلموں میں اور ٹی وی اور انٹرنیٹ پر آوارگی کی دعوت دینے والے مناظر فیشن کے نام پر عریانیت، ترقی کے نام پر بے دینی آمدنی کے نام پر ناجائز کمائی نے دین کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے اور دین صرف زبانوں پر اور کتابوں میں رہ گیا ہے، اس پر طرہ یہ کہ وہابیت یہودیت، عیسائیت شیعوں کے ایمان و عقیدہ کو بگاڑنے پر سرگرم ہیں، روز نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں، اگر یہی حالات رہے تو ڈر ہے کہ دینِ خدا مٹ جائے، اس لئے آج تمام مومنین کی ذمہ داری ہے کہ سیرت امام حسین علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے تبلیغ دین کے لئے آگے آئیں، دینی کتابیں خرید کر لوگوں کو پڑھنے کے لئے تقسیم کریں خود بھی پڑھیں دین پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو عمل کے لئے کہیں بائی

مجلس کو چاہئے کہ ذاکرین کو مجبور کریں کہ بے سر پیر کے نکتے پڑھنے کے بجائے منبر سے وعظ و نصیحت کریں دین پر ہوئے غیر مسلموں کے غیر شیعوں کے اعتراضات کے جواب سنجیدہ اور شریفانہ ڈھنگ سے مدلّل انداز میں دیں، اس طرح کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، امن وامان برقرار رہے، اتحاد و یگانگت کا درس منبروں سے دیں، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو کل قیامت میں اس تساہلی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، خدا ہم سب کو آخرت کے خسارے سے بچائے آمین۔

اصلاحِ قوم سے متعلق میری تحریریں ثنا پبلشرز غازی پور ڈاکخانہ گوگوان ضلع شاملی پن ۲۴۷۷۷۳ نے شائع کی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حق آ گیا قیمت -/40 (۲) باطل مٹ گیا قیمت -/45 (۳) معصومینؑ کے شب و روز (اُردو) قیمت -/30 (۴) معصومینؑ کے شب و روز ہندی قیمت -/35

(۵) عجیب منطق -/35 (۶) نصابِ مجالس قیمت -/100

مناظرے سے متعلق میری درج ذیل کتابیں ثنا پبلشرز نے شائع کی ہیں

(۱) انحراف قیمت -/30 (۲) اُم المومنین عائشہ -/70 (۳) شہید کربلا کا دفاع قیمت -/50 (۴) فتح مبین قیمت -/45 (۵) یہ ہیں صحابہ قیمت -/45

(۶) موجودہ دور کا معرکۂ صفین قیمت -/40، (۷) اور جواب نہیں آیا قیمت -/22

## واقعۂ کربلا کا اثر اسلام اور مسلمانوں پر

واقعۂ کربلا رونما ہوا اور ختم ہو گیا لیکن اپنے دور رس نتائج اس طرح چھوڑے کہ واقعۂ کربلا قیامت تک کے لئے مشعلِ راہ ہو گیا۔

دوسری طرف یزیدی فکر پر واقعۂ کربلا نے اتنی کاری ضرب لگائی کہ یزیدیوں کی بلبلاہٹ آج تک سنی جا رہی ہے، محرّم کا چاند نمودار ہوتے ہی یزیدی خیمے میں کرب و بلبلاہٹ سنائی دینے لگتی ہے فتوؤں کی مشین گنیں چلنے لگتی ہیں حرام اور بدعت کے فتوے

فضا میں گونجنے لگتے ہیں، لمبی داڑھی والے تقریریں کرتے نظر آتے ہیں کہ کربلا میں جان دینے کا کیا فائدہ ہوا؟ یزیدی حکومت تو پھر بھی باقی رہی، اس مکروہ پروپیگنڈہ کے جواب میں یہاں پر مختصر طور پر لکھوں گا، کہ کربلا کے اقدام سے اسلام اور مسلمانوں پر کیا اثر پڑا، ملاحظہ فرمائیے

کربلا کی عظیم قربانی سے پہلے سقیفائی حکمراں جو چاہتے تھے اسلام میں داخل کر دیتے تھے اور جب چاہتے تھے اسلام کے حکم سے لوگوں کو منع کر دیتے تھے اوران کے ماننے والے ان انحرافات پر عمل کرتے تھے اوراس کو اسلام کا حکم سمجھایا جاتا تھا۔ مثلاً

باجماعت تراویح دورِ رسول میں نہیں تھی سقیفائی حاکم نے اس کو جاری کیا آج تراویح کے فضائل کے متعلق سقیفائی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

ایک نشست میں تین طلاق خلافِ قرآن ہے لیکن آج سقیفائیوں میں رائج ہے کیونکہ اس کو سقیفائی حاکم نے جاری کیا آج سقیفائیوں میں اس پر سختی سے عمل ہوتا ہے، متعہ کا حکم قرآن میں موجود ہے سقیفائی حاکم نے اس کرحرام کر دیا آج تک سقیفائیوں میں متعہ کو حرام کہا جاتا ہے، اور متعہ کو جائز کہنے والوں کو طعنے دئے جاتے ہیں، سقیفائی حاکم نے اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کر دیا، سقیفائیوں کی اذان میں یہ آج تک رائج ہے۔

سقیفائی حاکم نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی چوری کی اس دور کے مدینے کے صحابہ نے کہا معاویہ نے نماز میں چوری کی لیکن سقیفائیوں میں آج تک نماز میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم غائب ہے، اوراس کے غائب ہونے کی دلیل میں آج تک سقیفائیوں کے یہاں احادیث موجود ہیں۔

سقیفائی نمائندے نے واقعۂ تحکیم میں علی الاعلان دھوکہ دیا آج تک سقیفائی اس دھوکہ کا تذکرہ کرتے لیکن اس کی مذمت نہیں کرتے ہیں آخرت میں اس دھوکے پر کیا سزا ملے گی اس کا ذکر بھی نہیں کرتے اس دھوکہ سے معاویہ نے جو حکومت حاصل کی وہ سراسر ناجائز تھی اس کا اقرار سقیفائی آج تک نہیں کرتے ہیں

ابتدائی تین سقیفائی حکمرانوں کے دور میں نماز میں اتنی تبدیلی ہو چکی تھی کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو حکومت ملی اور آپ نے نماز پڑھائی تو بعد نماز صحابی پکار اٹھے کہ آج رسولؐ کی نماز یاد آ گئی۔ (بخاری)

سقیفائی حاکم نے خمس کو اہل البیتؑ کو دینے سے منع کیا آج سقیفائی فقہ سے خمس غائب ہو چکا ہے، جبکہ خمس قرآن میں آج بھی موجود ہے، اسی طرح معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھائی لیکن کربلا کے بعد آج سقیفائی جمعہ کی نماز بدھ کے دن نہیں پڑھیں گے جو ثبوت ہے کہ کربلا نے دین کو بچا لیا۔

المختصر یہ کہ ایسے دیگر امور اور بھی ہیں جو آج سقیفائی حکمرانوں کی وجہ سے سقیفائی فقہ میں موجود ہیں اور دین کا حکم سمجھے جاتے ہیں لیکن واقعۂ کربلا کے بعد سے سقیفائی حکمراں کچھ بھی کرتے رہے لیکن وہ دین کا حکم نہ بن سکا اور نہ پھر حکمرانوں کی ہمت ہوئی کہ دین میں حسبِ مرضی تبدیلی کر سکیں، کربلا کی قربانی کا پہلا اثر یہ ہوا کہ دین محفوظ ہو گیا۔

**کربلا کی قربانی کا اثر مسلمانوں پر یہ پڑا:** توابین کا ایک گروہ تیار ہو گیا اور اس نے جان لیا کہ یزید کی حکومت ناجائز ہے ہمیں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا چاہئے تھا اس لئے یہ لوگ تلوار لیکر کھڑے ہو گئے اور انھوں نے یزیدی لشکر سے قتال شروع کر دیا، اور سب کے سب شہید ہو گئے لیکن یزیدی لشکر سے بیعت ہرگز نہ کی۔

کربلا کی قربانی کا اثر مدینے میں یہ ہوا کہ اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کر دی جس کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے۔

کربلا کی قربانی کا اثر یہ ہوا کہ خود یزید کا بیٹا حکومت سے بیزار ہو گیا اور اس نے تختِ حکومت کو لات مار دی۔

کربلا کی قربانی کا اثر آج سقیفائیوں میں بھی اتنا ہے کہ اگر کوئی حاکم یا کوئی مفتی دین میں تبدیلی کا خواہاں ہو تو سقیفائی اس کو قبول نہیں کریں گے جبکہ کل تک یہ لوگ اپنے حاکموں کے ذریعہ دین میں تبدیلی کو برداشت کر رہے تھے اور اس کو قبول بھی کر رہے تھے۔

# حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چوتھے معصوم جانشین ہیں، آپ نانیہالی رشتہ سے نوشیروان عادل کے نواسے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پوتے ہیں، اور افضل التابعین ہیں، آپ کے بہت سے القاب ہیں ان میں سب سے زیادہ زین العابدین مشہور ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت مین منادی ندا کرے گا کہ زین العابدین کہاں ہیں؟ گویا میں دیکھ رہا ہوں اپنے فرزند علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام اہل محشر کی صفوں کو چیرتے اور جھومتے ہوئے گذر رہے ہیں۔

ایک دن خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز کے قریب امام زین العابدین علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے، خلیفۂ وقت کے چہار طرف ہوا خواہوں کا مجمع تھا اس وقت عمر بن عبدالعزیز نے مجمع سے دریافت کیا کہ بتاؤ دنیا بھر میں اشرف الناس کون ہے؟

لوگوں نے کہا آپ ہیں خلیفہ صاحب۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہرگز نہیں، درحقیقت اشرف الناس یہ ہیں جو اس وقت میرے قریب کھڑے ہیں، اس لئے کہ لوگوں کی تمنا ہے کہ کاش ہم ان کے خاندان میں ہوتے، انھیں اس کی تمنا نہیں کی یہ کسی اور کے خاندان سے ہوتے۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے فرزندوں میں سب سے بڑے جناب محمد حنفیہ تھے، بعض افراد ان کی امامت کے قائل ہوگئے، یہ سوچتے ہوئے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند یہی ہیں، یہ صورتِ حال بڑی تشویشناک تھی اس کا تدارک کیا جانا ضروری تھا، اس وقت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے چچا محمد حنفیہ کو پیغام بھجوایا کہ چچا جان خوفِ خدا کیجئے اور ایسا دعویٰ نہ کیجئے جو آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم حجرِ اسود کو ثالث مقرر کرلیں حجرِ اسود جس کی امامت کی گواہی دے وہی امام ہے، محمد حنفیہ بھی لوگوں کے شکوک دور کرنا چاہتے تھے

انھوں نے یہ شرط منظور کر لی اور دونوں حضرات حجر اسود کے پاس تشریف لے گئے، پہلے جناب محمد حنفیہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی اور اس کے بعد حجر اسود سے اپنی امامت سے متعلق گواہی کے لئے کہا لیکن ادھر سے کوئی جواب نہ ملا، اس کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھی اور پھر حجر اسود سے گواہی کے لئے کہا تو حجر اسود واضح کھلی عربی زبان میں گویا ہوا کہ:

> اے علی ابن علی ابی طالبؑ کے فرزند محمد (حنفیہ) امامت علی ابن الحسین علیہ السلام کا حق ہے وہی جن کی اطاعت آپ پر فرض ہے، آپ کے ساتھ اللہ کی ساری مخلوق پر ان کی اطاعت لازم وواجب ہے۔

یہ سن کر جناب محمد حنفیہ نے امام سے کہا کہ یہ منصب آپ ہی کا حق ہے اور آپ نے امام زین العابدین علیہ السلام کی نہایت تعظیم کی۔

امام زین العابدین علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے تھے لیکن کھانا نہ کھاتے تھے تو کسی شخص نے امام سے پوچھا کہ اے فرزند رسولؐ! آپ تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ نیک وصالح اور بہترین صلۂ رحم کرنے والے ہیں پھر آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھاتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میرا ہاتھ اس کھانے کی چیز کی طرف بڑھے جس کی طرف میری والدہ نے ہاتھ بڑھانے کا ارادہ بھی کیا ہو۔

☆ایک شخص نے آپ کی کنیز سے آپ کا حال دریافت کیا تو کنیز نے کہا کہ مختصر بتاؤں یا تفصیل سے بتاؤں؟

اس شخص نے کہا مختصر ہی بتاؤ۔

کنیز نے کہا میں نے دن کا کھانا کبھی امام علیہ السلام کے سامنے نہیں رکھا اور رات کو آپ کے لئے کبھی بستر نہیں بچھایا۔

☆ امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو آواز دی اس نے کوئی جواب نہ دیا، امامؑ نے بارِ دیگر پکارا اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا، امامؑ نے اس کو تیسری مرتبہ پکارا تو اس نے جواب دیا، امامؑ نے اس سے فرمایا کہ اے لڑکے کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟

اس نے کہا سنی تھی

امامؑ نے فرمایا کہ پھر تم نے جواب کیوں نہ دیا؟

اس نے کہا میں آپ کے غصے سے بے خوف تھا اس لئے جواب نہ دیا۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا کہ اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے میرے غلام کو مجھ سے بے خوف بنا دیا۔

☆ مدینے میں ایک مسخرا اپنی فضول حرکتوں سے لوگوں کو ہنسایا کرتا تھا، ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھ کر کہنے لگا، انھیں ہنسانا میرے لئے مشکل امر ہے چنانچہ ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے اس مسخرے نے آپ کی گردن میں پڑی ہوئی رِدا کھینچ لی اور چل دیا امام علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ بھی نہ کی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ کر ردا واپس لے لی اور اس کو پکڑ کر امام علیہ السلام کے سامنے لائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا یہ کون ہے؟

لوگوں نے کہا یہ مسخرا ہے لوگوں کو اپنے تمسخر سے ہنساتا ہے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کہو کہ خدا کی طرف سے ایک دن مقرر ہے جس میں فضول حرکتیں کرنے والے نقصان میں رہیں گے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ ایک رات میں حجر اسود کے پاس آیا تو دیکھا کہ حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام تشریف لائے اور نماز میں مصروف ہو گئے، جب سجدے میں گئے تو میں نے خیال کیا کہ یہ اہل البیت خیر میں سے مرد صالح ہیں، میں ان کی دعا کو غور سے سنوں

گا، چنانچہ میں نے سنا کہ سجدے میں اس طرح دعا فرما رہے ہیں کہ عُبَیدُكَ بِفَنَائِكَ مِسْكِيْنُكَ بِفَنَائِكَ فَقِيْرُكَ بِفَنَائِكَ سَائِلُكَ بِفَنَائِكَ (ترجمہ) (اے اللہ) تیرا بندۂ حقیر تیرا مسکین تیرا فقیر و محتاج اور تجھ سے سوال کرنے والا تیری ہی بارگاہ میں حاضر ہے

طاؤس کا بیان ہے کہ میں نے اس دعا کو جب بھی کسی پریشانی میں وِرد کیا، خداوند عالم نے مشکل کو حل فرمایا۔

☆ جب رات کا اندھیرا چھا جاتا اور لوگ خواب غفلت میں ہوتے تو امام زین العابدین علیہ السلام ایک تھیلے میں روٹیاں اور کھانا لے کر اپنے چہرے پر کپڑا لپیٹ کر محتاجوں کے گھروں پر جاتے اور وہ کھانا اور روٹیاں تقسیم کرتے بہت سے لوگ تو اپنے دروازوں پر کھڑے ہوئے آپ کے انتظار میں رہتے تھے جب وہ لوگ امام علیہ السلام کو آتے ہوئے دیکھتے تو ایک دوسرے کو اس کی خوشخبری سناتے تھے کہ وہ تھیلے والے آ گئے۔

☆ امام زین العابدین علیہ السلام جب سفر کا ارادہ کرتے تو ایسے قافلے کو چنتے تھے جس میں کوئی آپ کو پہچانتا نہ ہو اور قافلے والوں سے یہ شرط کر لیتے کہ راہ میں وہ قافلے والوں کی ہر ممکن خدمت کریں گے، چنانچہ ایک مرتبہ آپؑ نے ایسے ہی ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا اور راہ میں قافلے والوں کی خدمت کرتے رہے، اتفاق سے ایک شخص نے امام کو پہچان لیا تو اس نے قافلے والوں سے کہا کہ جانتے ہو یہ کون بزرگ ہیں وہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے اس نے کہا یہ امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔

یہ سن کر قافلے والے دست بوسی کے لئے لپکے اور بولے فرزند رسولؐ اگر نادانستگی میں ہم سے کوئی گستاخی آپ کی شان میں سرزد ہو جاتی تو ہم ہلاکت میں پڑ جاتے اور قیامت میں آگ میں جلتے آپ نے ایسا کس لئے کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ سفر کیا جو مجھے جانتے تھے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے میرے ساتھ ایسی مہربانیاں کیں جن کا میں خود کو مستحق نہ سمجھتا تھا، اب مجھے

اس کا ڈر تھا کہ کہیں پہچاننے کے بعد تم بھی ایسا ہی کرو گے اس لئے میں نے تم سے اپنا تعارف نہ کرایا۔

اور آج ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کاش کوئی ہمارا کام کردے کیونکہ اپنا کام کرتے ہوئے ہمیں شرم دامنگیر ہوتی ہے کہ "صاحب" کام میں مشغول ہیں۔

☆ امام زین العابدین علیہ السلام کے دور میں بنی امیہ حکمراں تھے تمام مملکت اسلامی میں معاویہ کے حکم سے حضرت علی علیہ السلام اور اہل البیت نبی کو گالیاں دی جارہی تھیں، لوگ حکومت کی پشت پناہی کی وجہ سے اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ اہل البیتؑ کو مونہہ پر آ کر گالیاں دیتے تھے، چنانچہ ایسے ہی ایک شخص نے امام زین العابدین علیہ السلام کو آکر گالیاں دیں، امام علیہ السلام خاموش رہے آپ کی خاموشی دیکھ کر اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ ہی کو گالیاں دی ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا: تیرا کام گالی دینا تھا تو نے وہ کیا اور میرا کام تجھ کو نظر انداز کرنا تھا، لہٰذا میں نے تیری اس حرکت کو نظر انداز کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک اموی جماعت بیٹھی ہوئی امام زین العابدین علیہ السلام کو گالیاں دے رہی تھی امام علیہ السلام اس جماعت کی طرف سے گذرے تو ان لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا جو کچھ تم لوگوں نے میرے متعلق بیان کیا اگر وہ باتیں مجھ میں ہیں تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر مجھ میں نہیں ہیں تو میں نے تم لوگوں کو معاف کیا۔

**صحیفۂ کاملہ**: امام زین العابدین علیہ السلام جس دور میں تھے وہ انتہائی پُر آشوب دور تھا، بنی امیہ واقعۂ کربلا کے بعد بہت زیادہ تند خوئی پر اتر آئے تھے، شیعانِ اہل البیت علیہم السلام پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا، قید و قتل شیعوں کے لئے معمولات میں سے ہو چکا تھا، ایسے نازک دور میں امام علیہ السلام کے لئے بہت مشکل تھا کہ لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت کریں، اس نازک وقت میں امام علیہ السلام نے تبلیغ کا جو انداز اختیار کیا وہ یہ کہ آپ مسلسل اپنے والد ماجد امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر گریہ کرتے رہے اور لوگوں کو اپنے گریہ سے سبق دیتے رہے کہ امام حسین علیہ السلام بے جرم و خطا شہید کئے گئے، اس

طرح بنی امیہ ظالم ٹھہرے اور ظالمین کو حق حکومت نہیں ہے، چنانچہ اموی حکومت باطل ہے
،اس طرح بنی امیہ کے خلاف در پردہ ایک خاموش محاذ تیار ہو گیا جس نے آگے چل کر کچھ
ہی مدت میں طوفان کی شکل اختیار کر لی اور جب بنی عباس نے یا الثارت الحسینؑ کا نعرہ دیا
تو عام مسلمانوں نے بنی عباس کا ساتھ دیا اور بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی، اور اس طرح ختم
ہوئی کہ بنی امیہ کی قبریں تک کھود دی گئیں، المختصر یہ کہ بنی امیہ کی ہزار راتوں والی منحوس
حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گئی، یہ تھا وہ راز جو امام علیہ السلام کے گریہ میں چھپا
ہوا تھا، جس کو ظالم سمجھ نہ سکے اور آج جو سقیفائی محرم آتے ہی حرام اور بدعت کے فتوے
مجالس عزا پر لگاتے ہیں اس کا راز بھی یہی ہے کہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر مجالس
عزا قائم رہیں تو وہ دن دور نہیں کہ اہل سنت عوام حق کو سمجھ جائیں گے اور اموی مذہب یعنی
سقیفائی مذہب ترک کر کے مذہب اہل البیتؑ قبول کر لیں گے اسی لئے سقیفائی علماء
کا مشہور فتویٰ ہے کہ ذکر حسینؑ سے بغض صحابہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے ذکر حسینؑ نہ کیا جائے

غور کیا آپ نے! جب بغض صحابہ پیدا ہو جائے گا تو مذہب سقیفہ خود بخود ختم
ہو جائے گا، اس لئے ضرورت ہے کہ مجالس عزا سنجیدہ طریقے پر کی جائیں اور لوگوں کو بتایا
جائے کہ کربلا میں خاندان رسولؐ کو کس نے تاراج کیا جو رسولؐ کا ماننے والا ہوگا وہ از خود
خاندان رسولؐ کو تاراج کرنے والوں سے نفرت کرے گا۔

تبلیغ دین کے لئے امام زین العابدین نے دوسرا طریقہ جو اپنایا وہ دعا کا تھا،
آپ نے خدا سے راز و نیاز کے ذریعہ لوگوں کو خدا اور رسولؐ اور ائمہ کی طرف بلایا اور تعلیمات
اسلامی سے روشناس کیا، اس طرح جب آپ کی دعاؤں کو اکٹھا کیا گیا تو وہ ایک کتاب کی
شکل اختیار کر گئی جس کو جب اہل علم نے پڑھا تو کسی نے دعاؤں کے اس مجموعے کو ''انجیل
اہل البیتؑ'' کہا کسی نے ''زبور آل محمدؐ'' کہا، کسی نے ''صحیفۂ کاملہ'' کہا، کسی نے ''اُخت
القرآن'' (قرآن کی بہن) کہا۔ بظاہر یہ کتاب دعاؤں کی کتاب ہے لیکن علوم کا بیش
بہا خزانہ ہے جو شیعوں کے پاس ہے اور دیگر فرقے اس سے محروم ہیں۔

آیا اور تعظیماً حضرت ابراہیمؑ کے پیچھے چلا، لیکن خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ بادشاہ کی تعظیم کریں اور اس کے پیچھے چلیں، حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات بادشاہ کو بتائی اور بادشاہ کے پیچھے چلے، بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ خدا نے بادشاہ کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ خوش ہوا اور ایمان لے آیا۔

غور کیجئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا عظیم نبی اس کو حکم ہوا کہ کافر بادشاہ کی دنیوی عزت کا خیال رکھیں اس اخلاق سے بادشاہ ایمان لے آیا اور آج کے سادات کرام کو اگر خدا نے یہ شرف بخشا کہ انھیں سید گھرانے میں پیدا کر دیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بڑے ہو گئے، سید ہونے میں ان کا اپنا کوئی کمال نہیں ہے، انھیں تکبّر نہیں کرنا چاہئے اور غیر سادات کرام کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھنا چاہئے، اصل عزت تقویٰ، و پرہیز گاری میں ہے، کل قیامت میں ایسا نہ ہو کہ غیر سید پرہیز گاری کی وجہ سے جنت میں چلا جائے اور سید صاحب کو تکبّر کرنے اور پرہیز گار نہ ہونے کے باعث جہنم اُچک لے اور وہ ہمیشہ آگ میں جلتے رہیں، غیر سادات کو بھی چاہئے کہ عزت اہل البیت علیہم السلام کی خاطر سادات کرام کی تکریم کریں ایسا کرنا ایمان کے پختہ ہونے کا ثبوت ہے اور جو سادات کا مخالف ہے وہ بنی امیہ کی روش پر چلتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بادشاہ سے رُخصت ہو کر شام کے علاقے میں اس جگہ پہونچے جس کی حیثیت ایک چوراہے کی سی تھی وہاں سے لوگ یمن شام اور دیگر اطراف عالم میں جاتے تھے، یہاں پر کثرت سے پھل دار درخت بھی تھے اور یہاں سے مشہور آبادیوں کی مسافت کم سے کم ۷ فرسخ (ایک فرسخ ساڑھے تین میل کا ہوتا ہے) تھی، آپ نے یہیں قیام کیا، کیونکہ نمرود نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ آپ کسی آبادی میں مستقل قیام نہ فرمائیں، اس مقام سے چونکہ قافلے گذرتے تھے اس لئے یہ مقام ویرانہ ہونے کے باوجود ویرانے پن کا احساس نہ ہونے دیتا تھا، آپ نے گذرتے ہوئے قافلوں میں تبلیغ کا کام بخوبی جاری رکھا اور آنے جانے والوں کی خوب مہمان نوازی کی جس سے متاثر ہو کر

**بیمار امامؑ**: امام زین العابدین علیہ السلام کو شعراء نے ذاکرین نے بیمار امام کہنا شروع کر دیا، بعض نے بیمار کربلا بھی کہا جس سے عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ امام تاحیات بیمار رہے، یہ بالکل غلط ہے امام زین العابدین علیہ السلام روز عاشور مصلحتِ خدا سے بیمار ہوئے، اس کے بعد آپ تندرست رہے، واقعہ کربلا کے بعد آپ تقریباً ۳۵ رسال حیارت رہے، اس دور میں روایت ہے کہ آپ صرف تین مرتبہ بیمار ہوئے اور وہ بھی چند روز کے لئے، اس طرح تقریباً بارہ سال میں آپ ایک مرتبہ بیمار ہوئے وہ بھی چند روز کے لئے ایسی حالت میں کسی شخص کو بیمار کہنا اس پر ظلم ہے۔ کاش ہمارے شعراء اور ذاکرین اس طرف توجہ دیں۔

**شہادت**: امام علیہ السلام اگرچہ گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے تھے، آپ اپنے خدا سے راز و نیاز میں مصروف رہتے یا اپنے والد امام حسین علیہ السلام کی مصیبت کو یاد کر کے گریہ کرتے، دنیا والوں سے دور رہ کر بندگانِ خدا کی امداد اور ہدایت کا کام کرتے جس کی وجہ سے آپ کا روحانی اقتدار ہر دل پر قائم ہو گیا تھا، اس وقت کا بادشاہ ولید بن عبد الملک آپ کے روحانی اقتدار سے خوفزدہ ہوا اور اس نے آپ کو زہر دلا کر شہید کرا دیا۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون

آپ کی نمازِ جنازہ امام محمد باقر علیہ السلام نے پڑھائی اور مدینے میں جنت البقیع میں امام حسن علیہ السلام کے قریب دفن کیا گیا، انتقال سے پہلے آپ نے اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں اس امر کی وصیت کرتا ہوں جس کی میرے والد امام حسین علیہ السلام نے شہادت سے قبل مجھے وصیت کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے میرے والد امام علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ

"بیٹا اس شخص پر ظلم کرنے سے بچتے رہو جس کے پاس
تمہارے خلاف سوائے خدا کے دوسرا کوئی مددگار نہ ملے۔"

آپ کی شہادت کے بعد آپ کی اونٹنی آپ کی قبر پر آئی اور گردن قبر پر رکھ کر فریاد کی لوگوں نے ہٹانا چاہا، امام محمد باقر علیہ السلام نے منع کیا، بالآخر وہ وہیں مر گئی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس کو دفن کرا دیا۔

# حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (پانچویں امامؑ)

آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں معصوم جانشین ہیں، آپ امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند ہیں، آپ کی والدہ اُم عبداللہ فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام تھیں۔ ماں اور باپ کی طرف سے آپ ہاشمی تھے، آپ عبادت وزہد میں اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ کے سامنے بڑے بڑے علماء اپنے آپ کو بہت چھوٹا سمجھتے تھے۔ آپ واقعۂ کربلا میں ڈھائی سال کے تھے، مصائب کربلا قید خانۂ کوفہ وشام کے مصائب اپنے بزرگوں کے ساتھ برداشت کیے، جب آپ کے والد کا انتقال ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۳۸ رسال تھی۔

**رسول اکرمؐ کا سلام**: ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسین علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے پیار کررہے تھے کہ جابر بن عبداللہ انصاری حاضر خدمت ہوئے، رسول اکرمؐ نے جابر سے فرمایا کہ اے جابر میرے اس فرزند کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا اس کا نام محمد ہوگا جو علم وحکمت سے بھرپور ہوگا تم اس کا زمانہ پاؤ گے جب تم اس سے ملنا تو میرا سلام کہنا۔ جابر نے رسولؐ کی اس وصیت کو یاد رکھا، طویل عمر ہونے کے باعث آخر عمر میں جابر بن عبداللہ انصاری کی بینائی ختم ہوگئی، آپ اٹھتے بیٹھتے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو آواز دیتے لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے جابر کی عقل زائل ہوگئی ہے، المختصر یہ کہ ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کو لے کر جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس پہونچے اور اپنے فرزند سے کہا کہ بیٹا اپنے چچا کے سر کا بوسہ دو، امام محمد باقر علیہ السلام نے فوراً تعمیل حکم کی، جابر کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ امام محمد باقر علیہ السلام ہیں تو جابر نے فوراً آپ کو سینے سے لگالیا اور کہا فرزند رسولؐ آپ کو آپ کے جدّ نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کہا ہے، آپ نے جواب میں کہا اے جابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ پر میری

طرف سے بھی سلام ہو۔اس کے بعد جابر بن عبداللہ انصاری نے شفاعت کے لئے درخواست کی، آپ نے اسے منظور فرمالیا اور کہا کہ میں آپ کے جنت میں جانے کا ضامن ہوں۔

**اسلامی سکّہ** : ۷۵ھ تک اسلامی سلطنت میں روم وایران کے سکّے رائج تھے ،رومی سکّوں پر ابن روح القدس لکھا ہوتا تھا ،عبدالملک بن مروان نے اس کا ترجمہ کرایا جب اس کو معلوم ہوا کہ کیا لکھا ہوا ہے تو اس نے حکم دیا کہ سکّوں پر لکھو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے ،اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ،جب سکّے مملکت اسلامی میں پھیلے تو بادشاہِ روم کو بہت ناگوار گذرا ،اس نے عبدالملک کو خط لکھا کہ جو رومی سکوں پر لکھا ہوتا تھا وہی جاری کرو نہیں تو میں تمہارے رسول کو درہم و دینار پر گالیاں لکھوا کر مملکت اسلامی میں رائج کردوں گا ،یہ خط پڑھ کر عبدالملک کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ،اس نے علماء کو جمع کر کے ان سے اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا اور کہا کہ ایسی ترکیب بتاؤ کہ اسلام بھی سربلند ہو اور بادشاہ روم بھی شکست کھا جائے ،سب نے اپنی اپنی رائے دی لیکن عبدالملک کسی کی رائے سے متفق نہ ہوسکا ،تب اس کے وزیر نے کہا کہ اس مشکل مسئلے کا جو حل پیش کرسکتا ہے تو اس سے جان بوجھ کر روگردانی کر رہا ہے ،اس نے کہا وہ کون ہے؟ وزیر نے کہا وہ امام محمد باقر علیہ السلام ہیں ،یہ سنتے ہی عبدالملک نے کہا خدا کی قسم تو نے سچ کہا ہے اور صحیح رہبری کی اس کے بعد اس نے مدینے کے گورنر کو لکھا کہ وہ امام محمد باقر علیہ السلام سے کہے کہ دین پر وقت آپڑا ہے ،آپ فوراً تشریف لائیں ۔اور حکومت کی رہبری کریں ،امامؑ نے عزت اسلامی کی خاطر اپنے تمام کام روکے اور عبدالملک کے پاس پہونچ گئے ،عبدالملک نہایت پریشان تھا استقبال کے فوراً بعد امام کو صورتِ حال سے آگاہ کیا ،امام نے فرمایا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ،بادشاہ روم اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے گا یہ بات مجھے علم امامت سے معلوم ہے ،اب تجھے یہ کرنا ہے کہ ان ان اوزان کے سکّے ڈھال اور ان کو مملکت اسلامی میں رائج کر اور رومی سکوں کو خلاف قانون قرار دیدے اور اعلان کر کہ

اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی ، اور بوقت ضرورت اس کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے ،اس ساری کارروائی کی خبر جب بادشاہ روم کو ہوئی تو وہ سر جھکائے دیر تک سوچتا رہا ہے ، درباریوں نے کہا جو دھمکی تم نے دی تھی اس پر عمل کرو اور مسلمانوں کے رسول کو گالیاں تحریر کراؤ تو بادشاہ نے کہا کہ اب اس کا فائدہ نہیں کیونکہ میرا سکہ اب مملکت اسلامیہ میں چل نہیں رہا ہے۔ (یہ روایت بہت طویل ہے میں نے مختصر لکھا ہے)

**امامؑ کے دور میں شیعوں اور اہل البیتؑ کی حالت**: امام محمد باقر علیہ السلام کے دور میں بنی امیہ نے شیعان علی علیہ السلام اور اہل البیت کرام علیہم السلام پر عرصۂ حیات کتنا تنگ کیا اس کا آپ کو ذیل کے واقعہ سے اندازہ ہوگا۔

منہال بن عمر راوی ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے حضرت کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا، اس شخص نے پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت امامؑ نے فرمایا تمہیں پتہ نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں ہماری حالت اس اُمت میں بنی اسرائیل کی طرح ہے کہ فرعونی ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور ہمارا بھی یہی حال ہے کہ یہ لوگ ہمارے بیٹے قتل کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے ہیں (تا کہ وہ ان کا ماتم کرتی رہیں) وہ شخص کہنے لگا کہ خدا کی قسم مجھے آپ اہل البیتؑ سے محبت ہے تو حضرت نے فرمایا کہ پھر تم بلا و مصیبت کی ردا تیار کر لو، خدا کی قسم ہماری طرف آلام و مصائب اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ آتے ہیں جیسے وادی و نشیب میں سیلاب آئے بلا و مصیبت کا نشانہ اول ہم بنتے ہیں پھر تمہاری باری آتی ہے۔

## امام اہل سنت ابو حنیفہ اور امام محمد باقر علیہ السلام

ابھی اوپر آپ نے پڑھا کہ اہل البیتؑ اور شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ تھا،

اور مصائب انڈیلے جارہے تھے ایسے میں حکومت نے آپ کی امامت ختم کرنے کے لئے سرکاری پشت پناہی میں امام تیار کیے، چنانچہ اہل سنت کے ان افراد کی اگر فہرست تیار کی جائے کہ جن کو امام کہا گیا ہے تو ائمہ کی بھر مار ہو جائے گی، ان میں ایک ابوحنیفہ بھی تھے، یہ صاحب ایک دن مدینہ پہونچے اس وقت امام محمد باقر علیہ السلام مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ابوحنیفہ نے جا کر امامؑ سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ کے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟ (حالات نازک تھے ابوحنیفہ کے ذریعہ فتنے کا اندیشہ تھا جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا تھا اس لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ) تم ایک مشہور و معروف آدمی ہو میں پسند نہیں کرتا کہ تم میرے پاس بیٹھو، ابوحنیفہ نہ مانے اور بیٹھ گئے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا آپ امام ہیں؟ حضرت نے فرمایا نہیں، ابوحنیفہ کہنے لگے کہ اہل کوفہ تو یہی گمان کرتے ہیں کہ آپ امام ہیں، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیا کر سکتا ہوں، ابوحنیفہ کہنے لگے آپ انھیں لکھیں اور اس سے منع کریں، حضرت نے فرمایا وہ میرا کہنا کیا مانیں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ اس کے مقابلے میں ہم سے دور ہیں جو ہمارے سامنے ہے یعنی تم تو میرے پاس بیٹھے ہو تم نے ہی میرا کون سا کہنا مان لیا، میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے پاس نہ بیٹھو لیکن تم بیٹھ گئے اسی طرح اگر میں اہل کوفہ کو لکھوں بھی تو وہ بھی میرا کہنا نہ مانیں گے جیسے تم نے نہ مانا، یہ سن کر ابوحنیفہ خاموش ہو گئے۔

غور کیا آپ نے! اگر امام یہ کہہ دیتے کہ میں امام ہوں تو ابوحنیفہ اس کی اطلاع حکومت کو کر دیتے اور حکومت کو آپ کو قتل کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ حکومت کے ہوتے ہوئے یہ اپنی متوازی حکومت قائم کیے ہوئے ہیں، اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا جس کی وجہ سے امام اور شیعوں کا خون بہا دیا جاتا، امام نے تقیہ کر کے اس فتنے کو دبا دیا۔

**کردار ہی اصل ہے:** ایک طرف بنی امیہ کے مظالم تھے تو دوسری طرف کردار اہل البیتؑ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا چنانچہ بنی امیہ جیسے دشمنانِ اہل البیتؑ میں کوئی اہل البیتؑ کا چاہنے والا پیدا ہو جائے، تو یہ امر عظیم ہے، لیکن دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ

ابوحمزہ ثمالی روای ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ سعد بن عبدالملک حاضر خدمت ہوئے امام محمد باقر علیہ السلام ان کو سعد الخیر کے نام سے یاد کرتے تھے، یہ عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھے یہ آئے اور آتے ہی ہچکیاں لے کر اس طرح رونے لگے جیسے عورتیں روتی ہیں، تو حضرت نے فرمایا سعد کیا بات ہے جو تم اس طرح رو رہے ہو، انھوں نے کہا کہ حضور کیسے نہ روؤں میں ان لوگوں میں سے ہوں، جنھیں قرآن نے شجر ملعونہ فرمایا ہے، یہ سن کر حضرت امام نے فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو تم بنی امیہ میں ہوتے ہوئے بھی ہم اہل البیتؑ میں سے ہو، تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں سنا فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّه منی جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے۔

(سورہ ابراہیم آیت ۳۶)

یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی سید ہے اور اس کا کردار اہل بیتؑ کے کردار کے بجائے دشمنانِ اہل البیتؑ سے مطابقت رکھتا ہے تو اس کو اس کا سید ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا، آخرت میں وہ دشمنانِ اہل البیتؑ کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی غیر سید ہے اور اس کا کردار اہل البیتؑ کے کردار کے مطابق ہے تو کل قیامت میں وہ اہل البیتؑ کے ساتھ ہوگا۔

**جھوٹی احادیث** : حکومت وقت ایک طرف اہل البیتؑ پر مصائب انڈیل رہی تھی ، دوسری طرف خود ساختہ ائمہ کی پشت پناہی کر رہی تھی، تیسری طرف اہل البیتؑ کو بدنام کرنے کے لئے اور شیعوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے افراد کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی جو جھوٹی احادیث وضع کریں۔

چنانچہ ان افراد میں سے ایک مغیرہ بن سعید بھی تھا اس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مغیرہ بن سعید میرے پدر بزرگوار پر دانستہ جھوٹ بولتا تھا وہ امام کے اصحاب کی یادداشت کی کتابیں لے لیتا تھا، مغیرہ کے دوست اصحاب امام سے کتابیں لے کر مغیرہ کو دیتے تھے، مغیرہ ان کتابوں میں کفر کی باتیں داخل کرتا تھا اور ان باتوں کو امام محمد باقر

علیہ السلام کی طرف منسوب کرتا تھا اور اپنے دوستوں کو حکم کرتا تھا کہ وہ ان باتوں کو شیعہ کتابوں میں مستحکم کریں، چنانچہ جو کچھ بھی باتیں ان اصحاب کی کتابوں میں غلو کی ہیں وہ سب مغیرہ بن سعید کی سازش سے داخل کی گئیں ہیں، اس مغیرہ بن سعید پر ائمہ نے لعنت کی ہے۔

یہیں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ بعض وہ روایات جو غلو کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں، وہ درست نہیں ہیں چنانچہ ان پر یقین کرنا درست نہیں ہے ہمارے بعض کم علم مولوی جب ان روایات کو پڑھتے ہیں اور ان کو منع کیا جاتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے تو وہ فوراً کہتے ہیں کہ فلاں کتاب میں ہے، ان افراد سے مجھے یہ کہنا ہے کہ روایت کا کتاب میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ روایت صحیح بھی ہے، شیعوں میں سوائے قرآن مجید کے کسی کتاب کو صحیح کا درجہ نہیں دیا گیا ہے، ہر کتاب کی ہر روایت اصولوں پر پرکھی جائے گی جو صحیح ہوگی اس کو تسلیم کیا جائے گا جو غلط ہوگی اس کو ترک کیا جائے گا۔ ذاکرین اور مولوی حضرات کو چاہئے کہ منبر سے صحیح احادیث بیان کریں ایسا نہ ہو کہ آپ کی وجہ سے کوئی شخص غلو میں گرفتار ہوکر صحیح ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے وہ تو ہلاک ہوا ہی آپ بھی ہلاک ہو گئے کیونکہ وہ آپ کی وجہ سے بہکا اور اس کے نقصان کا پتہ قیامت میں چلے گا۔ جب پچھتانا فائدہ مند نہ ہوگا۔

**جابر بن یزید جعفی اور مغیرہ بن سعید:** ایک مرتبہ جابر بن یزید جعفی کی بیان کردہ احادیث کے متعلق لوگ گفتگو کر رہے تھے تو زیاد ابن ابی الحلال کو خیال ہوا کہ اس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کروں چنانچہ وہ امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے قبل اس کے کہ یہ کچھ پوچھتے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم جابر بن یزید جعفی پر رحمت نازل کرے وہ جو کچھ ہمارے بارے میں کہتے تھے اس میں سچے تھے، خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے کہ وہ ہماری طرف جھوٹ اقوال منسوب کرتا ہے۔

امام نے مغیرہ پر لعنت کی ہے اور جو مغیرہ کی بیان کردہ احادیث بے سوچے سمجھے اور غور کئے منبر سے بیان کرے وہ اس لعنت کی زد میں ہے، خدا ہم سب کو غلو والی احادیث سے دور رکھے۔ آمین

سے دور رکھے۔ آمین

**فدک کی واپسی:** عمر بن عبد العزیز اپنے دورِ حکومت میں ایک مرتبہ مدینے آئے اور انھوں نے مدینے میں منادی کرادی کہ جس پر ظلم ہوا ہے وہ سامنے آئے اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا، اس اعلان کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام عمر بن عبد العزیز کے پاس تشریف لے گئے اور بہت کچھ وعظ و نصیحت کی اس وعظ و نصیحت میں سے کچھ حصہ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے عمر بن عبد العزیز سے فرمایا کہ خدا سے ڈرتے رہو اور دو باتوں کا خیال رکھو ایک تو یہ کہ ان اعمال کی طرف نظر رکھو جنھیں تم چاہتے ہو کہ وہ اس وقت تمہارے ساتھ ہوں جب خدا کے سامنے پیش ہو تو انھیں اپنے جانے سے پہلے بھیج دو ،اور دوسرے یہ کہ ان اعمال کی طرف نظر رکھو جنھیں تم اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتے جب تم خدا کے سامنے جاؤ لہٰذا ان اعمال کا بدل تلاش کرو اور ایسے سرمایہ کی طرف نہ جاؤ جو تم سے پہلے لوگوں پر تباہی و بربادی لے آیا اور تم یہ امید کرو کہ تمہارے ساتھ ایسا نہ ہو، اے عمر! اللہ سے ڈرو اپنے دروازے کھولے رکھو اور اپنے اردگرد کے پردے ہٹا دو، مظلوم کی مدد کرتے رہو اور ظالم کے ظلم کو روکو۔

امام کی نصیحتوں کا اثر یہ ہوا کہ عمر بن العزیز نے قلم دوات منگایا اور لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس تحریر کے ذریعہ عمر بن عبد العزیز نے فدک کو جو ظلم اور نا انصافی سے لیا گیا تھا (حضرت امام) محمد بن علی بن الحسین (علیہم السلام) کو واپس کیا۔

غور کیجئے عمر بن عبد العزیز کی نیکی و پرہیزگاری کے سقیفائی بھی قائل ہیں وہ اقرار کر رہا ہے کہ فدک ظلم اور نا انصافی سے لیا گیا تھا اس لئے واپس کیا جاتا ہے، اس تحریر کے بعد سقیفائیوں کی تمام کوششیں جو انھوں نے فدک کے مسئلے میں اپنے حاکم کو بچانے کے لئے کی ہیں ان سب پر پانی پھر جاتا ہے۔

**توہینِ امام کی کوشش:** بنی امیہ توہین اہل البیت علیہم السلام کرنے سے نہ چوکتے تھے، اس وجہ سے عام لوگ بھی اہل البیتؑ کی توہین کرنے میں نہ ہچکچاتے تھے، چنانچہ ایک شخص امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آیا (یہ شخص عیسائی تھا) اور امام علیہ السلام سے کہا کہ آپ بقر (گائے) ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں باقر ہوں پھر وہ عیسائی بولا کہ آپ طباخہ (یعنی باورچن) کے بیٹے ہیں (جبکہ آپ کی والدہ امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں، لیکن بنی امیہ نے بنی ہاشم پر زندگی اتنی دشوار کردی تھی کہ انھیں زندگی گذارنے کے لئے روٹی پکانے کا پیشہ اختیار کرنا پڑا) امام نے فرمایا یہ ان کا پیشہ تھا، پھر بولا کہ آپ حبشی عورت کے فرزند ہیں؟ امام نے فرمایا کہ اگر تو اپنے کہنے میں سچا ہے تو خدا انھیں بخشے اور اگر تو اپنے قول میں جھوٹا ہے تو خدا تجھے بخشے، امام کے اس بلند اخلاق سے متاثر ہوکر وہ عیسائی مسلمان ہوگیا۔

**صحیفے میں شیعوں کے نام:** ابوبصیر راوی ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا کہ جب تم کوفے واپس جاؤ گے تو تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا، اس کا نام تم عیسیٰ رکھو گے، پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام تم محمد رکھو گے، یہ دونوں ہمارے شیعوں میں سے ہوں گے، ان کے نام ہمارے صحیفے میں موجود ہیں، ابوبصیر نے دریافت کیا کہ کیا قیامت میں آپ کے شیعہ آپ کے ساتھ ہوں گے؟ فرمایا ہاں؟ جب وہ خدا سے ڈرتے رہیں اور تقویٰ پرہیز گاری خدا کے لئے اختیار کرتے رہیں۔

(غور فرمایئے! وہی شیعہ ائمہ کے ساتھ ہوں گے جو متقی پرہیز گار ہوں گے)

ابوبصیر نے مزید فرمایا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک جوان کو مسجد میں ہنستے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ تو مسجد میں ہنس رہا ہے، تین دن کے بعد تو اہل قبور میں سے ہوگا، چنانچہ وہ جوان تیسرے دن صبح سویرے مرگیا اور شام تک اس کو دفنا دیا گیا۔

لوح میں ائمہ علیہم السلام کے نام:

سقیفائیوں کے بڑے عالم زہری راوی ہیں کہ انھوں نے امام زین العابدین

علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد خلافت کا منصب کس طرف پلٹے گا تو امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منصب میرے اس فرزند کو ملے گا اور آپ نے امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا، زہری نے کہا کہ آپ نے اپنے سب سے بڑے فرزند کے لئے وصیت نہیں فرمائی، تو آپ نے جواب دیا کہ امامت کے لئے چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں ہمیں یہی حکمِ رسولؐ ملا ہے، اور ایسا ہی ہم نے لوح اور صحیفے میں لکھا ہوا دیکھا ہے، زہری نے کہا کہ رسولؐ کا یہ عہدہ کتنے افراد کے بارے میں ہے جو اُن کے بعد وصی ہوں گے، امام نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے لوح وصحیفے میں بارہ نام لکھے ہوئے دیکھے ہیں اور ان کے ماں باپ کے نام بھی درج ہیں، آخر میں ارشاد فرمایا کہ میرے فرزند محمد باقر کی نسل سے سات وصی ہوں گے، جن میں امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) بھی شامل ہیں۔

**شہادت**: آپ گوشہ نشینی کی شکل میں زندگی گذار رہے تھے اور علوم کے دریا بہا رہے تھے جس کی وجہ سے سرکاری مولویوں کے قیاسات کے ذریعہ بیان کئے گئے مسائل کی دھجیاں اُڑ رہی تھیں، اور لوگوں کو احساس ہو رہا تھا کہ علمِ رسولؐ اگر حاصل کرنا ہے تو درِ اہل البیتؑ ہی سے ملے گا، یہ بات حکومت کو ناگوار گذر رہی تھی کہ لوگ ان کی طرف جھکتے جا رہے ہیں اس لئے ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ شہید کرا دیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہشام نے زہر آلود زین بھیجی کہ آپ اس کو گھوڑے پر کس کر سواری کریں اور دیکھیں کہ کیا اچھی زین ہے، آپ نے زین کو دیکھ کر کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ زین کیسی ہے لیکن حکمِ الٰہی آپہونچا ہے، یہ کہہ کر آپ اس زین پر سوار ہو گئے تو وہ زہر آپ کے جسم میں سرایت کر گیا جس سے آپ کے جسم پر ورم آ گیا اور آپ شہید ہو گئے، روایت میں ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے مدینے کے گورنر ابراہیم بن ولید کے ذریعہ زہر دلوایا تھا، واللہ اعلم

امام محمد باقر علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ دس سال سال تک منیٰ میں بزمانۂ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے، اور اپنی عزاداری میں ۸۰۰ درہم خرچ کرنے کی وصیت کی امام کی یہ وصیت ظاہر کر رہی ہے کہ امام کی زندگی مظالم سہتے سہتے گذری اور اسی ظلم وستم میں آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔

لوگ ایمان لے آتے تھے، اس مقام پر رہتے ہوئے آپ کو کافی مدت گذر گئی اور آپ کے کوئی فرزند پیدا نہ ہوا، اس کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ کو ذہنی تکلیف پہونچی۔

ایک روز حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے اولاد ہو آپ ہاجرہ سے شادی کر لیجئے شاید اسی سے خدا ہم کو اولاد دے ، حضرت ابراہیمؑ نے اس تجویز کو پسند کیا اور حضرت ہاجرہؑ سے شادی کر لی اور اللہ نے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا ، فرزند کے پیدا ہونے سے گھر میں رونق تو ہوئی لیکن حضرت سارہؑ کو اپنے لاولد رہنے پر شدید غم بھی ہوا اور کل تک جو ہاجرہؑ خدمتِ سارہؑ کے لئے تھی وہ اب سوتن بھی ہو گئی، اس طرح گھر میں تلخی بھی پیدا ہوئی، اس چیز کی شکایت حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے کی، خدا نے وحی کی عورت کی مثال ٹیڑھی ہڈی کی سی ہے اگر اس کو بالکل سیدھی کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی (اس لئے معمولی توتو میں میں کو برداشت کرنے سے فائدہ ہی ہوگا نقصان نہیں) اسی درمیان حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت سارہؑ کے چھوٹے بھائی تھے ان کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے چار فرشتے انسانی صورت میں آئے ، حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانے سے پہلے یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انھیں طلاع دی کہ قومِ لوطؑ پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں، یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ فکر مند ہوئے ، بارگاہِ ایزدی میں مناجات کی کہ قوم لوطؑ پر سے عذاب ٹال دے کہ یہ لوگ نادان ہیں، خدا نے وحی کی کہ ابراہیمؑ اس کو رہنے دو ان پر عذاب واجب ہو چکا ہے ، اس وقت حضرت سارہؑ جو اولاد پیدا ہونے کی عمر سے گذر چکی تھیں اور دروازے پر کھڑی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ بھی اس وقت بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو چکے تھے، فرشتوں نے حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی، یہ سن کر حضرت سارہ نے (خوشی اور تعجب کے جذبات میں) اپنا منھ پیٹ لیا اور کہا کہ میں عمر رسیدہ اور بانجھ! بھلا میرے بچہ

# امام جعفر صادق علیہ السلام (چھٹے امام)

آپ رسولِ اکرمؐ کے چھٹے جانشین اور سلسلۂ عصمت کی آٹھویں کڑی ہیں، آپ کے والد امام محمد باقر علیہ السلام ہیں۔ آپ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ مطابق ۷۰۲ء بروز پیر مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی ایک ہی تاریخ ہے خداوند عالم نے اس تاریخ کو بہت زیادہ عظمت عطا کی ہے، اس دن روزہ رکھنا ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے، آپ کی ولادت کے بعد ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند ان مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدا نے بندوں پر احسان فرمایا ہے، اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا ،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا جب تذکرہ کیا تھا تو اسی وقت آپ کو لقب صادق سے یاد کیا تھا۔

ابن حجر مکی اور علامہ شبلنجی نے تحریر کیا ہے کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید، ابن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام ابوحنیفہ، ایوب سجستانی نے آپ سے حدیث اخذ کی ہے، ابوحاتم کا قول ہے کہ امام جعفر صادق ایسے ثقہ ہیں کہ لا یسئل عنه مثله کہ ایسے اشخاص کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار کی ضرورت نہیں ،آپ ریاست کی طلب سے بے نیاز تھے، اور ہمیشہ عبادت گذاری میں بسر کرتے رہے ،عمر ابن مقدام کا کہنا ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے معاً یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جوہر رسالت کی اصل و بنیاد ہیں۔

اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی روایت نہیں لی، چنانچہ امام اہل سنت علامہ وحید الزماں حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ

""جعفر چھوٹی یا بڑی واسع نہر کو کہتے ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام

مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے، اور بڑے ثقہ اور [illegible] اور حافظ تھے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ (حدیث) ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں "فی منہ شیء ومجالد احب الی منہ" "میرے دل میں امام جعفر صادق کی طرف سے خلش ہے، میں ان سے بہتر مجالد کو سمجھتا ہوں، حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رُتبہ ہے؟ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہل بیت سے کچھ محبت وعقیدت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمر ابن خطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی، اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔"

علامہ وحید الزماں حیدر آبادی صاحب نے یہ لکھ کر کہ "امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے، حق پر پردہ ڈالا ہے، علامہ وحید الزماں اچھی طرح جانتے ہیں کہ علماء سقیفہ وہی کرتے ہیں جو ان کو بنی امیہ کا اشارہ ہوتا ہے اور بنی امیہ کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ دین اسلام اس گھر سے نہ لیا جائے جس گھر سے دین اسلام شروع ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ بخاری نے خوارج سے روایت لینا پسند کیا ہے لیکن فرزند رسولؐ سے روایت لینا پسند نہیں کیا۔

منصور عباسی حج کو گیا تو ایک بوڑھے شخص نے (منصور کی نظر میں خود کو اونچا کرنے کے لئے) منصور سے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام تیری حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں اور خروج کے لئے شیعوں سے بیعت لے رہے ہیں، یہ سن کر منصور کو غصہ آ گیا اس نے امام کو فوراً طلب کیا، جب امام پہونچے تو اس نے کہا کہ تم عامۃ المسلمین کے خلاف خروج کے لئے شیعوں سے بیعت لے رہے ہو اور چاہتے ہو کہ

مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو اور فتنہ وفساد پھیلے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں منصور نے کہا فلاں شخص تو کہتا ہے کہ تم نے ایسا کیا ہے، امامؑ نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے، بادشاہ اس سے حلف اٹھوا، منصور نے کہا کہ اگر اس نے حلف اٹھالیا تو میرے لئے تمہیں، سزا دینے کے لئے یہی کافی ہوگا، منصور نے بوڑھے سے کہا کہ حلف سے کہو۔

بوڑھے نے قسم کھانا شروع کی تو امام نے منصور سے کہا کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، انھوں نے اپنے جد حضرت علی علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ اگر کوئی بندہ اپنی قسم میں اللہ کی پاکی کا اقرار کرے خواہ وہ جھوٹ ہی قسم کیوں نہ کھارہا ہو تو اللہ اس پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا، اس لئے اللہ کے منزّہ ہونے اور اس کی پاکی کا اقرار کرنے کے بعد اس نے حلف اٹھایا ہے، اس سے کہو کہ جس طرح میں کہوں اس طرح حلف اٹھائے منصور نے کہا کہ آپ جس طرح چاہیں اس سے حلف اٹھوائیں، امام نے کہا کہ "کہو میں اللہ کی قوت وطاقت سے خود کو بری کر کے اپنی وقوت طاقت پر بھروسہ کروں گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر میں نے تم پر جھوٹ الزام لگایا ہو تو میں اللہ کی قوت وطاقت سے بیزار ہو کر اپنی ہی قوت وطاقت کی پناہ میں ہوں۔

ان الفاظ میں حلف اٹھانے کے لئے بوڑھا ہچکچانے لگا، منصور نے اپنا ڈنڈا اٹھایا اور بولا خدا کی قسم اگر تو نے ان الفاظ میں حلف نہ اٹھایا تو میں تجھے اس ڈنڈے پر اٹھالوں گا۔

اب بوڑھا مجبور ہوگیا، اس نے انھیں الفاظ میں حلف اٹھایا ابھی حلف کے الفاظ ختم بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اس کی زبان کتے کی طرح مونہہ سے باہر نکل آئی، اور وہ فوراً ہی مرگیا، امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے تشریف لے آئے۔

امامؑ کے جانے کے بعد منصور نے ربیع کو بلایا اور کہا "وائے ہو تجھ پر دیکھ اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کرنا ورنہ لوگ بہک جائیں گے۔

ایک مرتبہ ایک ہندوستانی طبیب منصور کے یہاں پہونچا اس کی قابلیت کی وجہ

سے تمام درباری طبیب اس کے سامنے بونے نظر آئے اس کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے، منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی دربار میں طلب کرلیا، وہ طبیب تمام درباری طبیبوں پر غالب رہنے کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہو گیا تھا، ابتداء میں امام خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے، پھر امام نے اس سے جسم انسانی کی ساخت کے متعلق سوالات کئے جس کو وہ طبیب نہ بتا سکا، اور مجبور ہو کر کہنے لگا آپ ہی بتا دیجئے امام نے اس کو جسم انسانی کی ساخت کے متعلق تفصیل سے آگاہ کیا یہ سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم کس سے سیکھا ہے فرمایا اپنے دادا سے انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا، اور انھوں نے خدا سے سیکھا تھا یہ سن کر طبیب ہندی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ (یہ روایت طویل ہے میں نے یہاں پر صرف اشارہ کیا ہے)

اس واقعہ سے امام علیہ السلام کی شہرت ہر طرف پھیل گئی اور لوگوں کے قلوب آپ کی طرف جھک گئے، دوست دشمن سب اس واقعہ کا تذکرہ کرنے لگے، منصور ان حالات سے سخت پریشان ہوا، اس کا حسد اور بڑھ گیا اس نے بظاہر عزت واحترام کے ساتھ امام کو مدینے بھجوا دیا، لیکن مدینے کے گورنر حسین بن زید کو حکم دیا کہ امام کو مع ان کے گھر والوں کے زندہ جلا دے۔ چنانچہ مدینے کے گورنر نے چند غنڈوں کے ذریعہ رات کے وقت جبکہ سب محوِ خواب تھے آگ لگوا دی اور گھر جلنے لگا، لوگوں نے بہت کوشش کی کہ آگ بجھ جائے لیکن نہ بجھی، بالآخر آپ انھیں شعلوں میں یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

> "اے آگ میں وہ ہوں جس کے آباؤ اجداد زمین و آسمان کی بنیادوں کا سبب ہیں اور میں خلیل خدا ابراہیم نبی کا فرزند ہوں، یہ کہہ کر آپ نے عبا کے دامن سے آگ بجھا دی۔"

محمد بن سعید نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے گذارش کی کہ مجھے خراج دینے میں تاخیر ہو گئی، لہٰذا آپ ایک سفارشی خط خراج وصول نے والے محمد بن حمزہ ثمالی کے نام لکھ

دیں: آپ نے فرمایا کہ خط کی ضرورت نہیں ہے تم اس سے کہو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے ہمارے ماننے والوں میں سے کسی کا اکرام کیا اللہ اس پر کرم کرنا شروع کرے گا، اور جس نے ہمارے ماننے والوں میں سے کسی کی اہانت کی وہ اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرے گا، جس نے میرے شیعوں پر احسان کیا اس نے درحقیقت امیر المومنین علیہ السلام پر احسان کیا اور جس نے امیر المومنین علیہ السلام پر احسان کیا اس نے اللہ پر احسان کیا اور جس نے اللہ پر احسان کیا وہ خدا کی قسم ہمارے ساتھ جنت میں درجۂ عالی پر ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا، یہ سن کر محمد بن حمزہ ثمالی نے کہا تجھے خدا کی قسم سچ بتا کیا واقعاً تو نے یہ حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنی ہے؟ راوی نے کہا جی ہاں! اس نے کہا بیٹھو اور پھر غلام کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو علی بن محمد بن سعید پر کتنی رقم واجب الادا ہے؟ غلام نے حساب دیکھ کر بتایا ساٹھ ہزار درہم، اس نے کہا کہ رجسٹر سے اس کا نام کاٹ دو، پھر اس نے رقم کی ایک تھیلی ایک کنیز اور ایک سواری مع زین ولجام مجھے دی۔

اس کے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، امام مجھے دیکھ کر مسکرائے اور کہا تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے؟ میں نے عرض کیا فرزند رسول آپ ہی بیان فرمائیں آپ نے اس طرح بیان فرمایا گویا آپ وہاں پر موجود سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

ایک مرتبہ منصور نے امام ابو حنیفہ سے کہا کہ حضرت جعفر ابن محمدؑ کے لوگ گرویدہ ہوتے جارہے ہیں، ان کی شہرت بڑھتی جارہی ہے تم ان سے سخت ترین اور مشکل پیچیدہ سوالات کا مجموعہ مرتب کر کے میرے سامنے دربار عام میں ان سے دریافت کروتا کہ ان کی علمی بے چارگی کا اظہار کیا جائے، لہٰذا ابو حنیفہ نے چالیس مشکل سوال تیار کیے، ایک دن منصور نے مقام حیرہ میں امام ابو حنیفہ کو طلب کیا ان کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہونچا تو

امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کے پہلو میں تشریف فرما تھے، ان کو دیکھتے ہی میرے دل پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میرے اوسان خطا ہو گئے، الغرض میں نے سلام کیا منصور نے بیٹھنے کا اشارہ کیا، تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کیں پھر امام صادق علیہ السلام سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں، امام نے فرمایا ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں، پھر منصور میری طرف متوجہ ہوا اور بولا اپنے مسائل امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرلو، میں نے امام صادق علیہ السلام سے سوالات شروع کئے آپ نے ہر مسئلے کے جواب میں کہا کہ ابوحنیفہ تم یہ کہتے ہو ،فقہائے مدینہ یہ کہتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں، راوی حسن بن زید کا بیان ہے کہ تمام جوابات ملنے کے بعد امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سب سے بڑا عالم اور فقیہ وہ مانا جائے گا جو تمام مکاتب فکر کے اختلافات کو سب سے زیادہ جانتا ہو۔

ایک دن امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ سنا ہے کہ تم قیاس کرتے ہو، انھوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ ہرگز قیاس نہ کرو سب سے پہلے ابلیس نے قیاس پر عمل کیا تھا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے اس نے آگ اور مٹی کا مقابلہ کر کے قیاس کیا (کہ مٹی پست درجہ ہے اور آگ بلند درجہ رکھتی ہے) اس کو چاہئے تھا کہ آدمؑ کی نورانیت کا مقابلہ نورانیتِ آتش سے کرتا اور دیکھتا کہ ان دونوں کے مدارج میں کتنا فرق ہے۔

حسین بن یزید روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ نے امام صادق علیہ السلام سے کہا کہ کل مقامِ عرفہ میں آپ جانور کی خریداری میں بہت زیادہ مول تول سے کام لے رہے تھے، آپ کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہو رہا تھا، امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی اس میں نہیں ہے کہ میں مالی نقصان برداشت کروں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا خدا کی قسم آپ نے صحیح فرمایا، اللہ ہرگز کسی کا نقصان نہیں چاہتا خواہ وہ نقصان کم ہو یا زیادہ، اے ابوعبداللہ علیہ السلام آپ ہر مسئلے کا جواب ایسا دیتے ہیں کہ انسان مطمئن ہو جاتا ہے اور غیر کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا نہ بچ نکلنے کی کوئی راہ ہوتی ہے۔

ایک شخص نے امام ابوحنیفہ سے لاشئے کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے، ابوحنیفہ اس کو سمجھاتے رہے لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا حتیٰ کہ ابوحنیفہ عاجز ہو گئے تنگ آ کر ابوحنیفہ نے اس شخص کو اپنا خچر دیا اور کہا کہ اس کو رافضیوں کے امام ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس لے جاؤ اور اس کو ان کے ہاتھ فروخت کر دو، اور جب وہ قیمت دریافت کریں تو کہنا لاشئے تب وہ جو کچھ دیں وہ لے کر آنا۔

یہ شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس پہونچا، آپ نے اس پوچھا کہ یہ خچر کس کا ہے اس نے کہا ابوحنیفہ کا ہے اور برائے فروخت ہے، امام نے اس سے دریافت کیا کہ اس کی کیا قیمت ہے اس نے کہا لاشئے (امام کو تعجب ہوا کہ اچھا خچر ہے اور یہ قیمت کچھ نہیں مانگ رہا ہے) امام نے کہا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ابوحنیفہ نے یہی قیمت بتائی ہے، امام نے کہا کہ اچھا میں نے اس کو لاشئے پر خرید لیا، پھر اپنے غلام سے کہا کہ اس کو اصطبل میں باندھ دو، وہ شخص بہت دیر بیٹھا انتظار کرتا رہا جب دیر ہو گئی تو اس نے کہا کہ قیمت تو دیجئے امام نے فرمایا کل تک انتظار کرو اس شخص نے واپس آ کر پورا قصہ ابوحنیفہ سے بیان کیا، ابوحنیفہ بہت خوش ہوئے، دوسرے دن ابوحنیفہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس پہونچے امام نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم اپنے خچر کی قیمت لاشئے لینے آئے ہو، انھوں نے کہا جی ہاں! جب سورج بلند ہو گیا تو امام ایک سواری پر سوار ہوئے ابوحنیفہ دوسری سواری پر سوار ہوئے اور صحرا کی طرف چلے تو دیکھا کہ سامنے پانی بہہ رہا ہے امام نے ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ سامنے کیا نظر آ رہا ہے، وہ بولے پانی بہتا ہوا نظر آ رہا ہے، لیکن جب دونوں آگے بڑھے تو وہاں کچھ نہ تھا اب وہ مزید فاصلے پر بہتا ہوا نظر آ رہا تھا (اسی کو سراب کہتے ہیں) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! اے ابوحنیفہ تو یہ ہے تمہارے خچر کی قیمت، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کسراب بقیعة یحسبه الظمان ماء حتی اذاجاءه لم یجده شیا ووجده الله عنده (سورہ توبہ) ترجمہ: جیسے صحرا میں سراب پیاسا اس کو پانی گمان کرتا ہے، حتی کہ جب وہ اس کے پاس آتا ہے تو اسے

کچھ نہیں (لاشئے) پاتا ہے اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ اپنے اصحاب کے پاس بہت محزون و مغموم پہونچے انھوں نے دریافت کیا کہ آپ رنجیدہ کیوں ہیں؟ کہنے لگے کیا بتاؤں میرا خچر مفت میں چلا گیا جو میں نے دس ہزار درہم کا خریدا تھا۔

سلمان اعمش مرض الموت میں مبتلا ہوئے ان کے آخری لمحات تھے ان کی عیادت کے لئے امام ابوحنیفہ بھی پہونچے ان کو دیکھ کر ابوحنیفہ نے کہا کہ سلیمان خدا سے ڈرو یہ تمہاری دنیا کا آخری دن اور تمہاری آخرت کا پہلا دن شروع ہوا چاہتا ہے تم نے علی ابن طالب علیہ السلام کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کی ہیں کہ اگر تم اپنی زبان بند رکھتے تو تمہارے لئے بہتر ہوتا، یہ سن کر سلیمان کو غصہ آگیا اور کہا اچھا مجھ جیسے شخص سے تمہیں یہ کہنے کی جرأت، اے لوگو مجھے اٹھا کر بٹھاؤ، مجھے تکیئے کا سہارا دو جب ان کو اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو وہ ابوحنیفہ سے بولے کہ سنو! مجھ سے ابوالمتوکل ناجی نے بیان کیا اور اس سے ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے اور علی ابن ابی طالبؑ سے کہے گا کہ تم دونوں اپنے دوستوں کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کردو چنانچہ اسی کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد خداوند عالم ہے کہ القیافی جھنم کل کفار عنید (سورہ ق) ترجمہ (تم دونوں ہر انکار کرنے والے (حق سے) عناد رکھنے والے کو جہنم میں ڈال دو)

ابوحنیفہ نے یہ سن کر کہا چلو یہاں سے ورنہ یہ اس سے بھی بڑی بات کہہ دیں گے۔

فضل کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کفار سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنے والے، میں نے پھر عرض کیا کہ عنید سے کون مراد ہیں فرمایا علی ابن طالب علیہ السلام کے حق کا انکار کرنے والے۔

منصور نے امام صادق علیہ السلام کو طلب کیا آپ مدینے سے چل کر اس کے

دربار میں اس وقت پہونچے جب اس کو ایک مکھی ستارہی تھی وہ اس کو بار بار اڑاتا تھا لیکن وہ پھر آکر اس کے مونہہ پر بیٹھ جاتی تھی تنگ آکر اس نے امام سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی کو کیوں تخلیق کیا ہے امام نے فرمایا کہ تاکہ متکبروں کو ذلیل کرے اور سرکشوں کا سر جھکائے۔

منصور بظاہر حکومت کر رہا تھا، لیکن امام صادق علیہ السلام کی شہرت کی وجہ سے انگاروں پر لوٹ رہا تھا، اس کو ہر وقت یہ فکر ستارہی تھی کہ اگر یہی حال رہا، تو لوگ میرے خلاف ہوجائیں گے اس لئے اس نے امام صادق علیہ السلام کو زہر دلا کر شہید کرادیا، یہ زہر انگور میں دیا گیا تھا۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اس کی خبر مدینے کے گورنر محمد بن سلیمان نے منصور کو دی، منصور نے مدینہ کے گورنر محمد بن سلیمان کو لکھا کہ انھوں نے اپنا جانشین جس کو بنایا ہو اس کو قتل کردو، محمد بن سلیمان نے خط تحریر کیا کہ انھوں نے پانچ اشخاص کو اپنا وصی بنایا ہے (۱) منصور (خلیفۂ وقت) (۲) محمد بن سلیمان (مدینے کا گورنر) (۳) عبداللہ بن امام جعفر صادقؑ (۴) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۵) حمیدہ خاتون والدہ امام موسیٰ کاظمؑ، منصور نے یہ جواب پاکر کہا کہ پھر تو ان سب کو قتل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے انتقال سے پہلے اپنے تمام اعزہ کو جمع کیا جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور فرمایا سنو!

"ہماری شفاعت اس کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کو معمولی سمجھے گا۔"

یعنی یہ کہ جو نماز کو معمولی جان کر چھوڑ دے وہ اہل البیتؑ کی شفاعت سے محروم رہے گا، یہیں پر ہر شیعہ غور کرے کہ آج جو امریکی ذاکرین ومولوی (علما سوء) نماز کو معمولی ثابت کر رہے ہیں وہ خود بھی اہل البیتؑ کی شفاعت سے محروم ہیں اور جو اِن کی باتوں میں آکر نماز سے دور ہو رہے ہیں، وہ بھی اہل البیتؑ کی شفاعت سے محروم ہوں گے، اور جو شفاعت اہل البیتؑ سے محروم ہوا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے مغرب میں فاطمی سلطنت قائم ہوئی، اس سلطنت میں چودہ مشہور بادشاہ ہوئے ان کی حکومت دو سو ستر سال تک مصر اور اطرافِ مصر میں رہی، انھیں فاطمی خلفاء کے دور میں جامعہ ازہر (یونیورسٹی) قائم ہوئی جو آج بھی قائم ہے، انھیں کے عہد میں ایک لاکھ تیس ہزار موضوعات پر ۱۶ / لاکھ کتابوں کا کتب خانہ قائم ہوا، ان خلفاء کے عہد میں مصر کو جو ترقی نصیب ہوئی اس کے بعد سے آج تک نصیب نہ ہوئی۔

# ساتویں امام

## حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں جانشین اور سلسلہ عصمت کی نویں کڑی ہیں، آپ کے والد امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں، اور آپ کی والدہ جناب حمیدہ خاتون تھیں، آپ کی والدہ کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آپ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمود تھیں، آپ صاحبِ جمال وکمال دیندار و دیانتدار تھیں اور ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۷ / صفر المظفر ۱۲۸ھ بمطابق ۱۰ / نومبر ۷۴۵ء یومِ شنبہ بمقام ابواء (جو مکے اور مدینے کے درمیان ہے) پیدا ہوئے، آپ نے پیدا ہوتے ہی مثل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر آسمان کی طرف رخ کیا اور کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا، ہر معصوم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوتا ہے، اسی طرح آپ بھی ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے۔

آپ امام منصوص اعلم زمانہ افضل کائنات تھے، دنیا کی تمام زبانیں دیگر معصومین کی طرح جانتے تھے، تمام اچھی باتیں آپ میں موجود تھیں، آپ دنیا کے عابدوں میں سب سے بڑے عبادت گذار تھے، آپ ساری رات رُکوع وسجود قیام وقعود میں گذارتے تھے،

ہوگا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور ہم بشارت دینے کے لئے آئے ہیں۔

اب گھر میں دو بچے ہو گئے ایک جناب ہاجرہؑ کے فرزند اسماعیلؑ اور دوسرے حضرت سارہؑ کے فرزند جناب اسحاقؑ (کتنا مبارک گھرانہ تھا ایک گھر میں تین نبی اور دو عظیم خواتین) اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

ایک روز حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابرہیمؑ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت اسماعیلؑ تشریف لائے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو ہٹا کر خود حضرت ابراہیمؑ کی گود میں بیٹھ گئے، حضرت ابراہیمؑ نے تو اس بات پر کوئی ردّ عمل ظاہر نہ کیا کیونکہ دونوں ہی فرزند تھے اور بچے تھے لیکن حضرت سارہؑ نے اس منظر کو دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا اور انھوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ حد ہوگئی ہاجرہ کا فرزند میرے فرزند کو آپ کی گود سے اٹھا کر خود بیٹھ گیا۔ اب ممکن نہیں کہ ہاجرہؑ اور اس کا فرزند میرے ساتھ رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت سارہؑ کی بہت عزت کرتے تھے ایک تو وہ سب سے پہلے ایمان لائیں تھیں، دوسرے یہ کہ شادی کے بعد انھوں نے اپنا تمام مال واسباب وجائیداد حضرت ابراہیمؑ کو ہبہ کر کے مالی آسودگی مہیّا کی تھی ،تیسرے یہ کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی خالہ زاد بہن ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عورت تھیں لیکن ان کے اس مطالبے سے حضرت ابراہیمؑ کو تکلیف پہونچی۔

خداوند عالم کی اب مشیت یہ ہوئی کہ کعبہ کے اِرد گرد شہر مکّہ آباد ہو، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو خداوند عالم کا حکم پہونچا جو سارہؑ کہتی ہیں اس پر عمل کرو اور ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ میری خاص زمین (موجودہ نام مکّہ) میں لے جا کر آباد کرو، آپ فوراً، راضی ہوگئے ،آپ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو لے کر حضرت جبرئیلؑ کی رہنمائی میں مکّے پہونچے، یہ طویل مسافت انھوں نے بطور طی الارض (یعنی زمین کا سکڑ جانا) طے کی یہاں پر آپ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو بسا کر چلے گئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً دیکھ

سارادن صدقہ وروزے میں بسر کرتے تھے ،آپ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابدسب سے زیادہ علم والے،سب سے زیادہ سخی اور بزرگ تھے۔

غورفرمایئے! چہاردہ معصومین اور انبیاء علیہم السلام میں جس کا بھی ذکر کیجئے وہاں یہ ملے گا کہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ عابدسب سے زیادہ عالم تھے،لیکن آج ہم شیعوں میں عبادت،علم دین،اور علم دنیا اتنا کم ہے کہ ہم اب پچھڑی ہوئی قوم کی منزل میں پہونچ چکے ہیں،امریکی مولوی (علماء سو) (خداانھیں غارت کرے) آج منبروں سے وعظ ونصیحت کرنے کی مخالفت کرتے ہیں،عبادت کی طرف متوجہ کرنے کے بجائے شفاعت کے نام سے عبادت سے قوم کو دور کرتے ہیں،عطاء وبخشش سے قوم دور ہوچکی ہے،اس لئے غربت قوم میں بڑھ گئی ہے،اب بھی وقت ہے کہ ہم جاگیں عبادات کی طرف متوجہ ہوں،غرباء کی طرف عطاء وبخشش کا ہاتھ بڑھائیں اور امریکی مولویوں سے کہیں کہ معصومین علیہم السلام جبکہ گناہوں سے دور تھے پھر وہ خوفِ خدا دل میں رکھتے تھے ،عبادات میں دن رات مصروف رہتے تھے،ہم تو گنہگار ہیں ہمیں عبادات کرنے اور علم حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے،اس لئے تم ہم سے دور رہو اور خود جہنم میں جاؤ خدا تمہارے شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کنیت ابوالحسن ،ابوابراہیم ،ابوعلی، ابوعبداللہ تھی اور آپ کے القاب کاظم،عبدصالح،نفس زکیہ،صابر،امین ،باب الحوائج وغیرہ تھے،لیکن آپ کے القاب میں کاظم نے زیادہ شہرت پائی کیونکہ آپ بدسلوک کے ساتھ احسان کرتے ستانے والے کومعاف فرماتے،اور غصہ کو پی جاتے تھے،آپ بڑے حلیم، بردبار اور اپنے پرظلم کرنے والے کومعاف کردیا کرتے تھے۔

عثمان بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ حسن بن محمد میرا ایک سوتیلا بھائی ہے اس کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے، تو مرجاتا ہے،آپ اس کے لئے دعا فرمائیں،آپ نے فرمایا جا تیری حاجت اللہ نے

پوری کی، اس کے بعد اس کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے اور زندہ رہے۔

اہل مغرب میں سے ایک فرد یعقوب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، امام نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اے یعقوب تم کل آئے اور فلاں مقام پر تمہارے اور تمہارے بھائی کے درمیان جھگڑا ہوا، ایک نے دوسرے کو گالی دی، یہ طریقہ نہ میرا ہے نہ میرے آباء کا دین اور طریقہ ہے، اور نہ ہم اس کی کسی کو اجازت دیتے ہیں، خدائے وحدہ لاشریک لہٗ سے ڈرو اس لئے کہ عنقریب موت تم دونوں کو جدا کرنے والی ہے، تمہارا بھائی گھر پہونچنے سے پہلے ہی سفر میں انتقال کر جائے گا اور تمہیں اس جھگڑے پر پچھتانا پڑے گا، چونکہ لڑائی کے بعد تم دونوں نے ترک تعلقات کر لئے ہیں اس لئے تمہاری بھی مدّت حیات کم کر دی گئی ہے۔

اس شخص نے عرض کی کہ میری موت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ تمہاری موت بھی آ ہی چکی تھی مگر فلاں مقام پر تم نے اپنی پھوپھی کے ساتھ جو حسن سلوک کیا ہے اس وجہ سے تمہاری عمر اللہ نے بیس برس بڑھا دی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس مرد مغربی سے میری ملاقات حج میں ہوئی اس نے بتایا کہ واقعاً میرا بھائی گھر پہونچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گیا۔

عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے روایت ہے کہ اس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا تو حضرت امام ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا اس سال جو عمل خیر کرنا ہو کر لو اس لئے کہ تمہاری موت قریب ہے

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں رونے لگا آپ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اس لئے کہ مجھے موت کی خبر دے دی گئی ہے، آپ نے فرمایا اچھا تو یہ خوش خبری بھی سن لو کہ تم ہمارے شیعوں میں سے ہو اور خیر پر ہو۔

اخطل کاہلی کا بیان ہے کہ پھر عبداللہ بن یحییٰ کاہلی کا تھوڑے ہی دن کے بعد انتقال ہو گیا۔

گذشتہ صفحات میں منصور خلیفہ عباسی کا تذکرہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے

احوال میں آپ پڑھ چکے ہیں، اس نے سادات کا قتل عام کیا، دیواروں میں زندہ چنوادیا، اسی روِش پر منصور کا پوتا، ہارون رشید بھی تھا، اس نے بھی مظالم کی انتہاء کردی، ہارون رشید نے امام حسین علیہ السلام کی قبر پر ہل چلوادئے لیکن لوگ پھر بھی زیارت کو آتے رہے، ہارون رشید کے حاشیہ نشینوں نے ہارون کو بتایا کہ لوگ اس بیری کے درخت کی وجہ سے قبر کا پتہ چلالیتے ہیں جو قبر کے قریب موجود ہے، یہ سن کر ہارون نے اس بیری کے درخت کو کٹوادیا، جب بیری کے اس درخت کے کٹنے کی خبر جریر ابن عبدالحمید کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث لعن اللّٰہ قاطع السدرۃ (ترجمہ) بیری کے درخت کاٹنے والے پر خدا کی لعنت کا مطلب اب واضح ہوا ہے۔ المختصر یہ کہ حالات سادات کرام کے لئے اور شیعوں کے لئے بہت دشوار تھے، ان حالات میں علی بن یقطین حالتِ تقیہ میں اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ہارون کے دربار میں پہونچ گئے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ علی بن یقطین اوران کے ساتھیوں میں پیر کے مسح پر اختلاف ہوگیا کہ مسح انگلیوں سے شروع کیا جائے اور ٹخنے تک ہاتھ لایا جائے، یا ٹخنے سے شروع کرکے انگلیوں تک ہاتھ لایا جائے، جب آپس میں اختلاف بڑھا تو علی بن یقطین نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اس مسئلے کی وضاحت کے لئے خط لکھا، امامؑ نے جواب میں اہل سنت کے وضو کا طریقہ تحریر کیا، جب علی بن یقطین کو یہ جواب ملا تو انھیں بڑی حیرت ہوئی لیکن انھوں نے کہا کہ امام کا حکم ہے اس لئے اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہے، اسی پر عمل کرنا واجب ہے، اس کے بعد علی بن یقطین نے اہل سنت کے طریقے پر وضو کرنا شروع کردیا۔

ایک روز ہارون رشید نے علی بن یقطین کے متعلق اپنے حاشیہ نشین سے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ علی بن یقطین ہمارا مخالف ہے اور رافضی ہے، لیکن میں اس کے کام میں کوئی کوتاہی نہیں پاتا ہوں، حاشیہ نشین نے کہا کہ روافض کا وضو اور ہمارا وضو الگ الگ ہے، آپ علی بن یقطین کو وضو کے معاملے میں آزمالیں، ہارون رشید اس رائے خوش ہوا، اور اس نے علی بن یقطین کو اپنے گھر میں کسی کام پر لگادیا حتیٰ کہ نماز کا وقت ہوگیا

توہارون نے ان کوایک تخلیہ کی جگہ میں نماز ادا کرنے کے لئے کہا اور چھپ کر علی بن یقطین کا وضو دیکھنے لگا ہارون نے دیکھا کہ علی بن یقطین تنہائی میں بھی اہل سنت کی طرح وضو کر رہے ہیں، تو اس سے ضبط نہ ہو سکا اور ایک دم سامنے آ گیا اور بولا کہ علی بن یقطین وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تم کو رافضی کہتے ہیں۔

اس واقعے کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط علی بن یقطین کے پاس پہونچا کہ اب تم اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ کا حکم ہے، میرا پہلا حکم منسوخ سمجھو کیونکہ وہ خطرہ جو تم پر تھا وہ ٹل گیا ہے۔

انھیں علی بن یقطین کا واقعہ ہے کہ ہارون رشید نے ان کو ایک قیمتی جبہ جو سیاہ رنگ کا تھا اس میں سونے کے تاروں سے کام کیا ہوا تھا بخش دیا، علی بن یقطین اس قیمتی جبے کو لے کر بہت خوش ہوئے اور اس جبّے کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا، امامؑ نے اس جبّے کو واپس علی بن یقطین کے پاس بھیج دیا، اور خط لکھا کہ تمہیں اس جبے کی ایک دن ضرورت پڑے گی اس کو اپنے پاس رکھو علی بن یقطین نے اس کو حفاظت سے رکھ لیا، دوسری طرف چغل خوروں نے ہارون رشید کو اطلاع دی کہ علی بن یقطین رافضی ہے اور اس نے وہ جبہ جو آپ نے دیا تھا اپنے امام کو مدینہ بھیج دیا ہے، یہ سن کر ہارون رشید کو بہت غصہ آیا، اس نے فوراً علی بن یقطین کو طلب کیا۔

علی بن یقطین کے پاس سے امام کے قاصد کو گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہارون رشید کا قاصد بغیر اجازت اندر آ گیا، اور کہا کہ امیر المومنین نے طلب کیا ہے، علی بن یقطین نے کہا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو میں وہاں سے آیا ہوں کیا بات ہے قاصد نے کہا میں نہیں جانتا۔

الختصر یہ کہ ابن یقطین ہارون کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہاں عمر بن بزیع کھڑا ہوا ہے، ہارون نے ابن یقطین سے دریافت کیا کہ تم نے وہ جبہ کیا کیا جو میں نے تم کو دیا تھا، ابن یقطین نے کہا کہ آپ کس جبّے کی بات کر رہے ہیں؟ ہارون بولا کہ وہ کالا

سونے کے تاروں والا جبہ، ابن یقطین نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے، ہارون نے کہا کہ اس کو ابھی حاضر کرو، ابن یقطین نے ایک خادم کو بھیجا اور کہا کہ میرے فلاں کمرے میں فلاں صندوق میں جبہ رکھا ہوا ہے لے آؤ، خادم کچھ دیر بعد وہ جبہ لے آیا، ہارون نے جبہ دیکھا تو عمر بن بزلیع سے کہا کہ خبردار! آئندہ علی بن یقطین کے خلاف میرے سامنے ایک لفظ زبان سے نہ نکالنا۔

علی بن یقطین چونکہ ہارون کے وزیر تھے اس لئے لوگ ان کے پاس اپنی ضروریات کے لئے آنے لگے، ایک مرتبہ ابراہیم جمال کے ان کے در پر پہونچے (یہ چونکہ غریب تھے ان کو بھی کوئی ضرورت پیش آگئی تھی) لیکن ان کو علی بن یقطین نے ملاقات کی اجازت نہ دی، اسی سال علی بن یقطین حج کو گئے حج سے فارغ ہو کر ابن یقطین مدینے پہونچے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملنے کی اجازت چاہی لیکن امام نے اجازت نہیں دی، دو دن اسی طرح گذر گئے، ابن یقطین نے کہلایا مولا و آقا! میری کیا خطا ہے؟

امامؑ نے فرمایا کہ تم نے اپنے برادرِ ایمانی ابراہیم جمال سے ملاقات نہیں کی، اس لئے میں تم سے ملاقات نہیں کروں گا اب تم براہیم جمال سے معافی مانگو، ابن یقطین نے کہا کہ مولا میں مدینے میں ہوں اور ابراہیم جمال کوفے میں ہیں، فرمایا رات کو بقیع میں تنہا جاؤ، وہاں ایک گھوڑا مع زین تم کو تیار ملے گا اس پر سوار ہو جانا وہ تم کو فوراً کوفے پہونچا دے گا۔

ابن یقطین رات کو بقیع پہونچے گھوڑے پر سوار ہوئے اور چشم زدن میں کوفہ پہونچ گئے اور ابراہیم جمال کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ میں ابن یقطین ہوں، ابراہیم جمال نے کہا کہ ابن یقطین میرے گھر پر کیا کرنے آیا ہے؟ ابن یقطین نے کہا بہت بڑا کام ہے خدا کے لئے ملنے کی اجازت دو، ابراہیم جمال نے دروازہ کھولا ابن یقطین اندر داخل ہوئے اور کہا کہ جب تک تم مجھے معاف نہ کرو گے میرے آقا و مولا بھی مجھے معاف نہ کریں

گے، ابراہیم نے کہا میں نے معاف کیا، جاؤ اللہ تم کو معاف کرے گا، ابن یقطین کو تسلی نہ ہوئی انھوں نے اپنا مونہہ خاک پر رکھا اور کہا کہ تم اپنا پاؤں میرے مونہہ پر رکھو، ابراہیم نے انکار کیا ابن یقطین نے اصرار کیا، مجبوراً ابراہیم نے اپنا پاؤں ابن یقطین کے مونہہ پر رکھا تو ابن یقطین نے کہا پروردگار تو گواہ رہنا کہ ابراہیم نے مجھے معاف کر دیا، اس کے بعد وہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر چشم زدن میں مدینے پہونچ گئے، تب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ابن یقطین کو ملنے کی اجازت دی۔

یہ علی ابن یقطین چونکہ وزیر ہو گئے تھے انھوں نے بہت سے شیعوں کے کام اپنی ملازمت کے دوران کرائے، سادات کرام جن پر حکومت نے دنیا تنگ کر دی تھی ان کی لڑکیوں کی شادیاں کرائیں۔ ان کو امام نے ضمانت دی تھی کہ جب تک تم مومنین کے کام آتے رہو گے تم تک شمشیر اور زنجیر (قید و بند) نہ پہونچے گی اور فقر و فاقہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہوگا۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی امام نے اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ ایک شیعہ ان کے در پر گیا اور انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا، اس حرکت پر امام نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا، ان کو جب خطا کا احساس ہوا تو ابراہیم کے صرف اتنا کہنے پر انھوں نے اکتفا نہیں کیا کہ جاؤ اللہ تمہیں معاف کرے گا، بلکہ انھوں نے اپنے چہرے پر ابراہیم کا پاؤں رکھوا کر اپنے غرور کو تو چکنا چور کیا ہی ایک شیعہ کی عظمت کا بھی احساس کرا دیا، کہ ایک شیعہ کی کیا اہمیت ہے۔

آج سرکاری ملازمین اس سے سبق حاصل کریں، اگر کسی مومن کے ساتھ انھوں نے ذرا بھی غلط رویہ اپنایا تو امام زمانہ ان سے ناراض ہو جائیں گے اور عام مومنین بھی غور کریں کہ کسی شیعہ کو ستانے پر امام کتنا ناراض ہوں گے، یاد رہے کہ ہر شب جمعہ شیعوں کے اعمال امام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

انھیں علی ابن یقطین نے روایت کی ہے کہ ہارون رشید کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو شرمندہ کرے اور آپ کی امامت باطل ثابت

ہو، چنانچہ اس نے ایک جادوگر کو بلایا پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بلایا اور دستر خوان بچھانے کا حکم دیا، جب دستر خوان بچھ گیا تو اس جادوگر نے یہ حرکت شروع کی کہ امام جب بھی روٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے وہ روٹی کو آپ کے سامنے سے بذریعہ جادو اڑا دیتا، یہ دیکھ کر ہارون رشید بہت خوش ہوتا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

جب بات حد سے آگے بڑھ گئی تو امام علیہ السلام نے سر اٹھایا اور پردے پر بنی ہوئی شیر کی تصویر کو آواز دے کر فرمایا خدا کے شیر اس دشمن کو چیر پھاڑ کر اپنی خوراک بنالے آپ کا حکم ہوتے ہی وہ تصویر مجسم شیر بن گئی اور اس نے اس جادوگر کو چیر پھاڑ کر چٹ کر لیا، اور دوبارہ پھر پردے پر تصویر بن گئی ، یہ منظر دیکھ کر ہارون رشید اور اس کے مصاحبین مدہوش ہو کر گر پڑے کچھ دیر بعد جب ہوش میں آئے تو ہارون رشید نے کہا کہ آپ کو میرے حق کی قسم آپ اس تصویر کو حکم دیں کہ وہ اس شخص کو واپس کر دے، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے ان رسیوں کو نگل کر اُگل دیا ہوتا جو سانپ کی شکل میں تھیں تو یہ تصویر بھی اس نگلے ہوئے آدمی کو واپس اُگل دیتی۔

ابراہیم بن اسحاق نے محمد بن فلال رافعی سے روایت کی ہے کہ میرا ایک چچازاد بھائی حسن بن عبداللہ تھا یہ نہایت متقی پرہیز گار تھا، اس کی تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے بادشاہ تک اس سے ملنے آجایا کرتا تھا، ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں تمہاری اس بات سے خوش ہوں لیکن تمہارے اندر ایک کمی ہے کہ تم میں معرفت کی کمی ہے، جاؤ معرفت حاصل کرو، حسن بن عبداللہ نے کہا کیسی معرفت؟ آپ نے فرمایا علم فقہ و علمِ حدیث حاصل کرو اس نے کہا کس سے حاصل کروں فرمایا فقہائے مدینہ سے حاصل کرو اور جو وہ بتائیں مجھے آکر بتاؤ ، وہ امام کا مقصد سمجھ نہ سکا تب ایک روز حسن بن عبداللہ نے امام سے کہا اس وقت جب آپ اپنی زمینوں پر جا رہے تھے، اس نے کہا میں اللہ کے سامنے آپ پر دعویٰ کروں گا ورنہ آپ مجھ کو اصل معرفت سے آگاہ فرمائیں۔

امام نے اس کو حضرت علی علیہ السلام کے متعلق تفصیل سے بتایا اور یہ بھی بتایا کہ

ابوبکر وعمر نے کس طرح آپ کو محرومِ خلافت کیا، حسن بن عبداللہ نے غور سے سنا اور امام کے دلائل کے سامنے سپر انداختہ ہو کر حضرت علی علیہ السلام کی وِلایت کو تسلیم کیا اس کے بعد پوچھا کہ حضرت علیؑ کا جانشین کون ہوا؟ آپ نے کہا امام حسنؑ اور امام حسینؑ یکے بعد دیگرے امام ہوئے، اس کے بعد آپ نے تمام ائمہ کے نام بتائے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد خاموش ہو گئے، حسن بن عبداللہ نے کہا کہ آج کل امام کون ہے آپ نے فرمایا کہ بتاؤں تو مان لو گے؟ اس نے کہا جی ہاں! امام نے کہا تو سنو آج کل امام میں ہوں، اس نے کہا کوئی دلیل؟ امام نے کہا کہ سامنے بیری کا درخت ہے اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تمہیں حکم دیتے ہیں ان کے پاس جاؤ، حسن بن عبداللہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم زمین شگافتہ ہوئی اور وہ درخت اپنی جگہ چھوڑ کر امام کے قریب پہونچ گیا، پھر امام نے درخت کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ چلا جا، درخت پھر اپنی جگہ چلا گیا اس کے بعد حسن بن عبداللہ نے آپ کی امامت کا اقرار کیا اور خاموشی کو اپنا وطیرہ بنالیا اور اس کے بعد ان کو کسی سے بولتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ہارون رشید امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے فدک واپس لینے کو کہتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ فدک کی حدود بتایئے، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں فدک کی حدود بتاؤں گا تو تُو فدک کبھی واپس نہ کرے گا، اس نے جب زیادہ اصرار کیا تو امامؑ نے کہا کہ فدک کی پہلی حد عدن ہے، دوسری حد سمرقند ہے تیسری حد افریقہ ہے چوتھی حد سیف البحر ہے جو آرمینیہ کے قریب ہے، یہ سن کر ہارون رشید آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا پھر ہمارے لئے کیا بچے گا؟ امامؑ نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے تو منع کیا تھا، اس واقعے کے بعد ہارون رشید قتلِ امامؑ کی فکر میں رہنے لگا۔

حمید بن قحطبہ طوسی ہارون رشید کی طرف سے حاکمِ ایران تھا، اس نے آخر کار نماز روزہ وغیرہ ترک کر دیا اور بے دین زندگی گذارنے لگا، لوگوں نے اس کو بے دینی کی وجہ سے سرزنش کی تو اس نے کہا کہ نماز روزے وغیرہ کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مجھے جہنم میں

ہی جانا ہے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ

ایک روز رات کے وقت ہارون نے مجھے طلب کیا اس وقت ہارون رشید دورے پر طوس آیا ہوا تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ اس غلام کے ساتھ جاؤ اور جو یہ کہے وہ کرو اور میری تلوار بھی ساتھ لے جاؤ، بالآخر وہ غلام مجھے ایک مکان میں لے گیا، اس میں اولادِ علیؑ وفاطمہؑ قید تھی، غلام نے ایک کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا اس کمرے میں موجود سب سادات کو قتل کر کے وہیں موجود کنویں میں ڈال دو، میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد اس نے دوسرا کمرہ کھولا وہاں پر موجود جوان بوڑھے سب سادات کو قتل کر دیا، آخری کمرے کے قیدی سادات کو جب میں قتل کرنے لگا تو ان قیدیوں میں نہایت نورانی صورت بزرگ نے مجھ سے کہا کہ تجھے خدا کی بارگاہ میں نہیں جانا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا مونہہ دکھائے گا، یہ تو کیا کر رہا ہے، ان کا کلام سن کر میں کانپ گیا اور ان پر میرا ہاتھ نہ اُٹھا اتنے میں ہارون رشید کے غلام نے مجھے ڈانٹ کر کہا حکمِ امیر میں کیوں دیر کر رہا ہے، اس کے کہنے پر میں نے انھیں بھی قتل کر دیا اب (تم ہی بتاؤ) میری نماز، میرا روزہ، مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے، میں نے ایک رات میں ساٹھ سید افراد کو قتل کیا ہے۔

ہارون رشید قتلِ سادات میں منصور کے نقشِ قدم پر تھا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا تھا، اس کی پوری کوشش تھی کہ روئے زمین پر کوئی سید باقی نہ رہے اس نے سادات کرام کو تباہ برباد کرنے کی پوری کوشش کی، اس نے غنڈوں کے گروہ قتل سادات کرام کے لئے مقرر کر دئے تھے، حکام کو خصوصی حکم تھا کہ سادات کی پوری شدت سے تلاش کی جائے اور جو مل جائے اس کو قتل کر دیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جس وقت سادات کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا اس وقت کوئی آگے نہ آیا کہ ہم بھی سید ہیں، اور آج جب ہر طرف امن وسکون ہے نقلی سادات کی بھر مار ہو رہی ہے، کہ ہم بھی سید ہیں، کوئی کنویں میں پتھر ملنے کی وجہ سے سید ہو گیا کہ پتھر ملا ہے جس سے اندازہ ہوا کہ ہم سید ہیں، کسی نے دروازے پر سید نام کی تختی (نیم پلیٹ)

لگا کر سید ہونے کا دعویٰ کر دیا، کسی نے سیاہ عمامہ لگا کر سید ہونے کا اعلان کر دیا، وغیرہ اور جب سادات قتل کیئے جا رہے تھے، اس وقت میں کسی نے اپنے کو سید نہ کہا اگر اس وقت یہ خود کو سید کہتے اسی وقت قتل ہو جاتے اور پھر آج کوئی نقلی سید نہ ہوتا۔

منصور دوانقی کے بعد مہدی عباسی تخت خلافت سقیفہ پر بیٹھا، اس نے ابتداء میں تو اہل البیت علیہم السلام کے ساتھ رویہ معتدل رکھا لیکن پھر اپنے بزرگوں کی روشِ پر چل پڑا اور آل محمدؐ پر مصائب شروع ہو گئے، اور اس کی کوشش یہ تھی کہ کوئی معزز فرد سادات کا زندہ نہ رہنے پائے، نہ صرف سادات بلکہ کوئی شیعہ بھی محفوظ نہ رہے، اس نے حکم دیا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کر کے بغداد لایا جائے جب آپ بغداد پہونچے تو اس نے آپ کو قید کر دیا اور اپنے کارندے کو حکم دیا کہ رات کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے، یہ کہہ کر سو گیا خواب میں حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ کیا تمہیں حکومت اسی لئے دی گئی ہے کہ تم اہل قرابت کو تباہ کر دو ہوش میں آ اور اپنے ارادۂ نجس سے باز آ، یہ دیکھ کر حمید ابن قحطبہ (جس کا ذکر ابھی اوپر آپ نے پڑھا) کو کہلا بھیجا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل نہ کرنا، صبح کو مہدی بیدار ہو گیا اور اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو رہا کر دیا۔

مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی تخت سقیفہ پر بیٹھا، یہ بڑا خود سر خود رائے، ضدی ،ظالم، خونخوار اور بے رحم تھا، شراب پیتا، اور لہو ولعب میں مصروف رہتا، اس کو بھی اپنے بزرگوں کی طرح آل محمدؐ سے شدید بغض تھا، اس نے کئی سو بنی امام حسن علیہ السلام کو قتل کرایا ،ان کے گلے میں رسیاں باندھ کر مدینے کے کوچہ وبازار میں تشہیر کرایا اور پوری قوت وطاقت سے سادات کرام کو کچلنے کی کوشش کرتا رہا، اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ وہی کیا جو اس کے بزرگ کرتے آئے تھے اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کیا ،قید میں امامؑ کو سخت تکالیف دی جاتی تھیں اس کو بھی خواب میں آ کر اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے تنبیہ کی جس طرح مہدی کو کی تھی اس نے بھی مجبور ہو کر مہدی کی طرح امام

بھال کے لئے آتے رہتے تھے، آپ کے لئے زمین سکیڑ دی جاتی تھی، اس لئے طویل راستہ چشم زدن میں پورا ہو جاتا تھا، اور آنے جانے میں دیر نہ لگتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے چلے جانے کے بعد حضرت ہاجرہؓ کے پاس جو کھانا پانی تھا وہ ختم ہو گیا، حضرت اسماعیلؑ کم عمر بچے تھے ان سے بھوک پیاس برداشت نہ ہوئی جلد نڈھال ہو گئے، پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہؓ نے صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک سات چکر لگائے، لیکن پانی نہ ملا، پیاس سے جاں بہ لب حضرت اسماعیلؑ نے جو ایڑیاں رگڑیں تو اللہ نے وہاں پانی پیدا کر دیا جو آج بھی زمزم کے نام سے موجود ہے۔

حضرت ہاجرہؓ کا پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا آنا جانا خدا کو اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے حاجیوں پر لازم کر دیا گیا کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک سات چکر لگائیں یعنی سعی کریں۔

اس زمانے میں عرفات وذوالمجاز میں قبیلۂ جرہم آیا ہوا تھا، اس نے پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہاں پانی ہے، وہ لوگ پانی کی تلاش میں آئے تو دیکھا کہ ایک خاتون اپنے بچے کے ساتھ مقیم ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا کہ بے آب وگیاہ صحرا میں یہ خاتون اپنے بچے کے ساتھ کیسے قیام پذیر ہے؟ انھوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے پہونچیں؟ حضرت ہاجرہؓ نے بتایا کہ میں ابراہیمؑ پیغمبر کی زوجہ ہوں اور اللہ نے ان کو حکم دیا ہے کہ مجھے یہاں بسائیں سو وہ ہمیں یہاں بسا کر چلے گئے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم بھی آپ کے پاس آ کر آباد ہو جائیں اور ہم آپ کی مالی مدد بھی کریں گے، انھوں نے کہا کہ جب ابراہیمؑ پیغمبر آئیں گے تو میں ان سے دریافت کر کے آپ کو جواب دوں گی، جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام تشریف لائے تو حضرت ہاجرہؓ نے سارا ماجرا آپ کو سنایا، حضرت ابراہیمؑ نے اجازت دیدی، حضرت ہاجرہؓ نے قبیلۂ جرہم کو اپنے پاس رہنے کی اجازت دیدی، پورا قبیلہ حضرت ہاجرہ کے اِردگرد آباد ہو گیا، قبیلہ کے ہر خاندان نے دو دو بھیڑیں بھی حضرت ہاجرہؓ کو دیں، جس

موسیٰ کاظم علیہ السلام کو رہا کر دیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور بلاؤ مصیبت کا دور تھا، اس دور میں آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرح نہ علم کے دریا بہا سکتے تھے نہ تبلیغ کے دوسرے ذرائع ممکن تھے کہ تبلیغ دین کر سکیں، آپ کی زندگی خاموشی سے گذر رہی تھی آپ کی سیرت ہی اسلام کی تبلیغ میں نمایاں کردار ادا کر رہی تھی، جب بھی آپ کو رہائی نصیب ہوتی تو آپ عبادت و ریاضت میں اپنا وقت گذارتے، قرآن مجید کی دلکش انداز میں تلاوت کرتے خود بھی روتے اور سننے والے بھی خوفِ خدا میں گریہ کرتے، آپ کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے لوگ آپ کو عبد صالح کہا کرتے، آپ مدینے کے بے شمار فقراء کی راتوں کو مدد کرتے یہ مدد اتنی خاموشی سے ہوتی کہ فقراء کو بھی پتہ نہ چلتا کہ کون مدد کرتا ہے، یہ راز اس وقت کھلا جب آپ کا انتقال ہو گیا اور فقراء کا آزوقہ بند ہوا کہ یہ آپ تھے کہ جو فقراء کے آب و دانہ کا خیال کرتے تھے، آپ کی سخاوت و فیاضی کا شہرہ تھا۔

مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہارون رشید تخت سقیفہ پر بیٹھا، تخت سقیفہ پر بیٹھنے والوں کو سقیفائی خلیفہ کہتے تھے، ہارون رشید کی پیشانی پر سادات کرام کے قتل کا داغ موجود ہے، یہ بادشاہ گیند بازی، اور شطرنج کا بے حد شوقین تھا، موسیقی کا بھی اسے خوب شوق تھا، یہ اپنے باپ کی کنیز پر عاشق ہو گیا، کنیز نے کہا تمہارا باپ مجھ سے ہمبستر ہو چکا ہے اس لئے میں تمہارے لئے حلال نہیں ہوں، اس نے امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا انھوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں یہ جھوٹ بول سکتی ہے، اس فتوے کے سہارے اس نے اپنے باپ کی مدخولہ کنیز سے ہمبستری کی، ہارون رشید نے ایک کنیز خریدی اور اسی رات اس سے ہمبستری کرنی چاہی امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف نے کہا کہ اسے اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر کے استعمال کیجئے، اس قسم کے فتوے دینے سے امام ابو یوسف نے ایک لاکھ درہم اجرت ہارون رشید سے لی تھی، یہ ابو یوسف اتنے ہوشیار تھے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو آج امام ابوحنیفہ کا نام بھی نہ ہوتا۔

یہ ہارون رشید ہی تھا جس نے اپنے دادا منصور کی سنت سادات کو دیوار میں زندہ چنوا دینا کو پھر زندہ کیا اور حضرت نفس زکیہ علیہ الرحمہ کے بھائی یحییٰ کو دیوار میں زندہ چنوادیا، ہارون رشید نے امام حسین علیہ السلام کی قبر پر ہل چلوادیا تا کہ قبر کا نشان باقی نہ رہے، قبر کے قریب ایک بیری کا درخت تھا لوگ اس کی وجہ سے قبر کا پتہ لگا لیتے تھے، ہارون رشید نے وہ بھی کٹوادیا، اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی زد میں آ گیا کہ خدا لعنت کرے بیری کا درخت کاٹنے والے پر اس کا تذکرہ ابتداء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات میں آ چکا ہے۔

ہارون رشید حج کر کے مدینے آیا اس وقت اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بلوایا اس کے ساتھ اراکین سلطنت بھی تھے، جب یہ روضۂ رسولؐ پر پہونچا تو اپنی اہمیت جتانے کے لئے اس نے رسولؐ کو اس طرح سلام کیا کہ میرا سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسولؐ اور میرے چچازاد، قبر رسولؐ سے کوئی آواز نہ آئی۔

اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا سلام ہو آپ پر اے میرے جد، قبر سے فوراً جوابِ سلام آیا جس کو تمام حاضرین نے سنا، یہ دیکھ کر ہارون رشید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، اور اس کو ذلت ہوئی، ہارون اس وقت تو خاموش رہا لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے گیا اور وہاں لے جا کر قید کر دیا۔

ہارون نے قید میں امام پر الزام لگا کر قتل کرنے کی سازش کے تحت نہایت حسین وجمیل لڑکی قید خانے میں بھجوادی، لڑکی جب قید خانے میں پہونچی اس وقت امام نماز میں مشغول تھے، جب امام نماز سے فارغ ہوئے تو یہ لڑکی پروگرام کے تحت آپ کے پاس پہونچی اور کہا کہ میں آپ کی خدمت کے لئے بھیجی گئی ہوں، امام نے سامنے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ جب خدمت کے لئے یہ موجود ہیں تو مجھے تیری کیا ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر امام پھر عبادت میں مصروف ہو گئے، اس لڑکی نے جب اس سمت میں دیکھا جس طرف امام نے اشارہ کیا تھا تو اس کو نظر آیا کہ جنت آراستہ ہے خوشنما باغ ہے اس میں

نہریں بہہ رہی ہیں، اور حوریں قطار باندھے مؤدّب کھڑی ہیں، اور ان حوروں میں سے ایک حور آگے بڑھی اور اس نے درشت انداز میں اس لڑکی سے کہا کہ ہٹ جا ان کے پاس سے ان کی خدمت کے لئے ہم موجود ہیں، یہ منظر دیکھ کر لڑکی سے رہا نہ گیا اور فوراً سجدے میں گر کر "سبوح قدوس" کہنے لگی۔

ہارون نے لڑکی کا حال دریافت کرنے کے لئے ایک آدمی قید خانے میں بھیجا تو اس نے ہارون کو اطلاع دی کہ لڑکی مشغولِ عبادت ہے، ہارون کو تعجب ہوا اس نے لڑکی کو بلوایا اور واقعہ معلوم کیا لڑکی نے سارا واقعہ بتادیا، ہارون سن کر کہنے لگا تو نے خواب دیکھا ہے اس نے کہا نہیں یہ سب واقعہ میرے ساتھ حالتِ بیداری میں گذرا ہے، ہارون نے حکم دیا کہ اس لڑکی کو کسی محفوظ مقام پر پہونچا دیا جائے اور نگرانی کی جائے کہ یہ اس واقعہ کو کسی اور سے بیان نہ کرے، یہ لڑکی جب تک زندہ رہی مشغولِ عبادت رہی جب لوگ اس کی عبادت کو دیکھتے اور اس کے بارے میں دریافت کرتے تو وہ کہتی کہ میں نے عبد صالح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اس طرح کرتے دیکھا ہے، یہ لڑکی امام کی شہادت سے چند روز پہلے وفات پا گئی۔

ہارون رشید نے ایک لکڑی کا مجسمہ بنوایا اور ہدایت کی کہ مجسمے کا چہرہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے چہرے سے مشابہ ہو، اس کے بعد اس نے کچھ غیر عرب افراد کو منتخب کیا کہ وہ شراب پی کر اس مجسمے کو چھری سے ذبح کیا کریں اس طرح یہ لوگ مسلسل مشق کرتے رہے، جب ہارون رشید نے محسوس کیا کہ یہ لوگ اس عمل کے عادی ہو چکے ہیں تو اس نے ان کو شراب پلا کر ادھر سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گذارا تو وہ حسب عادت چھریاں لے کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف بڑھے، امام نے ان سے انھیں کی زبان میں گفتگو کی ،اب سب نے چھریاں پھینک دیں اور دوڑ کر قدموں میں گر پڑے اور قدم چومنے لگے اور امام کے پیچھے پیچھے چلے اور آپ کو منزل تک پہونچا آئے ، ہارون یہ دیکھ کر حیران ہوا اس نے ترجمان کے ذریعہ دریافت کیا کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا؟ انھوں نے جواب میں کہا

کہ یہ بزرگ تو ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں، ہمارے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہیں، آپس میں صلح کراتے ہیں، جب قحط پڑتا ہے تو ہم انھیں کے واسطے سے طلب باراں کرتے ہیں ، جب ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ہم انھیں سے فریاد کرتے ہیں۔

- ہارون رشید نے جب یہ حال دیکھا تو خوف زدہ اور مبہوت ہوگیا اور اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ ان لوگوں کو جلد یہاں سے نکال دو ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے،

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کا زیادہ حصہ قید و بند میں گذرا وہاں پر آپ کو اذیتیں دی جاتی تھیں لیکن کچھ ہی عرصہ بعد آپ کے اخلاق وعبادت سے متاثر ہو کر داروغۂ زنداں آپ کو اذیت دینا بند کر دیتے تھے، اور حکومت آپ کو دوسرے ظالم کی قید میں دیدیتی ،آخر میں آپ کو سندی بن شاہک ملعون کی قید میں دیا گیا یہ ملعون آپ کو سخت تکلیفیں دیتا اور اسی نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا، یہ زہر کھجور میں ہارون رشید نے بھجوایا تھا اور زبردستی آپ کو وہ کھجوریں کھلائی گئیں تھیں۔

زہر تو کھلا دیا لیکن حکومت نے اپنا دامن صاف ظاہر کرنے کے لئے بغداد کے سربرآوردہ اشخاص کو بلا کر آپ کی میت کو دکھایا کہ دیکھو ان کی موت فطری ہوئی نہ ان کو قتل کیا گیا ہے اور نہ گلا گھونٹا گیا ہے، اس کے بعد حکومت نے امام کی تحقیر اور شیعوں کی دل آزاری کے لئے آپ کی میّت کو بغداد کے پل پر لا کر رکھ دیا گیا اور سرکاری کارندے یہ اعلان کرتے کہ اے لوگو! پہچان لو یہ رافضیوں کا امام ہے، اور رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ ہیں مریں گے نہیں (معاذ اللہ معاذ اللہ) جو شخص خبیث ابن خبیث موسیٰ ابن جعفر کو دیکھنا چاہے دیکھ لے، حکومت کی اس بدتمیزی کو ہارون رشید کے رشتہ دار سلیمان ابن ابی جعفر برداشت نہ کر پائے تو انھوں نے اپنے لڑکوں اور غلاموں سے کہا کہ ان پر حملہ کر کے ان سے جنازہ چھین لو، انھوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد سلیمان ابن ابی جعفر نے اعلان کرایا کہ جو شخص طیب ابن طیب حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی زیارت کرنا چاہے وہ آئے اور ثواب حاصل کرے، یہ سنتے ہی لوگ جو حکومت کے خوف سے گھروں میں تھے

نکل پڑے سلیمان نے انھیں غسل دیا بہترین طریقے پر حنوط کیا اور ڈھائی ہزار دینار کا قیمتی کفن دیا جس پر پورا قرآن لکھا ہوا تھا، سلیمان ابن ابی جعفر سوگوار انداز میں جنازے کے ساتھ چلا اور مقابر قریش میں آپ کو دفن کیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مظلومیت کی انتہاء یہ تھی سندی بن شاہک نے آپ کی موت کے بعد بھی آپ کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نہیں کھولی تھیں، جب سرکاری خبر نگاروں نے سلیمان کے جنازے چھین لینے اور کفن دینے کی اطلاع ہارون رشید کو دی تو اس نے سلیمان ابن ابی جعفر کو خط لکھا کہ

چچا جان! واقعاً آپ نے قرابت اور رشتہ داری کا حق
ادا کیا اللہ آپ کو جزائے خیر دے، سندی بن شاہک نے اللہ
اس پر لعنت کرے یہ کام میرے حکم سے نہیں کیا تھا۔

ہارون رشید کا یہ خط سیاسی وجوہات کی بنا پر تھا جبکہ سندی بن شاہک ملعون نے ہارون کے حکم سے ہی زہر دیا تھا، ہارون کا سندی پر لعنت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ سیاسی حالات خراب دیکھ کر یزید ملعون نے ابن زیاد ملعون پر قتل امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری کا بیان دیدیا تھا۔

نہ یزید نے ابن زیاد کو سزا دی، نہ ہارون رشید نے سندی بن شاہک کو سزا دی جو ثبوت ہے کہ قتل امامین ان دونوں کی مرضی سے ہی انجام پائے۔

شہادت سے تین روز پہلے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے زندان بان مسیّب کا بلایا اور کہ کہا کہ آج کی شب میں اپنے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینے جاؤں گا تاکہ یہ عہدۂ امامت جو مجھے اپنے والد سے ملا ہے وہ اپنے فرزند علیؑ کے سپرد کروں اور انھیں اپنا وصی اور جانشین بنادوں اور اپنے امور اور اسرار امامت ان کے سپرد کردوں۔

مسیّب نے کہا کہ کیا میں دروازوں پر پڑے ہوئے تمام تالے کھول دوں؟ آپ

نے فرمایا کہ تمہیں اللہ پر اور ہم اہل البیتؑ پر کم یقین ہے ورنہ ایسا نہ کہتے۔

مسیّب کا بیان ہے کہ اچانک آپ مصلّے پر سے غائب ہو گئے اور میں وہیں کھڑا رہ گیا، تھوڑی دیر بعد واپس آپ تشریف لائے اور ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن لیں یہ دیکھ کر مجھے امام کی معرفت ہوئی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو! تین روز بعد میرا انتقال ہو جائے گا، مجھے زہر دیا جائے گا، مسیّب کا بیان ہے کہ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص جو بالکل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ہم شکل تھا آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا یہ امام علی رضا علیہ السلام تھے، مسیّب کا بیان ہے کہ میں نے چاہا کہ ان سے کچھ پوچھوں تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آواز دی اے مسیّب میں نے تم کو منع کیا تھا کہ خاموش رہنا، یہ سن کر میں خاموش ہو گیا، حتیٰ کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے وفات پائی۔

مسیّب کا بیان ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو غسل دے رہے ہیں لیکن ان لوگوں کے ہاتھ آپ تک نہیں پہونچ رہے ہیں ، وہ لوگ کفن پہناتے تھے مگر ان کے ہاتھ آپ تک نہیں پہونچتے تھے، دراصل آپ کو غسل امام علی رضا علیہ السلام دے رہے تھے اور آپ کو امام علی رضا علیہ السلام ہی نے کفن دیا گو ظاہری اعتبار سے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ انھوں نے غسل و کفن دیا ہے، امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہ تھا نہ وہ لوگ آپ کو دیکھتے تھے نہ پہچانتے تھے۔

جب غسل و کفن ہو چکا تو امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اے مسیّب تم کب تک شک میں مبتلا رہو گے؟ میرے متعلق شک نہ کرو میں تمہارا امام ہوں اور اپنے والد کے بعد تم پر حجتِ خدا ہوں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دورِ امامت مصائب و آلام سے پُر تھا آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ قید میں گذرا، اس لئے آپ نے جگہ جگہ اپنے نائب مقرر کر رکھے تھے جو آپ کی طرف سے رقومِ شرعی اور وہ تحائف وصولتے تھے جو اس دور کے شیعہ آپ کو بھیجتے تھے ، آپ کے انتقال کے بعد امام رضا علیہ السلام نے ان نائبین کو خطوط لکھے کہ امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے امام کی امانتیں مجھے سونپ دو، اس لئے کہ میں ان کا وارث ہوں، سب نے اس پر عمل کیا لیکن بعض نائب ایسے تھے کہ ان پر دنیا کی محبت غالب آئی اور انھوں نے وہ رقوم دینے سے انکار کر دیا، ان بد بخت نائبین میں زیاد قندی تھا، اس کے پاس ستر ہزار دینار اور عثمان ابن عیسیٰ رواسی کے پاس تیس ہزار دینار اور پانچ کنیزیں تھیں، امام علی رضا علیہ السلام نے ان لوگوں کے پاس آدمی بھیجا، ابن ابی حمزہ کے پاس بھی رقوم تھیں یہ تو سرے سے ہی منکر ہو گیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی رقم نہیں، زیاد قندی نے بھی ایسا ہی کیا، مگر عثمان بن عیسیٰ نے آپ کو خط تحریر کیا کہ آپ کے والد بزرگوار مرے ہی نہیں وہ زندہ وقائم ہیں اور جو کہتا ہے کہ وہ مر گئے وہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے (چنانچہ ان کی زندگی میں آپ کو مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے) اور اگر میں یہ مان بھی لوں کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے تو انھوں نے مجھے یہ ہدایت تو نہیں کی کہ میں ان میں سے کوئی چیز آپ کے حوالے کر دوں، رہ گئیں کنیزیں تو ان کو میں نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا ہے۔

غور فرمایئے! کل حکومت نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جنازے پر یہ اعلان کرایا کہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے امام زندہ رہیں گے مریں گے نہیں، اور آج ایک بد بخت نائب یہ کہتا ہے کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے، وہ زندہ وقائم ہیں، صاف ظاہر ہے کہ اس نائب نے یہ جرأت حکومت کے بل بوتے پر کی ہے بالفاظِ دیگر یہ نائب کثیر رقم اور کنیزوں کے حصول کے لئے حکومت کے جھوٹے پروپیگنڈے کا سہارا لے رہا تھا۔

یہ ماضی کہ بات ہے آج بھی علماء کے بھیس میں علماء سو یعنی امریکی مولوی رقومِ شرعی ہضم کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف ہیں، جس طرح کل رقوم ہضم کرنے والے لعنتِ امام کے مستحق ہوئے اسی طرح یہ امریکی مولوی بھی لعنت کے مستحق ہیں، مومنین کو چاہئے کہ خوب تحقیق کر کے رقوم اس شخص کے حوالے کریں جس پر پورا اطمینان ہو، مومنین اگر دیکھیں کہ کسی مولوی کی ذاتی دولت روز بڑھ رہی ہے اس

کور قومِ شرعی ہرگز نہ دیں

یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ دشمنانِ شیعہ طرح طرح کے عقائد شیعوں میں رائج کرتے ہیں جیسے حکومت نے ازخود یہ اعلان کرا دیا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام زندہ وقائم ہیں، اس کی وجہ سے عقل نہ استعمال کرنے والے احمق شیعہ بھٹک کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں چلے گئے، ان بھٹکنے والے شیعوں پر ائمہ طاہرین نے لعنت کی تھی، اس لئے آج کے شیعوں کو چاہئے کہ ہر آواز کے پیچھے نہ دوڑیں بلکہ علماء ربانی سے دریافت کر کے اس آواز کی حقیقت کو پہچانیں۔

# آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام

حضرت امام علی رضا علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھویں جانشین مومنین کے آٹھویں امام اور سلسلۂ عصمت کی دسویں کڑی تھے، آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے، آپ کی والدہ ماجدہ جناب اُم البنین عرف نجمہ تھیں، جناب نجمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ آپ عقل و دیانت کے لحاظ سے افضل النساء تھیں، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ جناب حمیدہ خاتون کا کہنا ہے کہ میں نے اُم البنین سے بہتر کسی عورت کو نہیں پایا، جناب حمیدہ خاتون کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں حکم دیا کہ اپنے فرزند موسیٰ کاظم کی شادی جناب اُم البنین سے کر دو کیونکہ ان کے بطن سے ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے جو دنیا میں رہنے والوں میں سب سے بہتر ہوگا، جناب اُم البنین حُسن و جمال، زہد و تقویٰ اور عبادات میں اپنی نظیر آپ تھیں۔

امام علی رضا علیہ السلام کا لقب رضا اس لئے پڑا کہ آپ کے موافقین اور دوستدار آپ کی امامت پر راضی تھے اور آپ کے مخالفین آپ کی ولی عہدی پر راضی تھے، یہ بات اس سے قبل آپ کے آباء طاہرین علیہم السلام میں سے کسی کو میسر نہ تھی، آپ سلسلہ عصمت میں تیسرے علی ہیں، رضا کے علاوہ آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے، لیکن

رضا کو شہرت سب سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ صادق، فاضل، قرۃ العین المومنین اور غیظ الملحدین بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کی وِلادت بروز جمعرات بمقام مدینہ منوّرہ ۱۱رذی قعدہ ۱۵۳ھ کو ہوئی آپ نے پیدا ہوتے ہی دیگر معصومین علیہم السلام کی طرح اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دئے اور سر اُٹھا کر آسمان کی طرف کیا اور آپ کے لب ہائے مبارک جنبش کر رہے تھے، گویا خدا سے باتیں کر رہے ہیں، اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اُم البنین خداوند عالم کی یہ عنایت و کرامت تمہیں مبارک ہو، اس کے بعد آپ نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور پھر مجھے دیا اور کہا کہ اسے لے لو یہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجۃ اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے۔

آپ کے دورِ حیات میں جو بادشاہ ہوئے ان کے نام یہ ہیں، منصور دوانقی، مہدی عباسی، ہادی عباسی، ہارون رشید عباسی، امین عباسی، مامون رشید عباسی، اسی مامون نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آزادی سے سانس لینا بہت کم نصیب ہوا اسلئے آپ نے اپنے آزادی کے ایام میں اولادِ علیؑ و فاطمہؑ میں سے سترہ ممتاز افراد کو جمع کر کے اپنے جانشین کی حیثیت سے امام رضاؑ کو پہنچوادیا، اور ایک وصیت نامہ بھی تحریر کر دیا جس پر مدینے کے ساٹھ معزز افراد کی گواہی بھی لکھی گئی، یہ خصوصی انتظام دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے یہاں نظر نہیں آتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ امام علمِ امامت سے جانتے تھے کہ آپ کے آخری ایام قید میں گذریں گے اور وہیں پر شہادت ہوگی اور اس دور میں شیعوں سے ملاقات ممکن نہ ہوگی۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں امام رضا علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئیں، اس وقت ہارون رشید بادشاہِ وقت تھا، اور یہ سادات کی قتل و غارتگری اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر مصائب و آلام انڈیلنے میں مشہور تھا، اس

لئے توقع نہیں تھی کہ امام رضا علیہ السلام کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ ہوگا، لیکن اس نے امام رضا علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کی وجہ سے حکومت کافی بدنام ہوئی اور رائے عامہ حکومت کے خلاف ہوگئی ،اس لئے ہارون رشید نے خاموشی ہی میں مصلحت دیکھی اور خاموش رہا، تا کہ نظم مملکت ٹھیک ٹھاک رہے۔

اس کو اتفاق کہئے یا حکومت کا منصوبہ خواہ یہ کچھ بھی ہو ہوا یہ کہ اسی دور میں کسی بدبخت نے کچھ پوسٹر جن پر حضرت علیؑ وفاطمہؑ کو گالیاں تحریر کر کے مدینے کی دیواروں پر چسپاں کر دئے ،اس منظر کو دیکھ کر لوگ سخت ناراض ہوئے اور محمد ابن امام جعفر صادق علیہ السلام اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے ہارون رشید کی حکومت کو ماننے سے انکار کر دیا، یہ خبر جب ہارون کو ہوئی تو اس نے ایک عظیم فوج عیسیٰ جلودی کی سرکردگی میں مدینے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ علیؑ وفاطمہؑ کی تمام اولادوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور ان کے گھروں میں آگ لگادی جائے اور ان کے سامان لوٹ لئے جائیں انھیں اس درجہ مفلوج کر دیا جائے کہ پھر ان میں حکومت کے خلاف ابھرنے کا حوصلہ نہ رہے اور محمد بن امام جعفر صادق علیہ السلام کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔

مدینے پہونچ کر عیسیٰ جلودی نے تعمیل حکم کی اور سادات کرام کو تباہ برباد کر دیا، اس کے بعد عیسیٰ جلودی امام رضا علیہ السلام کے گھر پہونچا اور ہارون رشید کا حکم سنایا کہ امام کے گھر میں داخل ہو کر اپنے ہاتھوں سے عورتوں کے زیور اور کپڑے اتارنا صرف ایک جوڑا تن پر باقی رہے، امام علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا ہے میں تمہیں زیور اور کپڑے وغیرہ لاکر دیتا ہوں اس پر پہلے تو وہ تیار نہ ہوا لیکن بعد میں تیار ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ ہی اُتار لائیے ،امام علیہ السلام نے گھر میں جاکر تمام سامان زیورات اور سارے کپڑے لاکر اس کو دئے ،عورتوں کے جسم پر صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا، بدبخت عیسیٰ جلودی یہ تمام سامان لے کر بغداد ہارون رشید کے پاس چلا گیا۔

کی وجہ سے حضرت ہاجرہؑ کے پاس کافی بھیڑیں ہو گئیں۔

یہاں پر یہ چیز غور طلب ہے کہ عرب کے ریگستان میں سب سے زیادہ قیمتی چیز پانی تھا، حضرت ہاجرہؑ اکیلی تھیں ایک بچہ تھا، قبیلہ جرہم کے لئے کیا مشکل تھا کہ پانی پر قابض ہو جاتے اور حضرت ہاجرہؑ کو پانی سے بے دخل کر دیتے لیکن بنو جرہم نیک اور شریف آدمی تھے انھوں نے حضرت ہاجرہؑ کی کمزوری کا فائدہ نہ اٹھایا جب تک حضرت ہاجرہؑ نے انھیں قریب بسنے کی اجازت نہیں دی، اس وقت تک وہ قریب آکر نہ بسے ،اور جب قریب بسنے کی اجازت ملی تو پانی مفت لینا گوارا نہ کیا ہر خاندان نے دو دو بھیڑیں حضرت ہاجرہؑ دیں۔

یہ بنو جرہم مسلمان نہ تھے حضرت ابراہیمؑ کا کلمہ نہ پڑھتے اور دوسری طرف وہ لوگ بھی تاریخ میں نظر آئے جو خود کو مسلمان کہتے تھے ،رسولؐ کا کلمہ پڑھتے تھے لیکن انھوں نے رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سب سے پہلے حکومت پر قبضہ کیا اور رسولؐ کی اکلوتی بیٹی کو کمزور دیکھ کر اس کی جائیداد فدک پر قبضہ کر لیا، اگر یہ لوگ بنو جرہم کی طرح شرافت سے فدک حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا (ہماری جانیں آپ پر قربان) سے طلب کر لیتے تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فدک ان کو دیدیتیں، کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین کی بیٹی تھیں اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی دختر تھیں جن کی قربان کی ہوئی دولت سے اسلام پروان چڑھا۔

تاریخ میں ایک منظر اور موجود ہے امام حسین علیہ السلام نے کربلا پہونچ کر وہاں کی زمین خرید لی تھی، اس طرح آپ اپنی زمین پر موجود تھے اور اسی زمین سے متصل فرات کا پانی تھا بالفاظ دیگر آپ اس پانی کے مالک تھے لیکن یہاں بھی رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والوں نے رسولؐ کے نواسے پر پانی بند کر دیا، المختصر یہ کہ بنو جرہم ان کلمہ گویوں سے کردار میں بہتر ثابت ہوئے۔

جب حضرت اسماعیلؑ جوان ہوئے تو حکم خدا کے تحت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اس میں حجرِ اسود نصب کیا اور اس کے بعد حکم

ان حالات کو دیکھ کر صفوان بن یحییٰ نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ مولا ہم آپ کے بارے میں ہارون رشید سے بہت خائف ہیں ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ آپ کے ساتھ ویسا ہی سلوک نہ کرے جیسا کہ آپ کے والد کے ساتھ کر چکا ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہارون رشید کوشش تو کرے گا لیکن مجھ پر کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ہارون رشید آخری عمر میں اپنے بیٹوں امین اور مامون کی آپسی رنجش کی وجہ سے بہت پریشان تھا، ہارون کا بیٹا امین پہلی بیوی سے تھا یہ بیوی عرب تھی اور منصور دوانقی کی پوتی تھی اس لئے ہارون کے دربار میں عرب امراء اس کے حمایتی تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کا بیٹا تھا اس لئے ہارون کے دربار کے عجمی سردار اس کے حمایتی تھے، اقتدار کی رسہ کشی دونوں بھائیوں میں تھی، ان حالات کی وجہ سے ہارون امام رضا علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، اس دور میں ہارون کے وزیر خالد بن یحییٰ برمکی نے ہارون سے کہا کہ امام رضا اپنے باپ کی طرح اپنی امامت کا اعلان کرتے ہیں اور خود کو امام کہتے ہیں ہارون ذہنی کشمکش میں تھا اس لئے اس نے ٹالتے ہوئے کہا کہ ہم جو اِن کے ساتھ کر چکے ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہے، اب تو چاہتا ہے کہ ہم سب کے سب کو مار ڈالیں اب میں ایسا نہ کروں گا، یہی حالات تھے کہ ہارون کے پاس پیغامِ اجل آپہونچا اور ہارون کے مرتے ہی دونوں بھائیوں میں جنگ وجدال کا آغاز ہو گیا اور امین جنگ میں مارا گیا اور مامون تمام مملکت عباسی کا بلاشرکت غیرے مالک ہو گیا۔

مامون نے امام رضا علیہ السلام کو خراسان طلب کیا اور مامون کا قاصد جب مدینے پہونچا تو امام رضا علیہ السلام چلتے وقت رخصتِ آخر کے لئے قبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشریف لائے، اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ بار بار قبر منوّر سے رخصت ہوتے اور جتنی بار قبر منوّر پر جاتے باآواز بلند زار وقطار روتے یہ دیکھ کر راوی نے آگے بڑھ کر سلام کیا، آپ نے جوابِ سلام کے بعد فرمایا کہ میری زیارت کر لو اب میں اپنے جد کے جوار سے نکالا جا رہا ہوں مجھے عالمِ غربت ومسافرت میں موت آئے گی اور ہارون

رشید کے پہلو میں دفن کیا جاؤں گا۔

قبر رسولؐ سے رخصت ہو کر آپ نے اپنے عزیز و اقارب کو جمع کیا اور کہا کہ تم لوگ مجھ پر خوب گریہ کرلو اس طرح کہ تمہارے رونے کی آوازیں میرے کان میں بھی آئیں اس کے بعد آپ نے ان میں بارہ لاکھ دینار تقسیم کئے اور کہا کہ اب میری واپسی کی امید نہ رکھنا اب میں یہاں تا ابد واپس نہ آسکوں گا۔

سفر خراسان میں جب امام رضا علیہ السلام نیشاپور پہونچے تو ہزاروں علماء نے آپ کی سواری کو گھیر لیا اور درخواست کی کہ اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام سے منقول کوئی حدیث ارشاد فرمائیے، یہ سن کر آپ نے ہودج سے سر اقدس باہر نکالا اور ارشاد فرمایا:

مجھ سے میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰؑ بن جعفر نے ان سے آنجناب کے پدر بزرگوار حضرت جعفرؑ ابن محمدؑ نے اور ان سے آپ کے پدر بزرگوار حضرت محمدؑ بن علیؑ نے ان سے ان کے والد علی ابن الحسینؑ نے ان سے ان کے والد علی امیر المومنینؑ نے اور ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے روح الامین نے اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ پیغام پہونچایا کہ میں اللہ ہوں اور مجھ واحد کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے میرے بندو میری عبادت کرو، یہ جان لو کہ تم میں سے جو شخص خلوص دل سے اس امر کی گواہی دیتا ہوا میرے پاس آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اللہ نہیں تو وہ میرے قلعے میں داخل ہوا اور جو شخص میرے قلعے میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا لوگوں نے پوچھا فرزند رسولؐ خلوص کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کی شہادت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کی اطاعت اس کے رسول کی اطاعت اور رسولؐ کے اہل بیتؑ کی ولایت مراد ہے۔

تاریخ نیشاپور میں ہے کہ اس حدیث کو لکھنے میں مفرد دواتوں کے علاوہ چوبیس ہزار قلمدان استعمال کیئے گئے تھے، امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اس سلسلہ روایت کو اگر مجنوں پر دم کیا جائے تو اس کا جنون جاتا رہے، علامہ شبلنجی نورالابصار میں تحریر کرتے ہیں کہ اس سلسلۂ روایت کو ساسانہ کے رہنے والے بعض رؤسا نے سونے کے پانی سے لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور وصیت کی کہ اس کو ہمارے کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مرنے کے بعد اس نے بتایا کہ ان ناموں کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا ہے۔ چنانچہ آج شیعہ اسی لئے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نام اپنے کفن میں رکھتے ہیں۔

سلیمان بن جعفر جعفری کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام رضا علیہ السلام کو برنی کھجوریں بڑی پسند تھیں اور آپ بڑے شوق سے کھاتے تھے، میں نے کہا کہ مولا! آپ پر قربان میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو یہ کھجوریں بہت پسند ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھجوریں رسول کو بھی پسند تھیں، حضرت علیؑ کو بھی پسند تھیں، امام حسنؑ کو بھی پسند تھیں امام حسینؑ کو بھی پسند تھیں امام زین العابدینؑ کو بھی پسند تھیں، امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی پسند تھیں، امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی پسند تھیں، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بھی پسند تھیں اور مجھے بھی پسند ہیں اور ہمارے شیعوں کو بھی پسند ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ ہماری فاضل طینت سے پیدا ہوئے ہیں، اور اے سلیمان! ہمارے دشمن (کھجور کی تاڑی نشہ آور چیز کو پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے ہیں)۔

عبید ابن عبداللہ بغدادی سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام کے یہاں ایک مہمان آیا وہ رات کے وقت بیٹھا ہوا تھا، امام بھی تشریف فرما تھے گفتگو جاری تھی اتنے میں چراغ کی لو دھیمی پڑ گئی، مہمان نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کی لو تیز کر دے، امام رضا علیہ السلام نے اسے روکا اور خود بڑھ کر چراغ کی لو کو درست کر دیا پھر فرمایا ہم اس قوم سے ہیں جو اپنے مہمانوں سے خدمت نہیں لیتے ہیں۔

امام رضا علیہ السلام کے غلام یاسر کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کے غلاموں نے

پھل کھائے جو بچ گئے وہ پھینک دے، حضرت امام رضا علیہ السلام نے دیکھا اور فرمایا کہ سبحان اللہ یہ بھی خوب رہی، بھائی تم کو ان کی ضرورت نہ تھی اللہ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جن کو یہ بھی میسر نہیں ہیں، انھیں لیجاؤ، اور ضرورت مندوں کو دیدو

معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام جب کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو دسترخوان کے قریب ایک بڑا برتن لا کر رکھ دیا جاتا، آپ کے دسترخوان پر جو بہترین غذا ہوتی اس میں سے کچھ غذا نکال کر اس برتن میں رکھتے پھر تھوڑا تھوڑا ہر کھانے میں سے نکال کر اس میں رکھتے تھے اور حکم دیتے کہ یہ فقراء و مساکین کو دے آؤ، اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرماتے فلا اقتحم العقبة (سورہ بلد) پھر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہر انسان غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے اس نے جنت کا یہ راستہ کھول دیا ہے۔

موسیٰ بن سیار کا بیان ہے کہ میں امام رضا علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ اچانک شور و غل کی آواز سنی ہم اس طرف بڑھے تو دیکھا کہ جنازہ جا رہا ہے، جیسے ہی امام کی نظر جنازے پر پڑی آپ فوراً گھوڑے سے اُترے اور جنازے کو کاندھا دیا اور مسلسل جنازے کے ساتھ رہے، اور فرمایا اے موسیٰ بن سیار! جو شخص ہمارے دوستوں میں سے کسی دوست کے جنازے کی مشایعت کرے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا ہو، پھر اس شخص کا جنازہ قبر کے کنارے رکھا گیا تو آپ اس کے قریب پہونچے میت کو تابوت سے نکالا گیا تو آپ نے میت کے سینے پر ہاتھ رکھا پھر فرمایا اے فلاں بن فلاں تجھے جنت کی خوشخبری ہو اب اس کے بعد تجھے کوئی خوف و خطر نہ ہوگا۔

میں نے عرض کیا مولا کیا آپ اس کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے موسیٰ بن سیار! کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم ائمہ کے سامنے ہمارے شیعوں کے اعمال روزانہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں، اگر ان کے اعمال نامے میں گناہ ہوتے ہیں تو ہم ان کے لئے

مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جس کے اعمال کو بہتر دیکھتے ہیں، اس کے اعمال کی قبولیت کی دعا اللہ سے کرتے ہیں۔

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو کبھی ترش روئی سے بات کرتے نہیں دیکھا، نہ کبھی کسی کی بات کاٹ کر خود بات کرتے ہوئے یا کسی محتاج کے سوال کو رد کرتے ہوئے یا کبھی محفل میں سب سے کے سامنے پیر پھیلاتے ہوئے یا اپنے غلاموں کو ڈانٹتے پھٹکارتے یا تھوکتے ہوئے یا ہنستے وقت قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ کی ہنسی صرف مسکراہٹ ہوتی تھی۔

جب آپ کا دستر خوان لگایا جاتا تھا تو آپ کے ساتھ غلام دربان اور سائیس بھی کھانا کھاتے آپ رات کو بہت کم سوتے تھے، زیادہ تر بیدار رہتے اور عبادت میں مصروف رہتے، روزے بہت رکھتے تھے ہر مہینے کے تین روزے آپ کبھی نہیں چھوڑتے تھے، آپ پوشیدہ طور پر بہت صدقہ، خیرات کرتے اور یہ عموماً اندھیری راتوں میں کیا کرتے، اب اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نے فضل وشرف میں آپ کی مانند کسی کو دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے اس کو سچا نہ جانو۔

سلیمان جعفری کا بیان ہے کہ میں امام رضا علیہ السلام کے پاس تھا اور آپ کے بیت الشرف پر بہت زیادہ افراد جمع تھے، اور لوگ آپ سے سوالات کر رہے تھے، آپ سب کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے کہ اچانک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان ہستیوں کو تو نبی ہونا چاہئے، میرے دل میں یہ خیال آتے ہی آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے سلیمان! ائمہ حلیم ہیں عالم ہیں، جاہل لوگ ان کو نبی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ نبی نہیں ہے۔

امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں مفید بن جنید شامی آیا، اور کہنے لگا کہ لوگ آپ کے معجزات کے بارے میں بہت گفتگو کرتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپ سے گفتگو کروں، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے بیان کر، میں نے کہا کہ

میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے والدین کو زندہ کریں، آپ نے فرمایا اپنے گھر جا کر دیکھ
دونوں زندہ ہوگئے ہیں اب جو وہ گھر واپس پہونچا تو دیکھا کہ دونوں زندہ ہیں، اس کے
بعد وہ دس روز زندہ رہے، اس کے بعد اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں۔

انصار کی اولاد میں سے ایک شخص آیا، اس کے پاس چاندی کی ایک ڈبیہ تھی جس
پر قفل لگا ہوا تھا، اس نے کہا کہ لیجئے یہ تحفہ ایسا تحفہ آج تک کسی نے آپ کو دیا نہ ہوگا یہ کہہ کر
اس نے ڈبیہ کھولی اس میں سات عدد بال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجود تھے
،آپ نے ان کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور ان میں سے چار بال اٹھا لئے اور فرمایا یہ رسول اکرمؐ
کے بال ہیں اور ان تینوں بالوں کو آگ میں ڈالا تو وہ فوراً جل گئے، آپ نے اس کا شبہ
دور کرنے کے لئے ان چاروں بالوں کو بھی آگ میں ڈالا تو وہ جلے نہیں بلکہ سونے کی طرح
چمکنے لگے، آپ نے ان چار بالوں کا بوسہ لیا۔

حسین ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا بیان ہے کہ ہم بنی ہاشم کے چند نوجوان
حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے اتنے میں اس طرف سے جعفر بن
عمر علوی کا گذر ہوا اور وہ بے چارے بے حد بوسیدہ لباس اور بری ہیئت میں تھے، ان کی
اس حالت کو دیکھ کر ہم میں سے ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگے (یہ دیکھ کر)
امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آج تم لوگ ان کی حالت کو دیکھ کر ہنس رہے ہو
مگر عنقریب دیکھو گے یہ بہت مالدار حشم وخدم والے ہو جائیں گے۔

چنانچہ امام کے اس قول کو ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ والئ مدینہ ہو گئے، اور ان
کی حالت بہت اچھی ہوگئی یہ جب کہیں جاتے تو ان کے ہمراہ بہت نوکر چاکر ہوتے۔

بزنطی کا بیان ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے میرے لئے سواری بھیجی اور مجھے
طلب کیا میں امام کی بھیجی ہوئی سواری پر سوار ہو کر وہاں پہونچا اور اتنی دیر وہاں رہا کہ رات
ہوگئی، جب میں نے چلنے کا ارادہ کیا تو امام نے فرمایا کہ رات زیادہ ہوگئی ہے اب تم یہیں
قیام کرو میں نے کہا بہت بہتر، اس کے بعد امام نے کنیز کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے

میرا بستر بچھا دو میر الحاف اور میرا تکیہ بھی ان کو دو، امام کا یہ سلوک دیکھ کر میں نے دل میں سوچا کہ جو فخر مجھے ملا ہے وہ میرے ساتھیوں کو نہیں ملا، مجھے امام کی سواری، امام کا بستر، لحاف اور تکیہ ملا، بزنطی کا بیان ہے کہ میں یہ باتیں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ امامؑ نے فرمایا سنو! امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک مرتبہ زید بن صوحان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو وہ اس پر لوگوں کے درمیان فخر کرنے لگے، لہٰذا تم اپنے نفس کو فخر و مباہات کی راہ پر مت ڈالنا بلکہ اللہ کی بارگاہ میں عجز سے کام لینا۔ یہ فرما کر آپ اپنے ہاتھوں کا سہارا لے کر اٹھ گئے۔

امام رضا علیہ السلام کے غلام یاسر کا بیان ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم کھانا کھا رہے ہو اور میں پہونچ جاؤں تو کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ، اس کے بعد آپ جب کبھی ہم میں سے کسی کو طلب فرماتے اور کوئی کہہ دیتا کہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ فرماتے اچھا انھیں کھا لینے دو۔

امام رضا علیہ السلام کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ امام رضا علیہ السلام اخروٹ کی بنی ہوئی مٹھائیوں کی ڈلیاں ہم سب کو عنایت کیا کرتے تھے۔

اور آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اچھی اچھی مٹھائیاں کھاتے ہیں اور ہمارے ملازمین ہم کو مٹھائی کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیتے ہیں، ہمیں خیال تک نہیں آتا کہ یہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور اچھی مٹھائیاں اچھے کھانے کو ان کا بھی دل چاہتا ہے، کتنا فرق ہے ائمہ کی سیرت میں اور ہمارے عمل میں

مامون نے امام کو مدینے سے خراسان طلب کیا، مقصد تھا کہ مدینے میں رہ کر ان کی عزت و بزرگی روز بڑھتی رہے گی، اور خطرہ ہے کہ ان کے متبعین زیادہ ہو جائیں گے، اور یہ حکومت کے لئے خطرہ بن جائیں گے، دوسرے یہ کہ یہ ہمارے پاس رہیں گے تو لوگ ان سے دور رہیں گے اور جب میں ان کو اپنا ولی عہد بنا دوں گا تو یہ میری حکومت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے اور پھر ان کے شیعہ دیکھ لیں گے کہ ان میں دنیاوی حکومت

کا لالچ ہے، اور یہ جو دینداری ظاہر کرتے ہیں وہ مفقود ہے۔

مامون کا امام علی رضا علیہ السلام کو خراسان طلب کرنا حُسن سلوک نہ تھا یہ طلبی بالکل ایسی ہی تھی کہ جیسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو جیل میں رکھنا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ اس مرتبہ جیل کی طرح سختیاں اور عذاب نہیں تھا، بلکہ اس مرتبہ بظاہر آرام دے کر ذلیل کرنا مقصد تھا۔

امام کی منزلت گھٹانے کے لئے مامون مختلف مذاہب کے علماء کو دربار میں بلاتا اور ان سے مناظرہ کرنے کے لئے کہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے علماء کے سامنے جب یہ عاجز ہو جائیں گے تو ان کی ذلت ہوگی، اور پھر حکومت ان کے امامت کے دعوے کو آسانی سے باطل کر سکے گی لیکن ہوا یہ کہ جیسے جیسے مناظرے ہوئے دوسرے مذاہب کے تمام علماء نے ذلّت آمیز شکست کھائی، اس طرح امام علی رضاؑ کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔

مامون سے پہلے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون رشید کی قید میں طویل مدّت گذارنے کے بعد شہید کردئے گئے، سادات کرام کا بے دردی سے خون بہایا گیا، امام حسین علیہ السلام کی قبر کو ہارون رشید نے مسمار کرایا، ان سب باتوں کی وجہ سے شیعوں میں حکومت کے خلاف روز بروز غصہ بڑھتا جا رہا تھا، دوسری طرف مامون اور امین کی باہمی جنگ وجدال کی وجہ سے عرب سردار اور خاص طور سے بنی عباس کے بڑے بڑے افراد مامون کے خلاف ہو گئے تھے اس لئے مامون چہار طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا، ان خطروں میں اس کو زیادہ خطرہ امام رضا علیہ السلام سے تھا، کیوں کہ امام کی لوگوں کے دلوں پر حکومت تھی، اس لئے مامون نے امام رضا علیہ السلام کے خطرے کو دور کرنے کے لئے امام کو خراسان طلب کیا کہ یہ مدینے میں رہ کر میرے خلاف کچھ نہ کر سکیں۔

خود کو امام رضا علیہ السلام کا خیر خواہ ظاہر کرنے کے لئے مامون نے امام کو اپنا ولی عہد نامزد کیا اور شیعوں کو خوش کرنے کے لئے مامون نے سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر یہ ظاہر کیا کہ حضرت علی علیہ السلام سقیفائی حکمرانوں سے افضل تھے، اس کے لئے مامون نے

سقیفائی علماء کو اکٹھا کر کے مناظرہ کیا، تمام سقیفائی علماء مامون کے سامنے عاجز رہ گئے اور مامون مناظرہ میں کامیاب ہوگیا، مناظرہ کر کے سقیفائی علماء جب دربار سے باہر آئے تو شرمندہ اور تھکے ہوئے تھے اور مارے شرم کے ایک دوسرے سے بات نہ کرتے تھے ، انشاء اللہ اگر موقعہ ملا تو حقیر اس مناظرے کو الگ ایک کتابی صورت میں شائع کرے گا ، یہاں پر طوالت کے خوف سے اس مناظرے کو تحریر نہیں کیا جارہا ہے۔

دوسری طرف ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت از ابتداء تا امام رضا علیہ السلام اپنا کام کر رہی تھی ، جہاں حکومت طلبی کے بجائے دین اسلام کی تبلیغ تھی ، یہ تبلیغ صرف حقانیت اسلام تک محدود نہ تھی بلکہ ائمہ طاہرین علیہم السلام احکامِ اسلام پر سختی سے عمل کر کے رسولِ اکرم کی سیرت کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے دل ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف جھکتے تھے ، اس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ دلوں پر اہل بیت علیہم السلام کی حکمرانی تھی اور جسموں پر ان نام نہاد خلفاء کی حکومت تھی اور تلوار کے خوف سے عوام الناس ان کے احکام مانتے تھے ، یہ تھی اصل وجہ حکومت کے خوف کی جس کی وجہ سے ہر حاکم نے اپنے زمانے کے امام کو قید و بند میں رکھا ان پر ظلم روا رکھے اور اور ان کو زہر سے شہید کرایا ، مامون کو بھی امام رضا علیہ السلام سے یہی خطرہ تھا ، ورنہ امام رضا علیہ السلام حکومت کے لئے کوئی خطرہ نہ تھے ، یہ تو مامون اور اس سے قبل کے حکمرانوں کے دل کا چور تھا جو مظالم کی صورت میں نظر آتا تھا ، اور ائمہ طاہرین علیہم السلام مظالم کا نشانہ بنتے تھے۔

مامون کو ہی دیکھئے یہ شراب و کباب کا دلدادہ ناچ گانے کا شوقین تھا خود کو افضل اور دوسرے مسلمانوں خاص طور سے غریب مسلمانوں کو کمتر سمجھتا تھا ، اسی کے دور میں امام رضا علیہ السلام جب کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو غلام ، دربان ، سائیس ، حجام سب کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے ، امام کا یہ عمل عوام کے دلوں میں محبت پیدا کرتا ، یہ محبت مامون سے نفرت کا سبب خود بخود ہو جاتی ، ان حالات میں مامون کو خود ہی اپنی بے دینی کی وجہ سے یہ خطرہ

پیدا ہوا کہ عوام کھڑے ہو گئے تو انقلاب آجائے گا، اس خطرے کو دور کرنے لئے مامون اور دیگر حکمرانوں کے پاس ایک ہی حربہ تھا کہ امامؑ کی زندگی کی شمع کو گل کر دیا جائے پھر ہم ہوں اور ہماری من مانی ہو ہمارے مظالم ہوں اور ہمیں کوئی خوفِ خدا دلانے والا نہ ہو اور ہم بنامِ خلافت شراب و کباب میں ڈوبے رہیں۔

امام رضا علیہ السلام کا ولی عہدی قبول کرنا ایسا ہی تھا جس طرح امام زین العابدین علیہ السلام، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا حاکم کے حکم سے جیل چلے جانا تھا، امام اس ولی عہدی پر ہرگز خوش نہ تھے، اس لئے آپ نے اس شرط پر ولی عہدی قبول کی تھی کہ میں حکومت کے کاموں سے الگ رہوں گا نہ کسی کو معزول کروں گا نہ کسی کا تقرر کروں گا۔

ظالم اور نااہل حاکموں کا ایک حربہ عوام کو بے وقوف بنانے کا یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام کا دھیان اصل مسائل سے ہٹا کر ایسی طرف الجھا دیا جائے کہ عوام ان مسائل کی طرف متوجہ ہوں اور حکومت کو من مانی کا موقعہ مل سکے، مامون نے بھی یہی کیا، کبھی حضرت علی علیہ السلام کے افضل ہونے سے متعلق مناظرہ کیا کبھی امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنایا کبھی مختلف مذاہب کے علماء سے امام رضا علیہ السلام کا مناظرہ کرایا، سب جانتے ہیں کہ مامون ان تمام معاملات میں مخلص نہ تھا، اس کو بس ایک فکر تھی کہ میری حکومت مستحکم ہو اور عام آدمی اصل مسائل کی طرف متوجہ نہ ہو، مامون اپنی ان حرکتوں میں ایک حد تک کامیاب بھی رہا، اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے مخالفوں کو ایک ایک کر کے راستے سے ہٹا دیا، جس میں اس نے معتمد فضل بن سہیل کو بھی نہ بخشا، حتیٰ کہ اپنے باپ ہارون رشید کے مخصوص افراد علی بن عمران، ابن مونس، عیسیٰ جلودی کو بھی قتل کرا دیا، (یہ عیسیٰ جلودی وہی بد بخت ہے جس نے ہارون کے حکم سے سادات کرام کو مدینے میں قتل کیا، تباہ و برباد کیا اور سادات کی عورتوں کے جسم پر صرف ایک جوڑا چھوڑ کر تمام کپڑے اور زیور اتار لئے تھے، جس کا تذکرہ چند صفحے قبل مختصر طور پر کیا گیا ہے) جب ایسے حکومت کے وفادار صرف اس لئے قتل کئے گئے کہ حکومت مستحکم ہو تو پھر امام رضا علیہ السلام کو مامون کیسے زندہ رہنے دے سکتا تھا،

خدا سے زمزم کے چشمے پر کنواں کھودا تو پانی اور زیادہ ظاہر ہوا۔

جب ایام حج آئے تو حکمِ خدا سے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لئے پکارا، خدا نے آپ کی آواز ان تمام لوگوں تک پہونچا دی جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر انھوں نے اس آواز پر لبیک کہا ہے تو ان کو حج کی سعادت نصیب ہوگی اور جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا ہوگا وہ اتنی مرتبہ حج کرے گا اور جس نے لبیک نہیں کہا وہ حج نہ کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ اپنے فرزند اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں، متواتر کئی روز خواب دیکھنے کے بعد آپ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ سے خواب کا تذکرہ کیا، حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا کہ بابا جان جو حکم آپ کو ہو رہا ہے اس کو کر گذرئے، آپ مجھے (اس امتحان میں) ثابت قدم پائیں گے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے چلے۔ راستہ میں شیطان نے حضرت ابراہیمؑ کو بہکایا کہ تم خواب پر عمل کر رہے ہو یہ خواب خدا کا دکھلایا ہوا نہیں ہے یہ شیطانی خواب ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ بھی تمہاری سیرت پر عمل کر کے اپنے فرزندوں کو ذبح کریں گے، لیکن حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ تو شیطان ہے میں تجھ سے بات نہ کروں گا، اِدھر سے مجبور ہو کر شیطان حضرت اسماعیلؑ کو بہکانے لگا، حضرت اسماعیلؑ اس کی باتوں سے تنگ آئے تو اس کی شکایت حضرت ابراہیمؑ سے کی، آپ نے کہا اس کو پتھر مارو یہ شیطان ہے، چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے اس کو تین مرتبہ پتھر مار کر بھگا دیا، خدا کو حضرت اسماعیلؑ کا یہ فعل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے تمام حاجیوں کو وہاں پر پتھر مارنا واجب کر دیا گیا، جہاں حضرت اسماعیلؑ نے شیطان کو پتھر مار کر بھگایا تھا۔

المختصر یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند کو ذبح کرنے کی پوری تیاری کر لی تو حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ بابا آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیں، حضرت ابراہیمؑ نے اس تجویز کو پسند کیا اور ایسا ہی کیا، پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰہ

چنانچہ اسی فکر میں ہر وقت رہتا تھا، کہ کس طرح ان کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے۔

مامون نے جب امام رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنایا تو اس سال بارش نہ ہوئی ،امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی سے ناراض مامون کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ ولی عہدی ہے، یہ بات مامون کے کانوں میں بھی پہونچی، مامون نے امام رضا علیہ السلام سے بارش کی دعا کرنے کے لئے روز جمعہ درخواست کی، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ روز دوشنبہ (پیر) کو میں دعا کروں گا، اس کا اعلان ہوگیا، امام علیہ السلام بروز پیر صحرا میں تشریف لے گئے وہاں پر زبردست مجمع اکٹھا ہوگیا امام کے لئے ایک منبر بنایا گیا آپ اس پر تشریف لے گئے اور دعا کہ:

> اے اللہ !اے ہمارے پروردگار تو نے ہم اہل البیتؑ کو بڑا حق عطا فرمایا ہے اور اسی لئے سب لوگ تیرے حکم کے مطابق ہمیں اپنا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر تیرے فضل وکرم کی امید رکھتے ہیں اور تجھ سے احسان ونعمت کی توقع رکھتے ہیں ،لہٰذا تو ان لوگوں کو سیراب کردے، ایسی بارش دے جو عام اور جلد ہونے والی ہو، غیر مضر بھی ہو اور یہ بارش اس وقت شروع ہو جب یہاں سے سب لوگ چلے جائیں، یہاں تک کہ اپنے گھر اپنی منزل تک پہونچ جائیں۔

ابھی دعا تمام ہی ہوئی تھی کہ زبردست بادل آیا، لوگ بارش سے بچنے کے لئے دوڑنے لگے امامؑ نے فرمایا اپنی جگہ پر رہو یہ بادل فلاں شہر کے لئے ہے، اس طرح دس مرتبہ ہوا، گیارہویں مرتبہ جو بادل آیا تو امام علیہ السلام نے کہا کہ یہ بادل تمہارے لئے بھیجا گیا ہے، بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے جب تم اپنے گھروں کو پہونچ جاؤ گے اس وقت بارش ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب لوگ اپنے گھروں کے قریب پہونچے تو موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں اور اتنی بارش ہوئی کہ تالاب کھیت، وادیاں ہر جگہ پانی بھر گیا اور لوگ

کہنے لگے کہ یہ فرزند رسول کی وجہ سے ہوا، اور لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔

اس واقعے سے امام رضا علیہ السلام کی شہرت میں اضافہ ہوا تو مامون کو احساس ہوا کہ میرا مقصد فوت ہوتا جارہا ہے، جتنا میں ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ بارش کے واقعے کے بعد حمید بن مہران اور دوسرے بنی عباس کے افراد نے مامون سے کہا کہ

''اے امیرالمومنین! خدا نہ کرے خلفاء کی تاریخ میں آپ وہ ہوں کہ جس نے اس قابل فخر اور شرف عام خلافت کو اولادِ عباس سے نکال کر اولادِ علیؑ میں پہونچادی آپ نے اپنی اور خاندان کی بنی ہوئی بات بگاڑ دی، آپ اس ساحر ابن ساحر (معاذ اللہ) کو خلافت میں لے آئے جو گمنامی میں تھا، آپ نے اس کو شہرت دلائی لوگ انھیں بھول چکے تھے آپ نے یاد دِلایا۔ ان کی دعا سے جو بارش ہوگئی تو ان کی دھوم مچ گئی، ہمیں خوف ہے کہ یہ شخص خلافت کو اولاد عباس سے نکال کر اولاد علیؑ میں نہ پہونچادے۔

مامون نے کہا کہ کیا بتاؤں یہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ تھے (یعنی مدینے میں تھے) اور درپردہ اپنی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، میں نے چاہا کہ اپنا ولی عہد بناؤں یہ بجائے اپنی طرف دعوت دینے کے لوگوں کو ہماری طرف دعوت دیں گے اور ہمارے ملک اور ہماری خلافت سے متعارف کرائیں گے اور ان کے معتقدین اور شیدائیوں کو بھی معلوم ہوجائے گا کہ جس امر کا انھیں دعویٰ ہے وہ بات ان میں تھوڑی سی بھی نہیں ہے، اور واقعاً خلافت ہمارا (یعنی مامون کا) حق ہے، ان کا نہیں، نیز ہمیں ڈر تھا کہ اگر انھیں اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو کہیں یہ انقلاب نہ لے آئیں، جس کا سدّ باب ہم سے نہ ہوسکے، اب جو ہونا تھا وہ ہوچکا جو غلطی ہم سے ہوئی وہ ہوچکی، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی منزلت کو آہستہ آہستہ گھٹائیں اور رعایا کے سامنے انھیں اس شکل میں پیش کریں کہ رعایا سمجھ لے کہ خلافت کے لئے یہ اہل نہیں ہیں، پھر ہم ایسی تدبیر کریں کہ ان کی جڑ ہی کٹ جائے

اس شخص (حمید بن مہران) نے کہا کہ یہ مجھ پر چھوڑ دیں میں ان کی منزلت گھٹا دوں گا، مامون نے کہا کہ اس سے اچھی کونسی بات ہوگی، اس نے کہا کہ آپ تمام سرداروں، قاضیوں، اور فقہاء کو جمع کریں ان سب کے سامنے میں ان کا نقص بیان کروں گا، چنانچہ مامون نے ایک بڑا جلسہ کیا اور امام رضا علیہ السلام کو مناسب مقام پر بٹھایا پھر حمید بن مہران نے امام کی بے حرمتی کی خاطر یوں گفتگو کی کہ

''اے علی ابن موسیٰ علیہ السلام! لوگ آپ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں کہ اگر آپ سنیں تو آپ خود بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے، آپ کی دعا سے جو بارش ہوئی ہے تو لوگوں نے اس کو آپ کا معجزہ قرار دیدیا، اور آپ کو بے مثل و نظیر قرار دیدیا، حالانکہ امیر المومنین (مامون) دنیا کے ہر شخص سے افضل ہیں، انھوں نے آپ کو اس مرتبہ پر پہونچایا ہے، آپ پر ان کا احسان ہے جس کا بدلہ یہ تو نہیں کہ جھوٹوں کو آپ چھوڑ دیں کہ وہ آپ کی جھوٹی تعریف کرتے پھریں۔

امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! سنو! اللہ نے جو کرم واحسان مجھ پر فرمایا ہے اگر لوگ اس کو بیان کرتے ہیں تو ان کو روکا نہیں جا سکتا ہے، اگر چہ میں خود یہ نہیں چاہتا۔ رہا مامون کا اس عہدہ پر مجھے مامور کرنا تو جان لے کہ میں نے اس کی خواہش نہیں کی بلکہ مجھے جبراً یہ عہدہ دیا گیا ہے جس کی تفصیل تو بھی جانتا ہے، یہ سن کر حاجب حمید بن مہران کو غصہ آگیا اور بولا کہ بارش کا وقت مقرر تھا اس لئے وہ ہوگئی یہ کوئی معجزہ نہیں، اس وقت کوئی بھی انسان دعا کرتا تو بارش ہو جاتی کیونکہ بارش کا وقت مقرر تھا، اگر آپ میں اتنی طاقت ہے تو قالین پر جو دو شیر بنے ہوئے ہیں ان کو زندہ کر دیں اور کہیں کے مجھے پھاڑ کھائیں تب میں سمجھوں گا کہ آپ نے معجزہ دکھایا ہے۔

اس کی بے ہودگی کو سن کر امام رضا علیہ السلام نے شیروں کی تصویروں کو حکم دیا کہ اٹھو اس فاجر و فاسق کو پھاڑ کھاؤ اس طرح کھا جاؤ کہ اس کی ایک بھی بوٹی باقی نہ رہے۔

یہ حکم سنتے ہی دونوں تصویروں سے شیر کے ہمہمہ کی آواز بلند ہوئی اور دونوں

تصویریں مجسم شیروں کی شکل میں کھڑی ہوگئیں اور جست لگا کر اس بے ہودہ گو پر دونوں شیر حملہ آور ہو گئے اور اس کا تکہ بوٹی کر کے کھا گئے، یہاں تک ہڈیاں بھی چبالیں اور خون بھی چاٹ لیا، مجمع حیران اور سہما ہوا تمام منظر دیکھ رہا تھا اس شخص کو کھا کر دونوں شیر امام رضا علیہ السلام سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے روئے زمین پر اللہ کے ولی! آپ کا کیا حکم ہے؟ اگر اجازت ہو تو مامون کو بھی اس طرح صاف کر دیں جس طرح حاجب کو چٹ کیا ہے۔ یہ سن کر مامون کو غش آ گیا امامؑ نے شیروں سے فرمایا ٹھہر جاؤ وہ دونوں حکمِ امام کے منتظر رہے، امام نے حکم دیا کہ مامون پر عرق گلاب چھڑکا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مامون کو ہوش آ گیا، تب پھر شیروں نے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو اس کو بھی اس کے ساتھی کے پاس پہونچا دیں، امامؑ نے فرمایا نہیں اللہ کی مصلحت اسی میں ہے اور وہ پوری ہو کر رہے گی اور حکم دیا تم دونوں پھر اپنی گذشتہ صورت پر پلٹ جاؤ، دونوں قالین کی طرف پلٹے اور پھر تصویر بن گئے۔

شیروں کے تصویر بننے کے بعد مامون نے سکون کی سانس لی اور (دکھانے کے لئے) کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس موذی حاجب حمید بن مہران سے نجات دلائی اور پھر یوں گویا ہوا کہ فرزند رسولؐ! یہ حکومت آپ کے جد رسول اللہ کی تھی اب آپ کا حق ہے آپ چاہیں تو میں حکومت چھوڑ دوں اور آپ سنبھالیں۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں حکومت چاہوں تو تجھ سے مانگنے کی ضرورت نہیں، اللہ کی ساری مخلوق ہماری مطیع ہے سوائے سرکش انسانوں کے جیسا کہ تو نے ابھی دیکھا کہ ان تصویروں نے میری کس طرح اطاعت کی۔ ہمیں اللہ نے صبر کا حکم فرمایا ہے کہ تم پر اعتراض نہ کریں، اس واقعہ کے بعد مامون بالکل ست پڑ گیا اور اس نے آپ کی زندگی ختم کرنے کی ٹھان لی۔

مامون نے متعدد مرتبہ کوشش کی کہ امام رضا علیہ السلام کو شہید کرا دے لیکن اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا، بالآخر اس نے انگور میں زہر داخل کر کے امام رضا علیہ السلام

کو بلوایا اور کہا کہ دیکھئے کتنے اچھے انگور ہیں، آپ ان کو کھایئے امام نے ان انگوروں کو کھانے سے منع کیا تو مامون نے کہا کہ آپ کو مجھ سے بدگمانی ہے، اس لئے انگور کھانے سے منع کر رہے ہیں، یہ انگور تو اب آپ کو کھانے ہی پڑیں گے نوبت یہ آئی کہ مامون نہایت سختی پر اتر آیا، اب امام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو انگور کھائیں یا مامون کے ظلم و تشدد کو برداشت کرنے کے بعد قتل ہوں، دونوں راستوں میں موت یقینی تھی، یہ صورت حال صرف امام رضاؑ کو ہی پیش نہیں آئی ہر امام جو زہر سے شہید ہوا اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوا۔

تب امام نے مجبور ہو کر تین انگور کھائے اور اٹھ کھڑے ہوئے، مامون نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو امام نے ارشاد فرمایا جہاں تو نے بھیجا ہے، آپ سیدھے اپنے گھر میں داخل ہوئے اور بستر پر لیٹ گئے، تھوڑی ہی دیر میں امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز مدینہ سے خراسان پہونچے، آپ نے انھیں سینے سے لگایا اور امر امامت ودیعت فرمائے، اس کے بعد امام کو غسل و کفن دیا اور پھر مدینے تشریف لے گئے۔

اتنے میں مامون اپنے غلاموں کے ساتھ سر پیٹتا ہوا گریبان چاک گھر میں داخل ہوا، اور کہہ رہا تھا کہ فرزند رسولؐ مجھے تمہارے مرنے کا بیحد افسوس ہے۔ پھر اس نے غسل و کفن کا حکم دیا اور کہا کہ میں ان کو خود غسل دوں گا، یہ سن کر ہرثمہ نے کہا کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مامون سے کہہ دینا کہ اگر تو نے خود غسل دینے کا ارادہ کیا تو عذابِ خدا جو آخرت پر ٹال دیا گیا ہے وہ ابھی تجھ پر نازل ہو جائے گا، اور تجھے اپنے کئے کی سزا مل جائے گی یہ سن کر مامون غسل دینے سے باز رہا۔

مامون نے چاہا کہ امام رضا علیہ السلام کو ہارون کی قبر کے پاس اس طرح دفن کرے کہ ہارون کی قبر اس کا قبلہ رہے لیکن وہاں پر ایک چٹان اتنی سخت نمودار ہوئی کہ اس پر کدال کام ہی نہ کرتے تھے، تب مامون نے ہرثمہ سے کہا کہ دیکھو ہرثمہ زمین بھی ان کی قبر قبول کرنے کو تیار نہیں ہے، ہرثمہ نے مامون سے کہا کہ مجھ سے امامؑ رضا علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ مامون اپنی کوشش میں قیامت تک کامیاب نہ ہو سکے گا کہ میری قبر کا قبلہ ہارون کی قبر ہو، اس سے بتا دینا کہ ہارون رشید کے قبلے کی جانب صرف ایک کدال مارو قبر کھدی کھدائی تیار ملے گی، تب مجبوراً مامون نے حکم دیا کہ ہارون کے قبلے کی جانب کھدائی کرو ،جیسے ہی کدال مارا گیا ،ایک تیار قبر ظاہر ہوئی اس کے بعد میت خود بخود قبر میں اُتر گئی ،مامون بولا کہ اب مٹی ڈالو ہرثمہ نے کہا امامؑ نے فرمایا تھا کہ میری قبر پر مٹی نہ ڈالنا یہ سن کر مامون بولا کہ قبر یوں ہی کھلی رہے گی؟ ہرثمہ نے کہا کہ امام نے فرمایا تھا کہ مٹی خود بخود قبر پر آ کر چوکور شکل میں ہو جائے گی، تب مامون نے کہا کہ اچھا تو پھر مٹی نہ ڈالو پھر لوگوں نے جو مٹی اٹھائی تھی وہ پھینک دی قبر خود بخود مٹی سے پُر ہو گئی اور لوگ قبر سے واپس ہوئے۔

واپس آنے کے بعد مامون نے ہرثمہ کو بلایا اور دریافت کیا کہ سچ سچ بتا امام رضاؑ نے تجھے اور کیا بتایا تھا، ہرثمہ نے کہا کہ انگور میں زہر والی بات بھی بتائی تھی، یہ سن کر مامون کا رنگ اڑ گیا اور اس کا چہرہ بالکل سیاہ ہو گیا اور وہ گر کر بے ہوش ہو گیا اور عالم غشی میں بڑبڑانے لگا کہ مامون پر اللہ کی نفرین مامون پر رسول اللہؐ کی نفرین مامون پر علیؑ کی نفرین، مامون پر فاطمہ زہراؑ کی نفرین، مامون پر حسنؑ و حسینؑ کی نفرین، مامون پر علیؑ ابن الحسینؑ کی نفرین، مامون پر محمدؑ بن علیؑ کی نفرین، اس پر جعفر بن محمدؑ کی نفرین، اس پر موسیٰؑ بن جعفرؑ کی نفرین، اس پر علی ابن موسیٰ رضاؑ کی نفرین، خدا کی قسم یہ کھلا ہوا صاف صاف خسارہ اور گھاٹا ہوا اور یہی فقرات وہ بار بار دہرانے لگا۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ جب میں نے اس کا یہ حال دیکھا تو اس کے پاس سے اٹھ کر ایک کنارے جا بیٹھا مگر تھوڑی دیر بعد پھر وہ ہوش میں آیا اور اس نے مجھے بلایا اس وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ جیسے نشے میں چور ہو، کہنے لگا کہ یہ بات اگر تو نے کسی اور کو بتائی تو میں تجھے مار ڈالوں گا اس راز کو چھپائے رکھو اور کسی سے نہ کہنا۔

یہ روایت بڑی طویل اور مفصل ہے یہاں پر میں نے اس کی تلخیص کی ہے۔

**امام رضا علیہ السلام کی اولاد:** امام رضا علیہ السلام کے اکلوتے فرزند امام محمد تقی علیہ

السلام تھے ، لیکن ایک دوسری روایت میں ایک بیٹی فاطمہ کا تذکرہ بھی ملتا ہے، لیکن دوسری روایت میں متعدد فرزندوں کا ذکر بھی موجود ہے، لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کی نسل امام محمد تقی علیہ السلام سے ہی چلی ، چنانچہ سمانہ ( پنجاب ہندوستان ) میں جو فرزند امام رضا علیہ السلام کی قبر کا ابھی کچھ دن قبل بعض افراد نے پروپیگنڈہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے ۔ فرزند امام رضا علیہ السلام کا ہندوستان آنا اور بعد وفات یہیں دفن ہونا تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری روایات جن میں امام رضا علیہ السلام کے متعدد فرزندوں کا مع نام ذکر ہے ان میں بھی ''مشہد علی'' نام کا کوئی فرزند موجود نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہندوستانی پنجاب کے قصبہ سمانہ میں کسی فرزند امام کی قبر نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ کوئی متقی پرہیز گار، سید صاحب ، وہاں دفن ہوں ایسی حالت میں ان کو فرزند امام کہنا شرعی طور پر درست نہیں ہے۔

# ہمارے نویں امام

# حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں معصوم جانشین حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے ، آپ کے والد امام رضا علیہ السلام تھے ، آپ کی والدہ ماجدہ جناب خیزران عرف سکینہ تھیں ، آپ ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ یعنی والدہ جناب ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے تھیں۔

امام محمد تقی علیہ السلام ۱۹۵ھ میں بمطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ، اس وقت امین بادشاہ وقت تھا ، یہ امین ہارون رشید کا بیٹا تھا ۲۱۸ھ میں معتصم عباسی تخت حکومت پر بیٹھا اور اسی نے ۲۳۰ھ میں امام محمد تقی علیہ السلام کو زہر دے

کر شہید کرادیا، آپ بغداد میں مقابر قریش میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کا نام لوحِ محفوظ کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے ''محمد'' رکھا، آپ کی کنیت ابو جعفر تھی اور آپ کے القاب جواد، قانع، مرتضیٰ تھے، اور مشہور ترین لقب تقی تھا۔

حکیمہ بنت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتی ہیں کہ جب خیزران (یعنی والدۂ امام محمد تقی علیہ السلام) کے یہاں وِلادت قریب ہوئی تو امام رضا علیہ السلام نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اے حکیمہ تم بچے کی ولادت کے وقت موجود رہو، اور قابلہ کو لے کر اس حجرے میں چلی جاؤ، آپؑ نے وہاں چراغ روشن کر دیا اور باہر چلے گئے اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا، ناگاہ خیزران کے یہاں آثارِ ولادت شروع ہوئے اور وہ چراغ جو امام رضا علیہ السلام نے روشن کیا تھا وہ گل ہو گیا، آپ فرماتی ہیں کہ مجھے چراغ گل ہو جانے کی فکر تھی لیکن کمرے میں مکمل اندھیرا نہیں ہوا بلکہ روشنی موجود تھی کہ اچانک میں نے دیکھا کہ خیزران کے پاس جو طشت رکھا ہوا ہے اس میں امام محمد تقی علیہ السلام ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے موجود ہیں، اور آپ سے ایسا نور نکل رہا ہے کہ تمام حجرہ روشن ہو گیا ہے، میں نے ان کو اٹھایا ہی تھا کہ امام رضا علیہ السلام تشریف لے آئے، آپ نے بچے کو آغوش میں لیا، بعد میں آپ نے بچے کو گھوارے میں لٹا دیا، اور فرمایا کہ حکیمہ تم گھوارے کے پاس ہی رہنا۔

حکیمہ کا بیان ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر دائیں جانب پھر بائیں جانب پھر بولے اشھدان الاالہ الااللہ اشھد ان محمدًرسول اللہ، یہ دیکھ کر میں ڈری اور وہاں سے اٹھ کر امام رضا علیہ السلام کے پاس آئی اور عرض کیا کہ اس بچے سے تو عجیب بات دیکھنے میں آئی، آپ نے فرمایا کہ وہ کیا؟ میں نے سارا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا اے حکیمہ! لوگ اس بچے سے اس سے بھی

زیادہ عجائبات دیکھیں گے۔

جب آپ کا سن دو سال ایک ماہ کا ہوا تو آپ اپنے خاندان کے افراد کے ہمراہ مکّے تشریف لے گئے، لوگون نے جو ایک سمجھدار اور زیرک بچے کو دیکھا تو پہچان نہ سکے کہ یہ کون ہے اور کس خاندان سے ہے، آپ کے خاندان والوں نے حفاظت کی خاطر آپ کا حسب نسب چھپایا لیکن لوگوں کا تجسس بڑھا، چنانچہ قیافہ شناسوں سے آپ کے متعلق دریافت کرنے کی رائے ٹھہری، قیافہ شناس آپ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر گئے اور بول اٹھے کہ وائے ہو تم پر اس بچے کو نہیں پہچانتے ہو؟ اس چمکدار ستارے اور نور روشن کو ہمارے پاس پہچاننے کے لئے لائے ہو، خدا کی قسم یہ پاک و طاہر نسب والا بچہ ہے ارے یہ بچہ ذُرّیتِ نبی خدا اور نسل علیؑ کے علاوہ کسی دوسری نسل کا ہو ہی نہیں سکتا۔

جب یہ سب ہو گیا تو آپ یوں گویا ہوئے جبکہ آپ کی عمر اس وقت صرف دو سال ایک ماہ تھی۔

اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں اپنے نور سے پیدا کیا اپنی تمام مخلوق میں سے ہمیں منتخب فرمایا اور اپنی وحی کا امین بنایا۔

اے لوگو سنو! میں محمد بن علی الرضا ابن موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق ابن محمد باقر بن علی سید العابدین ابن الحسین شہید ابن امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے ہوں۔ میں نسل فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوں۔ میرے حسب و نسب کو تم نے نہیں پہچانا مجھے جاننے کے لئے تم قیافہ شناس کے پاس لائے، خدا کی قسم میں قیافہ شناسوں سے زیادہ ان کے اسرار و رموز کو جانتا ہوں، خدا کی قسم میں انسانوں میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں حق کہتا ہوں، سچ بولتا ہوں، یہ علم ہم لوگوں کو تمام مخلوقات کی خلقت سے پہلے اور آسمانوں و زمینوں کے بنانے سے پہلے عنایت کر دیا گیا ہے۔

خدا کی قسم اگر اس بات کا خطرہ نہ ہوتا کہ اہل باطل اور گمراہ نسلِ کفر ہم پر حملہ آور ہو جائے گی اور اہل شرک و نفاق ہم پر ٹوٹ پڑیں گے تو میں ایسی باتیں بتاتا جسے سن کر

اولین اور آخرین حیرت میں پڑ جاتے۔

اس کے بعد آپ نے ہاتھ اپنے مونہہ پر رکھا اور فرمایا، اے محمد تم بھی خاموش ہو جاؤ جس طرح تمہارے آبائے کرام خاموش رہے تم بھی صبر کرو جس طرح رسولان اولی العزم نے صبر کیا، جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ عنقریب یہ دیکھ لیں گے۔

اس کے بعد آپ کے پہلو میں ایک شخص تھا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چل دئے، مجمع آپ کو راستہ دینے کے لئے پھٹتا گیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس مجمع میں جلیل القدر بزرگوں کو دیکھا وہ آپ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (خدا خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے پیغام کا امین کس کو بنائے) راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان بزرگوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ افراد ہیں جن کے ساتھ یہ بچہ ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اولاد عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے بزرگ ہیں۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی عظمت کے جب ظاہر ہوتے تھے تو عوام الناس کے دلوں میں اہل البیت علیہم السلام کی عظمت و محبت بیٹھ جاتی تھی اور لوگ شیعیت کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ تمام تر سختیوں کے باوجود شیعیت نہ صرف باقی رہی بلکہ بڑھتی رہی۔

محمد بن ابی العلا سے روایت ہے کہ اس کا بیان ہے کہ جب میں یحییٰ ابن اکثم قاضی سامرہ سے علومِ آل محمدؐ کے متعلق خوب بحث و مناظرہ اور گفتگو کر چکا تو اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن میں قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف کے لئے پہونچا تو دیکھا کہ محمد بن علی الرضاؑ (امام محمد تقی علیہ السلام) بھی قبر نبیؐ کا طواف فرما رہے ہیں، میرے ذہن میں چند مسائل تھے میں نے آپ سے ان کے متعلق بحث کی اس کے بعد کہا کہ میں آپ سے صرف ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں اور اس کے پوچھنے میں مجھے کوئی شرم نہیں ہے، آپؑ نے فرمایا میں تمہارے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دوں گا کہ تم

وَبِاللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر چھری چلادی اور خون کا فوارہ بلند ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا لیکن جب آپ نے پٹی کھولی تو دیکھا کہ دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے، اور حضرت اسماعیل صحیح و سالم ایک طرف پڑے ہیں، یہ دیکھ کر آپ کو افسوس ہوا کہ میری قربانی قبول نہ ہوئی لیکن اسی وقت آوازِ قدرت آئی کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب سچ کر دکھایا یہ تو تمہارا کھلا ہوا امتحان تھا، تم اس میں کامیاب ہو گئے اور تمہاری اس قربانی کو ذبح عظیم سے بدل دیا گیا ہے۔

اِدھر تو یہ ہو رہا تھا دوسری طرف شیطان نے حضرت ہاجرہؑ کو بہکایا کہ ابراہیمؑ ایک خواب کی بناء پر تمہارے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں، وہ خواب شیطانی ہے خدا کا حکم نہیں جاؤ اپنے فرزند کو بچاؤ، حضرت ہاجرہؑ نے کہا ابراہیمؑ پیغمبر خدا ہیں حکم خدا کے سلسلے میں دھوکا نہیں کھا سکتے ہیں، اگر ان کو خدا کا حکم ہوا ہے تو انھیں وہی کرنا چاہئے شیطان یہاں سے بھی مایوس ہو کر چلا گیا، حضرت ہاجرہؑ نے شیطان کو تو جواب دیدیا لیکن محبت مادری کی وجہ سے مجبور ہو کر دوڑتی ہوئی منیٰ پہونچیں اور اس وقت پہونچیں جب دنبہ ذبح ہو چکا تھا، حضرت ہاجرہؑ نے واقعہ دریافت کیا، حضرت ابراہیمؑ نے تمام واقعہ بیان کر دیا، جناب ہاجرہؑ نے دوڑ کر جناب اسماعیلؑ کو گلے لگالیا اور جب آپ کی گردن پر چھری کا نشان دیکھا تو چیخ مار کر روئیں کہ اگر دنبہ نہ آگیا ہوتا تو میرا فرزند ذبح ہو گیا ہوتا، اس تصوّر ذبح کے صدمے سے آپ بیمار ہو گئیں اور چند دن میں ہی انتقال کر گئیں۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کا خدا کی بارگاہ میں عظیم مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ انھیں صبر آزما اور سخت امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ملا ہے، یہ امتحانات کیا تھے؟ آگ میں پھینکا جانا، ترک وطن، بے آب و گیاہ صحرا میں سکونت، فرزند کی پیاس کے مارے جان لبوں پر آتے دیکھنا اور بے قرار ہو کر صفا و مروہ کے تلاش آب کے لئے چکر لگانا، اور جب فرزند جوان ہوا تو اس کو ذبح کرنے کے لئے اس کے گلے پر چھری چلانا وغیرہ، ان سب میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد امامت حاصل ہوئی، دوسری طرف

کیا پوچھنا چاہتے ہو، تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ امام زمانہ کون ہے؟ قسم بخدا میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ وہ امام زمانہ میں ہوں، میں نے کہا علامت کیا ہے؟ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک عصا تھا وہ عصا بول اٹھا کہ میرا یہ آقا ہی امام زمانہ ہے اور یہی حجۃ اللہ ہے۔

بکر بن صالح سے روایت ہے کہ میرے ایک داماد نے ابوجعفر ثانی (امام محمد تقی علیہ السلام) کو خط لکھا کہ میرا باپ بہت خبیث اور ناصبی ہے (یعنی اہل البیت علیہم السلام کو گالیاں دینے والا) میں اس کی طرف سے بہت سختیاں برداشت کر رہا ہوں، میں آپ پر قربان اگر مناسب ہو تو آپ میرے لئے دعا فرمائیں، دوسرے یہ کہ اس میں آپ کی کیا رائے ہے کہ میں اس کے سامنے کھل جاؤں (یعنی اس پر سختی کروں) یا اس کی دلجوئی میں لگا رہوں؟ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جو کچھ تم نے اپنے خط میں اپنے باپ کے متعلق لکھا ہے اس سے مطلع ہوا، میں انشاء اللہ تمہارے حق میں دعا کرنا نہ چھوڑوں گا اور اس کے سامنے کھل جانے سے بہتر یہ ہے کہ تم اس کی دلجوئی سے کام لو، اس لئے کہ سختی کے بعد آسانی ہوتی ہے، صبر کرو پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہوتا ہے، جس سے تم تولا رکھتے ہو اللہ تمہیں اس پر ثابت قدم رکھے گا، ہم لوگ اور تم لوگ سب اللہ کی امانت ہیں وہ اس امانت کو ضائع نہیں ہونے دے گا، بکر کا کہنا ہے کہ پھر اللہ نے اس کے باپ کے دل کو نرم کر دیا اب وہ کسی معاملے میں مخالفت نہیں کرتا ہے۔

آج کے مومنین اس روایت سے سبق سیکھیں انھیں اگر اہل سنت سے دل آزار باتیں سننے کو ملیں تو برداشت کریں اور حالات کے سدھرنے کے لئے اللہ سے دعا کریں اور کسی حال میں کوئی ایسا کام نہ کریں جو فساد بین المسلمین کی راہ ہموار کرے۔

عبداللہ بن رزین کا بیان ہے کہ میں قبرِ رسولؐ پر مجاور تھا میں نے دیکھا کہ امام محمد تقی علیہ السلام وقت زوال روز مسجد نبویؐ میں تشریف لاتے ہیں اور مسجد کے باہر چٹان کے پاس سواری سے اُترتے ہیں اور وہاں سے سیدھے قبر رسولؐ تک آتے ہیں اور وہاں سے پھر

بیت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تک جاتے ہیں، وہاں نعلین مبارک اُتارتے ہیں اور کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں، ایک دن میرے جی میں آئی کہ جب آپ سواری سے اُتریں گے تو میں بڑھ کر آپ کے پاؤں کی خاک اٹھالوں گا، اس ارادہ سے میں وہاں جاکر بیٹھ گیا، اور آپ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

جب زوال کا وقت آیا تو آپ اپنی سواری سے وہاں نہیں اُترے جہاں ہر روز اترا کرتے تھے اور آگے بڑھ گئے اور اس چٹان پر اُترے جو دروازہ مسجد پر تھی، پھر وہاں سے سیدھے مسجد میں داخل ہوئے اور پھر قبر مطہر رسولؐ کو سلام کیا اور وہاں سے آگے بڑھے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جب اس مقام پر پہونچے جہاں روزانہ نماز پڑھتے تھے، اس طرح آپ روز کرنے لگے، میں نے دل میں سوچا اچھا جب آپ اپنے جوتے اُتار کر چلیں گے تو وہاں آپ کے پاؤں کے نیچے سے سنگریزے اٹھالوں گا۔

مگر دوسرے دن جب زوال کے وقت تشریف لائے تو اس چٹان پر اُترے اور قبر رسولؐ کے پاس پہونچے پھر اس مقام پر پہونچے جہاں نماز پڑھا کرتے تھے تب آپ نے جوتے اُتارے، چند دنوں تک آپ کا یہی معمول رہا تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے یہاں اس کا موقع نہیں ملے گا، اب حمام جاؤں گا، جب آپ حمام تشریف لے جائیں گے تو آپ کے پاؤں کی خاک اُٹھالوں گا، مگر آپ جب حمام تشریف لائے تو مع سواری کے اس جگہ پہونچے جو کپڑے اتارنے کی جگہ ہے اور سواری سے اُترے، میں نے حمام والے سے پوچھا تو اس نے کہا بخدا وہ ایسا کبھی نہیں کرتے تھے آج یہ نئی بات ہے، میں انتظار میں بیٹھا رہا کہ حمام سے نکلیں گے تو سواری تک جائیں گے میں پاؤں کی خاک اٹھالوں گا مگر آپ نے سواری اندر منگوالی لباس تبدیل کرنے کی جگہ چٹائی پر کھڑے رہے اور وہاں سے سوار ہوکر تشریف لے گئے، میں نے دل میں کہا قسم بخدا میں نے مولا کو اذیت پہونچائی، اب میں کبھی آپ کے پاؤں کی خاک اٹھانے کا ارادہ نہ کروں گا، اس کے بعد آپ جب وقت زوال تشریف لائے تو پھر اسی مقام پر سواری سے اُترے جس

مقام پر ہمیشہ اُترا کرتے تھے۔

غور کیا آپ نے؟

امام علیہ السلام نے اس بات کو گوارہ نہ کیا کہ کوئی چاہنے والا برائے برکت امام علیہ السلام کے قدموں کی خاک اٹھائے ، اس لئے یہ چاہنے والا جیسے جیسے خاک اٹھانے کا پروگرام بناتا امامؑ اپنا معمول بدل دیتے اور جب چاہنے والے نے خاک نہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تو امام علیہ السلام نے اپنے معمول پر پھر عمل شروع کر دیا۔

اس واقعے سے ظاہر ہے کہ اہل البیتؑ رسولؐ نہیں چاہتے کہ ان کے قدموں کی خاک کو برائے برکت حاصل کیا جائے۔

لیکن آج کے شیعوں میں امریکی مولویوں نے اتنی جہالت بھر دی ہے کہ وہ کہیں بھی معجزہ کا شور سن کر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہاں جاتے ہیں تو ان کو کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ ان کو صرف ہوشیار افراد کے ذریعے بنائے ہوئے گھوڑے کے قدموں کے نشان نظر آتے ہیں ، ناسمجھ شیعہ ان نشانوں سے ہی برائے برکت خاک اٹھاتے ہیں جب کہ یہ منشائے ائمہ کے خلاف ہے جیسا کہ اوپر کے واقعے سے ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ امام علیہ السلام نے جب اپنے قدموں کی خاک اٹھوانا پسند نہ کیا تو پھر گھوڑے کے قدموں کے نشانوں سے خاک اٹھانا کیوں پسند کریں گے؟ تیسرے یہ کہ جو آج کل معجزوں کا شور ہوتا ہے اور جو گھوڑے کے قدموں کے نشان دکھائے جاتے ہیں ، یہ چیزیں شریعت کی بتائی ہوئی معجزے کی شرائط پر پوری نہیں اترتی ہیں اس لئے ان کی تردید کرنا ہر مومن اور ہر مومنہ کی ذمہ داری ہے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی جب امامت کا آغاز ہوا تو لوگ اپنے موجودہ امام سے ملاقات کرنے کے لئے مختلف شہروں سے آ آ کر جمع ہو گئے اور ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا ، تب آپ حجرے سے برآمد ہوئے ، آپ کی کمسنی کو دیکھ کر سارا مجمع حیرت سے ایک دوسرے کا مونہہ تکنے لگا۔

ہر طرف سے آواز آئی میرے مولا اجازت ہو تو ہم لوگ بھی آپ سے اپنے مسائل دریافت کریں، آپ نے اجازت دیدی، لوگوں نے سوالات کی بوچھار کردی، آپ ہر ایک کا جواب دیتے رہے، اس طرح ان دنوں میں آپ سے تیس ہزار مسائل دریافت کیئے گئے، آپ نے سب کے جواب دئے جبکہ آپ کی عمر اس وقت صرف ۹ رسال تھی۔

خیران خادم کا بیان ہے کہ میں نے آقا کو آٹھ درہم بھیجے تھے ان درہموں میں بعض درہم ایسے افراد کے تھے جن کو میں نہیں جانتا، میں نہیں چاہتا تھا کہ بغیر آپ کی اجازت کے وہ درہم ان کو واپس کروں کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں ایسے درہم (یعنی جو ہدیہ ہوں) قبول کرلیا کروں مجھے آپ کے حکم کا انتظار ہے۔

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص درہم یا کوئی اور چیز بطور ہدیہ پیش کرتا ہے تو اسے قبول کرلو، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی یہودی اور نصرانی تک کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔

اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ تم اپنی رائے پر عمل کرو تمہاری رائے میری رائے ہے۔ جس نے تمہاری اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی۔

غور فرمایئے!

یہ روایت واضح کررہی ہے کہ نائب امام کی اطاعت امام کی اطاعت ہے، نائب امام کی رائے امام کی رائے ہے، لیکن آج ایک طبقہ وہ پیدا ہوا جو تقلید کی مخالفت کرتا ہے اور مراجع کے فتوؤں کی مخالفت کرتا ہے۔

جان لیجئے کہ مراجع کے احکام کی مخالفت امام کی مخالفت ہے اور جو امام کی مخالفت کرے گا وہ جہنمی ہے اور شیعہ ہرگز نہیں۔

امام رضا علیہ السلام کے حالات میں آپ نے پڑھا کہ سیاسی حالات اور حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں کے تحت پہلے امام رضا علیہ السلام کو مامون نے ولی عہد بنایا

اور پھر بعد میں زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا گیا۔

مامون یہ کام تو کر گیا لیکن اس کو احساس ہوا کہ دورِ ولی عہدی میں امام رضا علیہ السلام لوگوں کے دلوں پر حکومت کر گئے ہیں، اس لئے مامون نے خود کو قتل امامؑ سے دور رکھنے کے لئے اور دیگر سیاسی ضرورتوں کے تحت امام محمد تقی علیہ السلام سے اپنی بیٹی ام الفضل کے نکاح کا ارادہ ظاہر کیا، وہ تمام سیاسی ضرورتیں اب بھی موجود تھیں جن کے تحت امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بنایا گیا تھا، بلکہ اس مرتبہ قتلِ امام رضا علیہ السلام کا دھبہ اپنے دامن سے صاف کرنا بھی مامون کے پیش نظر تھا اس کے علاوہ یہ بھی مصلحت تھی کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ کی حیثیت سے حکومت کا نمائندہ امام کے گھر میں رہے گا اور پل پل کی خبریں ملتی رہیں گی، تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے کہ کہ وقت آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پل پل کی خبریں بیٹیاں ہی باہر بھیج رہی تھیں، یہ بیٹیاں بصورتِ زوجہ گھر میں موجود تھیں، ان بیٹیوں کی خبروں کی بدولت بعدِ رسول حکومت حاصل کرنے میں کافی مدد ملی۔

مامون نے یہ بھی محسوس کیا کہ امام رضا علیہ السلام سن رسیدہ تھے، ان کو اپنے رنگ میں حکومت نہ ڈھال سکی، اس کے برخلاف امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر اس وقت صرف ۹ سال کی تھی، اس لئے ان کو اپنے خاندانی تقویٰ و پرہیز گاری کے ماحول سے نکال کر رنگ رلیوں میں مبتلا کرنا آسان ہوگا، چنانچہ مامون نے ایک سو حسین و جمیل خادمائیں طلب کیں جن کے ہاتھوں میں جواہرات جڑے ہوئے ساغر تھے تاکہ یہ کنیزیں حضرت ابو جعفر امام محمد تقی علیہ السلام جہاں موجود ہوں وہاں کھڑی رہیں لیکن امام نے ان میں سے کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

ایک روز مامون نے مخارق کو جو بہت اچھا گانے والا تھا، بلایا اور اس کو حکم دیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے سامنے گائے، اس شخص کے بہت لمبی داڑھی تھی، اس شخص نے جو لمبی تان لگائی تو تمام گھر والے اکٹھا ہو گئے وہ مگن ہو کر عود بجانے لگا، جب کچھ دیر ہو گئی اس کو گاتے ہوئے اور امام سر جھکائے بیٹھے رہے، اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا نہ

دائیں نہ بائیں، یکا یک آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

''اے لمبی داڑھی والے اللہ سے ڈر''

آپ کی آواز اتنی رعب دار تھی کہ اس کے ہاتھوں سے مضراب اور عود چھوٹ گئے اور اس پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ پھر وہ زندگی بھر نہ گا سکا۔ (غور کیجئے اہل سنت کے خلفاء کے دربار میں لمبی داڑھی والے کتنی جسارت سے خدا کی نافرمانی کیا کرتے تھے)

المختصر یہ کہ مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل سے امام محمد تقی علیہ السلام کی شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو تمام بنی عباس اسی طرح ناراض ہوئے جس طرح امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد بناتے وقت انھوں نے ناراضگی دکھائی تھی، ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ امام رضا علیہ السلام تو سن رسیدہ تھے، آپ اس بچے کو داماد بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جبکہ ابھی ان کے پاس نہ علم ہوگا، نہ فقہی مسائل سے یہ واقف ہوں گے، بہتر ہے کہ پہلے ان کی تعلیم و تربیت ہو پھر اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں۔

مامون نے ان لوگوں کی باتیں سنی تو کہا کہ ان کو علم سیکھنے کی ضرورت نہیں ان کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے ان کو بچپن ہی میں الہام ہوتا ہے اگر تم چاہو تو اس بچے کو آزما کر دیکھ لو، ان لوگوں نے کہا ہمیں منظور ہے، ہم اس بچے کا خود امتحان لیں گے۔

اس گفتگو کے بعد سب مامون کے پاس سے نکلے اور پھر سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس زمانے کے قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم امام محمد تقی علیہ السلام سے ایسے مسائل پوچھیں کہ جن جواب وہ نہ دے سکیں، ان لوگوں نے ابن اکثم کو جیت جانے کے بعد انعام واکرام کا وعدہ بھی کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مامون کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس کے لئے کوئی دن مقرر کریں مامون نے ایک دن مقرر کر دیا۔

مقررہ دن پر امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے مسند بچھادی گئی، اس پر دو تکیے رکھ دئے گئے ان کے درمیان امام علیہ السلام تشریف فرما ہوئے، امام اس وقت صرف نو سال چند ماہ کے تھے، مامون آپ کی مسند سے متصل دوسری مسند پر بیٹھا، یحییٰ ابن اکثم امام کے

سامنے بیٹھا دیگر افراد حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔

ابن اکثم نے مامون سے کہا کہ میں ان سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟

مامون نے کہا ان سے دریافت کرو، یحیٰ ابن اکثم امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور سوال کرنے کی اجازت چاہی، امام نے فرمایا کہ جو چاہو پوچھو

یحیٰ ابن اکثم نے یہ سوچتے ہوئے کہ ۹ ر سال کا بچہ نماز روزے کے مسائل ممکن ہے جانتا ہو احرام کے مسائل سے واقف نہ ہوگا، اس لئے اس نے کہا کہ فرمایئے کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا سوال واضح کرو کہ اس نے یہ شکار حل میں کیا تھا یا حرم میں؟ شکار کرنے والا مسئلہ سے واقف تھا یا ناواقف؟ اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکہ سے قتل ہو گیا؟ وہ شخص آزاد تھا یا غلام؟ کم سن تھا یا بالغ؟ پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس سے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا؟ شکار پرندکا تھا یا اور کوئی چھوٹا یا بڑا جانور تھا؟ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا تھا یا پشیمان ہے، رات کو پوشیدہ طور پر شکار کیا تھا یا دن دہاڑے؟ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا؟

اتنے گوشے سن کر ابن اکثم حیرت میں پڑ گیا، اس کے چہرے سے عاجزی ظاہر ہونے لگی، اس سے کچھ بولا نہ گیا، تمام مجمع نے محسوس کر لیا کہ اس کا ناطقہ بند ہو گیا ہے۔

مامون نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان تمام گوشوں کے احکام بیان کر دیں تا کہ ہم لوگوں کو اس سے استفادہ کا موقعہ مل سکے، امام نے فرمایا:

اگر اس شخص نے احرام باندھنے کے بعد حل میں شکار کیا ہے اور وہ شکار پرندکا ہے اور بڑا ہے تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے، اور ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں ، کسی چھوٹے پرندے کا حل میں شکار کیا ہے تو ایک بکری کا بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ دے گا، اور اگر حرم میں شکار کیا ہے تو اس پرندہ کی قیمت اور ایک دنبہ کفارہ دے گا، اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں ، اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے

،اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ ،اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا،اور یہ کفارہ جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو لیکن اگر حرم میں شکار کیا ہے تو یہی کفارے دو گنے دینے ہوں گے،اوران جانوروں کو جنھیں کفارے میں دے گا اگر احرام عمرے کا ہو تو خانۂ کعبہ تک پہونچائے گا اور مکہ میں قربانی دے گا،اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی دے گا،ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں ،اور بالارادہ شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گنہگار بھی ہوگا،ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گنہگار نہ ہوگا،آزاد اپنا کفارہ خود ادا کرے گا اور غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا،اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ،بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہوگا وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا،لیکن اگر اپنے اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔

مامون نے امام کا جواب سن کر کہا ''اے ابو جعفر اللہ آپ کا بھلا کرے،آپ نے بہت اچھی تفصیل دی ،اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو جس طرح ابن اکثم نے آپ سے سوال کیا تھا آپ بھی اس سے ایک سوال کر کے دیکھیں آپ نے ابن اکثم سے کہا کہ کیا میں تم سے ایک مسئلہ پوچھوں؟

یحییٰ ابنِ اکثم کو اپنی کم علمی اور امام کے خداداد علم کا احساس ہو گیا تھا،جواب میں کہنے لگا:۔

میں آپ پر قربان اگر مجھے معلوم ہوگا تو جواب عرض کروں گا ورنہ خود آپ سے معلوم کرلوں گا۔

تب امام محمد تقی علیہ السلام نے ابن اکثم سے کہا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت پر نظر کی تو وہ اس پر حرام تھی ،دن چڑھے حلال ہوگئی پھر ظہر کے وقت حرام ہوگئی عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی ،غروب آفتاب پر پھر حرام ہوگئی،عشاء کے وقت پھر حلال ہوگئی،آدھی رات کو پھر حرام ہوگئی اور صبح کے وقت پھر حلال ہوگئی،بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام وحلال ہوتی رہی؟

یحییٰ ابن اکثم نے کہا نہیں خدا کی قسم میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ، میں نہیں جانتا کہ وہ حرام وحلال کیسے ہوتی رہی ، اب اس کا جواب بھی آپ ہی بتائیں۔

امام نے فرمایا سنو! وہ عورت کسی کی کنیز تھی اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے اس پر نظر کی وہ اس کے لئے حرام تھی ، دن چڑھے اس نے وہ کنیز خرید لی حلال ہوگئی ، ظہر کے وقت آزاد کردیا حرام ہوگئی ، عصر کے وقت اس سے نکاح کرلیا پھر وہ حلال ہوگئی ، مغرب کے وقت اس سے ظہار کیا وہ پھر حرام ہوگئی ، عشاء کے وقت ظہار کا کفارہ دے دیا پھر حلال ہوگئی ، آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی وہ پھر حرام ہوگئی ، اور صبح کے وقت اس نے طلاق سے رجوع کرلیا وہ پھر حلال ہوگئی۔

مسئلہ کا حل سن کر صرف اکثم ہی نہیں بلکہ سارا مجمع حیران رہ گیا۔ اور سب میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ، مامون نے مجمع کی طرف مخاطب ہوکر کہا دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانہ ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے ، یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا ، اس کے بعد مامون نے اپنے اہل خاندان کی طرف رُخ کیا اور بولا بتاؤ یہ کون ہیں اور کیا ہیں؟ اس کے بعد اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ ابو جعفر تم میری دختر سے اپنا نکاح منظور کرتے ہو ، آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے ، مامون نے کہا تو پھر آپ اپنی طرف سے خطبۂ نکاح پڑھیں ہمیں اپنی قوم کی ناراضگی کی پرواہ نہیں ہے ، میں اپنی دختر اُم الفضل سے آپ کا نکاح کروں گا۔ اس موقع پر امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبۂ نکاح پڑھا وہ یہی خطبہ ہے جو آج علماء حضرات نکاح سے قبل پڑھتے ہیں ، یہ نکاح مکمل ہوا اور پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔

امام محمد تقی علیہ السلام سے شکست کھانے کے بعد یحییٰ ابن اکثم اور دوسرے عباسی جو امام محمد تقی علیہ السلام کے خلاف تھے اس کوشش میں تھے کہ مامون کو امام سے بدظن کریں ، اس کے لئے انھوں نے ابن اکثم کی سربراہی میں بھرے دربار میں ابو بکر اور عمر کی فضیلت کی بحث چھیڑ دی ، یہ موقع بڑا نازک تھا۔ اگر امام کھل کر گفتگو کریں تو جان کا خطرہ ہے

اور اگر تقیہ کر کے گفتگو کریں تو مخالف اپنی فتح کا اعلان کر دے گا لیکن امام نے اس نازک موقع پر اس طرح گفتگو کی کہ جان بھی محفوظ رہی اور حق بھی واضح ہو گیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ابن اکثم نے امام محمد تقی علیہ السلام کو مخاطب کیا اور بولا کہ فرزند رسولؐ آپ اس روایت کے متعلق کیا کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل رسولؐ پر نازل ہوئے اور کہا یا محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد یہ کہتا ہے ذرا ابوبکر سے پوچھو کیا وہ مجھ سے راضی ہیں میں تو بہر حال ان سے راضی ہوں۔

امام نے فرمایا کہ میں ابوبکر کی منزلت کا منکر نہیں ہوں لیکن اس روایت کے راوی پر واجب ہے کہ اس روایت کو بھی پیش نظر رکھے کہ رسولؐ نے فرمایا کو جو شخص میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کرے وہ اوندھے مونہہ جہنم میں جائے گا۔ لہٰذا اگر تمہارے سامنے کوئی حدیث آئے تو اس کو کتابِ خدا اور میری سنت کے مطابق کر کے دیکھو اگر اسے کتابِ خدا اور میری سنت کے موافق پاؤ تو قبول کر لو اگر مخالف پاؤ تو اسے چھوڑ دو، اب تمہاری بیان کردہ روایت کو دیکھنا ہے کہ کتابِ خدا کے موافق ہے یا نہیں، قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہٖ نفسه ونحن اقرب الیه من حبل الورید (سورہ ق آیت ۱۶)

ترجمہ: ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گذرتے ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے زیادہ قریب ہیں۔

غور کرو جب اللہ تعالیٰ ہر ایک کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو پھر اس سے ابوبکر کی رضا یا ناراضگی کیسے چھپی رہ گئی کہ وہ رسول اللہ سے کہتا ہے کہ ذرا ابوبکر سے معلوم کر کے مجھے بتاؤ؟ عقل کے نزدیک تو یہ بات محال ہے۔

ابن اکثم نے کہا کہ یہ روایت بھی تو ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مثال زمین پر ایسی ہے جیسے جبرئیل و میکائیل کی مثال آسمان پر ہے۔

امام نے فرمایا کہ یہ روایت بھی قابلِ نظر ہے، جبرئیل و میکائیل اللہ کے مقرب

ہم ہیں، ہم امتحانات میں تقریباً ناکام، مثلاً ہم نماز پابندی سے نہیں پڑھتے، روزہ ہم نہیں رکھ پاتے، زکات وخمس ہم ادا نہیں کرتے حرام باتوں سے ہم نہیں بچتے واجبات ادا نہیں کرتے پھر بھی خود کو جنتی سمجھتے ہیں، جان لیجئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، جنت تو دور کی بات امتحانات میں مسلسل ناکام ہونے والا بوئے جنت بھی نہ سونگھ سکے گا، اب بھی وقت ہے سدھر جائیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ کو صدمہ ہوا کہ میری قربانی قبول نہ ہوئی اور آوازِ قدرت آئی کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا (یہ واقعہ ابھی آپ نے اوپر پڑھا) تو خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یوں تسلی دی کہ اے ابراہیمؑ بتاؤ کہ خلقِ خدا میں تمہیں کون زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہیں، پھر سوال ہوا کہ بتاؤ تمہیں اپنے فرزند زیادہ عزیز ہیں یا پیغمبر آخر کے فرزند زیادہ عزیز ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ پیغمبر آخر الزماں کے فرزند زیادہ عزیز ہیں، پھر سوال ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھوں پیغمبر آخر الزماں کے فرزند کا قتل ہونا تمہیں زیادہ تکلیف دے گا یا میری اطاعت میں تمہارے ہاتھ سے اپنے فرزند کا ذبح ہونا زیادہ تکلیف دے گا، آپ نے فرمایا کہ دشمنوں کے ہاتھوں پیغمبر آخر کے فرزند کا قتل ہونا مجھے زیادہ تکلیف دے گا، پھر خداوند عالم نے فرمایا سر اٹھاؤ تو حضرت ابراہیمؑ نے سر اٹھایا تو آپ کو تمام واقعۂ کربلا دکھایا گیا کہ فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کو انتہائی بے کسی و بے بسی کے عالم میں بے جرم وخطا بے دین افراد گھیر کر قتل کر رہے ہیں، یہ دردناک منظر دیکھ حضرت ابراہیمؑ چیخ مار کر رونے لگے، اس وقت خدا نے وحی کی کہ اے ابراہیمؑ تمہارے پاس اس گریہ کا ثواب اس سے زیادہ ہے جو تمہیں اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند کو ذبح کرنے پر ملتا ہے، الختصر یہ کہ یہ وہی ذبح عظیم جس کے لئے دنبہ بھیج کر عظیم قربانی کے لئے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کو روک دیا گیا تھا۔

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض متعصب اہل سنت نے امام حسینؑ

فرشتے ہیں، انھوں نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، لیکن ابوبکر وعمر پہلے مشرک تھے اگرچہ بعد میں اسلام لائے۔ اس لئے محال ہے کہ ان دونوں کو فرشتوں کے مشابہ قرار دیا جائے۔

یحییٰ نے کہا یہ بھی روایت ہے کہ ابوبکر وعمر دونوں جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں، اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

امام نے فرمایا یہ بھی محال کیونکہ اہل جنت سب جوان ہوں گے۔ ان میں کوئی بوڑھا نہ ہوگا، یہ روایت بنی امیہ نے اس روایت کے مقابلے میں تیار کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

یحییٰ ابن اکثم نے کہا کہ روایت میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب اہل جنت کے لئے چراغ ہیں؟

امام نے فرمایا کہ یہ بھی محال ہے کیونکہ جنت میں ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین از حضرت آدم تا خاتم ہوں گے ان کے انوار سے تو جنت میں کوئی روشنی نہ ہو اور عمر کے چراغ سے جنت روشن ہو۔

ابن اکثم نے کہا یہ بھی روایت ہے کہ سکینہ عمر کی زبان سے گفتگو کرتا ہے؟

امام نے فرمایا کہ میں عمر کی منزلت سے انکار نہیں کرتا مگر غور کرو (تمہارے عقیدے کے مطابق) ابوبکر عمر سے افضل ہیں وہ برسر منبر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ ایک شیطان ہے جو مجھے بہکاتا ہے لہٰذا اگر تم لوگ دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہو رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دیا کرو۔

ابن اکثم نے کہا یہ بھی روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں مبعوث بہ رسالت نہ ہوتا تو عمر رسول بنا کر بھیجے جاتے۔

امام نے فرمایا کہ اس حدیث کے مقابلے میں اللہ کی کتاب زیادہ سچی ہے، اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ

واذاخذنامن النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (سورہ احزاب آیت ۷) ترجمہ:
اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی زبان سے پکا لیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ نے انبیاء سے عہد و پیمان لے لیا تھا پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو بدل دے۔ اور انبیا وہ ہیں جنھوں نے چشمِ زدن کے لئے بھی شرک نہیں کیا پھر اللہ اس شخص کو کیسے رسول بنا کر بھیجتا جس کی زندگی کا اکثر حصہ حالت شرک میں گذرا ہو، نیز رسولؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم اپنی روح وجسد کے درمیان میں تھے۔

ابن اکثم نے کہا یہ بھی روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا جب کبھی مجھ پر وحی آنی رُک جاتی تھی تو مجھے خیال ہوتا کہ اب یہ وحی آل خطاب (حضرت عمر) پر نازل ہو رہی ہوگی۔

امام نے فرمایا یہ ناممکن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اللہ یَصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس (سورہ حج آیت ۷۵)

ترجمہ: خدا فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔
جب اللہ رسولوں کو منتخب کرتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے منتخب کئے ہوئے نبی سے نبوت کو ایسے شخص کی طرف منتقل کر دے جس نے شرک کیا ہو۔

یحیٰ ابن اکثم نے کہا کہ یہ روایت بھی تو ہے کہ اگر عذاب نازل ہو تو سوائے عمر کے کوئی نہ بچے گا۔

امام نے فرمایا یہ بھی ناممکن ہے اس لئے خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ

وِماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وماکان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (سورہ انفال آیت ۳۳)

ترجمہ: اور خدا ایسا نہیں کہ جب تم ان میں تھے انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا ہے کہ وہ بخشش

مانگیں اور انھیں عذاب دے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں کسی پر عذاب نازل نہ کرے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان ہیں یا وہ لوگ استغفار کر رہے ہوں۔

اُم الفضل سے نکاح کے بعد تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے، مامون نے دورانِ قیام بغداد آپ کی عزت وتوقیر میں کوئی کمی نہیں کی، اس کے بعد آپ اپنی زوجہ اُم الفضل سمیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ دورانِ قیامِ بغداد سلطنت کا داماد ہونے کے بعد بھی امام نے محل میں قیام نہیں کیا بلکہ محل سے الگ کرائے کا مکان لے کر اس میں رہے اور اپنے خاندانی امتیاز یعنی تبلیغ وہدایت ہر ایک سے جھک کر ملنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا مساوات، سادگی مہمان نوازی، علمی اور مذہبی چشموں کا جاری رکھنا، آپ کی سیرت کے نمایاں پہلو تھے۔ امورِ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا انھیں حدود میں آپ نے ام الفضل بنت مامون کو بھی رکھا، اور یہ پرواہ بالکل نہیں کی کہ وہ بادشاہِ وقت کی بیٹی ہے، آپ نے اُم الفضل کے ہوتے ہوئے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک لڑکی سے شادی کی اور یہ لڑکی امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ ہوئیں۔

اس دوسری شادی سے اُم الفضل سخت ناراض ہوئی، اس نے مامون کو خط لکھا مامون نکاح کرنے کے بعد مجبور ہو چکا تھا، اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے بیٹی کو خط لکھا کہ میں نے تمہارا نکاح ان سے اس لئے نہیں کیا کہ میں ان پر کسی حلالِ خدا کو حرام کر دوں، خبردار اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

شادی کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام مدینے میں پر سکون زندگی گذار رہے تھے، لیکن اُم الفضل جو محل کی آزاد اور بے اعتدال ماحول میں زندگی گذار چکی تھی وہ یہاں مسلسل کوفت کا شکار تھی، اور اس کے شکایتی خطوط مسلسل مامون تک پہونچ رہے تھے، مامون نے ان خطوط پر تو دھیان نہ دیا لیکن مامون کی موت کے بعد اس کا بھائی موتمن

تخت سلطنت پر معتصم باللہ کے نام سے بیٹھا، اُم الفضل نے چچا کو بھی شکایتی خطوط روانہ کئے، مامون نے تو بیٹی کے خطوط کو اہمیت نہ دی تھی لیکن چچا نے بھتیجی کے خطوط کو اہمیت دی اور اپنی حکومت کے دوسرے سال ہی اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کو جبراً مدینے سے بغداد بلوالیا، امام جب مدینے سے چلے تو اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السلام کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دے کر کتب علومِ الٰہی اور آثار جناب رسالتمآبؐ انھیں سپرد فرمائے اور نومحرم کو بغداد پہونچے۔

بغداد پہونچنے کے بعد آپ کو معتصم نے نظر بند کر دیا اور اتنی سختیاں کی جاتی تھیں کہ آپ اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے تھے، بالآخر آپ صرف ۲۵ر سال تین ماہ ۱۲ر دن کی عمر میں قید خانے میں آخر ذی قعد یوم سہ شنبہ ۲۲۰ھ میں معتصم کے زہر سے شہید ہوئے ،روایت ہے کہ یہ زہر آپ کی بیوی اُم الفضل نے اپنے باپ مامون کی تمنا کے مطابق معتصم کی مدد سے دیا تھا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کو شہید کر کے ان کی بیوی اُم الفضل اپنے چچا معتصم کے پاس محل میں چلی گئی، جب ام الفضل نے امام کو زہر دیا تو آپ نے اس کے بدترین مستقبل کی خبر دی۔

روایت میں ہے کہ معتصم نے انگوروں میں زہر پیوست کر کے اُم الفصل کو بھیجے کہ ان کو کھلا دے اس طرح ان کی زندگی ختم ہو جائے گی ،جب ام الفضل نے امام کو انگور کھلائے تو اس کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی تو وہ رونے لگی، امام نے فرمایا اب کیوں روتی ہے اللہ تجھے ایسے عذاب اور ایسی بلا میں مبتلا کرے گا کہ تجھے نجات نہ ملے گی، آپ کی بددعا سے اس کی شرمگاہ کے مقام پر ناسور ہو گیا، اس کے علاج میں اس کی ساری دولت ختم ہوئی اور آخر میں وہ دیوانی ہو گئی اور پھر مر گئی ،یعنی یہ کہ باپ بھی قاتلِ امام، چچا بھی قاتلِ امام، بیٹی بھی قاتلِ امام، اللہ ظالموں پر لعنت کرے۔

# دسویں امام

# حضرت امام علی نقی علیہ السلام

امام علی نقی علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسویں معصوم جانشین تھے، آپ کے والد گرامی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ جناب سمانہ خاتون تھیں جو حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھیں، آپ سیدہ ام الفضل کے نام سے مشہور تھیں۔

امام علی نقی علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح علمِ لدنّی کے مالک تھے، سخاوت، طہارتِ نفس، کردار کی بلندی، اطاعتِ پروردگار میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح افضل العباد تھے، آپ ۵/رجب ۲۱۴ھ بروز سہ شنبہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب امام علی نقی علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوا تو اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی، دوسری روایت کے مطابق سات سال تھی، چہار طرف سے شیعانِ علی علیہ السلام اپنے مسائل لے کر آپ کے پاس آنے لگے اور آپ سب کی مشکل کشائی کرتے تھے، اور آپ مرجع خلائق بن گئے

دوسری طرف حکومت وقت اس فکر میں تھی کہ کس طرح اس مرکزیت کو ختم کیا جائے، چونکہ امام ابھی کمسن ہیں، اس طرح ان کو اپنی راہ پر لگانا اور ان کی خاندانی راہ سے ہٹانا آسان ہوگا، اس لئے حکومت نے دباؤ بنایا کہ امام کی تربیت کے لئے ایک استاد مقرر کیا جائے، چنانچہ حکومت کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے عراق کا سب سے بڑا عالم عبید اللہ جنیدی معقول تنخواہ پر مقرر کیا گیا، یہ جنیدی اہل البیت علیہم السلام کا سخت دشمن بھی تھا، اس کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ امام کے پاس شیعہ پہونچنے نہ پائیں، اس طرح امام کے پاس شیعوں کی آمدورفت بالکل بند ہوگئی، لیکن شیعہ کہاں ماننے والے تھے کسی نہ کسی

شکل میں امام کی خیریت معلوم کرتے اور آپ سے ملاقات کا بہانہ تلاش کر لیتے، چنانچہ ایک شیعہ (روای) نے ایک دن جنیدی سے کہا کہ غلام ہاشمی کا کیا حال ہے؟ اس نے نہایت بری صورت بنا کر کہا کہ انھیں غلام ہاشمی نہ کہو وہ رئیس ہاشمی ہیں، خدا کی قسم وہ اس کمنی میں مجھ سے کہیں زیادہ علم رکھتے ہیں (میں تمھیں بتاتا ہوں) سنو! میں اپنی پوری کوشش کے بعد ادب کا کوئی باب ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں انھیں تعلیم دے رہا ہوں لیکن خدا کی قسم میں ان سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں، میرے بس میں یہ نہیں کہ میں انھیں پڑھا سکوں، خدا کی قسم! وہ حافظ قرآن ہی نہیں وہ اس کی تاویل و تنزیل کو بھی جانتے ہیں اور مختصر یہ کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں۔

امام علی نقی علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح علم باطن اور علم غیب بھی جانتے تھے آپ اپنے ماننے والوں کو ہونے والے واقعات کی خبر دیدیا کرتے تھے اور شیعوں کو نقصانات سے بچانے کی ہر ممکن کوشش بھی کرتے تھے سوائے اس کے کہ قدرت نے ان کے لئے ویسا ہی مقدر کیا ہو، ان حالات میں آپ صبر کی تلقین فرماتے اور مذہب شیعہ کی طرف لوگوں کی راہ نمائی بھی فرماتے۔

ایک مرتبہ متوکل نے ارادہ کیا کہ سلامی کے دن امام علی نقی علیہ السلام پیدل چل کر آئیں تا کہ ان کو ذلت اور تھکن ہو، متوکل کے وزیر نے منع کیا کہ ایسا نہ کیا جائے لیکن نہ مانا، مجبوراً امام علیہ السلام پیدل متوکل کی دہلیز پر پہونچے راوی (زرارہ) کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ سخت گرمی اور تھکن کی وجہ سے امام پسینے میں تر ہیں میں نے فوراً بڑھ کر آپ کو ڈیوڑھی میں بٹھالیا رومال سے آپ کے چہرے کا پسینہ صاف کیا اور بتایا کہ متوکل کا مقصد ہی آپ کو اذیت میں مبتلا کرنا تھا، یہ سن کر آپ نے فرمایا خاموش رہو۔

تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (سورہ ھود آیت ۶۵)

ترجمہ: تم لوگ اپنے گھروں میں تین دن اور مزے لو یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔

زرارہ کا بیان ہے کہ میرے یہاں ایک شیعہ استاد تھا میں اس سے اکثر مذاق کیا کرتا تھا اور اس کو رافضی کہتا تھا، اس دن جب میں گھر واپس آیا تو عشاء کا وقت ہو چکا تھا، میں نے اس شیعہ کو آواز دی اور کہا کہ ادھر آ میں تجھے ایک بات سناؤں، جو میں نے تیرے امام سے آج سنی ہے اس نے کہا کہ کیا سنا ہے؟ میں نے تمام واقعہ بتایا اور اس آیت کو بھی پڑھ کر سنایا۔

اس شیعہ استاد نے کہا کہ اب میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میری بات مان لے میں نے کہا بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا کہ اگر واقعتاً امام نے یہی کہا ہے تو تو اپنے تحفظ کی فکر کر اپنا مال واسباب کہیں اور منتقل کر دے اس لئے کہ تین دن بعد متوکل مر جائے گا یا قتل ہو جائے گا۔

یہ سن کر مجھے غصہ آ گیا میں نے اسے گالیاں دیں اور اپنے پاس سے نکال دیا مگر تنہائی میں خیال آیا کہ اگر اپنا اور اپنے مال کا تحفظ کیا جائے تو اس میں نقصان ہی کیا ہے، یہ سوچ کر متوکل کے گھر گیا اور جو کچھ میرا سامان تھا وہ سب اٹھا لایا اور اپنا سامان قابلِ اعتماد لوگوں کے پاس رکھوا دیا، پھر تیسرا دن شروع ہوتے ہی متوکل کو رات کو قتل کر دیا گیا اس طرح میں اور میرا سامان محفوظ ہو گیا، پھر میں شیعہ ہو گیا اور خدمتِ امامؑ میں رہنے لگا۔

حسین بن علی کا بیان ہے کہ ایک شخص امام کے پاس خوف ودہشت کے عالم میں آیا اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا آپ لوگوں کی محبت کے جرم میں پکڑا گیا ہے اور آج اس کو پہاڑی سے گرا کر ہلاک کریں گے امام نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟

اس نے کہا کہ وہی جو ایسے موقع پر ماں باپ چاہتے ہیں۔

امام نے فرمایا جا کل تیرا بیٹا واپس آ جائے گا، اگلے روز اس کا لڑکا واپس آ گیا، باپ نے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ انھوں نے میری قبر کھود لی تھی میرے ہاتھ پاؤں باندھ لئے تھے اور پھینکنے والے ہی تھے کہ دس نورانی ہستیاں نمودار ہوئیں اور انھوں نے مجھ

سے پوچھا کہ کیا تو یہاں سے چھوٹنے کے بعد روضۂ نبوی پر زیارت کے لئے جائے گا؟ میں نے کہا ضرور جاؤں گا، پھر انھوں نے اس جلاد کو جو مجھے گرانا چاہتا تھا پکڑ کر ایسے زور سے پھینکا کہ اس کی کسی نے آواز بھی نہ سنی اور پھر وہ ہستیاں مجھے آپ کے پاس لے آئیں اور باہر میری منتظر ہیں یہ کہہ کر وہ لڑکا باپ سے رخصت ہوا اور چلا گیا۔

یہ واقعہ لڑکے کے باپ نے امام علی نقی علیہ السلام کو سنایا تو امام اس کی بات سنتے جاتے اور مسکراتے جاتے تھے۔

اصفہان میں ایک شخص جو اہل سنت تھا بیان کرتا ہے کہ میں مردِ فقیر تھا میں متوکل کے دربار میں فریاد کے لئے پہونچا، جب میں اور میرے ساتھی متوکل کے محل کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو طلب کیا ہے اور اندازہ ہے کہ متوکل آج ان کو قتل کرے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں آج اس مردعلوی کو دیکھے بغیر نہ جاؤں گا جس کو رافضی اپنا امام کہتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ کچھ ہی دیر گذری تھی کہ میں نے دیکھا کہ وہ مردعلوی گھوڑے پر سوار آ رہا ہے اور لوگ دونوں طرف صفیں باندھے ہوئے اسے راستہ دے رہے ہیں اچانک میرے دل میں اس مردعلوی کی محبت آ گئی اور میں دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ اللہ اس کو متوکل سے شر سے بچائے وہ اسی طرح دونوں صفوں کے درمیان گھوڑے پر سوار آگے بڑھے چلے آ رہے تھے اور کسی کی طرف نظر نہ کرتے تھے، آپ کی نظریں صرف اپنے گھوڑے کے ایال پر تھیں اور میں مسلسل دعا میں مشغول تھا کہ اچانک آپ نے گردن اٹھائی اور میری طرف دیکھا اور فرمایا

"اللہ نے تیری دعا قبول فرمالی اور تجھے طول عمر و کثرت مال و اولاد سے نوازا" یہ سن کر میں کانپ گیا اور وہیں گر گیا، لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا کہ کچھ نہیں سب خیریت ہے، اس کے بعد میں اصفہان آ گیا یہاں پر اللہ نے مجھ پر مال و دولت کے دروازے کھول دئے اور آج یہ حال ہے کہ میرے پاس دو لاکھ کا مال ہے جو گھر سے

باہر ہے اور جو گھر میں ہے وہ اس کے علاوہ ہے، اللہ نے مجھے دس اولادیں دیں میری عمر اس وقت پچھتر سال ہے اور میں اس وقت شیعہ ہوں کیونکہ امام میرے دل کی بات جان گئے اور میرے حق میں امام نے دعا کی۔

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ حضرت امام علی نقی علی السلام بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے حائر حسینی میں دعا کی جائے (یعنی قبر امام حسین علیہ السلام کے نزدیک دعا کی جائے)

میں نے کہا کہ آقا میں قبر امام حسین علیہ السلام پر جاؤں گا، آپ نے فرمایا کہ خوب سوچ لو متوکل نے زیارت قبر امام حسین علیہ السلام پر پابندی لگا دی ہے، راوی کا بیان ہے کہ یہ بات میں نے علی بن بلال سے کہی تو وہ کہنے لگے کہ انھیں قبر امام حسین علیہ السلام پر دعا کی کیا ضرورت ہے یہ تو خود وہ مرتبہ رکھتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے بعد جب میں امام کی خدمت میں گیا تو علی بن بلال کی گفتگو دہرائی تو آپ نے فرمایا کہ

تم نے اسے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے، حجر اسود کو بوسہ بھی دیا کرتے تھے حالانکہ نبی کی حرمت خانۂ کعبہ سے کہیں زیادہ بڑی ہے، سنو! یہ وہ مقامات ہیں کہ جہاں اللہ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے تو پھر میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ میرے لئے وہاں دعا کی جائے جہاں اللہ چاہتا ہے کہ میرے لئے وہاں دعا کی جائے جہاں اللہ چاہتا ہے کہ میری عبادت کی جائے۔

امام علی نقی علیہ السلام نے ۲۳۲ھ میں علی بن بلال کو یہ خط تحریر کیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر درود بھیجتا ہوں، واضح ہو کہ میں نے حسین بن عبد ربہ کی جگہ ان کا قائم مقام ابو علی کو بنا دیا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ دیانت و امانت میں ان

سے بڑھ کر کوئی نہیں۔''

مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے علاقے کے شیخ اور بزرگ ہو تمہارے امتیاز واکرام کے پیش نظر میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں، تمہارا فرض ہے کہ ابوعلی کی اطاعت کرو اور وہ تمام چیزیں جو تمہارے پاس بطورِ امانت ہیں وہ ان کے حوالے کردو، میرے ماننے والوں کو ان کی طرف متوجہ کرو، ان کا تعارف کراؤ تاکہ ان کو کام کرنے میں مدد ملے، اس سے ہماری نظر میں تمہارا وقار بڑھے گا، ہماری خوشی کا سبب ہوگا اس کا تمہیں اللہ کی طرف سے اجر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے جسے چاہتا ہے بہترین عطا اور عمدہ جزا دیتا ہے، میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

متوکل دشمن اہل بیت علیہم السلام تو تھا ہی اس کے درباری بھی اسی خصلت کے تھے، انھوں نے ایک مرتبہ طے کیا کہ امام علی نقی علیہ السلام جب آئیں تو ہم ان کے لئے پردہ نہیں اٹھائیں گے، یہ خود پردہ اٹھائیں۔

انھوں نے اپنے اس پروگرام کی اطلاع متوکل کو دی، متوکل نے انھیں ایسا کرنے کی اجازت دیدی، دوسری طرف متوکل کا سرکاری واقعہ نگار سمیلہ ہر ہر واقعے کو تحریر کرتا اور متوکل کے سامنے رپورٹ پیش کی جاتی، اس واقعہ کے متعلق بھی اس نے لکھا کہ جب امام علی نقی علیہ السلام تشریف لائے تو کسی خادم نے بڑھ کر پردہ نہیں اٹھایا اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور اس نے پردہ اٹھادیا اور امام داخل ہوگئے، واپسی پر جب امام پردے کے قریب آئے تو خادموں نے پھر پردہ نہ اٹھایا اس مرتبہ بھی مخالف سمت سے پھر ہوا کا تیز جھونکا آیا اور پردہ اٹھ گیا اور امام تشریف لے گئے، یہ جان کر متوکل نے خادموں سے کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ ہوا ان کے استقبال میں پردہ اٹھایا کرے اس سے تو ان کی فضیلت لوگوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی، لہٰذا تم خود ہی پردہ

کی قربانی کو فراموش کرنے کے لئے ذبح عظیم سے مراد دنبے کو لیا ہے، کہ وہ جنت کا دنبہ تھا جنت کی گھاس کھاتا تھا وغیرہ اس کے لئے عرض ہے کہ دنبہ چاہے دنیا کا ہو یا جنت کا ہو، دنبہ تھا اور اسماعیلؑ پیغمبر سے بلند نہیں ہو سکتا اس لئے ذبح عظیم سے دنبہ مراد لینا کور چشمی ہے۔

خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو پہلے اپنا بندہ قرار دیا پھر انھیں شرفِ پیغمبری بخشا پھر انھیں رسالت عطا کی پھر ان کو اپنا خلیل بنایا پھر چند کلمات کے ذریعہ آپ کا امتحان لیا، اس امتحان میں کامیابی کے بعد آپ کو امام بنایا گیا (سورہ بقر آیت ۱۲۴) اس منصب کے ملنے کے بعد آپ نے عرض کی کہ میری اولاد میں سے؟ جواب ملا کہ (ہاں لیکن) میرا یہ منصب ظالموں تک نہ پہونچے گا، حضرت ابراہیمؑ کو نبوت کے بعد امامت کا منصب عطا ہونا ثبوت ہے کہ امامت نبوت سے بڑا درجہ ہے۔

دوسری طرف شام میں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی جوان ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کی شادی بھی کر دی جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اس طرح شام میں نسلِ ابراہیمؑ پھیلنے کا سامان شروع ہو گیا، حضرت ابراہیمؑ کبھی شام میں رہتے اور کبھی مکہ بذریعہ معجزہ آتے، اس طرح آپ نے زندگی کے ۱۷۵ ر سال پورے کئے اور وہ ملک شام کا موسم بہار تھا جب آپ شام میں اپنے گھر میں تھے کہ ملک الموت نے آ کر خدا کا پیغام سنایا کہ خدا نے اجازت دی ہے کہ آپ چاہیں تو دنیا میں رہیں اور چاہیں تو مجھے اجازت دیں کہ میں روح قبض کروں تو آپ نے ملک الموت سے کہا کہ خدا سے دریافت کرو کہ کیا کوئی اپنے دوست کی موت چاہتا ہے؟ فرشتے نے یہ پیغام خدا کو سنایا وہاں سے جواب ملا کہ کیا کوئی اپنے دوست کی ملاقات سے بھی انکار کرتا ہے؟ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ بے شک خدا نے سچ کہا ہے اور یہ کہہ کر ملک الموت کو اجازت دی کہ وہ روح قبض کر لیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

جب حج کا زمانہ آیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیمؑ

اٹھا دیا کرو۔

ابوالہاشم جعفری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سخت تنگدستی میں مبتلا ہوا اور اس خیال سے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اپنی تنگدستی کی شکایت کروں گا، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ.

ابوالہاشم اللہ نے تمہیں اتنی نعمتیں دی ہیں تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے

یہ سن کر میں خاموش ہو گیا کہ اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دوں؟

پھر آپ ہی نے فرمایا دیکھو اللہ نے تمہیں ایمان کا رزق دیا، جس کی وجہ سے تمہارے جسم پر جہنم کی آگ حرام ہو گئی، اللہ نے تمہیں تندرستی کی روزی دی جس سے تم اس قابل ہو کہ اس کی اطاعت کرو، تمہیں قناعت عطا کی جس کی وجہ سے تم بے صبری سے محفوظ رہے، اے ابوالہاشم (دیکھو) میں نے تم سے پہلے ہی یہ کہہ دیا کہ تم اپنی تنگدستی کی شکایت کرنے کے لئے آئے ہو، میں نے تمہیں سو دینار دینے کا حکم دیدیا ہے انھیں لے لو۔

محمد بن حسین بن معصب مدائنی نے ایک مرتبہ آپؑ کو خط لکھا اور شیشے پر سجدہ کرنے کے متعلق دریافت کیا، اس کا بیان ہے کہ جب میں خط لکھ چکا تو دل نے کہا یہ بھی تو زمین ہی کی پیداوار ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے پیدا ہو اس پر سجدہ جائز ہے۔

آپ نے میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ شیشے پر سجدہ نہ کرو اگرچہ تمہارا دل یہ کہتا ہے کہ یہ زمین ہی کی پیداوار ہے، مگر یہ ریت اور نمک ہے اور نمک شورہ ہے۔

ایک مرتبہ متوکل نے امام پر اپنی شان و شوکت دکھانے اور رعب جمانے کی خاطر اپنی فوج (جو کہ نوے ہزار پر مشتمل تھی) کو حکم دیا کہ سب حاضر ہوں، جب فوج اکٹھا ہو گئی تو متوکل امام علیہ السلام کو لے کر ٹیلے پر جا کر بیٹھا اور امام کو بھی اپنے پاس بٹھا لیا اور بولا:

میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ میری فوج ایک نظر دیکھ لو کہ یہ کتنی ہے اور کیا کیا اسلحے ہیں اور کیا شان و شوکت ہے کیا رعب ہے۔

ایسا کرنے سے متوکل کا مقصد تھا کہ یہ احساس کرائے کہ میرے خلاف جو بھی خروج کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کا دل ٹوٹ جائے،

فوج کو دیکھ کر امام نے کہا تو نے اپنی فوج کی شان وشوکت تو دکھا دی اب میری فوج اور اس کی شان وشوکت دیکھے گا؟

متوکل نے کہا جی ہاں دکھائیے۔

امام نے اللہ سے دعا کی تو چشم زدن میں ہی متوکل نے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک مشرق سے مغرب تک فرشتوں کی فوج ہر طرح کے اسلحوں سے آراستہ ہے۔

یہ دیکھ کر متوکل کو غش آ گیا، جب ہوش میں آیا تو امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: اطمینان رکھو، ہمارا تمہارا جھگڑا دنیا میں نہیں ہوگا اس لئے کہ ہم آخرت کے کاموں میں مشغول ہیں۔

یحیٰ بن ہرثمہ کو متوکل نے حکم دیا کہ تین سو آدمی لے کر مدینے جاؤ اور امام علی نقی علیہ السلام کو سامرہ لاؤ، ابن ہرثمہ راوی ہے کہ ان تین سو افراد میں ایک خارجی تھا اور میرا منشی شیعہ تھا، تمام راستے یہ خارجی اس شیعہ سے مناظرہ کرتا رہا، راہ میں ایک سنسان گھاٹی پڑی تو اس خارجی نے شیعہ سے کہا کہ تمہارے امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کہا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جہاں پر قبر نہ ہو یا قبر نہ بننے والی ہو، اب اس سنسان زمین پر بتاؤ کون مرا ہوگا یا کس کی قبر بننے والی ہے؟

یہ سن کر یحیٰ ابن ہرثمہ نے اپنے اس شیعہ منشی سے سوال کیا کہ کیا واقعی تم لوگ یہی کہتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! میں نے کہا کہ پھر یہ خارجی ٹھیک کہتا ہے، کہ اس سنسان اور طویل صحرا میں کون مرا ہوگا؟ یہ کہہ کر ہم لوگ ہنسنے لگے اور وہ شیعہ منشی سب کے سامنے شرمندہ ہو گیا۔

المختصر یہ کہ ہم لوگ مدینہ پہونچے اور امام علی نقی علیہ السلام کو متوکل کا حکم سنایا امام نے تین دن کی مہلت مانگی میں نے منظور کر لیا تین دن بعد جو میں پہونچا تو دیکھا کہ

سردیوں کے موٹے کپڑے صدریاں کنٹوپ وغیرہ سامان میں موجود ہیں، یہ دیکھ کر میں حیران ہوا، اور دل میں سوچا کہ گرمیاں ہیں، حجاز کی گرمی ہے، یہاں سے عراق دس دن کی راہ پر ہے پھر یہ ان سردیوں کے کپڑوں کا کیا کریں گے، معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی سفر نہیں کیا ہے، مجھے ان رافضیوں پر تعجب ہوا کہ یہ لوگ اس فہم و سمجھ کے باوجود ان کی امامت کے قائل ہیں، میں نے دل میں کہا کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ راستے ہی میں سردیوں کا موسم آجائے گا، جو انھوں نے اپنا لباس اور کنٹوپ اور لبادہ لیا ہے۔

المختصر یہ کہ ہم نے مدینے سے کوچ کیا اور سفر کرتے ہوئے جب ہم اس مقام پر پہونچے جہاں قبروں سے متعلق میرے شیعہ منشی اور خارجی کے درمیان گفتگو ہوئی تھی تو اچانک سیاہ بادل اٹھا گرج و چمک شروع ہوئی، امام علی نقی علیہ السلام نے خود بھی صدری پہن لی، کنٹوپ اوڑھ لیا اور جسم پر لبادہ ڈال لیا، اور اپنے غلام کو بھی یہی سب کرنے کا حکم دیا، پھر اپنے غلاموں سے کہا کہ اس شیعہ منشی کو اور یحیٰی بن ہرثمہ کو بھی کنٹوپ اور لبادہ دیدو، ابھی ان لوگوں نے یہ لباس پہنا ہی تھا کہ بڑے بڑے اولے پڑنے لگے، کوئی جائے پناہ نہ تھی ہم پر اولے پڑتے رہے، ہمارے ساتھیوں کے پاس بچنے کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے اَسّی (۸۰) آدمی وہیں مر گئے، جب اولے رُکے تو امام علی نقی علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ یحیٰی اپنے بچے ہوئے ساتھیوں سے کہو کہ اُتریں اور اپنے مردوں کو دفن کریں، دیکھو اس طرح اللہ صحرا کو بھی قبروں سے بھر دیتا ہے۔

یہ سن کر یحیٰی ابن ہرثمہ فوراً سواری سے اُترا، اور دوڑتا ہوا امام کے پاس آیا اور آپ کے پاؤں کا بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور آپ لوگ زمین پر اللہ کے واقعی خلیفہ ہیں۔

یحیٰی کہتا ہے کہ پہلے میں کافر تھا اب اسلام لایا ہوں اور اب میں شیعہ ہوں اور پھر یحیٰی مرتے دم تک امام کی خدمت میں رہا۔

نوٹ: یہ روایت بڑی طویل ہے اس کو میں نے اپنے الفاظ میں مختصر کر کے لکھا ہے

امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

"ہمارے علماء غیبت قائم آل محمدؑ کے زمانے میں محافظ دین اور رہبر علم و یقین ہوں گے ان کی مثال شیعوں کے لئے بالکل ویسی ہوگی جیسی کشتی کے لئے ناخدا کی ہوتی ہے، وہ ہمارے ضعیفوں کے دِلوں کو تسلی دیں گے، وہ افضل الناس اور قائدِ ملّت ہوں گے۔

ایک طرف تو امام علیہ السلام علماء دین کے متعلق ہمیں آگاہ کریں، اور دوسری طرف سامراجی کوشش یہ کہ لوگ علماء سے دور ہو جائیں، مومنین کو چاہئے کہ علماء سے وابستہ رہیں اور اخباریت سے دور ہو کر اپنی عاقبت کو سنواریں۔

احمد بن عیسیٰ الکاتب کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں، حضرت نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور ایک مٹھی خرمے اس طشت میں سے اٹھا کر دئے جو آپ کے سامنے رکھا تھا، میں نے ان خرموں کو گنا تو وہ پچیس تھے

اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ امام علی نقی علیہ السلام سامرہ تشریف لائے ہیں میں ان کی زیارت کو حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طشت میں خرمے ہیں میں نے حضرت کو سلام کیا آپ نے جوابِ سلام دینے کے بعد ایک مٹھی خرمے مجھے عطا کئے میں نے ان خرموں کو شمار کیا تو وہ پچیس تھے، میں نے عرض کیا کہ مولا کچھ اور مل سکتے ہیں؟ جواب میں فرمایا اگر خواب میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ دئے ہوتے تو میں بھی اضافہ کر دیتا۔

متوکل ملعون نے امام علی نقی علیہ السلام کو بظاہر بغیر گرفتاری کے حکم کے سامرہ طلب کیا لیکن اس کا مقصد امام علیہ السلام کو اذیت پہونچانا اور آپ پر کڑی نظر رکھنا تھا، اس نے آپ کو خان الصعالیک (مانگنے والوں کی سرائے) میں ٹھہرایا اور آپ کو نظر بند کر دیا، آ

پ سے ملنے جلنے والوں پر نگاہ رکھی جاتی تھی، اور پھر نوبت یہ پہونچی کہ متوکل نے آپ سے ملنے پر مکمل پابندی عائد کردی، لیکن امام علیہ السلام کے پاس شیعہ کسی نہ کسی بہانے سے پہونچتے رہے، اس دور میں حالات اتنے ابتر ہو گئے تھے کہ امام نے اپنے مصلّے کے سامنے اپنی قبر تیار کرالی تھی، انھیں ایام میں متوکل نے دو مرتبہ قبر امام حسین علیہ السلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا، متوکل کے حکم سے نہر علقمہ کا بہاؤ قبر امام حسین علیہ السلام کی طرف کیا گیا لیکن پانی قبر امام حسین علیہ السلام کے اِرد گرد کترا کر نکلتا رہا اور قبر مبارک محفوظ رہی، متوکل نے ہر ممکن کوشش کی کہ زیارت قبر حسین علیہ السلام بند ہو جائے لیکن کامیاب نہ ہوا۔

متوکل شدید دشمنِ آلِ رسولؐ تھا، اس کی جسارت اتنی بڑھی کہ برسرِ عام آلِ محمدؐ کو گالیاں دینے لگا، ایک دن اس نے اپنے بیٹے مستنصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو گالی دی، اس کے بیٹے نے علماء سے دریافت کیا کہ جو شخص ایسے الفاظ بنت رسولؐ کے لئے استعمال کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ علماء نے کہا وہ واجب القتل ہے، تب مستنصر نے رات کو کچھ لوگوں کی مدد سے متوکل کو قتل کر دیا۔ متوکل نے اپنے دورِ حکومت میں کئی لاکھ شیعہ اور سادات کرام کو قتل کرایا۔

متوکل کے بعد اس کا بیٹا مستنصر پھر مستعین پھر معتز باللہ خلیفہ ہوا، معتز ابن متوکل بھی باپ کی طرح امام علی نقی علیہ السلام کے ساتھ سختی کرتا رہا۔ آخر کار معتز کے حکم سے امام علیہ السلام کو زہر دیا گیا۔ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکری علیہ السلام کو مواریث انبیاء وغیرہ سپرد فرمائے تھے، امام حسن عسکری علیہ السلام نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی اور آپ سامرہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی شہادت انتہائی غربت میں ہوئی اس وقت آپ کے پاس کوئی عزیز قریب موجود نہ تھا۔

# گیارہویں امام

# حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہویں جانشین اور تیرہویں معصوم ہیں، آپ کے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں، آپ کی والدہ ماجدہ جناب حدیثہ خاتون تھیں، آپ کے متعلق علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر کیا ہے کہ آپ عفیفہ کریمہ نہایت سنجیدہ اور متقی پرہیز گار تھیں۔

آپ کی وِلادت ۱۰ربیع الثانی ۲۳۲ھ یوم جمعہ بوقت صبح بمقام مدینہ منورہ ہوئی، آپ کی وِلادت سے قبل آپ کا نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حسن'' رکھا تھا، آپ کی کنیت ابو محمد تھی، آپ کے القاب بہت زیادہ ہیں، لیکن عسکری ہادی، زکی خالص، سراج، ابن الرضا زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کا لقب عسکری اس لئے زیادہ مشہور ہے کہ آپ محلّہ عسکر میں رہتے تھے، کیونکہ خلیفہ معتصم باللہ نے امام علی نقی علیہ السلام کو اسی جگہ رہنے پر مجبور کیا تھا، خلیفۂ وقت متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام پر اپنا رعب جمانے کے لئے نوّے ہزار کا لشکر جمع کیا تھا، تب امام علی نقی علیہ السلام نے اس کو خدائی لشکر کا نظارہ کرایا تھا اس کا تذکرہ آپ امام علی نقی علیہ السلام کے حالات میں پڑھ چکے ہیں، اس لئے اس کو مقامِ عسکر کہنے لگے۔

داؤد بن قاسم ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس موجود تھا، ایک لمبا چوڑا، خوبصورت شخص آیا، اور اس نے سلام کیا، امام نے جوابِ سلام کے بعد کہا کہ بیٹھ جاؤ، ابو ہاشم کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون شخص ہے؟

یہ خیال آتے ہی امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اس عرب عورت کا فرزند ہے

جس کے پتھر کے ٹکڑے پر میرے آباء کرام نے مہریں ثبت کی ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ وہ پتھر نکالو، اس نے وہ پتھر کا ٹکڑا نکالا اور امامؑ کو دیا امام نے اس پتھر کے ٹکڑے پر خالی جگہ پر اپنی مہر لگادی۔

اس شخص نے پتھر کا ٹکڑا واپس لیا اور کہ کہا کہ اے اہل البیتؑ رسولؐ آپ حضرات پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا حق بھی ہم پر اسی طرح فرض ہے جس طرح امیر المومنین علیہ السلام اور دیگر ائمہ علیہم السلام کا حق فرض تھا، حکومت وامامت آپ تک پہونچی ہے، ابو ہاشم کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام مجمع بن صلت بن عقبہ بن سمعان بن غانم بن ام غانم ہے جو یمن کی رہنے والی تھیں جن کے پاس یہ پتھر کا ٹکڑا تھا جس پر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی مہر ثبت کی تھی۔

دیکھا آپ نے اس زمانے کے ذی ہوش شیعہ ایسے تھے کہ بغیر ثبوت کے صرف سن کر ایمان نہیں لاتے تھے، جب ثبوت مل جاتا تھا تب ایمان لاتے تھے۔

اور جو ذی ہوش نہ تھے صرف پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر گروہِ شیعہ میں شامل ہو گئے وہ جلد بہک گئے، مثلاً واقفی حضرات یا زیدیہ فرقے کے افراد یہ لوگ اپنی جہالت اور غور وفکر نہ کرنے کے سبب اپنی عاقبت خراب کر بیٹھے۔

انھیں دونوں قسم کے شیعہ آج بھی ہیں، ایک وہ ہیں جو کہ تحقیق کرتے ہیں اور پھر کسی بات کو مانتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو ہر صدا کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، مثلاً صدا آئی معجزہ ہو گیا، بس یہ دوڑ پڑے یہ غور ہی نہ کیا کہ یہ معجزہ شریعت کی شرائط پر پورا اُترتا بھی ہے یا نہیں، تحقیق کرنے والے شیعہ ان روز روز ہونے والے معجزوں کو نہیں مانتے ہیں کیونکہ یہ شریعت کے معیار پر پورے نہیں اُترتے ہیں، یہی حال درگاہوں کا ہے، مذہب شیعہ میں درگاہوں کا وجود نہیں ہے، تحقیق کرنے والے شیعہ ان درگاہوں کو نہیں مانتے ہیں، اور جو ہر صدا پر لپکنے والے ہیں وہ ان درگاہوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

جس طرح بغیر غور کئے واقفیہ ،زیدیہ کی آخرت خراب ہوئی ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں یہ لوگ پچھتائیں جو بغیر غور و فکر کئے ہر صدا پر لپکتے ہیں۔

محمد بن حسن بن شمعون سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ میں اپنے فقر و تنگدستی سے نالاں تھا، میں نے اس کی شکایت امام حسن عسکری علیہ السلام سے کی لیکن اسی وقت دل میں خیال آیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے ساتھ رہ کر تنگدستی دوسروں کے ساتھ رہ کر دولتمندی سے زیادہ بہتر ہے ،اور ہمارے ساتھ رہ کر قتل ہو جانا ہمارے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے سے کہیں بہتر ہے۔

میرے خط کے جواب میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہمارے دوستداروں کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں تو پھر انھیں اللہ تعالیٰ فقر و تنگدستی میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ ان کے اکثر گناہ معاف کر دئے جائیں ،اور جیسا کہ تمہارے دل نے خود کہہ دیا تھا کہ ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر فقر اور ہمارے دشمنوں کے ساتھ رہ کر دولتمندی سے کہیں بہتر ہے ،ہم ان لوگوں کے لئے پناہ ہیں جو ہم سے پناہ چاہتے ہیں، ہم ان کے لئے نور ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں ،ان لوگوں کے لئے محافظ ہیں جو ہم سے حفاظت چاہتے ہیں ،جس نے ہم سے محبت کی وہ ہمارے ساتھ سنام اعلیٰ میں ہوگا، جو ہم سے منحرف ہوا اُس کا راستہ جہنم کی طرف ہوگا۔

حسن بن محمد نے اپنی کتاب تاریخ قم میں تحریر کیا ہے کہ حسین بن حسن بن جعفر بن محمد اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام شرابی تھے اور علی الاعلان شراب پیتے تھے ،ایک دن وہ کسی کام کے لئے احمد بن اسحاق وزیر اوقاف قم کے دروازے پر گئے لیکن احمد بن اسحاق نے ملنے کی اجازت نہ دی، یہ غمزدہ گھر واپس آئے۔

اس کے بعد احمد بن اسحاق حج کے ارادے سے نکلے اور جب سر من رائے (سامرہ) پہونچے تو امام حسن عسکری علیہ السلام کی زیارت کے لئے امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر پہونچے امام علیہ السلام نے ملاقات کی اجازت نہ دی یہ دیر تک کھڑے

روتے رہے بالآخر امام نے انھیں ملنے کی اجازت دیدی۔

جب یہ گھر میں داخل ہوئے تو عرض کیا فرزند رسولؐ! میں تو آپ کے شیعوں میں ہوں آپ نے مجھے حاضر خدمت ہونے سے کیوں منع کر دیا؟

آپ نے فرمایا کہ تم نے میرے ابن عم کو اپنے دروازے سے بھگا دیا، یہ سن کر احمد بن اسحاق رونے لگے اور حلف کے ساتھ کہا کہ میں نے تو صرف ان کو داخلے کی اجازت اس لئے نہیں دی تا کہ وہ شراب پینے سے توبہ کرلیں۔

امام نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن ان لوگوں (یعنی سادات کرام) کا اکرام احترام کرو ان کی تحقیر وتوہین نہ کرو اس لئے کہ یہ سب ہماری طرف منسوب ہیں ورنہ تم خائب وخاسر رہو گے۔

الغرض جب احمد بن اسحاق حج سے فارغ ہو کر قم واپس گئے تو لوگ ان سے ملنے کے لئے آئے، ان کے ساتھ حسین بن حسن بھی تھے جب احمد بن اسحاق نے انھیں آتے ہوئے دیکھا تو فوراً اُٹھ کر ان کی طرف دوڑے ان کا استقبال کیا اور بہت عزت واحترام کے ساتھ انھیں صدر مجلس میں بٹھایا، ان کے اس عمل سے حسین بن حسن کو بڑا تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا۔

احمد نے جو کچھ امام حسن عسکری علیہ السلام کا طرز عمل دیکھا تھا وہ سب بیان کیا، یہ سن کر حسین بن حسن اپنے برے افعال پر نادم ہوئے اور توبہ کی، گھر واپس آکر شراب کے تمام برتن توڑ دیئے، شراب بہادی اور تقویٰ پرہیز گاری اختیار کی، عبادت وریاضت میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ وفات پائی اور حضرت فاطمہ (معصومۂ قم) کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

آج کل غیر سادات کا رویہ یہ ہوگیا ہے کہ وہ سادات کرام سے نفرت کرنے لگے ہیں اور ان کی توہین کرنے پر آمادہ رہتے ہیں، ان افراد کا یہ عمل معصومین علیہم السلام کی مرضی کے خلاف ہے، ان لوگوں کو چاہیے کہ سادات کرام کی معصومین علیہم السلام سے نسبت کی

وجہ سے عزت کریں، اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو آخرت میں خسارے میں رہیں گے۔

دوسری طرف سادات کرام بھی جان لیں کہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کو دوہرا عذاب ہوگا، اور جو رویّہ ہندوستان میں سادات کرام نے اختیار کیا ہے کہ خود کو افضل اور غیر سادات کو کمتر سمجھتے ہیں، یہ تصوّر خلافِ شریعت ہے، ایسا کرنے والے آخرت میں خسارے میں رہیں گے، آخرت میں فائدے میں وہ مومنین ہوں گے جو پرہیز گار ہوں گے۔

اسحاق بن اسماعیل کے نام امام حسن عسکری علیہ السلام کا طویل خط بحار الانوار میں موجود ہے، اس خط کے بعض اقتباسات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں جو آج کل کے مومنین کے حالات کے مطابق ہیں۔

............اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دونوں کو اپنے دامنِ رحمت کے زیر سایہ رکھے اور اپنی قدرت سے تمہارے جمیع امور میں تمہاری مدد کرے، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تمہارا خط ملا اور حالات کی اطلاع ہوئی ............تم لوگ اور وہ لوگ جو تمہارے جیسے ہیں جن پر اللہ نے رحم کیا ہے تمہاری جیسی بصیرت رکھتے ہیں باطل سے کنارہ کش ہیں ،نافرمانی اور سرکشی میں اندھے نہیں ہو رہے ہیں، ان پر درحقیقت اللہ نے نعمت تمام کردی اس لئے کہ اتمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے، اور ہر نعمت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اس پر ادائے شکر ضروری ہے۔

............خدا کی قسم آخرت کی گھاٹی بڑی سخت ہے اس پر چلنا بہت مشکل ہے، اس میں طویل مصائب ہیں جن کا ذکر سابقہ الہامی کتابوں میں بھی ہے۔

............لہٰذا تم لوگ کیوں سرگرداں ہو؟ جانوروں کی طرح جدھر رُخ کیا ادھر چلے، ادھر کہاں چلے جا رہے ہو؟ حق سے کیوں مونہہ پھیرے ہوئے ہو؟ باطل پر کیوں ایمان لائے ہو؟ اللہ کی نعمت سے کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں اسے جھٹلاتے ہو؟ یہ بتاؤ جو شخص کتاب خدا کی بعض باتوں پر ایمان رکھے اور بعض باتوں سے انکار کرے اس کی

کا انتظار کرتے رہے وہ جب تشریف نہ لائے تو ان کو فکر ہوئی، تب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نازل ہو کر حضرت اسماعیلؑ کو ان کے والد کے انتقال کی خبر دی جس سے ان کو بہت رنج ہوا، حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو تسلی دی اور ان کے درجات جو خدا کے نزدیک ہیں بیان کر کے آپ کے غم کو کم کرنے کی کوشش کی۔

یہی مجالس عزا میں ہوتا ہے، فضائل اہل البیت علیہم السلام ہوتے ہیں اور مصائب اہل البیت علیہم السلام ہوتے ہیں اور اہل البیت علیہم السلام نے جس دین کو پھیلانے کے لئے مصائب برداشت کئے اس دین کے مسائل بیان ہوتے ہیں اس لئے مخالفین کو مجالس عزا کو بدعت کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے مہمان نوازی کی آپ پہلے شخص ہیں جو مختون پیدا ہوئے اور آپ نے ختنہ کا حکم دیا، آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے جوتا پہنا اور آپ پہلے شخص ہیں جن کی داڑھی سفید ہوئی۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام

جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وقت آخر آیا تو آپ نے آلِ یعقوبؑ کو جمع کر کے بتایا کہ میرے بعد حکومت تم تک نہیں پہونچے گی بلکہ تم دوسروں کے محکوم ہو جاؤ گے اور تم پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جائیں گے، اور اس وقت تک تم پر ظلم ہوتا رہے گا جب تک اولاد لاوی میں سے موسیٰ ابن عمران نہ پیدا ہوں گے وہی تمہیں مظالم سے نجات دیں گے تم ان کے ظہور کا انتظار کرنا اور مصائب پر صبر کرنا، یاد رہے کہ تمہارا امتحان بہت سخت ہوگا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وقت آخر ہوا تو مصر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے یہ طے کیا کہ اب حکومت حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان میں نہ رہنے دیں گے، چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اس گروہ کا جو سب سے قوی

سزا سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں بھی ناکام رہے اور آخرت کے اندر طویل عرصے تک عذاب میں مبتلا رہے۔ خدا کی قسم یہ تو سب سے بڑی ناکامی ہے۔

..................چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر حج، عمرہ، اقامت نماز ادائیگی زکات، روزہ، اور ولایت کو فرض کیا ہے، اور ان سب کے لئے اس نے تمہارے لئے ایک دروازے کو کافی قرار دیا تاکہ اس کے ذریعہ سے فرائض کے تمام دروازے کھل جائیں، اور راہِ خدا کی کنجی تمہارے ہاتھ آجائے، واقعاً حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد ان کے اوصیا نہ ہوتے تو تم لوگوں کا حال جانوروں جیسا ہوتا اور ان فرائض میں سے کوئی فریضہ صحیح طور پر نہ سمجھ سکتے اور کسی شہر میں اس کے دروازے سے ہی تو داخل ہوا جاتا ہے۔

..........اولیاء کے حقوق تم پر فرض کئے اور ان حقوق کی ادائیگی کا تمہیں حکم دیا تاکہ تمہارے اصلاب وارحام سے پیدا ہونے والے بچے تمہارے اموال ،تمہارے کھانے پینے کی چیزیں سب حلال ہو جائیں اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس سے تمہاری دولت وثروت میں کتنی ترقی اور کتنی برکت ہوتی ہے اور وہ یہ دیکھے کہ تم میں سے غیب کی کون اطاعت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے رسول! میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قریبی قرابتداروں کی مؤدت کے۔

یہ سمجھ لو کہ اس میں جو بخل کرے گا وہ درحقیقت اپنے ساتھ بخل کرے گا، اللہ غنی ہے تم لوگ فقیر ہو سوائے اس کے کہ کوئی اور اللہ نہیں ہے۔

ہمارے اور تمہارے درمیان گفتگو بہت طویل ہوگئی جس میں تمہارے فائدے اور نقصان کی دونوں طرح کی باتیں آگئیں، اور اگر اللہ کی طرف سے اتمام نعمت وہدایت فرض نہ ہوتا تو پدر بزرگوار کی وفات کے بعد تم لوگ نہ میرا کوئی خط دیکھتے نہ مجھ سے کوئی ایک حرف سنتے۔

درحقیقت تم لوگ اپنے معاد سے غافل ہو میرا دوسرا فرستادہ تم لوگوں کے پاس گیا پھر میں نے ابراہیم بن عبدربہ کو مقرر کیا اور اس کا خط محمد بن موسیٰ نیشاپوری کی معرفت تم لوگوں تک پہونچایا اور اللہ ہر حال میں مددگار ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ زیادتی کر رہے ہو خیر تم لوگ خود گھاٹے میں رہو گے۔

جو شخص اللہ کی اطاعت سے مونھہ موڑے گا اس کے اولیاء کی نصیحتوں کو نہ سنے گا وہ رحمت خدا سے دور اور بہت دور ہوگا، اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو.........

اے اسحاق! تم ہمارے پیغام رساں ہو، تم ابراہیم بن عبدہ کو میرا پیغام پہونچادو ........ابراہیم بن عبدہٗ کو چاہئے کہ میرا خط اپنے شہر والوں کو بھی پڑھ کر سنائیں تاکہ وہ بازپرس سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے متمسک ہو جائیں

........تمہارے شہر میں جو ہمارا دوستدار ہو، ہمارے اس خط کو پڑھے یا تمہارے اطراف کے وہ لوگ جو حق سے انحراف نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ہمارے حقوق ابراہیم بن عبدہٗ کے حوالہ کردیں، اور ابراہیم پر لازم ہے کہ وہ اسے رازی تک پہونچائے یا رازی جس کا نام بتائیں اس تک پہونچائیں اس لئے کہ یہ میرے حکم اور میری رائے سے ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام (ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں) کے اس طویل خط کے اقتباسات سے جن باتوں کا اندازہ ہوا وہ یہ کہ

(۱) اللہ و رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت واجب ہے۔

(۲) نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکات وغیرہ کی ادائیگی فرض ہے۔

(۳) اہل البیت علیہم السلام کی مودت واجب ہے۔

(۴) رقومِ شرعی ادا کرنے سے پیدا ہونے والی اولاد، مال و دولت پاک ہوتی ہے۔

(۵) ائمہ کے نائب کو رقومِ شرعی ادا کی جائیں۔

(٦) ائمہ کے احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اطاعتِ خدا میں مشغول ہو جائیں۔

اب غور کیجئے کہ آج لوگ رقومِ شرعی (خمس و زکات) ادا نہیں کر رہے ہیں، ان کی اولاد اور دولت پاک ہے؟ اور جب پاک نہیں ہے تو پھر ان کے یہاں برکت نہیں ہے، اچانک حادثے اچانک بیماریاں (دل کا دورہ، فالج وغیرہ) گھر میں گھر کئے ہوئے ہیں۔

اب بھی وقت ہے کہ مومنین جاگیں، اور اپنی دنیا و آخرت کو سنواریں۔

آج طاغوت (امریکہ اور دشمنانِ اسلام) مرجعیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں جبکہ یہ نظام ائمہ طاہرین علیہم السلام کا قائم کردہ ہے، اس کو باقی رکھنا تمام شیعوں کی ذمہ داری ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور میں حالات کتنے نازک تھے اس کا اندازہ آپ ذیل کی روایت سے کیجئے اور دیکھئے کہ امام کس پوشیدہ طریقے سے شیعوں سے رابطہ کرتے تھے۔

ابو ہاشم جعفری نے داؤد بن اسود سے روایت کی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے مولا امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے ایک لمبی گول لکڑی دی کہ اسے لے جاؤ اور عمری کو دے آؤ۔

میں راستے میں تھا میں نے دیکھا کہ ایک (اہل سنت) سقہ اپنے خچر پر سوار چلا آرہا ہے، خچر مجھ پر چڑھا چلا آرہا تھا، جب سقہ قریب آیا تو اس نے آواز دی ہٹو بچو، میں نے وہی لکڑی جو مجھے امام نے دی تھی اس کے خچر کے ماردی، جس کی وجہ سے وہ لکڑی پھٹ گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں اندر خط موجود ہیں، میں نے جلدی سے لکڑی کو کپڑے میں لپیٹا اور وہاں سے کھسک لیا، وہ سقہ مجھے اور میرے مالک کو گالیاں دینے لگا، وہ لکڑی

میں عمری کو دیکر جب واپس پہونچا تو عیسیٰ جو امام کا خادم تھا مجھے دروازے پر ملا اور بولا آقا کہتے ہیں کہ تم نے خچر کو کیوں مارا؟ کہ اس کی وجہ سے وہ لکڑی ٹوٹ گئی۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس لکڑی میں کیا ہے میں اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔

امام نے فرمایا کہ تم نے ایسا کام ہی کیوں کیا کہ تمہیں معذرت کرنی پڑے، اب ایسا نہ کرنا، یادرکھو جب سنو کہ کوئی تمہیں گالی دے رہا ہو تو تم وہاں سے اپنا رستہ ہی بدل دو، اور جہاں تمہیں بھیجا گیا ہے وہاں جاؤ اور جو ہمیں گالیاں دے رہا ہے اس سے دست وگریبان نہ ہو اور اسے یہ نہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس لئے کہ ہم ایک برے شہر اور بری آبادی میں ہیں، اور جان لو کہ تمہاری خبریں اور تمہارے حالات سب ہمارے سامنے پیش ہوا کرتے ہیں۔

بورق شنجانی نے بیان کیا کہ میں حج سے واپس آیا تو سر من رائے (سامرہ) میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اپنی روز وشب کی اعمال کی کتاب امام علیہ السلام کو دکھائی اور عرض کیا کہ آپ اس کو دیکھ لیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟

امام علیہ السلام نے اس کا ایک ایک صفحہ ملاحظہ فرمایا اور پھر کہا کہ یہ صحیح ہے اس کے مطابق اعمال بجالائے جائیں۔

اس زمانے کے شیعہ اپنے اعمال کی سند امام سے معلوم کرتے تھے لیکن آج کے شیعہ تحقیق سے دور ہیں اور جو ہو رہا ہے اسی کو دین سمجھتے ہیں چاہے وہ سماجی دین ہو اور اصل دین سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مومن اور مومنہ اپنے اعمال کے متعلق مستند علماء سے دریافت کرلیں، اور اگر عالم دین منع کرے تو اس عمل کو فوراً ترک کریں، پہلے سے ہوتا آیا ہے یا سب لرتے ہیں یا بزرگوں کو کرتے دیکھا ہے کہہ کر اپنے غلط اعمال کو صحیح کرنے کی کوشش نہ کریں، اگر آپ نے علماء کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو آخرت میں سوائے

آگ کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا، ابھی وقت ہے کہ مومنین جاگیں۔

حکّامِ وقت ان احادیث کی وجہ سے بہت خوفزدہ تھے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک فرزند پیدا ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھردے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

اس حدیث رسولؐ کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اب ہماری حکومت ختم ہونے والی ہے، اس لئے انھوں نے امام علیہ السلام پر سختیاں بڑھادی تھیں، ان پرآشوب حالات میں امام علیہ السلام نے بھی شیعوں کی حفاظت کے لئے مختلف ہدایات دیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

علی بن جعفر حلبی سے روایت ہے کہ ہم لوگ محلہ عسکر میں جمع ہوئے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی سواری کا انتظار کرنے لگے، تو آپ کی تحریر ہمارے پاس آئی کہ

"خبردار! تم میں سے نہ کوئی ہمیں سلام کرے اور نہ ہماری طرف کوئی اشارہ کرے، اس میں تمہاری جانوں کو خطرہ ہے"

امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور میں ایک سرپھرے نام نہاد عالم اسحاق کندی کو سوجھی کہ قرآن کے تضادات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرے، اس لئے اس نے ایک کتاب لکھنی شروع کی جس میں اس نے زور دیا کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت سے متصادم ہے، ایک آیت کا مفہوم دوسری آیت سے ٹکراتا ہے، اسحاق کندی کی اس کتاب کا چرچا ہر طرف ہونے لگا کوئی اسے روکنے کی ہمت نہ کرسکا۔

ایک دن اسحاق کندی کا شاگرد امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس آیا، امام نے اسے سمجھایا کہ اپنے استاد سے موقعہ پاکر یہ کہنا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جس آیت کا جو مطلب آپ سمجھ رہے ہیں خداوند عالم کا بھی وہی مقصد ہو، اس کے ساتھ آپ نے عربی ادب سے بعض مثالیں بھی شاگرد کو تعلیم کیں، جن سے ثابت ہوتا تھا کہ اسحاق کندی کا نظریہ درست نہیں ہے ان حالات میں تناقض قرآن کہاں ہے؟

ایک دن موقعہ پا کر شاگرد نے امام کا پڑھایا ہوا سبق اسحاق کندی کے سامنے دہرادیا، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا پھر اس نے شاگرد سے کہا کہ تم اپنی بات پھر دہراؤ، شاگرد نے وہ سبق پھر دہرایا، جو امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس کو پڑھایا تھا۔

اسحاق کندی کہنے لگا یہ ممکن ہے کہ جو مطلب میں اخذ کر رہا ہوں وہ ضروری نہیں ہے کہ خدا کا بھی وہی مقصد ہو، پھر اپنے شاگرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا کہ بتاؤ تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟ شاگرد نے کہا کہ یہ بات میرے دل میں آئی تھی، اسحاق کندی نے کہا کہ یہ بات تمہارے جیسے علم والے نہیں کر سکتے ہیں، سچ بتاؤ کہ تمہیں کس نے یہ بتایا ہے، تب مجبور ہو کر شاگرد نے کہا کہ مجھے امام حسن عسکری علیہ السلام نے ہدایت کی تھی، تب اسحاق کندی نے کہا کہ

ایسی اہم باتیں خاندانِ رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں۔

اس کے بعد اس نے آگ منگوائی اور کتاب تناقض قرآن کا سارا مسودہ نذرِ آتش کر دیا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے دور میں سامرہ کے علاقہ میں قحط پڑا، لوگ پریشان ہوئے، معتمد عباسی نے حکم دیا کہ نمازِ استسقاء پڑھی جائے، تین دن تک لوگ نمازِ استسقاء پڑھتے رہے لیکن بارش نہ ہوئی، لوگ مایوس ہو گئے۔

اسی زمانے میں ایک عیسائی راہب نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں دعا کروں گا تو بارش ہوگی، چنانچہ راہب نے دعا کی اور بارش ہوگئی، دوسرے دن بھی راہب کی دعا سے بارش ہوگئی، کمزور عقیدہ مسلمان شک میں مبتلا ہو گئے، اور بعض مرتد ہو گئے، خلیفہ سخت پریشان ہوا کہ مسئلے کو کس طرح حل کرے، بالآخر مجبور ہو کر پھر اسی در پر سر جھکا جہاں جھکنا چاہئے تھا، خلیفہ نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید خانے سے طلب کر کے صورتِ حال بتائی امام نے فرمایا کہ راہب سے کہا جائے کہ کل میدان میں آ کر دعا کرے، انشاء اللہ لوگوں کے شکوک کل میں دور کر دوں گا۔

اگلے روز امام نے میدان میں راہب سے کہا کہ دعا کرو، اس نے دعا کی فوراً

بارش ہوگئی، امام نے قریب موجود ایک شخص سے کہا کہ راہب کے ہاتھ میں جو ہے وہ لے لے، اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں موجود ہڈی لے لی، اس کے بعد امامؑ نے کہا کہ اب دعا کرو، راہب نے دعاء کی تو بارش تو کیا ہوتی موجود بادل بھی صاف ہوگیا، لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا کہ اس راہب کے ہاتھ میں نبی کی ہڈی تھی، اس ہڈی کو جب زیرِ آسمان کر کے راہب دعا کرتا تھا تو بارش ہوتی تھی، اس طرح لوگوں کے شکوک زائل ہوئے، اور خلیفہ معتمد عباسی نے چین کی سانس لی۔

اس کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام نے دو رکعت نماز ادا کی اور بارِش کے لئے دعاء کی زبردست بادل آیا، لوگ گھروں کی طرف دوڑے، امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہا کہ یہ یہاں نہ برسے گا، یہ فلاں ملک کے لئے ہے، اس طرح کئی مرتبہ ہوا آخری مرتبہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہا کہ یہ بادل یہیں کے لئے ہے اب لوگ اپنے گھروں کو جائیں، پھر زبردست بارش ہوئی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے پھر اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرا دیا۔

اس واقعے سے چہار طرف امامؑ کی شہرت ہوگئی، خاص و عام آپ کے گرویدہ ہوگئے، اب خلیفہ کو محسوس ہوا، کہ ان کو قید رکھنے میں عوام کے حکومت کے خلاف جذبات بھڑکیں گے، اس لئے مجبوراً آپ کو رِہا کر دیا گیا، امام نے اپنے ساتھ اپنے شیعوں کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا جو منظور کر لیا گیا۔

امامؑ کے رہا ہوتے ہی چہار طرف سے شیعہ امامؑ کی خدمت میں پہونچ کر امام مہدی علیہ السلام کی پیدائش کی مبارکباد دینے لگے جن کی پیدائش کی خبر کو حکومت کے خوف سے پوشیدہ رکھا گیا تھا، صرف مخصوص شیعہ ہی جانتے تھے کیونکہ حکومت حدیث رسولؐ کے مطابق یہ جانتی تھی کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ہی امام مہدی ہوں گے، جو دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ کریں گے۔

امام مہدی علیہ السلام کی پیدائش سے بنی عباس اس لئے خوفزدہ تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ امام ان کی حکومت کا خاتمہ کردیں گے۔

امام کی رہائی کے بعد جو چہار طرف سے شیعہ امام کے پاس پہونچنے لگے اس سے معتمد عباسی کو فکر ہوئی اور اس نے بے شمار جاسوس مقرر کردئے اور امام کی سخت نگرانی کی جانے لگی، حکومت نے بوکھلا کر امام حسن عسکری علیہ السلام کو دوبارہ گرفتار کرلیا اور نہایت ظالم وسرکش کی قید میں آپ کو رکھا گیا، یہ ظالم جس کا نام نخریر تھا اس کو ہدایت کی گئی کہ تو ان پر جتنی سختی کرسکتا ہے اتنی سختی کر، چنانچہ نوبت یہ پہونچی کہ اس نے آپ کو کھانا پانی اتنا کم کردیا کہ آپ کو تیمّم کر کے نماز پڑھنی پڑتی تھی، ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اے دشمنِ خدا! یہ فرزند رسولؐ ہیں ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کر، اس نے کہا ابھی کیا ہے ابھی تو میں ان کو درندوں کے کٹہرے میں ڈالوں گا، پھر اس نے امامؑ کو اس احاطے میں ڈال دیا جہاں درندے بند تھے، درندوں کی نظر جب امامؑ پر پڑی تو انھوں نے امامؑ کو پہچان کر قریب آکر اپنے سر امامؑ کے قدموں رکھدئے اور امام نے ان درندوں سے بے پرواہ ہوکر نماز پڑھنی شروع کردی۔

اس واقعہ سے امام کی فضیلت اور زیادہ ظاہر ہوئی اور امام کی طرف لوگوں کے دل جھکنے لگے، یہ بات معتمد کے لئے باعث پریشانی ہوئی چنانچہ اس نے امامؑ کی موت کے لئے سامان کرنے شروع کئے، سب سے پہلے اس نے امام کو ایسے اذیت ناک قیدخانے میں قید کیا کہ اس میں رہ کر انسان مرجائے، اس نے اسی پر بس نہیں کیا اور قیدخانے میں زہر سے آپ کو شہید کرادیا۔

امام علیہ السلام کی موت کی خبر سے سامرہ میں ایک کہرام مچ گیا ہر گھر سے رونے کی صدا بلند ہوئی، حکومت کو خطرہ محسوس ہوا اس لئے اس نے ظاہری تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا جنازہ اٹھایا اور خلیفہ معتمد عباسی کے حکم سے عیسیٰ بن متوکل اور دیگر عباسی امراء ،امیر، منشی، قاضی اور اشراف واعیان جنازے کے پاس پہونچ گئے اور عیسیٰ بن متوکل نے

آپ کے چہرہ سے کفن ہٹا کر کہا کہ دیکھو یہ اپنی موت مرے ہیں انھیں کسی نے کچھ کھلایا نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ کے بھائی جعفر کذاب نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے ،ابھی آپ تکبیرۃ الاحرام نہ کہنے پائے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام اچانک برآمد ہوئے اور اپنے چچا کو ہٹا کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر غائب ہو گئے ،امام حسن عسکری علیہ السلام کو امام علی نقی علیہ السلام ہی کے روضۂ مبارک میں سامرہ میں دفن کیا گیا۔

اس زمانے میں مقابر بنی عباس پر چمگادڑیں اور پرندے اتنی بیٹ کرتے تھے کہ حکومت کو روزانہ صفائی کرانی پڑتی تھی ،دوسری طرف یہ عالم تھا کہ امام علی نقی علیہ السلام ،امام حسن عسکری علیہ السلام کے روضے پر کوئی پرندہ بیٹ نہیں کرتا تھا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے چونکہ امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کی خبر کو حکومت کے کارندوں سے اس حسن وخوبی کے ساتھ پوشیدہ رکھا تھا کہ حکومت بالکل بے خبر رہی جبکہ شیعہ باخبر رہے، چنانچہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور آپ کی عورتوں کو کنیزوں کو گرفتار کر کے حمل کا پتہ لگانے والی عورتوں سے معلوم کرایا گیا کہ کوئی حاملہ تو نہیں ہے ایک کنیز پر شبہ ہوا اس کو قید کر کے عورتوں کے حوالے کیا گیا اور ان عورتوں پر بھی مرد پہریدار مقرر کئے گئے، لیکن کچھ ماہ بعد معلوم ہوا کہ وہ کنیز بھی حاملہ نہیں ہے۔

کل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو روکنے میں ناکام رہا تھا، بالکل اسی طرح عباسی فرعون معتمد امام علیہ السلام کی پیدائش سے بے خبر رہ گیا اور امام پیدا ہو گئے، اب ان عباسی فرعونوں کے ماننے والے سقیفائی کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف کہتے ہیں کہ امام مہدی قرب قیامت میں پیدا ہوں گے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے شیعوں کی نشانیاں یہ بتائیں ہیں۔

(۱) دن رات میں اکیاون رکعت نماز پڑھنا (۲) سجدگاہ کربلا پر سجدہ کرنا (۳) داہنے ہاتھ

میں انگوٹھی پہننا (۴) اذان واقامت کے جملے دو دو مرتبہ کہنا (۵) اذان واقامت میں حی علی خیر العمل کہنا (۶) نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا (۷) ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا (۸) آفتاب کی زردی سے پہلے نمازِ عصر اور تاروں کے ڈوب جانے سے پہلے نمازِ صبح پڑھنا (۹) سر اور داڑھی میں وسمہ کا خضاب کرنا (۱۰) نمازِ میت میں پانچ تکبیر کہنا۔

آج کل ایک کتاب تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام کے نام سے موسوم اور مشہور ہے، لیکن علماء اعلام نے اس تفسیر کی صحت کا انکار کیا ہے، اس کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر نہیں ہے، اس کا انتساب امام کی طرف تحقیق طلب ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے ایک بھائی جعفر تھے، جو آج کل جعفر کذّاب کے نام سے جانے جاتے ہیں انھیں جعفر کذّاب کی اولاد آج نقوی سادات کے نام سے مشہور ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد انھوں نے کوشش کی کہ اب یہ امام ہو جائیں چنانچہ انھوں نے اس کے لئے کوشش بھی کی، امراء سلطنت سے بھی رابطے قائم کئے، امام مہدی علیہ السلام کی وِلادت کا انکار کر کے امام حسن عسکری علیہ السلام کی وراثت حاصل کرنے کی کوشش کی، دعوائے امامت بھی کیا شیعوں نے ان سے غیب کی باتیں دریافت کیں تو یہ بھونچکارہ گئے اور ان کا دعوائے امامت باطل ہو گیا۔ المختصر یہ کہ ان کی حماقتوں اور دنیا داری اور جہالت کی باتوں کی روایات بھری پڑی ہیں، اس لئے ان کو جعفر کذّاب (یعنی جھوٹا) کہا جاتا ہے۔

بعد میں ان کی اولاد نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے اپنی ان حرکتوں سے توبہ کر لی تھی اس لئے ان کو جعفر توّاب کہنے لگے۔

ایک خیال یہ بھی ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں کہ انھوں نے یہ تمام حرکات تقیہ کی حالت میں کی تھی کہ حکومت وقت یہ جان لے کہ امام مہدی علیہ السلام ابھی

وچالاک آدمی تھا اس نے حکومت پر قبضہ کرلیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر کے بادشاہ کو عزیز کہتے تھے، لیکن اس گروہ نے بادشاہ کو فرعون کہنا شروع کیا، چنانچہ بعد میں جتنے بادشاہ ہوئے سب فرعون کہلائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جو فرعون تھا اس کا نام مصعب بن اسریاں تھا، یہ ابتدا میں ایک معمولی آدمی تھا اس کے پاس قبرستان کا ٹھیکہ تھا یہ ٹھیکہ اس دور میں کم وقعت سمجھا تھا اور بہت کم قیمت پر مل جاتا تھا، اتفاق سے اس کے دور میں وبائی بیماریاں پھیلیں اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبروں کے ریٹ بڑھادئے جس سے اس کو کافی نفع ہوا، دولت حاصل کرنے کے بعد یہ اپنی چالاکیوں کے سہارے فرعون وقت کا مصاحب (صحابی) بن گیا، یہ چونکہ جادو بھی جانتا تھا اس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی، فرعون چونکہ لاولد تھا اس لئے فرعون نے اس کو اپنا جانشین نامزد کردیا، فرعون کے بعد پھر یہ خود بادشاہ ہوگیا اور یہ بھی فرعون کہلانے لگا اس پر قسمت یوں بھی مہربان ہوئی کہ اس کو کبھی معمولی سی بیماری بھی نہ ہوئی جس کے نتیجے میں اس میں خودسری آگئی اور اس نے خدائی کا دعویٰ کردیا۔

یہاں پر ہم اپنی گفتگو کچھ دیر کے لئے روکتے ہیں اور آپ کو تاریخ اسلام کے اوراق کی سیر کراتے ہیں۔

تاریخ میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر کے آخری ایام میں تھے تو قریش کے کچھ شریروں نے ایک معاہدہ کیا کہ حکومت حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں نہ جانے دیں گے، یہ معاہدہ خفیہ تھا اس کے بعد تاریخ نے دوسرے سقیفائی حاکم کی مدینے میں گونجتی یہ آواز اپنے دامن میں محفوظ کی کہ

''عرب اس بات کو پسند نہ کریں گے کہ نبوت وخلافت ایک خاندان میں رہے۔''

اسلامی تاریخ کے ان اوراق اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے مصریوں کے اس پروگرام میں کہ حکومت حضرت یوسف نبی کے خاندان میں نہ رہے کتنی شباہت ہے کل نبی کے خاندان سے حکومت نکالنے والے فرعون کہلائے اور اسلامی تاریخ میں نبیؐ کے

پیدا نہیں ہوئے ہیں اور ان کی تلاش میں خاندانِ رسالت کو پریشان نہ کرے اور جب حالات پر سکون ہو گئے تو انھوں نے توبہ کر لی اور جعفر تواب ہو گئے، خدا بہتر جانتا ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے، ہم خاموش ہوتے ہیں۔

# بارہویں امام

# حضرت امام مہدی علیہ السلام

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام رسولِ اکرمؐ کے چودھویں معصوم جانشین ہیں اور بارہویں امام ہیں، حکمِ خدا سے آپ پردۂ غیب میں ہیں، قبلِ قیامت جب حکمِ خدا ہوگا تو آپ ظہور کریں گے، آپ کے پردۂ غیب میں ہوتے ہوئے اگر کوئی دعویٰ امامت کرے یا خود کو مہدی موعود کہے تو وہ جھوٹا ہے، اور وہ بھی جھوٹا ہے جو زمانۂ غیبت میں جاننے پہچاننے کی حالت میں آپ سے ملاقات کا دعویٰ کرے۔

امام مہدی علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب نرجس خاتون تھیں، جس وقت آپ کے والد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی زہر سے شہادت ہوئی اس قت آپ کی عمر مبارک پانچ سال تھی، اس کم عمری میں آپ کو ویسی ہی حکمت عطا کی گئی جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ملی تھی، جب آپ بطنِ مادر میں تھے تو آپ امام قرار پائے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پائے تھے، آپ قبل قیامت ظہور فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ آپ کے متعلق از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا امام حسن عسکری علیہ السلام تمام معصومین علیہم السلام کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح ہے کہ امام حسن عسکری علیہ

السلام کے فرزند ہی امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جو ظلم وجور کا خاتمہ کر کے دنیا کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

رسولِ اکرمؐ کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے حکومت وقت آنے والے مولود سے خوف زدہ تھی اور اس کوشش میں تھی کہ آپ پیدا نہ ہوسکیں، اس لئے حکومت نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کنیزوں کی نگرانی کرائی کہ ان میں کوئی حاملہ تو نہیں ہے لیکن امام مہدی علیہ السلام کی والدہ کا حمل حکومت کی معین کردہ عورتوں پر ظاہر نہ ہوسکا بالکل اسی طرح جس طرح کل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا حمل فرعون کی مقرر کردہ عورتوں پر ظاہر نہ ہوسکا تھا۔

بالآخر مشیت خدا ظاہر ہوئی اور امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوئے ،آپ کی پیدائش کا واقعہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون نے یوں بیان کیا ہے۔

میں ایک روز حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر گئی تو آپ نے فرمایا کہ پھوپھی جان آج آپ ہمارے یہاں ٹھہرئے کیونکہ آج کی شب خداوند عالم مجھے ایک وارث عطا فرمائے گا میں نے کہا کہ یہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ بطنِ نرجس سے ہوگا، میں نے کہا بیٹے میں تو نرجس میں کچھ حمل کے آثار نہیں پاتی ہوں امام علیہ السلام نے فرمایا اے پھوپھی نرجس کی مثال مادرِ موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حمل وِلادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا تھا، اسی طرح میرے فرزند کا حمل کا بھی بروقت ظاہر ہوگا، غرضیکہ اس شب میں وہیں رہی جب آدھی رات گذر گئی تو میں اٹھی اور نمازِ شب میں مشغول ہوگئی، میرے بعد نرجس خاتون بھی اپنے حجرے میں اٹھیں اور نمازِ شب پڑھنے لگیں، اس کے بعد میرے دل میں خیال گذرا کہ صبح قریب ہے اور جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہا تھا وہ اب تک ظاہر نہیں ہوا، اس خیال کے دل میں آتے ہی امام علیہ السلام نے اپنے حجرے سے آواز دی اے

پھوپھی جان جلدی نہ کیجئے حجتِ خدا کی وِلادت کا وقت قریب ہے، یہ سن کر میں نرجس کے حجرے کی طرف پلٹی تو مجھے نرجس راستے ہی میں ملی اوران کی حالت اس وقت متغیر تھی وہ لرزہ براندام تھیں اوران کا سارا جسم کانپ رہا تھا، میں نے یہ دیکھ کران کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور سورۂ قل ھو اللہ، انا انزلناہ اور آیت الکرسی پڑھ کران پر دم کیا اوران کو حجرے میں لائی اور وضع حمل شروع ہوا، میں نے دیکھا تمام حجرہ منور ہو گیا۔ (جس سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں، چند لمحے بعد جب میں اس نورانی حجرے میں دیکھنے کے لائق ہوئی تو) دیکھا کہ ایک مولود سجدۂ خالق میں پڑا ہوا ہے (فرطِ مسرت سے) میں نے بچے کو اٹھا لیا، اسی لمحے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے حجرے سے آواز دی کی پھوپھی جان میرے فرزند کو میرے پاس لائیے، میں لے گئی آپ نے اسے گود میں لیا اور کہا اے فرزند! خدا کے حکم سے کچھ بات کرو تو بچے نے اس آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین کی تلاوت کی۔ (ترجمہ) ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین پر کمزور کر دئے گئے ہیں اوران کو روئے زمین پر امام بنائیں اورانھیں زمین کا وارث قرار دیں۔

اس کے بعد کچھ سبز طائروں نے آ کر ہمیں گھیر لیا اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ان میں سے ایک طائر کو بلایا اور بچے کو دیتے ہوئے کہا کہ اس کو لے جاؤ اوراس کی حفاظت کرو، یہاں تک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے، کیونکہ خدا کا حکم پورا ہو کر رہے گا، میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ طائر کون تھا؟ اور دوسرے طائر کون تھے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے اور دوسرے طائر فرشتگانِ رحمت تھے۔

آپ جب پیدا ہوئے تو مختون اور ناف بریدہ تھے اور نہلانے کی ضرورت نہ تھی، داہنے بازو پر تحریر تھا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (ترجمہ) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل ہے ہی مٹنے والا۔

آپ کو اکثر والدہ کے پاس لایا جاتا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، آپ کی پیدائش کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تھی اور آپ کی پیدائش کو مکمل طریقے سے چھپایا گیا تھا، کیونکہ بادشاہِ وقت پوری طاقت کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا اور آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا تا کہ نسلِ رسولؐ کا خاتمہ ہو اور آنے والے مہدی سے جو حکومت چھن جانے کا خطرہ ہے وہ ختم ہو۔

ایک طرف حکومت کے خطرے کے تحت آپ کی ولادت کو چھپایا گیا اور دوسری طرف مومنین کو آپ کی پیدائش س باخبر کرنا بھی ضروری تھا تا کہ اپنے بعد آنے والے امام کا تعارف کرایا جا سکے، اس لئے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے معتمد ترین اصحاب کرام کو امام زمانہ کی زیارت بھی کرائی، ذیل میں بعض روایات تحریر کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمایئے

یعقوب بن منقوش محمد بن عثمان عمری، ابی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کی مولا آپ کے بعد امرِ امامت کس کے سپرد ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سامنے جو پردہ ہے اس کو اٹھاؤ ہم نے پردہ اٹھایا تو پردے کے اس طرف نہایت خوبصورت بچہ جس کی عمر پانچ سال تھی موجود تھا، وہ بچہ پردہ اٹھتے ہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس آکر آپ کی گود میں بیٹھ گیا، امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی میرا فرزند میرے بعد حجۃ اللہ ہوگا، محمد بن عثمان کا کہنا ہے کہ ہم اس وقت چالیس افراد تھے، ہم سب نے زیارت کی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند کو حکم دیا کہ آپ اندر چلے جائیں اور اس کے بعد ہم سے فرمایا کہ اب تم ان کی زیارت نہ کر سکو گے اس کے بعد غیبت شروع ہوگئی۔

ابن متوکل نے حمیری سے انھوں نے محمد بن احمد علوی سے انھوں نے ابی غانم خادم حضرت ابو محمد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صاحب الزمان علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے (ولادت کے تیسرے

دن ) انھیں اپنے اصحاب کو لاکر دکھایا اور فرمایا ''یہی تمہارے امام اور میرے بعد تم پر میرے خلیفہ اور نائب ہیں یہی وہ قائم ہیں جن کے انتظار میں لوگوں کی گردنیں ان کی طرف اٹھیں گی، اور جب ساری زمین ظلم وجور سے پُر ہو جائے گی تو یہ ظہور کریں گے، اور زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی،

ابراہیم بن محمد کا بیان ہے کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی خادمہ نسیم نے مجھے بتایا کہ حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کی وِلادت کے (دس روز) بعد میں آپ (امام مہدیؑ) کی خدمت میں گئی تو اتفاقاً مجھے چھینک آگئی، تو امام مہدی علیہ السلام نے فرمایا ''یرحمکِ اللّٰہ'' نسیم کہتی ہیں یہ سن کر میں نے بڑی خوشی محسوس کی تو آپؑ نے فرمایا کہ سنو! میں تم کو چھینک کے متعلق ایک خوشخبری سناؤں وہ یہ کہ چھینک موت سے تین دن تک امان کی نشانی ہے۔

ماجیلویہ وابن متوکل وعطاء ان سب نے اسحاق بن ریاح بصری سے انھوں نے ابو جعفر عمری سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کے یہاں شہزادہ (صاحب الزمان علیہ السلام) پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ابو عمرو کے پاس آدمی بھیجو، جب آدمی گیا اور وہ آگئے تو آپ نے فرمایا دس ہزار رطل روٹی اور دس ہزار رطل گوشت خرید کر تقسیم کردو، راوی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ چیزیں بنی ہاشم میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ نے ان کا عقیقہ بھی اتنی ہی بکریوں پر کیا تھا۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مخصوص شیعوں کو بھی امام مہدی علیہ السلام کے عقیقے کا گوشت بھیجا اور بتایا کہ حجت خدا پیدا ہو چکے ہیں، اس طرح حکومت کے کارندوں سے امام مہدی علیہ السلام کی وِلادت کو چھپایا گیا اور شیعوں کو امام مہدی علیہ السلام کی پیدائش کی نہ صرف خبر دی گئی بلکہ زیارت بھی کرائی گئی۔

آخر کار معتمد بن متوکل عباسی نے مدتوں قید میں رکھنے کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر دے دیا اور آپ زہر کے اثر سے ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ بمطابق

۸۷۳ء بعمر ۲۸ رسال شہید ہو گئے ، اور آپ نے اولاد میں صرف امام مہدی علیہ السلام کو چھوڑا۔

آپ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے جعفر کذّاب (جو بعد میں تواب کہلائے) آگے بڑھے ، آپ نماز شروع کرنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک امام مہدی علیہ السلام نمودار ہوئے اور کہا چچا ہٹئے میں اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا ، نماز کے بعد شیعوں نے امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھوں کو بوسہ بھی دیا۔

امام مہدی علیہ السلام کا اسم مبارک م ح م د ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے، آپ کا یہ نام اور کنیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ ہے، زمانۂ غیبت میں آپ کا نام لینا منع ہے، اس لئے القاب کا استعمال کرنا چاہئے، آپ کے بہت سے القاب ہیں ، مثلاً مہدی ، حجۃ اللہ ، خلف الصالح ، صاحب العصر ، صاحب الزمان ، القائم ، الباقی اور المنتظر وغیرہ ، آپ کو منتظر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کے چاہنے والے آپ کے ظہور کے منتظر ہیں۔

خلفاء بنی عباس اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہوئے اور امام زمانہ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے تو حکومت کے نمک خوار محدثوں ، راویوں ، مفسروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ امام مہدی قبل قیامت پیدا ہوں گے ، وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں ، لیکن خداوند عالم نے انھیں سقیفائیوں میں ایسے بعض متعصب افراد سے بھی تحریر کرا دیا کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں ، ان افراد میں سے ایک علامہ ابن حجر مکی ہیں جو اپنی شیعہ دشمنی میں مشہور ہیں ، انھوں نے شیعوں کی رد میں ایک کتاب " الصواعق المحرقہ " ( جلانے والی بجلی ) تحریر کی ، اس میں خداوند عالم نے ان سے جا بجا حق تحریر کرا دیا ہے چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ

> وفات کے وقت آپ کی عمر (یعنی امام حسن عسکری علیہ السلام) کی عمر ۲۸ رسال تھی کہتے ہیں کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا،

آپ نے اپنے پیچھے ایک بیٹا چھوڑا ابوالقاسم محمد الحجۃ باپ
کی وفات کے وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی لیکن اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس عمر میں بھی حکمت عطا فرمائی، آپ کو قائم
المنتظر بھی کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مدینے میں
روپوش ہو کر غائب ہو گئے، اور پتہ نہ چلا کہ آپ کہاں چلے
گئے اور بارہویں آیت میں آپ کے متعلق رافضیوں کا قول
بیان ہو چکا ہے کہ آپ مہدی ہیں میں نے اس بات کو مفصل
طور پر بیان کیا ہے اس کا مطالعہ کیجئے۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ ۶۸۷، تا ۶۸۹، مطبوعہ لاہور)

ابن حجر مکی کی اس تحریر میں بعض باتیں غور طلب ہیں مثلاً ابن حجر نے یہ لکھ کر کہ
کہتے ہیں کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا، اصل واقعے میں شبہ پیدا کیا ہے، اور اپنے خلیفہ کے جرم
کو چھپایا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ سامرہ کے بجائے حق کو مشکوک کرنے کے لئے علامہ ابن حجر مکی
نے تحریر کر دیا کہ مدینے میں روپوش ہو کر غائب ہو گئے ایسے جھوٹ گڑھ کر سقیفائی اپنے
مذہب کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسی کتاب یعنی الصواعق المحرقہ کے صفحہ ۵۵۶ پر مترجم نے حاشئے میں تحریر
کیا ہے کہ

مہدی کی احادیث بے شمار اور متواتر ہیں بہت سے حفاظ
نے ان کے متعلق کتابیں تالیف کی ہیں جن میں ابونعیم بھی ہیں
ابونعیم نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے سیوطی نے العرف الوردی فی
اخبار المہدی میں جمع کر دیا ہے، اور اس سے بھی زائد بیان
کیا ہے، اس بارے میں ابن حجر مؤلف کتاب ہٰذا کی بھی ایک

کتاب ہے جس کا نام کتاب المختصر فی علامات المہدی المنتظر ہے۔

(مترجم الصواعق المحرقہ علامہ اختر فتح پوری، مطبوعہ لاہور)

لیجئے الصواعق المحرقہ کے اس حاشئے سے یہ ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث کثرت سے موجود ہیں، دوسرے یہ کہ امام مہدی علیہ السلام کے متعلق ابن حجر جیسے متعصب نے بھی کتاب کا نام المہدی المنتظر رکھا ہے، انتظار اس کا ہوتا ہے جو موجود ہو اور جو ابھی وجود ہی میں نہ آیا ہو اس کا انتظار چہ معنی دارد؟ پس ثابت ہوا کہ اہل سنت کا یہ کہنا کہ امام مہدی پیدا ہوں گے، صرف عناد اور حق سے مونہہ موڑنا ہے۔

سقیفائیوں نے امام مہدی علیہ السلام کے انکار کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دی کہ اتنی طویل عمر ممکن نہیں ہے، یہ لوگ حق سے دور ہوئے تو ان کی عقل بھی جاتی رہی، امام مہدی علیہ السلام کی طویل عمر ان کو ناممکن نظر آتی ہے لیکن یہ خود عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں، جو کہ امام مہدی علیہ السلام سے سینکڑوں سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

یہ تو انبیاء ہیں لیکن دوسری طرف دیکھئے ابلیس ملعون خلقت آدم سے پہلے تھا اور قیامت تک رہے گا اس پر سقیفائی ایمان رکھتے ہیں، لیکن ان کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی عمر پر اعتراض ہے، صرف اس لئے کہ یہ حق سے مونہہ موڑ چکے ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا دور امامت جب شروع ہوا تو اس وقت آپ کی عمر مبارک فقط پانچ سال تھی، سقیفائی اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ پانچ سال کی عمر میں کیا کسی کو منصب ملتا ہے؟ ابن حجر اس سلسلے میں لکھتے کہ

پھر شریعت مطہرہ کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ صغیر کی ولایت درست نہیں ہوتی پس ان احمق اور غافل لوگوں کے لئے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ اس شخص کو امام خیال کریں جس کی عمر پانچ سال ہے، اور اسے بچپن میں ہی حکمت عطا کی گئی ہے، حالانکہ حضور علیہ السلام اس کے

متعلق خبر دے رہے ہیں، تو یہ شریعت غرّا کے خلاف جرأت و ہلاکت کی بات ہے (الصواعق المحرقہ صفحہ ۵۶۴، تا ۵۶۵)

ابن حجر مکی کے نام کے ساتھ علامہ بھی لگا ہوا ہے، علامہ کے معنی فیروز اللغات کے صفحہ ۹۰۱ پر جہاں دوسرے معنی درج ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ نہایت چالاک اور مکار آدمی (مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)

ابن حجر نے اس تحریر میں جو بدتہذیبی اپنائی وہ تو ظاہر ہے ہی جھوٹ بھی بولا ہے، سقیفائی یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں حکمت عطا ہوئی اور ان باتوں کا گواہ قرآن ہے۔ اس کے بعد امام مہدی علیہ السلام کے بچپن کا بہانہ بنا کر اعتراض کرنا گمراہی اور کم عقلی ہے۔

امام مہدی علیہ السلام اپنے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہو گئے، صرف خاص خاص افراد آپ سے ملاقات کر سکتے تھے، یہ زمانہ غیبت صغریٰ کہلاتا ہے، اس زمانہ میں امام نے اپنے نائب مقرر کیے، یہ نائب رقومِ شرعی مومنین سے وصول کرتے اور امام مہدی علیہ السلام تک پہونچاتے نیز جو مومنین امام سے مسائل دریافت کرتے یا خط لکھتے ان کو یہ نائب امام مہدی علیہ السلام تک پہونچاتے اور وہاں سے جواب حاصل کر کے امام تک پہونچاتے، اس دور میں چار افراد نیابت امام علیہ السلام کے فرائض ادا کر رہے تھے۔

(۱) پہلے نائب عثمان بن سعید تھے، انھوں نے اپنی وفات سے قبل حکمِ امام سے اپنے بیٹے (۲) ابوجعفر محمد عثمان کو نائب بنایا اور ابوجعفر نے حکمِ امام سے اپنا وصی (۳) ابوالقاسم حسین بن روح کو بنایا، یہ وہی حسین بن روح ہیں جن کے نام عریضہ لکھا جاتا ہے، جب حسین بن روح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حکمِ امام سے اپنا وصی (۴) ابوالحسن علی بن محمد سمری کو نائب بنایا، جب سمری کے احتضار کا وقت آیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنا نائب بنائیے تو انھوں نے کہا کہ یہ امرِ الٰہی ہے وہ خود اس کو پورا کرے گا، اسی لئے

سمری کے بعد مکمل غیبت یعنی غیبت کبریٰ کا دور آ گیا۔

ابو عمرو عثمان بن سعید عمری امام علی نقی علیہ السلام امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے سفیر رہ چکے تھے، اور آپ کو امام مہدی علیہ السلام نے بھی اپنا سفیر مقرر کیا تھا، یہ دراصل اسدی ہیں لیکن اپنی نانیہال کی طرف نسبت کی وجہ سے عمری کہلاتے ہیں، آپ کے متعلق روایت ہے کہ

احمد بن اسحاق بن سعد قمی نے عبداللہ بن جعفر حمیری کے حوالے سے اور انھوں نے محمد بن ہمام اسکافی کے حوالے سے اور انھوں نے ابو محمد ہارون بن موسیٰ کے حوالے سے بتایا کہ ایک دن میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مولا و آقا! میں کبھی یہاں سے غائب رہتا ہوں اور کبھی موجود ہوتا ہوں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو پاتا آپ یہ ارشاد فرمایئے کہ ہم لوگ کس کے قول کو قبول کریں اور کس کے حکم پر عمل کریں؟

آپ نے فرمایا کہ یہ ابو عمرو عثمان بن سعید عمری قابل وثوق اور امین ہیں، یہ جو کچھ کہیں گے میری طرف سے کہیں گے اور جو حکم دیں گے وہ بھی میری طرف سے ہوگا، پھر امام علی نقی علیہ السلام نے وفات پائی تو میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی عرض کیا جو آپ کے والد سے کہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ

یہ ابو عمرو عثمان بن سعید ہیں جو میرے والد بزرگ کی حیات میں بھی ثقہ اور امین تھے اور آپ کی وفات کے بعد میرے نزدیک بھی ثقہ ہیں یہ جو کچھ کہیں گے میری طرف سے کہیں گے اور جو حکم دیں گے میری طرف سے دیں گے۔

عثمان بن سعید عمری نے روغن کی دوکان کھول لی تھی اور لوگ ان کو روغن فروش سمجھتے تھے لیکن اس کی وجہ سے شیعہ ان کی دوکان پر بے روک ٹوک آتے تھے اور حکومت کے جاسوس اس چیز کو محسوس نہ کر سکے شیعہ جب رقومِ شرعی امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھیجنا چاہتے تھے تو وہ انھیں دیدیا کرتے تھے، اور یہ ان رقوم کو تیل کے ڈبوں میں یا تیل کی

خاندان سے حکومت نکالنے والوں کو کیا کہا جائے؟ فیصلہ آپ کیجئے، ویسے ان لوگوں نے خود کو صحابی کہا۔

دوسرے یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بتادیا کہ میرے بعد تم پر مظالم ہوں گے ان مصائب پر صبر کرنا، بعینہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

میرے بعد میرے اہل البیتؑ مصائب سے دوچار ہوں گے اور انھیں مار بھگایا جائے گا (الصواعق المحرقہ صفحہ ۶۰۷، مطبوعہ شبیر برادرز اُردو بازار لاہور)

تاریخ میں بنی اسرائیل پر فرعونیوں کے مظالم اور اہل البیتؑ پر صحابہ کے مظالم، اموی اور عباسی حکمرانوں کے مظالم محفوظ ہیں، تیسرے یہ کہ بنی اسرائیل بھی نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلائی، اہل البیتؑ کے چاہنے والے بھی نجات دہندہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں، بعد ظہور آپ بھی اہل البیتؑ کے چاہنے والوں کو نجات دلائیں گے ان مماثلتوں سے کم سے کم حق تو ظاہر ہو ہی رہا ہے کہ وہ کدھر ہے، اب ہم پھر موضوع پر آتے ہیں۔

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کے ظہور اور نجات دہندہ کے طور پر پیشین گوئی کر گئے تھے اس لئے دورِ ابتلا میں بنی اسرائیل اپنے بیٹوں کا نام عمران رکھتے تھے اور اس کے بیٹے کا نام موسیٰ رکھتے تھے، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل چالیس موسیٰ پیدا ہو چکے تھے، ان میں سے اکثر نے اپنے کو وہی موسیٰ ظاہر کیا جس کی پیشین گوئی حضرت یوسف علیہ السلام کر گئے تھے لیکن وہ بنی اسرائیل کو نجات نہ دلا سکے اس لئے جھوٹے ثابت ہوئے۔

انھیں ایام میں ایک روز فرعون نے خواب دیکھا کہ ایک آگ ظاہر ہوئی اس نے تمام مصریوں کے گھر جلادئے اور بنی اسرائیل کے گھر آگ سے محفوظ رہے، فرعون نے کاہنوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی، انھوں نے بتایا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کو خاک میں ملادے گا، یہ سن کر فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں پر نگرانی شروع

مشکوں میں ڈال کرامام کی خدمت میں پھونچادیتے تھے۔

عبداللہ بن جعفر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابوعمروعثمان بن سعید عمری سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے امام مہدی علیہ السلام کو دیکھا ہے؟

اس سوال پران کی آنکھوں سے آنسوجاری ہوگئے اور فرمایا کہ وعدہ کرو کہ تم میری زندگی میں کسی کو یہ بات نہ بتاؤ گے۔

میں نے عرض کیا کہ جی جناب وعدہ ہے۔

انھوں نے فرمایا :اچھاسنو! میں نے امام مہدی علیہ السلام کو دیکھا ہےاورآپ کا حلیہ مبارک ایسا ہے۔

میں نے دریافت کیا کہ ان کا اسم گرامی کیا ہے؟

فرمایا: ان کا اسم گرامی لینے کے لئے تم لوگوں کو منع کیا گیا ہے۔

ابوعمروعثمان بن سعید عمری جو پہلے نائب ہیں ان کے انتقال کے بعد امام زمانہ علیہ السلام کی توقیع (تحریر) مومنین کوموصول ہوئی اس میں عثمان بن سعید کے فرزند محمد بن عثمان سے متعلق تحریر تھا کہ

ان کے فرزند (ابوجعفر محمد بن عثمان) اللہ ان کی حفاظت کرے وہ اپنے والد کی حیات میں بھی ہمارے نزدیک ثقہ ومعتبر رہے ہیں، اوران ہی کے راستے پر گامزن رہے وہ ہمارے احکام تمہاری طرف پھونچاتے ہیں لہٰذا ان کے قول کو مانو ہمارے معاملات کوان سے سمجھو۔

جعفر بن احمد بن عقیل نے اپنے بھتیجے علی بن محمد بن مثیل سے اور انھوں نے محمد بن علی بن حسین سے انھیں اسناد کے حوالے سے روایت کی ہے کہ جب ابوجعفر محمد بن عثمان عمری کا وقت وفات قریب آیا تو میں ان کے سر بالیں بیٹھا ہوا تھا، ان سے سوالات کرنے اور باتیں کرنے میں مصروف تھا تو ابوالقاسم حسین بن روح بھی ان کے پائین پا بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ مجھے حکم

ہوا ہے کہ میں اپنا وصی ابوالقاسم حسین بن روح کو مقرر کردوں۔

یہ سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ابوالقاسم کو اپنی جگہ بٹھا کر خود ان کی جگہ یعنی محمد بن عثمان عمری کے پائین پا بیٹھ گیا۔

محمد بن محمد بن نعمان اور حسین بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا اور ان سے ابوعبداللہ احمد بن محمد صفوانی نے روایت کی کہ شیخ ابوالقاسم حسین بن روح نے اپنا وصی ابوالحسن علی بن محمد سمری کو مقرر کیا اور وہ امور جو ابوالقاسم حسین بن روح انجام دیا کرتے تھے انھوں نے انجام دینے شروع کئے اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو شیعوں کا ایک گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ کے بعد امام علیہ السلام کا وکیل کون ہوگا آپ کس کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں؟

آپ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں کسی کو اپنے بعد اپنا وصی مقرر کروں۔

ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ سے اور ان سے ابومحمد حسن بن احمد مکتب نے بیان کیا ہے کہ جس سال شیخ ابوالحسن علی بن محمد سمری کی وفات ہوئی میں بغداد میں تھا ان کی وفات سے پہلے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے لوگوں کے سامنے امام زمانہ علیہ السلام کی ایک توقیع پیش کی جس کی عبارت یہ تھی (ترجمہ) اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور نہایت رحم کرنے والا ہے، اے علی بن محمد سمری! اللہ تعالیٰ تمہاری موت پر تمہارے بھائیوں کو صبر کرنے کا اجر عظیم عطا فرمائے اس لئے کہ اب سے چھ دن میں تمہارا انتقال ہوجائے گا، لہٰذا اپنے معاملات کو سمیٹ لو اور آئندہ کے لئے اپنا وصی کسی کو مقرر نہ کرنا جو تمہاری وفات کے بعد تمہارا قائم مقام ہو، اس لئے کہ (میرے لئے) غیبت تامہ واقع ہوچکی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم اور اذن ہوگا اسی وقت ظہور ہوگا اور اس میں ایک طویل مدّت لگ جائے گی، ہمارے شیعوں میں کچھ ایسے ہوں گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم نے (صاحب الامر) کو دیکھا ہے مگر یاد رکھو! جو شخص خروج سفیانی سے قبل

اور صدائے آسمانی پیدا ہونے سے پہلے مجھے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ مفتری اور جھوٹا ہوگا، اور نہیں ہے کوئی طاقت اور نہیں ہے کوئی قوت سوائے اللہ کی مدد کے جو اعلیٰ و عظیم ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس توقیع کو لکھ لیا اور وہاں سے چلا آیا چھٹے روز پھر گیا تو وہ جانکنی کے عالم میں تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے بعد آپ کا وصی کون ہوگا؟

انھوں نے جواب دیا اب یہ امر اللہ کے پاس رہے گا، وہ اپنے امر کو پورا کرے گا یہ کہہ کر انتقال فرما گئے اور یہ کلام آخر تھا جو سنا گیا۔

شیطان ملعون نے ابتداء ہی میں بنی آدم کو گمراہ کرنے کا عہد کیا تھا، اس پر اس نے پوری طرح عمل کیا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے منافقین کے نام آج بھی تاریخ میں موجود ہیں، ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس آنے جانے والے بعض بدبخت اپنی عاقبت خراب کر بیٹھے، اب جب سلسلۂ امامت ختم ہوا چاہتا ہے اور آخری امام حکمِ خدا سے پردۂ غیب میں جا چکے ہیں تو بعض بدبختوں نے اپنی دنیا آباد کرنے کے لئے دعویٰ کیا کہ وہ امام کے نائب ہیں ان بدبختوں میں بعض نے دسویں امام کی نیابت کا دعویٰ کیا، بعض نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی نیابت کا دعویٰ کیا اور بعض نے نواب اربعہ کے نائب ہونے کا دعویٰ کر دیا، ان سب کا تذکرہ کروں تو طوالت ہوگی، اس لئے میں یہاں پر صرف ان کے نام تحریر کروں گا۔

(۱) شیخ شریعی لعنت اللہ علیہ، یہ بدبخت امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے یہاں مسلسل آنے جانے کی وجہ سے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اصحاب میں شمار ہونے لگا، اس نے ائمہ طاہرین کی نیابت کا دعویٰ کیا، امام مہدی علیہ السلام نے اس پر لعنت کی توقیع شیعوں کو دی۔

(۲) محمد نصیر غیری لعنت اللہ علیہ۔ یہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحاب میں شمار ہوتا تھا امام کے انتقال کے بعد اس نے محمد بن عثمان نائب امام کے عہدے کا دعویٰ

کیا، محمد بن عثمان نواب اربعہ میں سے ایک تھے جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں، اس کے جھوٹے دعوے بن کر محمد بن عثمان نے اس پر لعنت کی، بعد میں اس بد بخت نے قدم بڑھایا اور دعویٰ کیا کہ مجھے امام علی نقی علیہ السلام نے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر یہ آواگون (تناسخ) کا قائل ہو گیا، پھر اس نے امام علی نقی علیہ السلام کو رب کہنا شروع کیا پھر اس نے بہن بھائی باپ بیٹی کا نکاح جائز کہا پھر اس نے مرد کا مرد سے نکاح جائز کر دیا، اس کے مرنے کے بعد اس کے ماننے والے تین فرقوں میں بٹ گئے، ان میں انتشار ہی رہا یہی نصیر بعد میں نصیریوں کا بانی ثابت ہوا۔

(۳) احمد بلال کرخی لعنت اللہ علیہ۔ اس کی آمد و رفت امام حسن عسکری علیہ السلام کے یہاں تھی لوگ اس کو اصحاب امام میں مانتے تھے اس نے بھی محمد بن عثمان کے نائب امام ہونے کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے اپنے کان سے نہیں سنا، لوگوں نے کہا کہ اگر تم نے نہیں سنا تو دیگر لوگوں نے تو سنا ہے اس پر عمل کرو لیکن یہ نہ مانا اس پر شیعوں نے لعنت کی برسات کر دی، امام مہدی علیہ السلام کی توقیع اس سے بیزاری اور لعنت کے متعلق آئی۔

(۴) ابو طاہر محمد بن بلال لعنت اللہ علیہ۔ اس نے تمام مالِ امام روک لیا اور خود امام کے نائب ہونے کا دعویدار بن گیا، چنانچہ سب لوگوں نے اس پر لعنت کی اور اس سے بیزاری اختیار کی، امام مہدی علیہ السلام کی اس کے متعلق جو توقیع آئی وہ بہت مشہور ہے۔

(۵) حسین بن منصور حلاّج لعنت اللہ علیہ۔ اس نے بھی خود امام مہدی علیہ السلام کے نائب ہونے کا دعویٰ کیا لیکن اس کا مکر و فریب لوگوں پر عیاں ہو گیا اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ا

(۶) ابو جعفر بن ابی عزاقر لعنت اللہ علیہ۔ اس نے ابو القاسم حسین بن روح کے نام سے جھوٹی باتیں لوگوں میں بیان کرنا شروع کیں، حسین بن روح نے لوگوں کو اس پر لعنت اور تبرا کرنے کا حکم دیا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، یہ زار و قطار رونے لگا اور بولا تم نہیں سمجھے لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو عذاب سے دور کر دیا ہے، اس لعنت سے تو میرا

مرتبہ اور زیادہ ہوگیا ہے یہ کہہ کر اس نے اپنی جان بچانے کے لئے سجدۂ شکر کیا

اس کے بعد امام مہدی علیہ السلام کی توقیع مبارک اس کے لئے آئی کہ ابو جعفر بن ابی عزاقر، نیز ابو جعفر محمد بن علی شلمغانی اس کے تابعین اس کا ساتھ دینے والے اس کے قول پر راضی رہنے والے سے براءت کی جائے، اور ان پر لعنت کی جائے اور جو شخص اس توقیع کے آنے کے بعد بھی اس کی دوستی پر قائم رہے اس پر بھی لعنت، آخر کار اس کو شیعوں نے قتل کر دیا۔

(۷) ابوبکر بغدادی لعنت اللہ علیہ۔ یہ ابو جعفر محمد بن عثمان عمری نائب امام کا بھتیجا تھا، اس کے ساتھ ابودلف مجنون بھی تھا، یہ ابودلف غلو کرنے لگا پھر یہ پاگل ہوگیا اس پر شیعوں نے لعنت کی، ابودلف نے ابوبکر بغدادی کے متعلق دعویٰ کیا کہ وہ امام کا وکیل ہے، پہلے تو ابوبکر بغدادی نے ابودلف کی بات کا انکار کیا، پھر یہ ابودلف کے ساتھ مل گیا اور ابودلف کو اس نے اپنا وصی بنایا، ابوبکر بغدادی بصرے میں یزیدی کا وکیل تھا اور اس نے کافی دولت اکٹھا کر لی کسی نے یزیدی سے چغلی کھائی اس نے اس کو بلوایا اور اس کے سر پر اتنا مارا کہ آنکھوں میں پانی اُتر آیا اور وہ اندھا ہو کر مر گیا۔

یہ زمانۂ غیبتِ صغریٰ کے جھوٹے نائبین ہیں ان کی بدبختی پر امام زمانہؑ کی توقیع مبارک آئی ہے، اور اب غیبتِ کبریٰ کا دور ہے، اب امام کی توقیع بھی نہیں آئے گی اسلئے آج علماء سو (امریکی مولوی) علماء کے بھیس میں آکر شیعوں کے عقائد بگاڑنے کے لئے بآسانی آگے آئیں گے، علماء ربانی (صالح علماء) کی مخالفت کے لئے سیدھے سادے شیعوں کو ورغلائیں گے، فساد بین المسلمین کے لئے راہ ہموار کریں گے۔

ان حالات میں مومنین کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے کہ ہر نئے چہرے کو پہچانیں اس کی حرکات وسکنات کا مطالعہ کریں، اور اس کی باتوں پر غور کریں ایسا نہ ہو کہ وہ حُبِ اہل البیتؑ کے نام سے آپ کو زہر پلا رہا ہو اور آپ کا ایمان خراب کر کے آخرت میں آپ کے لئے خسارہ ہی خسارہ مہیا کر رہا ہو، یہ بدبخت ڈالر وصول کر کے اپنا ایمان بیچ

کر اپنی دنیا آباد کر رہے ہیں، آخرت پر انھیں یقین ہی نہیں ہے لیکن ان کی باتوں میں آ کر آپ اپنی آخرت نہ خراب کریں

زمانۂ غیبت مومنین کے لئے سخت امتحان کا زمانہ ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ

"بے شک صاحبِ امر کے لئے غیبت یقینی ہے اور اس دور غیبت میں کسی شخص کا اپنے دین سے وابستہ رہنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص کانٹے دار درخت کی شاخ کو اپنے ہاتھ سے سونتے (پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا اس طرح) پھر آپ نے فرمایا کہ اب تم میں سے کون ہے جو کانٹوں کو ہاتھ سے سونتے؟

پھر آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا اس کے بعد فرمایا بے شک صاحبِ امر کی غیبت یقینی ہے، اور اس کے دورِ غیبت میں بندوں کو چاہئے کہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# تقلید

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ

لوگوں کو چاہیئے کہ فقہاء (یعنی احکامِ شریعت کو تفصیل وتحقیق کے ساتھ جاننے والے مجتہدین) میں سے جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہوا پنے دین کی حفاظت کرتا ہو (یعنی اپنے دین پر سختی سے قائم ہو اور تحریر وتقریر سے دین کی حفاظت کرے) اپنی نفسانی خواہشات کا غلام نہ ہو اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتا ہو اس کی تقلید کریں۔

پھر امامؑ نے فرمایا "یہ اوصاف چند فقہاء میں ہیں سب میں نہیں"

امام مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ

غیبتِ کبریٰ کے زمانے میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے افراد کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر اسی طرح حجت ہیں جس طرح ہم اللہ کی طرف سے تم پر حجت ہیں۔

اب تک آپ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک عظیم اور مشہور انبیاء کے حالات پڑھے، یہ تمام انبیاء دین اسلام کی تبلیغ پر خداوند عالم کی طرف سے مامور تھے، دین اسلام کی تبلغ میں ان انبیاء کو جو تکالیف اٹھانا پڑیں اس کا کچھ اندازہ آپ کو ہو گیا ہوگا۔

آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا، آپ جو شریعت لائے تھے وہ قیامت تک باقی رہے گی، آپ کی شریعت آجانے کے بعد گذشتہ انبیاء کی شریعتیں منسوخ کر دی گئیں۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دنیا سے چلے جانے کے بعد حفاظتِ دین کی ذمہ داری ائمہ معصومین علیہم السلام کے سپرد کی گئی، ان ائمہ کے نام رسول آخر نے تفصیل کے ساتھ اور اجمال کے ساتھ بھی بتادئے تھے، ہر صاحبِ ایمان کی ذمہ داری ہے کہ ان ائمہ طاہرین پر ایمان رکھے ان ائمہ میں سے کسی ایک کا انکار انسان کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے، اور انسان مستحق جہنم ہو جاتا ہے۔

آخری امام کو خداوند عالم نے پردۂ غیب میں جانے کا حکم دیدیا، امام کے پردۂ غیب میں جانے کے بعد دین کی حفاظت و تبلیغ اور وضاحت علماء دین پر آگئی، اس لئے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے علماء کی طرف رجوع کا حکم دیدیا جس کا تذکرہ ابھی آپ نے چند لائن اُوپر پڑھا۔

دنیا میں روز نئے حالات پیدا ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے مومنین نئے مسائل

میں مبتلا ہوتے ہیں، ان حالات میں مومنین کیسے معلوم کریں کہ حکمِ شریعت کیا ہے؟ اسی لئے ائمہ نے تقلید کا حکم دیا تھا، ان نئے حالات میں مراجع کرام قرآن، حدیث، اجماع اور عقل کے ذریعہ حکم شریعت معلوم کر کے مومنین کو بتاتے ہیں، مجتہدین اپنی طرف کچھ نہیں کہتے وہ قرآن وحدیث اور اس قسم کے مسئلے میں گذشتہ اور موجودہ علماء کی کیا رائے ہے اور مسئلے میں جو رُخ سامنے آرہا ہے وہ خلافِ عقل بھی نہیں ہے ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھ کر فتویٰ دیتے ہیں، اس لئے مجتہدین کا فتویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتا ہے۔

مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو بالغ ہو عاقل ہو، شیعہ اثنا عشری ہو، حلال زادہ ہو، اور عادل ہو، عادل وہ شخص ہے جو واجبات کو ادا کرے اور حرام باتوں سے بچے اور جب اس کے پڑوسیوں سے اس کے متعلق معلوم کیا جائے کہ یہ شخص کیسا ہے تو اس کے آس پاس اٹھنے بیٹھنے والے اور اس کے پڑوسی اس کی اچھائی بیان کریں۔

ہر شخص چونکہ صاحبِ علم نہیں ہوتا اس لئے ہر مسئلے میں حکمِ شریعت کیا ہے اس کو معلوم نہیں اور وہ خود اجتہاد نہیں کرسکتا ہے اس لئے عقل کا فیصلہ ہے کہ انسان اعلم کی تقلید کرے، تقلید میں یہ ضروری نہیں کہ اعلم کو اطلاع دے کہ میں آپ کی تقلید میں ہوں، بلکہ اعلم کی توضیح المسائل کے مطابق احکام پر عمل کرے، تقلید زندہ کی ہوتی ہے، مردہ کی نہیں، اب اگر کوئی مرجع انتقال کر جائے تو مومنین جو اس کی تقلید میں ہیں، وہ دوسرے اعلم کی طرف رجوع کریں، اب اگر دوسرا اعلم سابق اعلم کی تقلید کی اجازت دیدے تو مرحوم اعلم کی تقلید کی طرف پلٹ سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ابھی بالغ ہوا ہے تو وہ مرحوم اعلم کی تقلید نہیں کرسکتا ہے اس کو زندہ ہی کی تقلید کرنی ہے۔

## احکامِ طہارت

پانی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو صرف خالص پانی ہے دوسرا پانی وہ ہے جس میں کوئی چیز مل گئی ہو تو وہ مضاف پانی کہلائے گا۔ مطلق پانی یعنی خالص پانی اس وقت تک

خالص پانی کہلائے گا جب تک اس میں کوئی چیز مثلاً رنگ یا مٹی اتنی مل جائے کہ اس کو خالص پانی نہ کہا جا سکے یعنی پانی کا رنگ بو یا مزہ تبدیل ہو جائے تو وہ مضاف پانی کہلائے گا، اسی طرح ناریل کا پانی، عرق گلاب یا تربوز کا پانی بھی خالص پانی نہیں کہلائے گا، مضاف پانی سے وضو اور غسل بھی نہیں ہوگا۔

(۱) **آبِ کثیر:**- وہ پانی آبِ کثیر ہے جو اتنا ہو کہ ایسے برتن یا ٹنکی کو بھر دے جس کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی ہر ایک ساڑھے تین بالشت ہو، جو تقریباً ۳۷۷ لیٹر پانی یا اس سے زیادہ پانی کُر کہلاتا ہے۔

جاری پانی وہ کہلاتا ہے جو زمین سے اُبلے اور بہتا ہو مثلاً چشمے کا پانی یا ہینڈ پمپ کا پانی اسی طرح ٹوٹیوں سے آنے والا پانی اگر آبِ کثیر یعنی ایک کُر سے متصل ہو تو وہ بھی جاری پانی کہلاتا ہے۔

بارش کا پانی آبِ کثیر کہلائے گا بشرطیکہ بارش ہوئی ہو، معمولی بونداباندی کافی نہیں ہے۔ اگر بارش ہو رہی ہے اور کسی نجس چیز سے چھو کر پانی آرہا ہے تو پاک ہے لیکن اگر بارش رُک گئی ہے یا بارش معمولی ہوئی ہے تو نجاست سے چھو کر آنے والا پانی نجس ہوگا۔

کنویں کا پانی جو زمین سے اُبلتا ہو اگرچہ وہ کُر یعنی ۳۷۷ لیٹر سے کم ہو پھر بھی آبِ کثیر کے حکم میں ہوگا اور اگر اس میں نجاست گر جائے اور اس کا رنگ بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہو تو وہ پانی پاک ہوگا۔

کنویں میں نجاست گرنے پر کنویں سے پانی نکالنے کا احکام کتابوں میں درج ہیں، مضاف پانی خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو کسی چیز کو پاک نہیں کرتا ہے۔

قلیل پانی سے نجس چیز اس طرح پاک ہوتی ہے کہ پانی کو جس چیز پر ڈالا جائے اس چیز کو دھویا جائے، لیکن اگر نجس چیز کو آبِ قلیل میں ڈال دیا تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، آبِ قلیل سے کپڑے وغیرہ پاک کرتے وقت دو مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے۔

# احکامِ بیت الخلاء

انسان پر واجب ہے کہ اپنی شرمگاہوں کو لوگوں سے چھپائے خواہ وہ اس کے محرم ہی کیوں نہ ہو لیکن میاں بیوی ایک دوسرے کے محرم ہیں اس لئے شوہر کا بیوی سے اور بیوی کا شوہر سے شرمگاہوں کو چھپانا لازم نہیں ہے۔

پیشاب یا پاخانہ پھرتے وقت پیٹ اور سینہ اوراسی طرح پشت قبلہ رُخ نہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی اپنی شرمگاہ کو قبلے کی طرف سے موڑ لے تو یہ کافی نہیں ہے۔

(۱) بند کوچوں میں جبکہ صاحبانِ کوچہ کی اجازت نہ ہو (۲) کسی شخص کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر (۳) وقف کی ان زمینوں میں جو مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی ہوں (۴) مسلمانوں کی قبروں کے پاس جبکہ وہاں بے حرمتی ہوتی ہو رفع حاجت کرنا حرام ہے۔

پیشاب کی نجاست صرف پانی سے پاک ہوتی ہے، پاخانہ خارج ہونے کا مقام صرف اس صورت میں پانی سے پاک ہوگا جبکہ پاخانے کے ساتھ کوئی دوسری نجاست مثلاً خون آیا ہو، یا کوئی بیرونی نجاست پاخانے کے مخرج پر لگ گئی ہو یا پاخانے کے اطراف معمول سے زیادہ آلودہ ہوگئے ہوں۔ ان صورتوں کے علاوہ پانی کے ساتھ ساتھ پتھر یا ڈھیلا وغیرہ سے بھی پاخانہ خارج ہونے کے مقام کو پاک کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ پتھر یا ڈھیلا پاک ہو۔

مردوں کو چاہیے کہ پیشاب کے بعد استبراء کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاخانہ خارج ہونے کے مقام سے لے کر عضو تناسل کی جڑ تک سونتے اور اس کے بعد انگوٹھے کو عضو تناسل کے اوپر اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اس کے نیچے رکھے اور تین بار ختنہ کی جگہ تک سونتے پھر تین دفعہ حشفہ کو زور سے جھٹکے، استبراء عورت کے لئے نہیں ہے۔

بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرتے وقت انسان کے بدن سے نکلنے والی تری جو مذی

کرادی، دائیاں ہر عورت کا حمل جانچتی تھیں، فرعون کا حکم تھا کہ ہر عورت کے یہاں جب بھی ولادت ہو وہ فرعون کی دائی کی نگرانی میں ہو اگر لڑکی پیدا ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔

دوسری طرف خداوند عالم اپنے نبی کو پیدا کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا حمل فرعون کی دائیوں پر ظاہر نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے، ہوا یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے والی تھی تو آپ فرعون کی دائی کے پاس گئیں اور کہا کہ مجھے تیری ضرورت ہے، حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی اس دائی سے پہلے ہی سے دوستی تھی اور وہ آپ کی اچھی سہیلی تھی، وقتِ وِلادت وہ دائی آئی وضع حمل ہوا اور لڑکا پیدا ہوا، دائی چونکہ فرعون کی قوم کی تھی، اور وہ جانتی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک کرے گا، اس دائی کے دل میں خیال آیا کہ اس ولادت کی خبر فرعون کے آدمیوں کو دے، دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اس کی سہیلی تھی یہ چیز اس خبر کو چھپانے کے لئے مجبور کر رہی تھی، تیسرے یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے چہرے پر ایسی کشش تھی کہ جو دیکھتا تھا اس کو حضرت موسیٰؑ سے محبت ہو جاتی تھی اس محبت کی وجہ سے بھی یہ دائی فرعون کے آدمیوں کو خبر دینے سے باز رہی ،فرعون کے جاسوس ہر طرف موجود تھے، انھوں نے جو دائی کو حضرت موسیٰؑ کے گھر سے نکلتے دیکھا تو انھوں نے دائی سے پوچھا کیا کرنے گئی تھی؟ بتا وہاں لڑکا پیدا ہوا ہے یا لڑکی؟ دائی نے کہا وہ میری سہیلی ہے میں اس کے پاس آتی جاتی رہتی ہوں یہ کہہ کر وہ دائی چلی گئی، لیکن فرعونیوں کو اطمینان نہ ہوا انھوں نے حضرت موسیٰؑ کا گھر گھیر لیا۔

جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گھر فرعون کے آدمیوں نے گھیرا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے حضرت موسیٰؑ کو کپڑے میں لپیٹ کر تندور میں ڈال دیا اور وہاں سے کھسک گئیں، اِدھر حضرت موسیٰؑ کی خالہ نے بے خبری میں روٹیاں پکانے کے لئے تندور میں لکڑیاں ڈال کر آگ روشن کردی، عین اسی وقت فرعون کے آدمی گھر میں

کہلاتی ہے وہ پاک ہے۔

پاخانہ پھرتے وقت پیشاب کرتے وقت سورج چاند کی طرف مونہہ کرکے بیٹھنا مکروہ ہے، کھڑے ہوکر پیشاب کرنا، جانوروں کے بل میں پیشاب کرنا، ساکن پانی میں پیشاب کرنا، مکروہ ہے، پیشاب پاخانہ روکنا مکروہ ہے اور اگر نقصان دہ ہو تو حرام ہے۔

نماز سے پہلے، سونے سے پہلے مباشرت کرنے سے پہلے منی خارج ہونے کے بعد انسان کے لئے پیشاب کرنا مکروہ ہے۔

# نجاستیں

دس چیزیں نجس ہیں (۱) پیشاب (۲) پاخانہ (۳) منی (۴) مردار (۵) خون (۶) کتا (۷) سور (۸) کافر (۹) جو کی شراب (فقاع)۔

جن پرندوں کا گوشت حرام ہے، ان کا پیشاب پاخانہ پاک ہے لیکن بہتر ہے کہ اس سے پرہیز کرے۔

انسان اور اچھلنے والا خون رکھنے والے ہر حیوان کا مردہ نجس ہے چاہے وہ اپنی موت مرے یا کسی نے اس کو مارا ہو، لیکن اگر حیوان کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو پھر اس کی لاش نجس نہیں ہے۔

مردہ مرغی کے پیٹ سے جو مکمل انڈا نکلے وہ پاک ہے لیکن اس کا دھونا ضروری ہے، گوشت چربی اور چمڑا جس کے بارے میں امید ہو کہ ایسے جانور کا ہے جس کو شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے پاک ہے۔ لیکن یہ چیزیں اگر کافر سے خریدی گئی ہیں یا کسی مسلمان سے لی ہیں، اور ان کے متعلق اس مسلمان نے تحقیق نہ کی ہو کہ یہ کسی ایسے جانور کی ہیں جس کو شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں تو ایسے گوشت اور چربی کا کھانا حرام ہے، اور ایسے چمڑے پر نماز پڑھنا جائز نہیں، لیکن اگر یہ چیزیں مسلمانوں کے بازار سے لی گئیں ہیں تو اس چمڑے پر نماز پڑھنا اور گوشت اور چربی کا کھانا جائز ہے۔

اگر کھانا پکاتے ہوئے خون کا ایک ذرہ بھی اس میں گر جائے تو سارا کھانا اور برتن نجس ہو جائے گا، اُبال، حرارت اور آگ انھیں پاک نہیں کر سکتے۔

جو شخص خدا کی وحدانیت کا منکر ہے وہ نجس ہے۔

جو لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ خدا رسولؐ یا امام میں سما گیا ہے نجس ہیں۔

خارجی نجس ہیں، اہل البیت علیہم السلام کو گالیاں دینے والے نجس ہیں، جو شخص کسی نبی کی نبوت یا ضروریاتِ دین مثلاً نماز روزہ وغیرہ کو یہ جانتے ہوئے کہ یہ حکمِ شریعت ہے پھر انکار کرے نجس ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا منکر نجس ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یہ علم نہ ہو کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں اس کو پاک سمجھا جائے گا لیکن مسلمانوں کے دوسرے احکام مثلاً مسلمان عورت سے شادی کرنا مسلم قبرستان میں دفن ہونا وغیرہ میں اس کو حق نہ ہوگا۔ ان باتوں کے لئے اس کے مسلمان ہونے کا یقین ہونا ضروری ہے۔

**نجاست ثابت ہونے کے طریقے:۔** کسی بھی چیز کی نجاست تین طریقوں سے ثابت ہوتی ہے (۱) انسان کو یقین ہو کہ فلاں چیز نجس ہے۔ ہوٹلوں میں جہاں ایسے لوگ کھاتے پیتے ہیں جن کے بارے معلوم ہے کہ وہ نجاست وطہارت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں ایسے ہوٹلوں میں کھانے کی صورت یہ ہے کہ جب تک انسان کو اطمینان نہ ہو کہ اس کے لئے لایا گیا کھانا یا برتن نجس ہے اس کھانے کو یا اس برتن میں کھایا جا سکتا ہے۔

(۲) کسی کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اطلاع دے کہ نجس ہے تو نجس مانی جائے گی، یہ اطلاع نوکر، ملازمہ، یا بیوی دے تو بھی ان کی خبر کو تسلیم کیا جائے گا (۳) اگر دو عادل آدمی کہیں کہ فلاں چیز نجس ہے بشرطیکہ اس کے نجس ہونے کی وجہ بیان کریں۔

اگر کوئی پاک چیز کسی نجس چیز کو لگ جائے اور دونوں یا ان میں سے ایک اس قدر تر ہو کہ ایک کی تری دوسری تک پہونچ جائے تو وہ پاک چیز بھی نجس ہو جائے گی، اور اگر وہ

اسی تری کے ساتھ کسی تیسری چیز کے ساتھ لگ جائے تو اسے بھی نجس کر دے گی، لیکن اگر یکے بعد دیگرے کئی چیزیں ایک دوسرے سے مس ہوں تو پھر تین فاصلوں کے بعد پھر وہ چیز نجس نہیں ہوگی، مثلاً اگر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کو چھو جائے تو بایاں ہاتھ نجس ہو جائے گا، اب اگر بایاں ہاتھ خشک ہونے کے بعد تر لباس کو چھو جائے تو وہ لباس بھی نجس ہو جائے گا، لیکن اگر اب وہ تر لباس کسی دوسری تر چیز کو چھو جائے تو وہ چیز نجس نہیں ہوگی۔

قرآن مجید کی تحریر اور ورق کو نجس کرنا حرام ہے اگر نجس ہو جائے تو فوراً پاک کرنا واجب ہے۔

قرآن مجید کو نجس روشنائی یا کسی دیگر نجس چیز مثلاً خون سے لکھنا قرآن کو نجس کرنے کے حکم میں ہے۔

اگر کوئی کاغذ جس پر قرآن یا اللہ کا نام تحریر ہو اور وہ بیت الخلاء یا کسی نجس جگہ میں گر جائے تو اس کا باہر نکالنا واجب ہے چاہے اس کے لئے کچھ رقم ہی کیوں نہ خرچ کرنی پڑے، اور اگر اس کا باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو بیت الخلاء کو اس وقت استعمال نہ کرے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ کاغذ گل کر ختم ہو چکا ہے۔

نجس چیز کا کھانا پینا یا کسی دوسرے کو کھلانا حرام ہے، یہ جو شادیوں میں آج کل غیر مسلموں سے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں وہ گناہگار ہوتے ہیں اور جو مومنین جانتے بوجھتے کھاتے ہیں وہ بھی گناہگار ہوتے ہیں۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کو دیکھے کہ وہ بے خبری میں نجس چیز کھا رہا ہے یا نجس لباس میں نماز پڑھ رہا ہے تو اسے بتانا ضروری نہیں ہے۔

اگر کتا برتن کو چاٹ لے تو اس برتن کو پہلے مٹی سے مانجھے اس کے بعد پانی سے پاک کرے۔

اگر سور برتن کو چاٹے تو اس برتن کو پاک کرنا ضروری ہے لیکن مٹی سے مانجھنا ضروری نہیں ہے۔

جو برتن شراب سے نجس ہو جائے اس کو تین مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

اگر سورج کی روشنی نجس زمین پر پڑے اور پھر وہ زمین دھوپ سے خشک ہو جائے تو زمین پاک ہو جائے گی، ضروری ہے کہ اس وقت نجس ہو جب زمین پر دھوپ تھی، پھر دھوپ ہی اس کو خشک کرے لیکن اگر زمین رات کو نجس ہوئی اور رات کو یہ خشک ہوگئی پھر صبح کو اس زمین پر دھوپ پڑی تو وہ زمین پاک نہ ہوگی۔

نجس لکڑی جل کر کوئلہ ہو جائے تو وہ کوئلہ پاک ہوگا۔

کافر اگر مسلمان ہو جائے تو پاک ہو جائے گا اور اسلام لانے کے بعد اس کا بدن تھوک، ناک، پانی اور پسینہ پاک ہو جائے گا، لیکن اگر اس کے جسم پر عین نجاست ہو تو نجاست آلود حصہ جسم کو پاک کرنا ضروری ہوگا۔

## وضو

وضو میں واجب ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے اور سر کے اگلے حصہ کا اور پیروں کے سامنے والے حصّے کا مسح کرے۔

چہرے کو لمبائی میں پیشانی کے اوپر اس جگہ سے جہاں سر کے بال اُگتے ہیں تھوڑی کے آخری کنارے تک دھونا ضروری ہے، اور چوڑائی میں بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے پھیلاؤ میں جتنی جگہ آجائے اسے دھونا ضروری ہے، اس مقدار سے کم ہونے پر وضو باطل ہوگا، یہ یقین کرنے کے لئے مقدار بھر دھل گیا ہے کچھ زیادہ دھولے، اگر چہرے کی جلد داڑھی کے بالوں کے نیچے سے نظر آتی ہو تو جلد تک پانی پہونچانا ضروری ہے۔

چہرہ دھونے کے بعد پہلے دایاں ہاتھ کہنیوں سے لیکر انگلیوں کے سرے تک دھوئے پھر اسی طرح بایاں ہاتھ دھوئے۔

اگر کسی شخص نے ابتداء میں کلائیوں تک ہاتھ دھوئے ہوں تو ان ہاتھوں کا تر ہونا وضو میں کافی نہیں ہے بلکہ کہنیوں سے لیکر انگلیوں کے سرے تک ہاتھ دھوئے

اور اگر انگوٹھیاں پہنے ہوئے ہے تو وضو کرتے وقت ان کو اُتار لے یا پھر ان کے نیچے پانی پہونچائے انگوٹھیوں کو صرف گھمانا کافی نہیں ہے۔ وضو میں ایک مرتبہ چہرہ اور ہاتھ دھونا واجب ہے، دوسری مرتبہ دھونا مستحب ہے، اور تیسری مرتبہ دھونا حرام ہے، پہلی دفعہ دھونے کی نیت سے اگر دس مرتبہ بھی چہرے پر پانی ڈالے تو یہ دھونا پہلا دھونا ہی مانا جائے گا

یہ ضروری نہیں کہ سر کا مسح جلد پر کیا جائے بلکہ سر کے اگلے حصے کے بالوں پر کرنا درست ہے، لیکن اگر کسی کے بال اتنے لمبے ہوں چہرے پر آ گریں یا سر کے کسی دوسرے حصہ تک جا پہونچیں تو ضروری ہے کہ وہ بالوں کی جڑوں پر مانگ نکال کر سر کی جلد پر مسح کرے۔

سر کا مسح دائیں ہاتھ سے کیا جائے اور اوپر سے نیچے کی طرف ہو، بعض لوگ جلد پر پانی پہونچانے کی خاطر ہاتھ کو آگے پیچھے حرکت دیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

سر کا مسح خشک بالوں پر کیا جائے اور اگر بال اس قدر تر ہوں کہ مسح کی تری نظر نہ آئے تو مسح باطل ہے۔

مسح کرتے وقت پاؤں خشک ہونا بھی ضروری ہے، تر پاؤں پر مسح درست نہ ہوگا۔ مسح کرتے وقت ہاتھ کو حرکت دے

پاؤں کے مسح میں بہتر ہے کہ تین جڑی ہوئی انگلیوں کی چوڑائی کے برابر حصے پر مسح کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر والے حصے کا مسح پوری ہتھیلی سے کیا جائے۔

پاؤں کا مسح کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں کے سرے سے لیکر ابھار کی جانب کھینچے، دائیں ہاتھ سے دائیں پیر کا مسح کرے اور بائیں ہاتھ سے بائیں پیر کا مسح کرے پہلے دائیں پیر کا مسح کرے پھر بائیں پیر کا مسح کرے۔

## غسل

واجب غسل سات ہیں: (۱) غسل جنابت (۲) غسل حیض (۳) غسل نفاس (۴) غسل استحاضہ (۵) غسل مس میت (۶) غسل میت (۷) غسل جو نذر (منت) یا قسم

کی وجہ سے واجب ہو جائے۔

غسل جنابت منی خارج ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے چاہے نیند کی حالت میں نکلے یا جاگنے کی حالت میں نکلے کم نکلے یا زیادہ، شہوت کے ساتھ نکلے یا بغیر شہوت کے نکلے، اختیار سے نکلے یا بلا اختیار نکلے، اگر انسان نے جماع کیا ہے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے منی نکلے یا نہ نکلے خواہ مرد عورت بالغ ہوں یا نابالغ غسل واجب ہے، دخول چاہے آگے ہو یا پیچھے۔

جس پر غسل واجب ہے اس پر پانچ چیزیں حرام ہیں۔

۱۔قرآن مجید کے الفاظ یا اللہ کے نام خواہ وہ کسی زبان میں ہوں مس کرنا حرام ہے، اور بہتر ہے کہ پیغمبروں، اماموں اور حضرت فاطمہ زہرا علیہم السلام کے ناموں سے بھی اپنا بدن مس نہ کرے۔

۲۔ مسجد الحرام اور مسجد نبی میں جانا، چاہے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل آئے۔

۳۔ مسجد الحرام، مسجد نبوی کے علاوہ مسجدوں میں ٹھہرنا اور ائمہ طاہرینؑ کے حرموں میں ٹھہرنا، لیکن اگر مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مساجد میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔مسجد میں کوئی چیز رکھنا (چاہے باہر سے ہی ہو) یا کوئی چیز اٹھانے کے لئے اس میں داخل ہونا۔

(۵) ان آیات میں سے کسی آیت کا پڑھنا جن کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور واجب سجدے چار ہیں ۔۱۔قرآن مجید کا بتیسواں سورہ الم تنزیل ۔۲۔ اکتالیسواں سورہ حم سجدہ۔ ۳۔ ۵۳واں سورہ والنجم۔ ۴۔ ۹۶واں سورہ اقراء

**حالت جنابت میں یہ باتیں مکروہ ہیں ۔**(۱) کھانا (۲) پینا (۳) قرآن مجید کی سات سے زیادہ ایسی آیتیں پڑھنا جن میں سجدہ واجب نہ ہو (۴) اپنے بدن کا کوئی حصہ قرآن مجید

کی جلد ، حاشیہ یا الفاظ کی درمیانی جگہ مس کرنا (۵) قرآن مجید اپنے ساتھ رکھنا (۶) سونا، لیکن اگر وضو کر لے یا پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کر لے تو پھر سونا مکروہ نہیں ہے (۷) مہندی یا اس سے ملتی جلتی چیز سے خضاب کرنا (۸) بدن پر تیل ملنا (۹) احتلام (سوتے ہوئے منی کا نکلنا) کے بعد جماع کرنا (لیکن جماع کرنے کے بعد دوبارہ بغیر غسل کئے جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

غسل جنابت دو طرح کا ہوتا ہے ایک ترتیبی دوسرا ارتماسی، غسل ترتیبی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جسم کا وہ حصہ جو نجس ہو گیا بہتر ہے اس کو پہلے پاک کرے پھر غسل کرے لیکن اگر کسی نے ایسا نہیں کیا اور غسل کرنا شروع کر دیا اور اس کا بدن پاک ہو گیا تو اس کا غسل صحیح ہوگا۔

غسل ترتیبی میں پہلے سر اور گردن کو دھوئے پھر جسم کے دائیں حصے کو دھوئے پھر بائیں حصے کو دھوئے، جسم کے وہ حصے جو مشترک ہیں بہتر ہے کہ ان کو دونوں حصوں کے ساتھ دھوئے یہ اطمینان کرنے کے لئے کہ ایک حصہ مکمل دھل گیا ہے، دوسرے حصہ کا کچھ زائد حصہ بھی دھولے۔

غسل کرتے وقت ایسی چیز اگر بدن پر موجود ہو جو پانی کو جلد پر نہ جانے دے تو اس چیز کو علاحدہ کرنا ضروری ہے جیسے ناخن پالش وغیرہ،

غسل میں قربۃ الی اللہ کی نیت ضروری ہے، اگر کوئی بغیر نیت کرے ویسے ہی غسل کرے مثلاً شدید گرمی سے نجات پانے کے لئے نہائے تو یہ غسل کافی نہ ہوگا۔ غسل میں ترتیب ضروری ہے، یعنی کہ پہلے سر اور گردن دھوئے پھر دایاں حصہ دھوئے اور پھر بایاں حصہ دھوئے۔

غسل کرتے وقت اگر کوئی حدث صادر نہیں ہوا ہے تو غسل جنابت کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہے، یہ غسل نماز کے لئے کافی ہوگا، اگر دوران غسل حدث صادر ہو جائے مثلاً پیشاب کر دے یا ریاح خارج ہو جائے تو پھر غسل کے بعد نماز کے لئے وضو کرے۔

غسل ارتماسی میں ضروری ہے کہ غسل کی نیت کر کے غوطہ لگائے اور اگر اس

کا پاؤں زمین پر ٹکا ہو تو اسے چاہئے کہ پاؤں زمین سے اٹھا لے۔

اگر کوئی شخص غوطہ لگائے ہوئے ہو اور پانی کے اندر ہی غسل کی نیت کرے تو یہ درست نہیں ہے، غسل ارتماسی میں ضروری ہے کہ بدن کا کچھ حصہ پانی سے باہر ہو، روزے کی حالت میں پورا سر پانی میں ڈبونا جائز نہیں ہے اس لئے روزہ کی حالت میں غسل ا رتماسی نہ کرے۔

# استحاضہ

عورتوں کو جو خون آتے ہیں ان میں سے ایک استحاضہ ہے، یہ خون زیادہ تر زرد رنگ کا اور ٹھنڈا ہوتا ہے نہ یہ گاڑھا ہوتا ہے اور نہ اس میں فشار اور جلن ہوتی ہے، یہ خون تین طرح کا ہوتا ہے لیکن کبھی یہ خون سیاہ یا سرخ گرم اور گاڑھا اور سوزش کے ساتھ بھی آسکتا ہے۔

(۱) **استحاضہ قلیلہ :** استحاضہ قلیلہ میں خون صرف روئی کے اس حصے کو آلودہ کرے جو عورت شرمگاہ میں رکھتی ہے اور یہ خون روئی کے اندر تک نہ جائے۔

استحاضہ قلیلہ میں ہر نماز کے لئے علاحدہ وضو کرنا ضروری ہے اور احتیاط مستحب کی بنا پر روئی کو دھولے یا اسے تبدیل کرے اور اگر شرمگاہ پر خون لگا ہو تو اسے بھی دھونا ضروری ہے۔

(۲) **استحاضہ متوسطہ :-** استحاضہ متوسطہ یہ ہے کہ خون روئی کے اندر تک چلا جائے اگرچہ ایک کونے تک ہی ہو لیکن روئی سے اس کپڑے (یعنی انڈرویر) تک نہ پہونچے۔

استحاضہ متوسطہ میں عورت کو چاہئے کہ صبح کی نماز کے لئے غسل کرے اور آئندہ صبح تک اپنی نمازوں کے لئے استحاضہ قلیلہ کے مسائل پر عمل کرے جو ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں، اگر عورت جان بوجھ کر یا بھول کر صبح کی نماز کے لئے غسل نہ کرے تو اسے چاہئے کہ ظہر اور عصر کی نماز کے لئے غسل کرے اور اگر ظہر اور عصر کی نماز کے لئے غسل نہ

کرے تو اسے چاہئے کہ نماز مغرب وعشاء سے پہلے غسل کرے خواہ خون آرہا ہو یا بند ہو چکا ہو یعنی کہ روزانہ ایک غسل کرنا ضروری ہے۔

(۳) استحاضہ کثیرہ:- استحاضہ کثیرہ یہ ہے کہ خون روئی کو پار کر کے انڈر ویئر تک پہونچ جائے، استحاضہ کثیرہ میں عورت کو چاہئے کہ ہر نماز کے لئے روئی اور کپڑا تبدیل کرے یا دھوئے اور ایک غسل نماز ظہرین کے لئے اور ایک غسل نماز مغربین کے لئے کرے ،استحاضہ کثیرہ میں غسل کے بعد وضو کی ضرورت نہیں لیکن اگر عورت نے ظہرین میں یا مغربین میں نمازوں کے درمیان فاصلہ دیدیا ہے تو پھر نمازِ عصر یا نمازِ عشاء کے لئے دوبارہ غسل کرے۔

## حیض

حیض کا خون عموماً گاڑھا اور گرم ہوتا ہے اس کا رنگ سیاہ یا سرخ ہوتا ہے اور اچھال اور جلن کے ساتھ خارج ہوتا ہے، یہ خون ہر ماہ چند دن کے لئے عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے۔

غیر سیدانی عورت پچاس سال پورے ہونے کے بعد یائسہ ہو جاتی ہے یعنی کہ اس کو حیض نہیں آتا ہے، سیدانی ساٹھ سال کی عمر کے بعد اگر خون دیکھے تو وہ خون حیض نہیں ہے۔

خونِ حیض لڑکی کے نو سال پورے ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، حیض کے لئے ضروری ہے کہ پہلے لگاتار تین دن آئے ،حیض کی ابتداء میں خون کا باہر آنا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ پورے تین دن خون نکلتا رہے لیکن اگر شرمگاہ میں خون موجود ہو تو کافی ہے۔

جس عورت کو حیض آرہا ہو اس پر نماز روزہ اور وہ تمام عبادات حرام ہیں جن کو بجالانے میں وضو یا غسل یا تیمّم کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ایسی عبادات جن میں وضو غسل یا

تیمّم کی ضرورت نہیں ان کو ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے نماز میّت

وہ تمام چیزیں جو حالت جنابت میں حرام ہیں وہ حیض کے دوران بھی حرام ہیں۔

حالت حیض میں عورت اور مرد دونوں کا جماع کرنا حرام ہے چاہے عضو تناسل ختنہ گاہ کی حد تک ہی داخل ہوا ہو، حالتِ حیض میں اگر مرد چاہے کہ عورت کی پشت سے جماع کرے وہ بھی حرام ہے، ان دنوں میں جماع حرام ہے جن میں عورت کا حیض یقینی نہ ہو۔

حیض آرہا ہے یا نہیں اس میں عورت کی اطلاع کو ہی قبول کیا جائے گا، حالت حیض میں اگر مرد نے بیوی سے آگے سے یا پیچھے سے جماع کیا ہے تو اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا، اور ساتھ میں استغفار بھی کرے۔

حیض کی حالت میں جماع کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ اگر حیض کے پہلے حصے میں جماع کیا ہے تو اٹھارہ چنوں کے وزن کے برابر سونا کفارہ دے، اگر دوسرے حصے میں جماع کیا ہے تو نو چنوں کے وزن کے برابر سونا کفارہ میں دے، اور اگر تیسرے حصے میں جماع کیا ہے تو ساڑھے چار چنے کے وزن کے برابر سونا کفارے میں دے، مثلاً ایک عورت کو چھ دن حیض آتا ہے تو ہر ایک حصہ دو دن کا ہوگا۔

کفارہ میں سونا دینا ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرے، قیمت کا تعین اس وقت ہوگا جب وہ کفارہ ادا کر رہا ہوگا۔

اگر کسی نے تینوں حصوں میں جماع کیا ہے تو کل ملا کر ساڑھے اکتیس چنے کے وزن کے برابر سونا کفارہ میں دے۔ اور اگر کسی نے اس طرح کئی بار جماع کیا ہے تو ہر جماع کے لئے الگ کفارہ دے، اگر کوئی شخص لاعلمی کی بناء پر یا بھول کر دورانِ حیض جماع کرے تو کوئی کفارہ نہیں۔

اگر حالتِ نماز میں حیض شروع ہو جائے تو نماز باطل ہے، حالت حیض میں طلاق نہیں ہوگی، طلاق کے لئے عورت کا پاک ہونا ضروری ہے، حالتِ حیض میں جو نمازیں چھوٹی ہیں ان کی قضا واجب ہے۔

داخل ہوئے اور انھوں نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن گھر میں کوئی بچہ نہ ملا، تلاشی لینے والوں نے تندور کی طرف دھیان بھی نہ دیا جس میں سے شعلے نکل رہے تھے، المختصر یہ کہ فرعونی یقین کر گئے کہ یہاں وِلادت نہیں ہوئی ہے۔

جب فرعون کے آدمی چلے گئے تو حضرت موسیٰؑ کی والدہ دوڑتی ہوئی تندور کے پاس آئیں اور اپنے بچے کا حشر دیکھنے کے لئے تندور میں جھانکا تو آپ نے دیکھا کہ بچہ انگاروں میں صحیح وسالم ہے انھوں نے بچے کو فرطِ محبت سے گود میں اٹھالیا اور خوب پیار کیا اور جان گئیں کہ یہ وہی بچہ ہے جس کی خبر حضرت یوسف علیہ السلام دے کر گئے ہیں، اس لئے بچے کا نام موسیٰؑ رکھا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرعونیوں کے چلے جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے تندور میں حضرت موسیٰؑ کے رونے کی آواز سنی اور آپ نے تندور کے شعلوں میں سے حضرت موسیٰؑ کو اُٹھالیا اور خوب پیار کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے بعض نجیب کہتے ہیں بعض فاحیہ کہتے ہیں بعض یوجائید کہتے ہیں لیکن آخری قول مشہور ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا شجرۂ نسب یہ ہے موسیٰؑ ابن عمران ابن یصہر ابن فاہث ابن لاوی ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام، آپ کا رنگ گندمی تھا، بال گھونگروالے تھے، بلند قامت تھے صورت میں ایسی مقناطیسیت تھی کہ جو بھی دیکھتا اس کے دل میں موسیٰؑ کی محبت پیدا ہو جاتی، یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا صندوق فرعون کے محل کے پاس پہونچا اور فرعون کو معلوم ہوا کہ اس میں بچہ ہے باوجود اس خوف کے کہ کہیں وہ بچہ نہ ہو جو میری حکومت کو ختم کرے گا پھر بھی آپ کے قتل سے باز رہا۔

جب فرعون کے آدمی تلاشی لے کر جا چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم ہوا کہ موسیٰؑ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ایسا ہی کیا، یہ صندوق تیرتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہونچا تو اس وقت وہاں

عورت حیض سے پاک ہو جانے کے بعد نماز اور دوسری عبادات کے لئے غسل کرے غسل کا طریقہ وہی ہے جو غسل جنابت کا ہے بہتر یہ ہے کہ غسل سے پہلے وضو بھی کرے۔

حائض عورت کے لئے مستحب ہے کہ نماز کے وقت اپنے کو خون سے پاک کر کے روئی اور کپڑے کا ٹکڑا بدلے وضو کرے اور اگر وضو نہ کر سکے تو تیمّم کرے اور نماز کی جگہ قبلے کی طرف رُخ کر کے بیٹھے اور ذکر دعاء اور صلوات میں مشغول ہو جائے۔

## نفاس

بچے کا پہلا جز ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے وقت سے جو خون عورت کو آئے وہ نفاس ہے، خون نفاس دس دن تک آتا ہے، حالت نفاس میں عورت کا مسجد میں ٹھہرنا اور دوسرے افعال جو حالت حیض میں حرام ہیں یا واجب ہیں وہ حالت نفاس میں بھی واجب یا حرام ہیں۔

جو عورت حالتِ نفاس میں ہو اس کو طلاق دینا اور اس سے جماع کرنا حرام ہے لیکن اگر اس کے شوہر نے جماع کرلیا ہے تو اس پر کفارہ نہیں ہے، وہ گناہگار ہے۔

## غسل مسِ میّت

اگر کوئی شخص کسی مردہ انسان کے بدن کو مس کرے جو ٹھنڈا ہو چکا ہے اور اسے ابھی غسل نہ دیا گیا ہو تو اسے چاہئے کہ غسل مس میت کرے، خواہ اس نے میت کو اپنی مرضی سے مس کیا ہو یا بے اختیار مس ہو گیا ہو، اگر زندہ انسان کا ناخن یا ہڈی مردے کی ہڈی یا ناخن سے مس ہو جائے تب بھی غسل مس میت کرے، لیکن اگر حیوان کے مردے کو مس کرے تو غسل واجب نہیں ہے۔

اگر مردے کا تمام بدن ٹھنڈا نہ ہوا ہو، اسے چھونے سے مس میت کا غسل واجب

نہیں ہوتا ہے چاہے وہ حصہ جو چھوا ہے ٹھنڈا ہو چکا ہو۔

مردہ بچہ پیدا ہوا وہ ماں کے ظاہری حصہ سے چھو جائے تو ماں کو چاہئے کہ غسل مس میت کرے اسی طرح اگر ماں مر جائے اور بچہ ماں کا جسم ٹھنڈا ہونے کے بعد ماں کو مس کرے تو بچے کو چاہئے کہ جب بالغ ہو تو غسل مسِ میت کرے۔

مردہ بچہ جس کو چار مہینے مکمل ہو چکے ہوں اس کو چھونے سے بھی غسل مسِ میت واجب ہو جاتا ہے۔

غسل مس میت کا طریقہ وہی ہے جو غسل جنابت کا ہے۔

## وقتِ موت کے احکام

جو مسلماں جاں کنی کے عالم میں ہو خواہ مرد ہو یا عورت بڑا ہو یا چھوٹا اس کو بصورت امکان پشت کے بل یوں لٹانا چاہئے کہ اس کے تلوے قبلے کی طرف ہوں جب غسل مکمل ہو جائے تو اس کو اس طرح لٹائیں جس طرح نماز جنازہ پڑھتے وقت لٹاتے ہیں، جو شخص جاں کنی کی حالت میں ہو اس وقت مستحب ہے کہ اس کو شہادتین بارہ اماموں کا اقرار اور دوسرے دینی عقائد کی تلقین اس طرح کریں کہ وہ سمجھ لے، اور اس کی روح نکلنے تک ان چیزوں کی تکرار مستحب ہے

جو شخص جاں کنی کے عالم میں ہو اس کی آسانی کے لئے کہ جان آسانی سے نکل جائے، اس کے سرہانے قرآن مجید جتنا بھی پڑھا جا سکے پڑھا جائے۔

جو شخص جاں کنی کے عالم میں ہو اسے تنہا چھوڑنا یا کوئی چیز اس کے پیٹ پر رکھنا اس کے پاس زیادہ باتیں کرنا، اس کے پاس صرف عورتوں کو چھوڑنا اور حالت جنابت، حیض میں اس کے قریب ہونا مکروہ ہے۔

مستحب ہے کہ جو شخص جاں کنی کی حالت میں ہو اس کو دُعا کی تلقین اس طرح کی جائے کہ وہ سمجھ لے۔ دعا یہ ہے

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي الْكَثِيْرَ مِنْ مَّعَاصِيْكَ وَاقْبَلْ مِنِّي الْيَسِيْرَ مِنْ طَاعَتِكَ يَامَنْ يَقْبَلُ الْيَسِيْرَ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ اَقْبِلْ مِنِّي الْيَسِيْرَ وَاعْفُ عَنِّي الْكَثِيْرَ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَفُوُّ الْغُفُوْرُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي فَاِنَّكَ رَحِيْمٌ ○

ترجمہ: اے اللہ! میرے بہت سارے گناہ بخش دے اور میری تھوڑی طاعتوں کو قبول کرلے اور تھوڑی چیزوں کو قبول کرنے والے زیادہ گناہوں کو معاف کرنے والے میرے معمولی عمل کو قبول کرلے اور زیادہ گناہوں کو معاف کردے، بے شک تو معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے، اے اللہ مجھ پر رحم فرما بے شک تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

مستحب ہے کہ مرنے کے بعد میت کی آنکھیں اور ہونٹ بند کردئے جائیں اور اس کی ٹھڈی کو باندھ دیا جائے، اور اس کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے کردئے جائیں اور اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا جائے اور اگر موت رات کو واقع ہو تو وہاں چراغ جلائیں (یعنی روشنی رکھیں) اور جنازے میں شرکت کے لئے مومنین کو اطلاع دیں، میت کو دفن کرنے میں جلدی کریں لیکن اگر مرنے کا یقین نہ ہو تو انتظار کریں کہ موت واقع ہو جائے، اگر میت حاملہ ہو اور بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہو تو اس کا بایاں پہلو چاک کر کے بچہ نکال لیں پھر اس کا پہلو سی کر اس کو غسل کے بعد دفن کریں۔ مسلمان کا غسل، کفن، نماز میت واجب ہے چاہے مرنے والا شیعہ نہ بھی ہو، اگر کچھ لوگ کفن دفن نماز میت پڑھ دیں تو سب پر وجوب ختم ہو جائے گا، اور اگر کوئی نہ کرے تو سب گناہگار رہوں گے۔

**غسل میت:** میت کو تین غسل دینے واجب ہیں پہلا ایسے پانی سے جس میں بیری کے پتے ملے ہوئے ہوں، دوسرا ایسے پانی سے جس میں کافور ملا ہوا ہو اور تیسرا خالص پانی سے دیا جائے، بیری کے پتے اور کافور نہ اتنے زیادہ ہوں کہ پانی مضاف ہو جائے اور نہ اتنے کم ہوں کہ یہ کہا جائے کہ اس میں بیری کے پتے یا کافور نہیں ہے۔

میت کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا حرام ہے، اگر کوئی نظر ڈالتا ہے تو گناہگار ہے۔

میت پر اگر غسل جنابت یا غسل حیض واجب ہو تو اس کو صرف غسل میت

دیا جائے بقیہ غسل جو اس پر واجب تھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میت کو غسل دینے کے لئے اجرت لینا حرام ہے، اور اگر کوئی میت کو غسل دینے کی اجرت لے تو غسل باطل ہے۔

اگر میت کے جسم کا کوئی حصہ نجس ہو تو غسل سے پہلے اس کو پاک کرے اور بہتر ہے کہ تمام میت پاک ہو پھر غسل دے۔

غسل میت غسل جنابت کی طرح ہے۔

**کفن کے احکام:** مسلمان میت کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

(۱) لنگ (۲) کرتا (۳) چادر

۱۔ لنگ اتنا بڑا ہو کہ ناف سے گھٹنوں تک کے حصے کو ڈھانپ لے، کرتا اتنا بڑا ہو کہ کندھوں کے سروں سے آدھی پنڈلیوں تک تمام بدن کو ڈھانپ لے اور بہتر یہ ہے کہ پاؤں تک پہونچے، اور چادر کی لمبائی اتنی ہو کہ میت کے سر اور پاؤں کی طرف گرہ دے سکیں اور اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے پر آسکے۔

انسان کے لئے مستحب ہے کہ اپنی زندگی میں اپنا کفن، بیری اور کافور تیار رکھے۔

اگر میت کا کفن کسی نجاست کی وجہ سے یا اس کی اپنی نجاست سے نجس ہو جائے تو جتنا حصہ نجس ہوا ہے، اس کو پاک کر دیں خواہ میت کو قبر میں اُتارا جا چکا ہو، یا اس کو کاٹ ڈالیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو کفن بدل دیں۔

**حنوط کے احکام:** غسل دینے کے بعد واجب ہے کہ میت کو حنوط کیا جائے یعنی اس کی پیشانی دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر پسا ہوا کافور ملا جائے بہتر ہے کہ پہلے پیشانی پر کافور ملا جائے، بہتر ہے کہ حنوط کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے، احتیاط واجب یہ ہے کہ میت کو دوسری خوشبوئیں نہ لگائی جائیں۔

مستحب ہے کہ کافور میں تھوڑی سی خاکِ شفا بھی ملا لی جائے۔

مستحب ہے کہ دو تر و تازہ لکڑیاں میت کے ساتھ قبر میں رکھی جائیں۔

**نمازِ میت:** ہر مسلمان کی میّت پر اور ایسے بچے کی میت پر جو چھ سال کا ہو چکا ہو نماز

پڑھنا واجب ہے۔

ایک ایسے بچے کی میّت پر جو چھ سال کا نہ ہوا ہو نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے لیکن ایسے بچے کی میّت پر نماز پڑھنا جو مردہ پیدا ہوا ہو مستحب نہیں ہے۔

نماز میت غسل وکفن وحنوط کے بعد پڑھنی چاہئے اور اگر ان باتوں سے پہلے یا ان کے دوران بھول چوک یا لاعلمی کی وجہ سے پڑھی جائے تو کافی نہیں ہے۔

نمازِ میّت ننگے پاؤں پڑھی جائے، ہر تکبیر میں ہاتھوں کو بلند کیا جائے، باجماعت نماز سے پہلے تین مرتبہ "الصلوٰۃ" کہے، نماز ایسی جگہ پڑھی جائے جہاں زیادہ لوگ نماز کے لئے آتے ہوں، نماز میت مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، لیکن مسجد الحرام میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

حالتِ حیض میں عورت نمازِ میّت پڑھ سکتی ہے۔

**دفن کے احکام:-** میّت کو اس طرح زمین میں دفن کرنا چاہیے کہ اس کی بو باہر نہ آئے اور درندے اس کا بدن باہر نہ نکال سکیں اور اگر جانوروں کا خوف ہو کہ وہ بدن کو باہر نکال لیں گے تو قبر کو اینٹوں وغیرہ سے پختہ کر دیا جائے۔

میّت کو قبر میں دائیں پہلو اس طرح لٹانا چاہیے کہ اس کے بدن کا سامنے کا حصہ روبقبلہ ہو۔ میت کو غصبی جگہ میں یا ایسی زمین میں جو دفن کرنے کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے وقف ہو مثلاً مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں ہے۔

مستحب ہے کہ قبر کو متوسط انسان کے قد کے برابر گہرا کھودیں اور نزدیک کے قبرستان میں دفن کریں۔

مستحب ہے کہ جنازہ قبر سے چند گز دور زمین پر رکھ دیں اور تین دفعہ کر کے تھوڑا تھوڑا قبر کے نزدیک لے جائیں، ہر دفعہ زمین پر رکھیں اور اٹھائیں چوتھی دفعہ قبر میں اُتاریں، اگر میت مرد کی ہو تو تیسری دفعہ زمین پر اس طرح رکھیں کہ اس کا سر قبر کی پائینتی کی طرف ہو اور چوتھی مرتبہ سر کی طرف سے قبر میں داخل کریں، اگر میّت عورت کی ہو تو تیسری دفعہ اسے قبر کے قبلے کی طرف رکھیں اور پہلو کی طرف سے قبر میں اُتار دیں، قبر میں اُتارتے

وقت ایک کپڑا قبر کے اوپر تان دیں۔

مستحب ہے کہ جنازہ آرام کے ساتھ تابوت سے نکالیں اور قبر میں داخل کریں ،اور وہ دعائیں پڑھیں جن کی تاکید شریعت نے کی ہے، میّت کو قبر میں رکھ کر کفن کی گرہیں کھول دیں اور میت کے سر کے نیچے مٹی کا تکیہ بنا دیں اور اس کی پیٹھ کے پیچھے ڈھیلے یا کچی اینٹیں رکھ دیں تا کہ میت بالکل چت نہ ہو جائے اس کے بعد تلقین پڑھیں۔

مستحب ہے کہ عزیزوں کو پرسا دیا جائے اور میّت کے اہلِ خانہ کو تین دن تک کھانا بھیجا جائے، میّت کے اہلِ خانہ کے پاس بیٹھ کر اور ان کے گھر میں کھانا کھانا مکروہ ہے۔

مستحب ہے کہ میّت کے لئے قرآن مجید پڑھے، والدین کی قبر پر جا کر اللہ سے اپنی حاجات طلب کریں، قبر کو پختہ بنایا جائے تا کہ جلد ٹوٹ نہ جائے۔

کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر اپنا چہرہ اور بدن نوچے یا اپنے کو طمانچے مارے اور اذیت پہونچائے۔

باپ اور بھائی کے علاوہ کسی کی موت پر گریبان چاک کرنا جائز نہیں اور بہتر یہ ہے کہ ان کی موت پر بھی گریبان چاک نہ کرے۔

اگر عورت میّت کے سوگ میں اپنا چہرہ نوچے اور خون آلود کرے یا بال اکھاڑے تو بنا بر احتیاط ایک غلام آزاد کرے یا دس فقیروں کو کھانا کھلائے یا انھیں کپڑے پہنائے اور اگر مرد ایسا کرے تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

میت پر روتے وقت آواز بہت بلند نہ کی جائے۔

بعد دفن جب پہلی رات آئے تو اس رات کو دو رکعت نماز وحشت قبر پڑھی جائے ،اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ انا انزلناہ دس مرتبہ پڑھی جائے اور نماز ختم کرکے کہے اَللّٰھم صَل علی مُحمد و آل محمد وَابْعَثْ ثوابھَا اِلیٰ قَبْرِ فُلانٍ اور لفظ فلاں کے بجائے میت کا نام لے۔

ترجمہ: اے اللہ درود بھیج محمدؐ اور ان کی آل پر اور (اس نماز کا) ثواب فلاں کی قبر کو پہونچا۔

۔(اگر کسی کو آیت الکرسی یاد نہ ہو تو وہ اپنے موبائل میں آیت الکرسی ریکارڈ کر لے اور جب نماز شروع کرے تو آیت الکرسی موبائل سے سن کر خود پڑھے)

# تیمّم

مجبوری کی بنا پر جب آدمی غسل یا وضو نہ کر سکے تو اس کو چاہئے کہ تیمّم کرے مجبوریوں کی تفصیل توضیح المسائل اور دیگر کتابوں میں موجود ہے یہاں پر اختصار کی وجہ سے تحریر نہیں کی جارہی ہے۔

مٹی ریت اور ڈھیلے پر تیمّم کرنا صحیح ہے اور اگر مٹی موجود ہے تو پھر کسی دوسری چیز پر تیمّم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر مٹی ریت ڈھیلا یا پتھر نہ مل سکے تو فرش اور لباس وغیرہ پر جو گرد وغبار ہو اس سے تیمّم کرے اگر وہ بھی نہ ہو تو چاہئے کہ مٹی سے تیمّم کرے، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی نہ دستیاب ہو تو بغیر تیمّم کے نماز پڑھے اور پھر بعد میں اس کی قضاء کرے۔

# تیمّم کا طریقہ یہ ہے

۱۔ نیت کرے کہ تیمّم وضو کے بدلے کر رہا ہے یا غسل کے بدلے۔

۲۔ دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ ایسی چیز پر مارنا جس پر تیمّم کرنا صحیح ہو۔

۳۔ اس مقام سے جہاں سر کے بال اُگتے ہوں بھنوؤں اور ناک کے اوپر تک ساری پیشانی اور اس کے دونوں طرف دونوں ہتھیلیوں کا پھیرنا اور احتیاطاً ہاتھ بھنوؤں پر بھی پھیرے جائیں۔

۴۔ بائیں ہتھیلی کو دائیں ہاتھ کی تمام پشت پر اور اس کے بعد دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی تمام پشت پر پھیرنا۔

تیمّم اسی ترتیب سے کیا جائے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

تیمّم کرتے وقت انگوٹھی ہاتھ سے اُتار دے یا کوئی دوسری چیز چپکی ہوئی ہو تو اسے ہٹا دے۔

جس شخص کو تیمّم کرنا ہو تو وہ نماز کے وقت سے پہلے تیمّم نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے کسی دوسرے کام کے لئے تیمّم کیا ہو اور اس کا تیمّم باقی ہو تو اس تیمّم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

# نماز

نماز دینی اعمال میں بہترین عمل ہے اگر یہ قبول ہوگئی تو دوسری عبادات بھی قبول ہوجائیں گی ، اگر یہ قبول نہ ہوئی تو دوسرے اعمال بھی قبول نہ ہوں گے اور اگر کوئی نماز کو چھوڑ کر عزاداری کرتا ہے، تو اس کی عزاداری تب ہی قبول ہوگی جب وہ نمازی ہو اگر نماز چھوڑ دی تو عزاداری قبول نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص نمازی تو ہے لیکن نماز ڈھنگ سے نہیں پڑھتا ہے بلکہ جلدی جلدی نماز پڑھنے کی وجہ سے مکمل طور پر رکوع اور سجود نہیں بجالاتا اور اسی حالت میں وہ مرجائے تو اس کی موت دین اسلام پر نہ ہوگی (توضیح المسائل آقائے خوئی علیہ الرحمۃ) پس انسان کو خیال رکھنا چاہئے کہ جلدی جلدی نماز نہ پڑھے، سنجیدگی سے نماز پڑھے، خدا کی یاد میں رہے، تمام گناہ ترک کرے اور وہ کام کرے جو نماز کا ثواب بڑھاتے ہیں، مثلاً عقیق کی انگوٹھی پہنے ، پاکیزہ یعنی صاف ستھرا لباس پہنے ، کنگھی کرے اور مسواک کرے اور خوشبو لگائے اور ایسی باتوں سے دور رہے جو نماز کا ثواب گھٹاتے ہیں، مثلاً اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھنا یا پیشاب یا پاخانہ روک کر نماز پڑھنا، نماز کے موقع پر آسمان کی جانب نہ دیکھے۔

# واجب نمازیں چھ ہیں

(۱) روزآنہ کی نمازیں (۲) نماز آیات (۳) نمازِ میت (۴) خانہ کعبہ کے واجب طواف کی نماز (۵) باپ کی قضا جو بڑے بیٹے پر واجب ہے، دیگر بیٹے اگر باپ کی قضا نمازیں پڑھیں تو یہ ان کی سعادت ہے لیکن ان بیٹوں پر باپ کی قضا نمازیں پڑھنا واجب نہیں (۶) جو منت، قسم یا عہد کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہیں۔

نمازِ جمعہ کا شمار روزانہ نمازوں میں ہے۔

روزانہ کی واجب نمازیں پانچ ہیں۔

ظہر اور عصر ہر ایک کی چار رکعت ہیں، مغرب کی تین رکعت، عشاء کی چار رکعت اور صبح کی دو رکعت۔

ظہر اور عصر کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے، اگر ایک شخص کسی وجہ سے نماز پڑھنے میں اتنی تاخیر کردے کہ صرف ایک نماز کا وقت باقی رہے تو اس کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی اب عصر کی نماز پڑھے۔

اگر کوئی غلطی سے نمازِ عصر شروع کردے اور نماز کے دوران اُسے پتہ چلے کہ اس نے غلطی سے نماز عصر شروع کردی جبکہ نمازِ ظہر ابھی باقی ہے تو اسے چاہئے کہ اپنی نیت کو ظہر کی نماز کی طرف پھیر دے اور نماز کے بعد عصر کی نماز پڑھے۔

نیت کو زبان سے ادا نہ کرے بلکہ دل میں خیال کرے کہ اب ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں، اگر زبان سے ادا کرے گا کہ اب جو میں پڑھ رہا ہوں یا پڑھ چکا ہوں وہ سب نماز ظہر ہوگی، اس طرح کہنے سے نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ کلام ہو گیا اور دورانِ نماز کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اس لئے فقط دل میں ظہر کا ارادہ کرے۔

جمعہ کی نماز صبح کی نماز کی طرح ہے لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ اس نماز سے پہلے دو خطبے ہیں، اب اگر جمعہ کے شرائط پورے ہو رہے ہیں اور پھر کسی نے نمازِ جمعہ پڑھ لی

تو پھر نماز ظہر پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

مغرب اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے، اب اگر کسی شخص نے نماز میں اتنی تاخیر کردی کہ صرف نماز عشاء کا وقت رہ گیا تو پھر اس کی نماز مغرب قضا ہوگئی اس کو چاہئے کہ فوراً عشاء کی نماز پڑھے۔

عشاء کی نماز کا آخری وقت آدھی رات ہے اور رات کا حساب غروب آفتاب سے ابتدائے طلوع آفتاب تک کرنا چاہئے۔

اگر کسی شخص نے مغرب اور عشاء کی نماز آدھی رات تک نہیں پڑھی تو اس کو چاہئے کہ اذان صبح سے پہلے قضا اور ادا کی نیت کئے بغیر ان نمازوں کو پڑھے۔

صبح کی نماز صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس صرف ایک رکعت نماز پڑھنے کا وقت ہے تو اسے چاہئے کہ ادا کی نیت سے نمازِ صبح پڑھے، اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس پانچ رکعت نماز کا وقت ہے تو اسے چاہئے کہ ظہر اور عصر دونوں کو ادا کی نیت سے پڑھے۔

وقت کی تنگی میں مستحب امور کو چھوڑ دے مثلاً قنوت نہ پڑھے۔

ضروری ہے کہ انسان ظہر کے بعد عصر پڑھے اور مغرب کے بعد عشاء پڑھے اگر جان بوجھ کر کوئی شخص ترتیب الٹ دے تو اسکی نماز باطل ہے۔

ضروری ہے کہ مرد خواہ اسے کوئی بھی نہ دیکھ رہا ہو نماز کی حالت میں اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپے اور بہتر ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک بدن بھی ڈھانپے۔

عورت کے لئے ضروری ہے کہ نماز میں اپنا تمام بدن حتی کہ سر کے بال بھی ڈھانپے اور مستحب ہے کہ پاؤں کے تلوے بھی ڈھانپے البتہ چہرے کا جتنا حصہ وضو میں دھویا جاتا ہے اور کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں کا ظاہری حصہ ڈھانپنا ضروری نہیں ہے یہ یقین کرنے کے لئے کہ بدن کی واجب مقدار ڈھانپ لی ہے، کچھ زیادہ حصہ بھی ڈھانپ لے، سیاہ میلا اور تنگ لباس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

فرعون اپنی زوجہ حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ موجود تھا۔

فرعون کے ایک لڑکی تھی اور وہ بھی بیمار رہتی تھی کاہنوں نے بتایا تھا کہ اس کا علاج اس کی رال ہے جو نیل سے تیرے محل میں داخل ہوگا، فرعون چونکہ اولا دنرینہ نہ رکھتا تھا اس کا کرب دونوں میاں بیوی کو تھا، انھوں نے جو صندوق دیکھا تو فرعون نے حکم دیا کہ اس کو نکال کرلاؤ، فرعونی بھی جانتے تھے کہ فرعون کی بیٹی کی بیماری کا علاج اس کی رال ہے جو نیل سے محل میں داخل ہوگا، اس لئے شوق سے صندوق نکال کرلائے، صندوق کا ڈھکن کسی نے نہ کھولا صندوق فرعون کے سامنے رکھا گیا، اور اس نے اس کا ڈھکن کھولا، صندوق میں خوبصورت بچہ دیکھ کر سب حیران ہوگئے بچے کے چہرے میں ایسی کشش تھی کہ سب اس کی محبت میں گرفتار ہوگئے، حضرت آسیہؑ بچے کو دیکھ کر بے تاب ہوگئیں لپک کر فوراً گود میں اٹھالیا اور فرعون سے کہا کہ ہم اس کی پرورِش کریں گے تا کہ ہمارے بعد ہمارا وارِث ہو، فرعون بھی حضرت موسیٰؑ کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا اس لئے راضی ہوگیا۔

ادھر فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے لئے دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کرادی جو عورت بھی لائی جاتی حضرت موسیٰؑ اس کا دودھ نہ پیتے، فرعون پریشان تھا کہ کیا کریں اِدھر بچہ ہے جو بھوک سے رو رہا ہے، حضرت آسیہؑ اور دیگر فرعونی بے چین تھے کہ کوئی عورت ملے جس کا دودھ یہ بچہ پی لے۔

دوسری طرف حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں رکھ کر دریا کے حوالے تو کردیا لیکن دل بے چین ہوگیا تو انھوں نے حضرت موسیٰؑ کی بہن کو کہا کہ دیکھو کہ صندوق کہاں جاتا ہے وہ صندوق کے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے کنارے چلیں، انھوں نے دیکھا کہ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہونچ گیا ہے اور فرعون نے صندوق کو نکلوالیا ہے، اور حضرت موسیٰؑ کی پرورش پر راضی ہوگیا ہے، اب حضرت موسیٰؑ کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش ہو رہی ہے اور حضرت موسیٰؑ کسی کا دودھ نہیں پی رہے ہیں، یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ کہو تو میں ایک دودھ پلانے والی کو لاؤں، اس

# اذان اور اقامت

ہر مرد عورت کے لئے مستحب ہے کہ روزانہ کی واجب نمازوں سے پہلے اذان اور اقامت کہی جائے۔

اذان اٹھارہ جملوں پر مشتمل ہے

الله اکبر الله اکبر الله اکبر الله اکبر

| | |
|---|---|
| اشهدان الااله الاالله | اشهدان الااله الاالله |
| اشهدان محمداًرسولُ الله | اشهدان محمداًرسولُ الله |
| حی علی الصلوٰة | حی علی الصلوٰة |
| حی علی الفلاح | حی علی الفلاح |
| حی علی خیرالعمل | حی علی خیرالعمل |
| الله اکبر | الله اکبر |
| لااله الاالله | لااله الاالله |

اشهد ان علیاً ولی الله اذان واقامت کا جز نہیں لیکن اشهد ان محمداًرسول الله کے بعد دومرتبہ کہے۔

اور اقامت کے سترہ جملے ہیں اقامت میں اللہ اکبر دومرتبہ اور آخر میں ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کم ہو جاتا ہے اور حَيَّ عَلٰی خَيْرِ الْعَمَل کے بعد دومرتبہ قَدْقَامَتِ الصَّلوٰة کا اضافہ کرنا ضروری ہے۔

**نماز کی ابتداء:** نماز نیت سے ہوتی ہے یعنی یہ کہ خداوند عالم کے حکم کی تعمیل میں نماز پڑھے ، ریاکاری یا یوں ہی اٹھ بیٹھ نماز نہ کہلائے گی۔

نماز تکبیرۃ الاحرام سے شروع ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہے، ایسا کرنا واجب ہے، تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت انسان کا بدن ساکن ہونا ضروری ہے

اگر کسی نے تکبیرۃ الاحرام بدن کی حرکت کی حالت میں کہی تو اس کی نماز باطل ہے۔ تکبیرۃ الاحرام حالت قیام میں کہنا واجب ہے، یہ یقین کرنے کے لئے کہ تکبیرۃ الاحرام حالت قیام میں کہی گئی ہے تکبیرۃ الاحرام سے پہلے اور تکبیرۃ الاحرام کے بعد تھوڑی دیر (ایک لمحے) کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے۔

انسان کے لئے مستحب ہے کہ قیام کی حالت میں جسم سیدھا رکھے کندھوں کو نیچے کی طرف ڈھیلا چھوڑ دے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھے (ہاتھوں کی) انگلیوں کو آپس میں ملا کر رکھے اور نگاہ سجدہ کرنے کی جگہ پر رکھے اور بدن کا بوجھ یکساں دونوں پاؤں پر رکھے (اگر کسی وجہ سے ایک پاؤں پر بوجھ ڈالے ہوئے ہے تو نماز صحیح رہے گی) خشوع اور خضوع کے ساتھ کھڑا ہو اور پاؤں آگے پیچھے نہ رکھے اور اگر مرد ہو تو پاؤں کے درمیان تین پھیلی ہوئی انگلیوں سے لے کر ایک بالشت تک کا فاصلہ رکھے اور اگر عورت ہو تو دونوں پاؤں ملا کر کھڑی ہو۔

انسان کو چاہئے کہ روزانہ کی واجب نمازوں کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد کوئی ایک سورہ پڑھے، سورہ حمد یہ ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝

(میں شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

عظیم اور دائمی رحمتوں والے خدا کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

ساری تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو عالمین کا پالنے والا ہے وہ عظیم اور دائمی رحمتوں والا ہے

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝

روزِ قیامت کا مالک و مختار ہے۔ پروردگار! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں

اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَo صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرماتارہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے نعمتیں نازل کیں

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ o

ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوایا جو بھکے ہوئے ہیں۔

سورہ حمد کے بعد کوئی سورہ پڑھے، مثلاً سورہ قل ھواللہ پڑھے، سورہ قل ھواللہ یہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO

عظیم اور دائمی رحمتوں والے خدا کے نام سے

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌO اَللّٰهُ الصَّمَدُ O

اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ برحق اور بے نیاز ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْO وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌO

اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ والد، اور نہ کوئی اس کا کفو اور ہمسر ہے

مرد پر واجب ہے کہ صبح مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورہ حمد اور دوسرا سورہ بلند آواز سے پڑھے (اتنی آواز سے کہ مونہہ سے آواز نکلے) اگر کوئی اتنی بلند آواز سے پڑھے کہ جیسے فریاد کر رہا ہو تو اس کی نماز باطل ہے، مرد کو چاہئے کہ صبح مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں حمد اور سورہ، تمام کلمات حتی کہ آخری حرف تک بلند آواز سے پڑھے، ظہر اور عصر کی نماز عورت اور مرد دونوں آہستہ پڑھیں نمازِ ظہر اور عصر میں سورہ پڑھتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھے، نمازی کو چاہئے کہ پہلی رکعت میں حمد شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم کہے۔

سورہ الحمد پڑھنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن کہے سورہ قل ھواللہ پڑھنے کے بعد ایک دفعہ یا تین دفعہ كَذٰلِكَ اللّٰهُ رَبِّی کہے۔

ایک ہی سانس میں سورہ قل ھواللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

نمازی کو چاہئے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں ایک مرتبہ تسبیحات اربعہ پڑھے وہ

یہ ہے، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالحمدلِلّٰه ولاالٰه الاّاللّٰهُ واللّٰهُ اَکْبَرُ، اگرکسی کو یہ یاد نہ ہوتو وہ سورہ حمد پڑھے۔ تسبیحات اربعہ پڑھنے کے بعد مستحب ہے کہ کہے اَستَغفِرُاللّٰہَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیهِ۔

**رُکوع** :- نماز پڑھنے والے کو چاہیئے کہ ہر رکعت میں حمد وسورہ پڑھنے کے بعد اس قدر جھکے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ سکے۔ (یعنی ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہونچ جائیں)

واجب ہے کہ رکوع میں جانے سے پہلے انسان کھڑا ہوا ہو اسی کو قیام متصل بہ رکوع کہتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی اور وجہ سے جھکے اور پھر کھڑا ہوئے بغیر رکوع کا ذکر شروع کردے تو یہ رُکوع باطل ہے۔

رکوع میں تین دفعہ سبحان اللہ کہے مجبوری میں ایک دفعہ کہنا بھی کافی ہے، رکوع میں ذکر پڑھتے ہوئے ہوئے جسم کا ساکن ہونا ضروری ہے، تمام ذکر سکون سے پڑھے۔ یا رکوع میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ العَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہے (ترجمہ) میرا پرودگار بزرگ ہے، ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے اور میں اس کی حمد مشغول ہوں)

**سجدے** :- واجب اور مستحب نمازوں کی ہر رکعت میں رکوع کے بعد دو سجدے کرے۔

سجدہ یہ ہے کہ پیشانی کو خضوع (عاجزی) کی نیت سے زمین پر رکھے اور نماز میں سجدے کی حالت میں واجب ہے کہ پیشانی کے ساتھ ساتھ دونوں ہتھیلیوں کو دونوں گھٹنوں کو اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے زمین پر رکھے۔

دو سجدے مل کر ایک رُکن ہیں سجدے میں انسان کا بدن ذکر کی حالت میں پرسکون ہونا چاہیئے، سجدے میں تین مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہِ کہے یا ایک مرتبہ سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ وَبِحَمدِہٖ کہے (ترجمہ) میرا پروردگار سب سے برتر ہے اور ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور میں اس کی حمد میں مشغول ہوں)

پہلے سجدے کا ذکر ختم ہونے کے بعد انسان کو چاہیئے کہ بیٹھ جائے حتیٰ کہ اس کا بدن سکون حاصل کرلے اور پھر دوبارہ سجدے میں جائے۔

دونوں سجدوں کے درمیان جب بیٹھے تو کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

(ترجمہ) میں مغفرت طلب کرتا ہوں اس خدا سے جو میرا پالنے والا ہے میں اس کی طرف رُجوع کرتا ہوں۔

سجدہ زمین پر اور ان چیزوں پر کرنا چاہئے کہ جو کھائی اور پہنی نہ جاتی ہوں اور زمین سے اُگتی ہوں مثلاً لکڑی، درختوں کے پتے کھانے پینے کی چیزوں مثلاً گندم، جو، کپاس، پالک، شلجم، سونا، چاندی، تارکول وغیرہ پر سجدہ صحیح نہ ہوگا، پلاسٹک پر سجدہ صحیح نہیں ہے۔

مٹی کے پکے ہوئے برتنوں پر اور ان سے ملتی جلتی چیزوں پر سجدہ صحیح نہیں، ہاتھ کی ہتھیلی پر سجدہ کرنا صحیح نہیں ہے، مجبوری کی حالت میں ہاتھ کی پشت پر سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ مجبوری کیا ہے اس کی تفصیل توضیح المسائل میں پڑھئے۔

اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہے، اور عوام میں سے جو بعض نادان ائمہ علیہم السلام کے مزارات مقدسہ کے سامنے پیشانی زمین پر رکھتے ہیں اگر وہ اللہ کے شکر کی نیت سے کرتے ہیں (یعنی یہ کہ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے ہم کو زیارت کی توفیق دی) تو کوئی حرج نہیں ورنہ حرام ہے۔

اگر پہلے سجدے میں سجدہ گاہ پیشانی سے چپک جائے تو دوسرے سجدے کے لئے اُسے چھڑا لینا ضروری ہے۔

قرآن میں واجب سجدے چار ہیں، جو اکیس، چوبیس، ستائیس، تیسویں پارے میں ہیں، ان آیات کو اگر گراموفون یا ٹیپ کے ذریعہ ریڈیو پر سنے تو سجدہ واجب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ریڈیو اسٹیشن پر آیات سجدہ تلاوت قرآن کے قصد سے پڑھے اور دوسرے اسے ریڈیو کے ذریعہ سنے تو سجدہ واجب ہے۔

انسان کو چاہئے کہ قرآن کے واجب سجدے میں اپنی پیشانی سجدہ گاہ یا کسی ایسی دوسری چیز پر رکھے جس پر سجدہ صحیح ہو اور بدن کے دوسرے اعضاء زمین پر اس طرح رکھے

جیسے سجدۂ نماز کے سلسلے میں بتایا گیا ہے۔

**قُنُوت**: دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی جائے صرف اس میں قنوت کا اضافہ ہوگا۔(تمام واجب اور مستحب نمازوں میں دوسری رکعت کے رُکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے، نمازِ وتر جو ایک رکعت ہوتی ہے اس میں بھی رکوع سے پہلے قنوت پڑھے۔

انسان کے لئے مستحب ہے کہ قنوت پڑھتے وقت ہاتھ چہرے کے سامنے اور ہتھیلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر آسمان کی طرف رکھے اور انگوٹھوں کے علاوہ باقی انگلیوں کو آپس میں ملایا جائے اور نگاہ ہتھیلیوں پر رکھے۔

مستحب ہے کہ قنوت بلند آواز سے پڑھے لیکن اگر انسان جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کی آواز امام تک پہونچے تو اس کو چاہئے کہ قنوت آہستہ پڑھے۔

اگر کوئی عمداً قنوت نہ پڑھے تو اس کی قضا نہیں (مثلاً وقت کی تنگی کی وجہ سے قنوت چھوڑ دیا) اور اگر بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے اور ذکر رکوع نہ کیا ہو تو کھڑا ہو جائے اور قنوت پڑھے اور اگر رکوع میں یاد آ جائے تو مستحب ہے کہ رکوع کے بعد قضا کرے اور اگر سجدے میں یاد آئے تو مستحب ہے کہ سلام کے بعد اس کی قضا کرے۔

## قنوت یہ ہے

**لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْم لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم**

کوئی خدا پرستش کے لائق نہیں سوائے اس خدا کے جو صاحبِ حلم و کرم ہے، کوئی خدا

**سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا فِيْهِنَّ**

پرستش کے لائق نہیں سوائے اس خدا کے جو بلند مرتبہ اور بزرگ ہے، پاک اور منزّہ ہے

**وَمَا بَيْنَهُنَّ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**

وہ خدا جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا پروردگار ہے، وہ ہر اس چیز کا پروردگار ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان ہے اور عرشِ عظیم کا پروردگار ہے، حمد و ثنا اس خدا کے لئے مخصوص ہے جو تمام موجودات کا پالنے والا ہے۔

قنوت میں انسان جوذکر چاہے پڑھے خواہ ایک دفعہ سبحان اللہ کہے تو کافی ہے ، یادرود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد وَ آلِ مُحَمَّد پڑھے تو بھی کافی ہے، یہاں پر بعض مختصر دعائیں تحریر کی جاتی ہیں۔

والدین کی مغفرت کے لئے رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَارَبَّیَانِیْ صَغِیْراً

قرض ادا ہونے کے لئے اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلالِكَ عَنْ حَرامِكَ بِفَضْلِكَ عَنْ مَّنْ سِوَاكَ

بیماری سے شفا کے لئے اور بیماری سے صحت پانے کے لئے:

رَبِّ اِنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّوَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن

دشمن سے نجات پانے کے لئے: رَبِّ اِنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ

طلب اولاد کے لئے :رَبِّ لَاتَذَرْنِی فَرْداًوَاَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْنَ

مومنین ومومنات کی مغفرت کے لئے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی الْمُؤمِنِینَ وَالْمُؤمِنَاتِ

دشمنانِ اہل البیتؑ پر لعنت کرنے کیلئے: اَللّٰھُمَّ الْعَنْ اَعْدَاءَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

دو رکعت تمام ہو جانے کے بعد انسان کو چاہئے کہ تشہد کے لئے بیٹھے اور کہے الحمدللہ ، اَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِیْكَ لَهُ یعنی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدائے واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں اور کوئی خدا پرستش کے لائق نہیں ہے۔

وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد وَآلِ مُحَمَّد یعنی اے خدا رحمت بھیج محمد اور ان کی آل پر وَتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهُ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ یعنی پیغمبر کی شفاعت قبول کر اور ان کے درجے کو اپنے نزدیک بلند کر۔

تشہد پڑھتے وقت انسان بائیں ران پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کی پشت کو بائیں

پاؤں کے تلوے پر رکھے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھے انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملائے اور اپنے دامن پر نگاہ رکھے۔ مستحب ہے کہ عورتیں تشہد پڑھتے وقت اپنی رانیں ملا کر رکھیں۔

تشہد اسی ترتیب سے پڑھے اور اپنی طرف سے اس میں کمی نہ کرے اور نہ کسی اور شہادت کا اضافہ کرے۔

## تشہّد

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اور گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ حضرت محمد مصطفٰیؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

یا اللہ! محمدؐ اور ان کی آلِ پاک پر رحمت اور برکتیں ہوں۔

انسان کو چاہیے کہ جب اگلی رکعت کیلئے کھڑا ہو رہا ہو تو کہے بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ یعنی میں خدا کی مدد سے اٹھتا بیٹھتا ہوں۔

تشہد کے بعد انسان کو چاہیے کہ سلام پڑھے وہ یہ ہے

## سلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

اے نبی مکرمؐ! آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت اور برکتیں ہوں

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ

ہم سب پر اور اللہ کے صالح بندوں پر سلامتی ہو۔

اَلسَّــلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

سلامتی ہوتم سب پر اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

پھر تین مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کہے۔

نماز تمام ہوئی نماز کے بعد تسبیح فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پڑھے، یعنی ۳۴ / مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ / مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ / مرتبہ سبحان اللہ پڑھے۔

دعائیں پڑھے اور اگر عربی میں نہیں پڑھ سکتا ہے تو جو زبان جانتا ہے اس میں دعا کرے قرآن مجید کی تلاوت کرے اس کے بعد سجدۂ شکر بجالائے۔

**سجدۂ شکر** :- تسبیح اور دعاء سے فارغ ہو کر سجدۂ شکر بجالائے کہ اللہ نے اس کو نماز کی توفیق عطا کی، سجدۂ شکر کے لئے مخصوص دعائیں نہیں ہے، اگر کوئی شخص صرف سجدہ شکر میں شُکر اً لِلّٰہ شُکر اً لِلّٰہ کہے تو بھی کافی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ سجدہ شکر اس طرح کرے۔

سجدے میں جائے اور اپنی کہنیوں کو زمین پر رکھے اور پیٹ کو زمین سے ملادے اور سنت ہے کہ پہلے پیشانی زمین پر رکھے اور تین مرتبہ اَلعَفُوُّ اَلعَفُوُّ اَلعَفُوُّ کہے پھر دایاں رخسار خاک پر رکھے اور تین مرتبہ کہے یـا اللّٰـه یـا ربَّاهُ یَـا سَیِّداهُ اور بہتر ہے کہ اتنی مرتبہ کہے کہ سانس ٹوٹ جائے، جب بندہ اس طرح کرتا ہے تو خداوند عالم فرماتا ہے کہ میرے بندے اپنی حاجت بیان کر پھر بائیں رخسار کو خاک پر رکھے اور تین بار کہے رَبِّ اِنِّی ظَلَمتُ نَفسِی فَاغفِرلِی (میرے رب میں نے اپنے پر ظلم کیا ہے پس مجھے معاف کردے) اس کے بعد اپنی حاجت طلب کرے بہتر ہے کہ امام صادق علیہ السلام امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دعا پڑھے جو دونوں امام سجدہ شکر میں پڑھا کرتے تھے، اَسئَلُكَ الرَّاحةَ عِندَالمَوتِ وَالعَفوَ عِندَالحِسَابِ، اس دعاء کو جتنا زیادہ پڑھے بہتر ہوگا، یہ دعا قنوت میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

اس کے بعد پیشانی خاک پر رکھے اور سو مرتبہ کہے شُکـراً لِلّٰہ، تین مرتبہ یا اتنی

مرتبہ کے سانس ٹوٹ جائے بھی کہہ سکتا ہے۔

سجدۂ شکر کی اور بھی دعائیں وارد ہوئی ہیں ان کو اختصار کی وجہ سے یہاں تحریر نہیں کیا گیا ہے۔

جو لوگ سجدۂ شکر اس طرح کرتے ہیں جیسے مرغی زمین پر چونچ رگڑتی ہے ان کو چاہئے کہ اپنے عمل کی اصلاح کریں، سجدۂ شکر ایک عظیم نعمت ہے اس کو معمولی نہ سمجھیں اس سجدے سے غیر شیعہ محروم ہیں۔

**بعض مسائل:** اگر انسان دورانِ نماز ہاتھ اس نیت سے باندھے کہ نماز میں ہاتھ باندھنے ضروری ہیں تو اس کی نماز باطل ہے اور اگر کوئی شخص خداوند عالم کے ادب کے طور پر باندھے تو بھی نماز دوبارہ ہاتھ کھول کر پڑھے، لیکن اگر کسی وجہ سے مثلاً کھجانے کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر نمازی الحمد کے بعد جزو نماز سمجھتے ہوئے آمین کہے تو اس کی نماز باطل ہے۔ لیکن اگر تقیہ کے وجہ سے ایسا کرے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

جب بھی انسان رسولؐ کا نام محمدؐ اور احمدؐ یا لقب، کنیت، مصطفیؐ یا ابوالقاسم زبان سے ادا کرے یا سنے خواہ وہ نماز ہی میں کیوں نہ ہو مستحب ہے کہ صلوات بھیجے، اگر کوئی شخص نماز میں سورہ پڑھتے ہوئے رسولؐ کا نام سنے تو قرأت روک کر رسولؐ پر صلوات بھیجے اور اگر رسولؐ پر صلوات بھیجنے کی وجہ سے اس کو اپنی شکی طبیعت کی وجہ سے یہ شک ہو کہ میں نے کہاں سے سورہ ختم کیا تھا وہ یاد نہیں رہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ نماز ختم کر کے بعد نماز قضا کی نیت سے رسولؐ پر صلوات بھیجے۔

انسان کو چاہئے کہ جب رسولؐ کا نام لکھے تو صلوات بھی لکھے اور جب رسولؐ کو یاد کرے تو صلوات پڑھے اور ذہن میں یہ خیال رہے کہ رسولؐ کی تعریف کا جو حق ہے وہ ہم سے ادا نہیں ہوا۔

اگر کوئی شخص وسیع وقت میں نماز پڑھنے لگے اور قرض خواہ اس سے اپنا قرض

نے اپنا بچہ کھودیا ہے اس کے سینے میں دودھ ہے ممکن ہے کہ یہ اس کا دودھ پی لے ،فرعونیوں نے کہا جلد لاؤ۔

حضرت موسیٰؑ کی بہن دوڑی ہوئی اپنی والدہ کے پاس آئیں اور سارا قصہ سنایا، جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ فرعون کے یہاں پہونچیں اور حضرت موسیٰؑ کو دودھ پلایا تو آپ نے فوراً پینا شروع کر دیا، یہ دیکھ حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کو فرعون کو اور تمام فرعونیوں کو بہت خوشی ہوئی، ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آنے لگیں، اس موقع پر فرعون کے وزیر ہامان نے والدہ جناب موسیٰؑ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ تیرا ہی ہے ، جو اس نے تیرا ہی دودھ پی لیا اور تو بنی اسرائیل سے ہے، اس لئے بچے کو قتل ہونا چاہیے، حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے کہا کہ اصل میں میرے دودھ میں خوشبو ہے، میں نے جس بچے کو بھی دودھ پلایا ہے اس نے اسی طرح دودھ پیا ہے، جس طرح اس بچہ نے دودھ پیا ہے ، ہامان خاموش ہو گیا، والدہ حضرت موسیٰؑ بڑی عزت کے ساتھ فرعون کے محل میں رہنے لگیں اور حضرت موسیٰؑ کی پرورش کرنے لگیں

دوسری روایت میں ہے کہ آپ حضرت موسیٰؑ کو اپنے گھر لے آئیں اور دودھ چھڑانے کے بعد پھر محل میں جناب آسیہؑ کو سونپ آئیں، حضرت آسیہؑ کی جو بیمار بیٹی تھی اس کو بھی حضرت موسیٰؑ کی رال، کی بدولت شفا نصیب ہوئی۔

فرعون کو جب معلوم ہوا کہ یہ عورت جو دودھ پلانے کے لئے آئی ہے یہ قومِ بنی اسرائیل سے ہے، تو اس کو فکر ہوئی اس نے چاہا کہ یہ دودھ نہ پلائے لیکن حضرت موسیٰؑ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیتے تھے اس لئے مجبوراً اسے اس کام پر والدۂ جناب موسیٰؑ کو ہی رکھنا پڑا، قدرتِ خدا دیکھئے کہ فرعون جس بچے کے خوف سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرار ہا تھا وہ بچہ فرعون کے محل میں پرورش پا رہا تھا۔

فرعون کے دل میں حضرت موسیٰؑ کی تو محبت پیدا ہو گئی تھی لیکن اسے یہ بھی خوف تھا کہ کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جس کا خوف ہے وہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرتا تو ہر مرتبہ

کا مطالبہ کرے اور اس شخص کے لئے ممکن نہیں کہ بغیر نماز توڑے قرض ادا کر سکے تو اس کو چاہئے کہ نماز توڑ کر قرض ادا کرے اور پھر نماز پڑھے۔

# مسافر کی نماز

ضروری ہے کہ مسافر ظہر عصر اور عشاء کی نماز حالتِ سفر میں قصر بجالائے یعنی کہ چار رکعت کی نماز کو دو رکعت کر دے۔

مسافر کا سفر آٹھ فرسخ شرعی ہونا ضروری ہے، ایک فرسخ شرعی ساڑھے پانچ کلومیٹر کا ہوتا ہے یعنی کہ قصر نماز کے لئے تقریباً ۴۴ کلومیٹر کا سفر ہونا ضروری ہے۔

۴۴ رکلومیٹر کا یہ فاصلہ آنے جانے کا ملا کر ہونا چاہئے، اگر کسی کے سفر کی لمبائی مثلاً پندرہ کلومیٹر ہے اور واپسی ۳۰ رکلومیٹر ہے یا اس کے برعکس ہے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ نمازیں پوری پڑھے۔

اگر شہر کے گرد دیوار ہو تو انسان کو چاہئے کہ آٹھ فرسخ کا حساب شہر کی دیوار سے کرے اور اگر شہر کی دیوار نہ ہو تو آٹھ فرسخ کا حساب اس کے آخری گھروں سے کرے۔

اگر مسافر ابتداء میں آٹھ فرسخ کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہاں جا کر اس کا ارادہ کہیں اور جانے کا ہو جائے اور یہ سفر آٹھ فرسخ کا ہو جاتا ہو لیکن چونکہ وہ ابتداء سے آٹھ فرسخ سفر کا ارادہ نہ رکھتا تھا اس لئے اس کی نماز قصر نہیں ہوگی، اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

اگر کوئی شخص چار فرسخ پہونچ کر اپنا سفر ملتوی کر دے اور واپس ہونے کا پختہ ارادہ کر لے تو اسے چاہئے کہ نمازِ قصر پڑھے۔

اگر مسافر دورانِ سفر وطن سے گذرے اور حد ترخص تک پہونچ جائے جوں ہی وہ اپنی سکونت (یعنی وطن) سے نکلے گا اسی کی نمازِ قصر ہوگی، حد ترخص یہ ہے کہ مسافر اہل شہر کی اذان کی آواز سن سکے یا اہل شہر کو دیکھے، تو یہ جگہ اس کا وطن شمار ہوگی اب اگر ایسی جگہ مسافر نماز پڑھنا چاہے تو احتیاط واجب کے طور پر اسے چاہیئے کہ قصر اور پوری دونوں نماز

پڑھے۔

مسافر کا سفر اگر حرام کام کے لئے ہے تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی، بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر نافرمانی کے طور پر سفر حرام ہے، اس کو چاہئے کہ پوری نماز پڑھے، اسی طرح اگر اولاد والدین کی مرضی کے خلاف سفر کریں اور وہ نافرمان کہلائیں تو ان کو بھی چاہئے کہ نماز پوری پڑھیں۔

اگر کوئی شخص کھیل تماشے اور خوش وقت گذارنے کے لئے شکار کو جائے تو اس کی نماز جاتے وقت پوری ہے اور واپسی میں اگر مسافت کی حد پوری ہو جاتی ہے تو وہ نماز قصر پڑھے۔

ڈرائیور یا گھوم پھر کر کام کرنے والا شخص اپنی نمازیں پوری پڑھے، لیکن اگر یہ شخص اپنے پیشے کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے سفر کرے مثلاً زیارت کے لئے جائیں اس کو چاہئے کہ اپنے اس سفر میں نماز قصر پڑھے۔

مسجد الحرام مسجد نبوی بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے پورے شہروں میں اور مسجد کوفہ میں اپنی نماز پوری پڑھے۔ امام حسین علیہ السلام کے حرم میں بھی پوری نماز پڑھ سکتا ہے، خواہ ضریح مقدس سے زیادہ دور ہی کیوں نہ ہو (آقائے خوئیؒ) آقائے سیستانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ قبر مطہر سے پچیس گز کے فاصلے تک نماز پوری پڑھ سکتا ہے، اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو نماز قصر کرے۔

قصر نماز اگر قضا ہوگئی ہے تو وہ قصر ہی پڑھی جائے گی چاہے وہ قضا اپنے وطن میں ادا کرے اسی طرح پوری نماز اگر قضا ہوئی ہے تو وہ پوری ہی پڑھی جائے گی چاہے سفر میں ادا کرے۔

قضا نماز: اگر کسی شخص کی نماز قضا ہوگئی ہے اس کو چاہئے کہ اس کو ادا کرے۔

جس کی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، قضا نمازوں میں ترتیب رکھنا ضروری ہے۔

قضا نماز باجماعت بھی پڑھی جاسکتی ہے، خواہ امام جماعت کی نماز ادا ہو۔

جو بچہ اچھے برے کی تمیز رکھتا ہو اس کو نماز اور دوسری عبادات بجالانے کی عادت ڈالی جائے، بلکہ مستحب ہے کہ اسے قضا نمازیں پڑھنے کی بھی عادت ڈالی جائے۔

زندہ انسان اپنی قضا نمازیں خود پڑھے انسان کتنا ہی نماز پڑھنے سے کسی وجہ سے عاجز ہو جائے کوئی دوسرا شخص اس کی قضا نمازیں نہیں پڑھ سکتا ہے، اس کی موت کے بعد اس کی قضا نمازیں کوئی دوسرا ادا کر سکتا ہے۔

باپ کے مرنے کے بعد بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ باپ کی قضا نمازیں ادا کرے۔

اگر بڑا بیٹا اپنی ماں کی قضا نمازیں پڑھنا چاہے تو نماز کے احکام میں اپنے یعنی مردوں کے طریقے پر عمل کرے۔

جو شخص مسجد کے قریب رہتا ہے اور وہ جو اذان کی آواز سنتا ہے اس کے لئے نماز باجماعت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، خاص طور سے نمازِ صبح، نمازِ مغرب وعشاء جماعت کے ساتھ پڑھے۔

امام جماعت کے لئے ضروری ہے کہ بالغ عاقل شیعہ اثنا عشری عادل اور حلال زادہ ہو نماز صحیح پڑھ سکتا ہو۔

نماز باجماعت میں مقتدی کو چاہئے کہ حمد اور سورہ نہ پڑھے باقی تمام نماز خود پڑھے لیکن اگر اس کی پہلی اور دوسری رکعت ہے اور امام کی تیسری اور چوتھی رکعت ہو تو چاہئے کہ حمد اور سورہ بھی پڑھے۔

اگر امام کی سورہ پڑھنے کی آواز مقتدی نہ سن سکے تو مستحب ہے کہ حمد اور سورہ خود پڑھے اسے چاہئے آہستہ آہستہ پڑھے۔

نمازِ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں مقتدی حمد اور سورہ نہ پڑھے بلکہ کوئی اور ذکر پڑھے مثلاً سبحان اللہ کہتا رہے۔

# روزہ

روزہ دین اسلام کا ایک رُکن ہے اور اہم عبادت ہے، روزہ اسلام سے قبل دوسری اقوام پر بھی واجب تھا، روزہ رکھنے سے انسان کے اندر صبر کرنے برائیوں سے بچنے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بھوک پیاس کی تکلیف سے قیامت کی بھوک پیاس کے احساس کے ساتھ ساتھ غریبوں کی بھوک پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور غریبوں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، روزہ رکھنے کے طبی فوائد بہت ہیں، روزہ رکھنے سے صحت اچھی رہتی ہے اور جسم کے اندر پیدا شدہ فاسد مادّے ختم ہو جاتے ہیں۔

روزہ ماہ رمضان میں واجب ہے، اگر کسی کے روزے رمضان میں بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹ گئے ہیں، تو ان کی قضا واجب ہے، رمضان کا مبارک مہینہ اپنی برکتوں کو لئے ہوئے ہے، اسی مہینہ میں قرآن نازل ہوا، اسی مہینہ میں شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، رمضان میں جب انسان حکم خدا کی تعمیل کرتا ہے تو اس کی خوشی میں رمضان ختم ہونے پر عید منائی جاتی ہے۔

رمضان کا روزہ رکھنے کے لئے انسان کو چاہئے کہ نیت کرے، نیت کو زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ارادہ کرے کہ وہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اذان صبح سے مغرب تک کوئی ایسا کام نہ کرے گا، جو روزے کو باطل کرتا ہے، یہ اطمینان کرنے کے لئے اذان صبح کا وقت ہو گیا ہے کچھ منٹ قبل سحر ختم کر دے اور مغرب کے کچھ دیر بعد تک ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

نو چیزیں روزے کو باطل کرتی ہیں۔

(۱) کھانا اور پینا (۲) جماع کرنا (۳) استمناء کرنا یعنی انسان اپنے ساتھ یا دوسرے کے ساتھ جماع کے علاوہ کوئی ایسا فعل کرے جس کے نتیجے میں اس کے بدن سے منی خارج ہو۔ (۴) خدا اور پیغمبر اور پیغمبر کے جانشین ائمہ طاہرین سے کوئی جھوٹی

بات منسوب کرے (۵) غبار حلق تک پہونچانا (۶) پورا سر پانی میں ڈبونا (۷) اذان صبح تک جنابت اور حیض اور نفاس کی حالت پر باقی رہنا (۸) کسی بہنے والی چیز سے حقنہ (اینما) کرنا (۹) قے کرنا۔

ا۔ کھانا اور پینا، اگر روزہ دار کھا رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ صبح ہو گئی ہے تو لقمہ مونہہ میں ہے اسے اُگل دے، اگر نہیں اُگلے گا اور لقمہ نگل لے گا تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔

دوا کے طور پر انجکشن لگوانے یا لگانے سے روزہ باطل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ایسے انجکشن سے پرہیز ضروری ہے جو نشہ پیدا کرتے ہوں، یا غذا کے لئے لگائے جائیں،

دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا کو اگر کوئی حالت روزہ میں نگل لے تو روزہ باطل ہو جائے گا

انسان کمزوری کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑ سکتا لیکن اگر کمزوری اس حد تک ہو کہ برداشت سے باہر ہو تو روزہ چھوڑ سکتا ہے۔

۲۔ جماع۔ جماع روزے کو باطل کرتا ہے خواہ عضو تناسل فقط ختنے کی حد تک کیوں نہ داخل ہو اور چاہے اس کی منی بھی نہ نکلے اور اگر ختنے سے کم مقدار داخل ہو اور منی نہ نکلے تو پھر روزہ باطل نہ ہوگا۔

۳۔ استمناء۔ کسی بھی طریقے سے منی نکالنے کو استمناء کہتے ہیں اس کا تذکرہ ابھی اوپر کیا گیا ہے۔

اگر روزہ دار منی نکالنے کے ارادے کے بغیر بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرے اور اسے اطمینان ہو کہ منی نہیں نکلے گی اور اتفاق سے منی نکل جائے تو اس کا روزہ صحیح ہے لیکن اگر اسے اطمینان نہ تھا پھر اس نے چھیڑ چھاڑ کی اور منی خارج ہو گئی تو اس کا روزہ باطل ہے۔

اگر کوئی منی نکالنے کی نیت سے چھیڑ چھاڑ کرے اور منی نہ نکلے تب اسے چاہئے کہ روزہ بھی رکھے اور اس روزے کے قضا بھی کرے۔

۴۔ خدا، رسولؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے جھوٹی چیز منسوب کرنا۔

اگر روزہ دار زبان سے یا لکھ کر یا اشارہ سے یا ایسے ہی کسی اور طریقے سے اللہ یا رسولؐ یا امام کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے اور پھر فوراً کہہ دے کہ میں نے جھوٹ کہا ہے، یا توبہ کرلے پھر بھی اس کا روزہ باطل ہو جائے گا، یہی حکم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق بھی ہے یعنی آپ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہ کی جائے۔

مذکورہ حکم کے ہوتے ہوئے مرثیوں، نوحوں، سوز سلام وغیرہ میں اگر ایسی کوئی بات نظم کی گئی ہے جو جھوٹی ہے تو ان کو رمضان میں پڑھنے یا بیان کرنے سے روزہ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر رمضان نہ ہو تو پھر خدا اور رسولؐ یا معصومینؑ کی طرف جھوٹ منسوب کرے تو گنہگار ہوگا۔

اگر کوئی شخص معصوم کی طرف یا خدا کی طرف رات کو کوئی جھوٹی چیز منسوب کرے اور دن میں کہے کہ جو میں نے رات کہا تھا وہ سچ ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔

۵۔ غبار حلق تک پہونچنا۔ اگر انسان احتیاط نہ کرے اور غبار یا بھاپ یا سگریٹ وغیرہ کا دھواں حلق تک پہونچ جائے تو اس کا روزہ باطل ہے۔

۶۔ سر کو پانی میں ڈبونا۔ اگر روزہ دار پورے سر کو پانی میں ڈبوئے خواہ اس کا باقی بدن پانی سے باہر ہو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے (آقائے خوئیؒ)

لیکن آیت اللہ سید علی سیستانی مدظلہٗ العالی کے حکم کے مطابق پورا سر پانی میں ڈبونے سے روزہ باطل نہیں ہوتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ سر کو پانی میں نہ ڈبوئے۔

۷۔ حالتِ جنابت وحیض ونفاس میں اذان صبح تک باقی رہنا، اگر کوئی شخص اذان صبح تک جنابت یا حیض ونفاس کا غسل نہ کرے تو اس کا روزہ باطل ہے۔ اور اگر وہ غسل کے بجائے تیمّم کرنے والا ہے اور تیمّم نہ کرے تب بھی اس کا روزہ باطل ہے، اس کی قضا کرے۔

اگر کسی شخص کو ماہ رمضان میں احتلام ہو جائے اور وہ غسل نہ کرے اور یہ جانتے

ہوئے کہ اگر سوئے گا اور پھر صبح تک بیدار نہ ہوگا پھر سو جائے اور صبح ہو جائے تو اس کا روزہ باطل ہے اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

اگر روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو فوراً غسل واجب نہیں، جس شخص پر غسل مس میت واجب ہو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور روزے کی حالت میں میت کو مس بھی کر سکتا ہے۔

۸۔ سیال چیز سے حقنہ (اینما) لینا چاہے علاج کے لئے ہو روزے کو باطل کرتا ہے۔

۹۔ اگر کوئی روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرے تو اس کا روزہ باطل ہے لیکن اگر بے اختیار قے ہو جائے تو روزہ باطل نہ ہوگا۔

اگر کوئی رات کو ایسی چیز کھائے جس کے بارے میں جانتا ہو کہ دن میں قے ہوگی تو اس دن روزہ رکھے اور قضا بھی کرے۔

**روزہ دار کے لئے مکروہ باتیں:** روزہ دار کے لئے یہ باتیں مکروہ ہیں۔

۱۔ آنکھ میں دوا ڈالنا اور سرمہ لگانا جبکہ اس کا مزہ یا بو حلق تک پہونچ جائے۔

۲۔ ہر ایسا کام کرنا جو کمزوری کا باعث ہو مثلاً فصد کھلوانا یا حمام جانا۔

۳۔ ناس کھینچنا بشرطیکہ یہ جانتے ہوئے کہ حلق تک نہ پہونچے گی اور اگر علم ہو کہ حلق تک پہونچے گی تو پھر استعمال جائز نہیں۔

۴۔ خوشبودار بوٹیوں کو سونگھنا۔

۵۔ شیاف استعمال کرنا یعنی کسی خشک چیز سے حقنہ لینا۔

۶۔ عورت کا پانی میں بیٹھنا۔

۷۔ جو لباس پہن رکھا ہو اسے تر کرنا۔

۸۔ دانت نکلوانا اور ہر وہ کام کرنا جس سے مونہہ سے خون نکلے۔

۹۔ تر لکڑی سے مسواک کرنا، موجودہ دور میں جو ٹوتھ پیسٹ اور برش کا رواج ہے اس سے روزہ کی حالت میں پرہیز ضروری ہے اس لئے کہ برش سے اڑنے والی چھینٹیں

حلق تک پہونچتی ہیں۔

۱۰۔ بلا وجہ پانی یا کوئی اور سیال چیز مونہہ میں ڈالنا۔

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ منی نکالنے کی نیت کے بغیر انسان اپنی بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرے یا بوسہ لے جس سے جذبات بھڑکیں اور اگر ایسا منی نکالنے کی غرض سے ہو تو پھر روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ماہ رمضان کے روزے کا کفارہ یہ ہے کہ انسان ایک غلام آزاد کرے، یا ساٹھ روزے رکھے جن میں اکتیس روزے مسلسل رکھے یا ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے، اگر کوئی بہت نادار اور مجبور ہو اور مذکورہ کفاروں میں کوئی کفارہ اس کے لئے ممکن نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ امکان بھر صدقہ دے اور استغفار کرے اور جب بھی ممکن ہو تو کفارہ ادا کرے۔

کفاروں کے متعلق مزید تفصیل توضیح المسائل میں ملاحظہ فرمائیے۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی شخص حرام چیز سے روزہ باطل کر دے خواہ وہ چیز بذاتِ خود حرام ہو جیسے شراب یا زنا یا کسی وجہ سے حرام ہو جیسے حالتِ حیض میں بیوی سے جماع تو اس پر تینوں کفارے جمع ہو جائیں گے یعنی یہ کہ ایک غلام آزاد کرے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ساٹھ روزے رکھے اور اس روزے کی قضا کرے۔

اگر کوئی شخص رمضان کے روزے جان بوجھ کر نہ رکھے تو اسے چاہئے کہ ان کی قضا بجا لائے اور ہر دن کے لئے دو مہینے روزے رکھے یا فی روزہ کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک غلام آزاد کرے اور اگر آئندہ رمضان تک نہ رکھے تو ہر دن کے بدلے ایک مد طعام (۷۵۰ گرام آٹا یا چاول یا جو یا گندم) مسکین کو دے

روزے سے بچنے کے لئے سفر کرنا مکروہ ہے، اسی طرح رمضان کی چوبیس تاریخ سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے۔

جس مسافر کو سفر میں نماز قصر کرنا ہو وہ سفر میں روزہ نہیں رکھ سکتا ہے۔

اگر روزہ دار ظہر کے بعد سفر کرے تو اسے چاہئے کہ اپنے روزے کو تمام کرے

،اسی طرح اگر مسافر زوال سے پہلے اپنے وطن یا ایسی جگہ پہونچے جہاں دس دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو اور اس نے اس وقت تک روزے کو باطل کرنے والا کوئی کام نہ کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس دن روزہ رکھے۔

اگر کوئی شخص صبح کو سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو سفر کرنے سے پہلے اپنے وطن میں اس کو روزہ رکھنا واجب ہے ،جب وہ حد ترخص پر پہونچے گا تو اس کا روزہ خود بخود باطل ہو جائے گا،لیکن اگر اس نے حد ترخص سے پہلے روزے کو باطل کرنے والا کوئی کام کرلیا تو پھر وہ اس روزے کی قضا کرے اور کفارہ ادا کرے۔

اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھے اس خیال سے کہ آج شعبان کی تیس تاریخ ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آج رمضان کی پہلی تاریخ ہے تو اس کو چاہئے کہ بعد رمضان اس دن کے روزے کی قضا کرے۔

شعبان کے تیس دن گذرنے کے بعد رمضان کی پہلی تاریخ ثابت ہو جاتی ہے اگر انسان خود چاند دیکھے تو اس پر رمضان کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

نجومیوں کے حساب سے چاند کی تاریخ ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن اگر کوئی ان کو قابل بھروسہ سمجھتا ہے تو اس کو ان کے قول پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسروں کو مجبور نہ کرے۔

دو عادل گواہ چاند کی اطلاع دیں تو چاند ثابت ہو جائے گا،اگر ایک گروہ چاند ہونے کی اطلاع دے جس کی وجہ سے یقین ہو جائے کہ چاند ہو گیا ہے تو پھر اس اطلاع پر عمل کرے۔

اگر دو عادل چاند دیکھنے کی اطلاع دیں اور ان کے بیان چاند کے متعلق الگ الگ ہوں تو پھر چاند کا ہونا ثابت نہ ہوگا۔

اگر یہ نہ معلوم ہو کہ آج رمضان کا آخری دن ہے یا شوال کی پہلی تاریخ ہے اس دن چاہئے کہ روزہ رکھے لیکن اگر دن میں پتہ چل جائے کہ آج شوال کی پہلی تاریخ ہے تو اسے چاہئے کہ روزہ افطار کرلے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، روزِ عاشور محرم روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

روزہ دار کے لئے مستحب ہے کہ روزہ افطار کرنے سے پہلے مغرب وعشاء کی نماز پڑھے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس کا انتظار کر رہا ہو یا اسے غذا کی اتنی زیادہ خواہش ہو کہ اس کی وجہ سے نماز دل لگا کر نہ پڑھ سکے گا تو پھر اس کو چاہیے کہ پہلے روزہ افطار کرے اور پھر نماز پڑھے لیکن جہاں تک ممکن ہو نماز مغرب فضیلت کے وقت میں ادا کرے یعنی یہ کہ جلد افطار کر کے نماز مغرب ادا کرے۔

جو شخص کسی شرعی عذر کی بناء پر رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے اس کو چاہئے کہ ان تمام افعال سے پرہیز کرے جو روزے کو باطل کرتے ہیں۔

حرام دِنوں کے علاوہ سال کے تمام دنوں کے روزے مستحب ہیں بعض مستحب روزوں کی بہت تاکید ہے مثلاً

(۱) ہر مہینے کی پہلی اور آخری جمعرات اور مہینے کی دس تاریخ کے بعد پہلا بدھ یہ روزے نہ رکھ سکے تو ان کی قضا کرے، اگر بالکل نہیں رکھ سکتا تو مستحب ہے کہ ہر روزے کے بدلے ایک مُد طعام کسی مسکین کو دے۔

(۲) ہر مہینے کی ۱۳/۱۴/اور ۱۵/تاریخ کو روزہ رکھے۔

(۳) رجب اور شعبان کے پورے مہینے یا ان مہینوں میں جتنے ممکن ہوں روزے رکھے۔

(۴) شوال کی چوتھی تاریخ سے نویں تاریخ تک یعنی چھ روزے۔

(۵) ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے نویں تاریخ یعنی عرفے تک لیکن اگر روزے کی وجہ سے کمزوری کے سبب اعمالِ عرفہ نہ کر سکے تو پھر روزہ رکھنا مکروہ ہے

(۶) عید غدیر یعنی ۱۸/ذی الحجہ کا روزہ۔

(۷) محرم کی پہلی تیسری اور ساتویں تاریخ کا روزہ۔

حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا آڑے آجاتیں اور کہتیں کہ اگر یہ بچہ وہی ہے جس سے آپ کو خطرہ ہے تو آپ کو کیا ڈر؟ یہ ہمارے زیرنگرانی تربیت پارہا ہے اور یہ ہمارا وارث بنے گا اس سے خطرہ پھر کیوں؟ ان باتوں کو سن کر فرعون قتل سے باز رہتا تھا۔

جب حضرت موسیٰؑ گھٹنیوں چلنے لگے تو ان دنوں میں فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا، حضرت موسیٰؑ نے اس کی داڑھی پکڑ کر مونہہ پر طمانچہ رسید کر دیا، فرعون اس طمانچہ سے فکرمند ہو گیا کہ کہیں واقعی یہ وہ بچہ تو نہیں جس کے ہاتھوں میری حکومت برباد ہوگی اور یہ بچہ اسی سال پیدا ہوا ہے جس سال میں نے خواب دیکھا ہے اور یہ بھی غور طلب ہے کہ اتنے پیارے بچے کو کوئی صندوق میں رکھ کر دریا میں کیوں ڈالے گا؟ ان خیالات کے تحت فرعون نے پھر حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن پھر حضرت آسیہؑ آڑے آئیں اور کہا کہ داڑھی پکڑنا طمانچہ مارنا بچپن ہے اور کچھ نہیں، میاں بیوی کی ایسی بحثوں میں عموماً بیوی ہی کی فتح ہوتی ہے، مرد باوجود قدرت کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں وہی یہاں بھی ہوا، فرعون خاموش ہو گیا لیکن اس کے دل میں کھٹک باقی رہی اس نے کہا کہ اچھا میں اس بچے کا امتحان لوں گا، یہ کہہ کر اس نے دو طبق منگوائے، ایک میں انگارے رکھے اور دوسری میں لعل و یاقوت رکھے اور کہا کہ اگر اس نے لعل و یاقوت اٹھائے تو یہ غیر معمولی بچہ ہے اور اگر اس نے انگارے اٹھائے تو میں سمجھ لوں گا کہ یہ کام اس کے بچپن کا ہے ۔حضرت موسیٰؑ طبق کی طرف بڑھے اور بڑھ کر مرضیٔ الٰہی سے انگارے کو ہاتھ میں اٹھالیا ہاتھ جلا تو اس کو مونہہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان کا اگلا حصہ جل گیا اور آپ چلّا کر رونے لگے، یہ دیکھ کر حضرت آسیہؑ نے کہا کہ میں نہ کہتی تھی کہ یہ فعل اس کے بچپنے کا ہے، فرعون اس واقعہ کے بعد پھر حضرت موسیٰؑ کی دلچسپی سے پرورِش کرنے لگا۔

دن یونہی گذرتے رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰؑ بالغ ہو گئے اور آپ کی ہر طرف بحیثیت ولیٔ عہد عزت ہونے لگی، اس درمیان آپ اپنی والدہ کے گھر بھی آنے لگے اور اپنے عزیزوں سے ملنے لگے، خاص طور سے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے

(۸) رسولِ اکرمؐ کی وِلادت (۱۷ربیع الاول) کا روزہ۔

(۹) جمادی الاول کی پندرہ تاریخ کا روزہ۔

(۱۰) روزِ بعثتِ رسولؐ یعنی ۲۷ رجب کا روزہ۔

مستحبی روزے میں اگر کوئی مومن دعوت دے تو مستحب ہے کہ اس کی دعوت قبول کرلے اور روزہ کھول دے خواہ ظہر کے بعد ہی کیوں نہ ہو اس میں خیال رہے کہ مومن کا مقصد واقعی دعوت ہو ایسا نہ ہو کہ روزہ رکھنے سے پہلے دوسرے سے طے کرلے کہ میں روزہ رکھوں گا تم کھلوا دینا۔

# اعتکاف

اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ انسان تین دن مسجد میں ٹھہرے اور یہ دن عبادت ،دعا، نماز وغیرہ میں گذارے۔

اعتکاف کی نیت بقصد قربت کرے، دورانِ اعتکاف روزہ رکھے اور بہتر یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرے۔

اعتکاف مسجد الحرام، مسجد نبویؐ، مسجد کوفہ، مسجد بصرہ اور شہر کی جامع مسجد میں کرے۔

اعتکاف میں اجازت بھی ضروری ہے مثلاً زوجہ شوہر کی اجازت لے، یا غلام آقا سے اجازت لے والدین سے اولاد اجازت لے (اگر والدین کو محبت کی وجہ سے اولاد کے اعتکاف سے تکلیف پہونچے)

اعتکاف میں ضروری ہے کہ اعتکاف کی مدت مسجد میں تسلسل سے گذارے

دورانِ اعتکاف ان چیزوں سے پرہیز کرے۔

(۱) عورت سے صحبت کرنا یا شہوت سے بوسہ لینا (۲) استمناء کرنا (۳) لذّت حاصل کرنے کے لئے خوشبو سونگھنا (۴) خرید وفروخت کرنا (۵) تلخ کلامی کرنا (۶) ان تمام باتوں سے پرہیز کرنا جو حالتِ احرام میں حرام ہیں، لیکن اس میں بعض چیزوں کی

اجازت ہے مثلاً سلے ہوئے کپڑے پہننا ، بالوں کو صاف کرنا ، شکار کا گوشت کھانا، اور دورانِ اعتکاف نکاح کرسکتا ہے۔

## حج

حج دین اسلام کا رُکن ہے ، اس کا مطلب ہے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کرنا اور احکام بجالانا جن کا تذکرہ شریعت نے کیا ہے، حج تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اُس شخص پر واجب ہے جو حج کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

حج عاقل بالغ اور مستطیع پر واجب ہے، حج کے دیگر مسائل کتابوں میں مفصل درج ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں، حج واجب نہ کرنے والے کے لئے حدیث میں ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی یعنی مذہب اسلام سے اس کا کوئی واسطہ بہر حال نہیں۔

## زکات

زکات دین اسلام کا ایک رُکن ہے اور مالی عبادت ہے، زکات کی تاکید قرآن میں ۸۲ جگہ کی گئی ہے، اور ۳۲ جگہ زکات کا ذکر نماز جیسی عبادت کے ساتھ کیا گیا ہے، زکات کا نہ دینا سخت گناہ ہے، زکات نو چیزوں پر واجب ہے (۱) گندم (۲) جو (۳) کھجور (۴) کشمش (۵) سونا (۶) چاندی (۷) اونٹ (۸) گائے (۹) بھیڑ بکری۔

اگر کوئی ان چیزوں کا مالک ہو اور شریعت کی مقرر کی گئی مقدار (نصاب) کے برابر موجود ہوں تو ان پر زکات واجب ہوجاتی ہے، جس کا تفصیل سے تذکرہ کتابوں میں موجود ہے۔

ہندوستان میں زکات مومنین پر گندم اور جو پر زیادہ تر واجب ہوتی ہے کیونکہ ہندوستانی مومنین جو کاشت کار ہیں انھیں دو اجناس کی کاشت کرتے ہیں، کھجور، کشمش، سونا

، چاندی ، اونٹ ، گائے ، بھیڑ بکری نصاب کے برابر شاذونادر کسی مومن کے پاس موجود ہواس لئے یہاں پر ہم گندم اور جَو کے مسائل ہی مختصر طور پر تحریر کریں گے۔

گندم جو ، کھجور اور کشمش پر زکات اس وقت واجب ہوتی ہے، جب وہ نصاب کی مقدار کو پہونچ جائیں اور ان چیزوں کا نصاب ۸۴۷ کلو ہے۔

گندم اور جو پر اس وقت زکات واجب ہوتی ہے جب انھیں گندم اور جو کہا جائے۔

اگر گندم اور جو بارش یا نہر کے پانی سے سیراب ہوں تو ان پر دسواں حصہ زکات ہے اور اگر پانی ٹیوب ویل یا کنویں سے بذریعہ ڈول دیا گیا ہے تو زکات بیسویں حصے پر واجب ہو گی ، اور اگر بارِش کے پانی سے بھی سیراب ہو اور ٹیوب ویل یا کنویں کے پانی سے بھی سیراب ہوں تو اس پر ساڑھے سات فیصد زکات واجب ہے۔

جس شخص نے زراعت میں بیج استعمال کیا ہو خواہ اس کے پاس اپنا ہو یا اس نے خریدا ہو وہ آمدنی سے منہا نہیں کر سکتا ہے ، تمام فصل کی پیداوار کا حساب کر کے زکات ادا کرے۔

اسی طرح جو گندم کاٹتے ہوئے کٹائی کے لئے کاٹنے والوں کو بطور اُجرت دیا گیا ہے اس کا بھی حساب کر کے زکات ادا کرے۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی فصل پر زکات واجب ہو چکی ہو تو اس فصل پر زکات ادا کی جائے اور اگر وہ مقروض بھی ہو تو زکات ادا کرنے کے بعد اس فصل سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔

**زکات کا مصرف**:- زکات آٹھ جگہ خرچ کی جائے گی۔

(۱) **فقیر**: فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کے اخراجات نہ ہوں لیکن جس شخص کے پاس کوئی ہنر یا جائیداد یا سرمایہ ہو جس سے وہ اپنے سال بھر کے اخراجات پورے کر سکتا ہو وہ فقیر نہیں۔

(۲) مسکین: مسکین وہ ہے جو فقیر سے زیادہ تنگدست ہو۔

(۳) جو شخص امام علیہ السلام کی جانب سے زکات جمع کرنے پر مامور ہو۔

(۴) وہ کفار جنھیں زکات دی جائے تو دین اسلام کی طرف مائل ہوں یا جنگ میں مسلمانوں کی مدد کریں۔

(۵) جو غلام اپنے مالکوں کی وجہ سے مشکلات سے دوچار ہوں انھیں خرید کر آزاد کرنا۔

(۶) مقروض شخص جو اتنا لاچار ہو جائے کہ اپنا قرض ادا نہ کر سکے۔

(۷) فی سبیل اللہ، یعنی مسجد بنانا، یا دینی تعلیم کے لئے مدرسہ بنانا، شہر کی صفائی کرنا، سڑکوں کو پختہ بنانا اور انھیں چوڑا کرنا وغیرہ۔

(۸) ابن السبیل: یعنی وہ مسافر جو سفر میں لاچار ہو گیا ہو۔

فقیر اور مسکین کو چاہئے کہ زکات اپنے سال بھر کے اخراجات سے زیادہ نہ لیں، آرائش و زیبائش سال کے اخراجات میں شامل نہیں ہیں۔

جس فقیر کے لئے ہنر سیکھنا مشکل نہ ہو احتیاط واجب کی بناء پر چاہئے کہ سیکھ لے اور زکات پر زندگی نہ بسر کرے لیکن جب تک ہنر سیکھ رہا ہے اس وقت تک زکات لے سکتا ہے

جو شخص سفر میں لاچار ہو جائے وہ زکات لے سکتا ہے اگر وطن پہونچنے کے بعد زکات میں سے کچھ بچ جائے تو مالِ زکات حاکم شرع کو دے اور اس کو بتا دے کہ یہ زکات ہے۔

جس شخص کو زکات دی جائے اس کا شیعہ اثنا عشری ہونا ضروری ہے، اگر کسی کو شیعہ سمجھ کر زکات دی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ شیعہ اثنا عشری نہ تھا تو دوبارہ زکات ادا کرے۔

جو شخص مالِ زکات گناہ میں خرچ کرے مثلاً زکات کی رقم سے داڑھی مونڈے فلم دیکھے، شراب پئے، اس کو زکات نہ دی جائے۔

جو شخص کھلم کھلا گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو یا نماز نہ پڑھتا ہو چاہے اس کا نماز نہ پڑھنا اعلانیہ نہ بھی ہو، بہتر ہے کہ اس کو زکات نہ دی جائے۔

اگر بیٹے کو علمی دینی کتابوں کی ضرورت ہو تو باپ زکات کی رقم سے بیٹے کو کتابیں خرید کر دے سکتا ہے۔

باپ اگر بیٹے کی شادی کی طاقت نہیں رکھتا وہ بیٹے کی شادی کی خاطر زکوٰۃ میں سے خرچ کر سکتا ہے، اور بیٹا بھی باپ کے لئے ایسا کر سکتا ہے۔

سید غیر سید سے زکات نہیں لے سکتا ہے لیکن اگر خمس اور دیگر ذرائع آمدنی اس کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوں اور وہ زکات لینے پر مجبور ہو تو زکات لے سکتا ہے۔

**زکات فطرہ:-** شب عید الفطر کو غروب کے وقت جو شخص بالغ اور عاقل ہو اور فقیر نہ ہو اُسے چاہئے کہ اپنے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے یہاں کھانا کھاتے ہوں فی آدمی ایک صاع یعنی تین کلو کے حساب سے گندم یا جو یا کھجور یا کشمش یا چاول وغیرہ مستحق شخص کو دے اور اگر ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد کی شکل میں دے تب بھی کافی ہے۔

جو لوگ شب عید الفطر کے غروب کے وقت کسی شخص کے یہاں کھانے والے سمجھے جائیں اُسے چاہئے کہ ان کا فطرہ دے قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں مسلمان ہوں یا کافر ان کا خرچ اس شخص پر واجب ہو یا نہ ہو، وہ اس شہر کے ہوں یا کسی دوسرے شہر کے ہوں۔

جو مہمان شب عید الفطر کے غروب سے پہلے صاحبِ خانہ کی رضامندی کے بغیر وارد ہو جائے اور اس کے یہاں کھانا کھانے والوں میں شمار ہو تو اس کا فطرہ صاحبِ خانہ پر واجب ہے۔

اگر کسی شخص کا فطرہ کسی دوسرے پر واجب ہو اور وہ اپنا فطرہ خود دیدے تو جس شخص پر اس کا فطرہ واجب ہے اس کی ادائیگی اس پر سے ساقط نہیں ہوگی۔

غیر سید فطرہ سید کو نہیں دے سکتا حتیٰ کہ اگر سید اس کے یہاں کھانا کھانے والوں میں سے بھی ہو تب بھی اس کا فطرہ وہ کسی دوسرے سید کو نہیں دے سکتا، انسان کو چاہئے کہ فطرہ حلال مال سے ادا کرے۔

**فطرے کا مصرف:** فطرے کو اُن آٹھ مصارف میں خرچ کیا جا سکتا ہے جن کا ذکر مال کی زکات کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔

فطرہ صرف شیعہ کو دیا جائے اگر شہر میں شیعہ فقراء نہ ہوں اور (فطرہ باہر پہونچانا ممکن نہ ہوتو) مسلمان فقراء کو دے سکتا ہے، ناصبی (اہل البیت کو گالیاں دینے والے کو) فطرہ نہیں دیا جائے گا۔

شرابی اور بے نمازی کو فطرہ نہ دیا جائے اور اس شخص کو بھی فطرہ نہ دیا جائے جو ناجائز کاموں میں خرچ کرتا ہو۔

ایک شخص کو ایک فطرے سے کم نہ دیا جائے۔

فطرہ پہلے اپنے فقیر رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو دے پھر دوسرے فقیروں کا حق ہے، اہل علم دیندار افراد کو پہلے دے۔

اگر کسی کو مستحق فطرہ سمجھ کر فطرہ دیدیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہ تھا تو اگر ممکن ہو تو اس سے واپس لے کر مستحق کو دیدے، اگر واپس لینا ممکن نہ ہو یا وہ مال ختم ہو گیا ہو تو دوبارہ فطرہ ادا کرے۔

رمضان المبارک سے پہلے فطرہ دینا صحیح نہیں ہے، رمضان المبارک میں بھی فطرہ نہ دے لیکن اگر کسی نے دورانِ رمضان فطرہ دیدیا ہے تو وہ جائز ہے۔

نماز عید سے قبل فطرہ دے اور اگر کوئی کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھے تو فطرے کی ادائیگی میں ظہر تک تاخیر کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص فطرہ الگ کر دے تو وہ اسے اپنے مصرف میں لا کر دوسرا مال اس کی جگہ بطور فطرہ نہیں رکھ سکتا۔

## خمس

زکات کے بعد خمس بھی مستحقین کی امداد کے لئے ہے، قرآن کریم میں سورہ

انفال کی اکتالیسویں آیت میں ارشادِ خداوند عالم ہے کہ ”جو بچت تم کسی چیز سے حاصل کرو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ اور رسولؐ کے قرابتداروں (میں) یتیموں مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے، اگر تم اللہ پر اور اس مدد پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کی۔

قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ بچت پر خمس واجب ہے، چنانچہ خمس سات چیزوں پر واجب ہے۔

(۱) کاروبار یا روزگار کا نفع۔

(۲) معدنی کانیں۔

(۳) گڑا ہوا خزانہ۔

(۴) حلال مال جو حرام میں مخلوط ہو جائے۔

(۵) غوطہ خوری سے حاصل ہونے والے موتی مونگے۔

(۶) جنگ میں ملنے والا مالِ غنیمت۔

(۷) وہ زمین جو کافر ذمّی کسی مسلمان سے خریدے۔

ان کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) **کاروبار اور روزگار کا نفع:۔** اس کا تذکرہ ہم سب سے آخر میں کریں گے۔

(۲) معدنی کانیں۔ سونے چاندی سیسے تانبے، پیٹرولیم، کوئلے، فیروزے، عقیق، پھٹکری، نمک کی کانیں انفال کی تعریف میں آتی، ان کے متعلق تفصیل سے مسائل کتابوں میں موجود ہیں، اکثر ہندوستانی مومنین کے پاس ان میں سے کچھ نہیں اس لئے ان کے مسائل طوالت کے خوف سے ہم ترک کر رہے ہیں۔

(۳) **حلال مال جو حرام مال میں مخلوط ہو جائے:** اس کی کئی شکلیں ہیں مثلاً ایک شخص شراب کا کاروبار کرتا ہے اور وہ کاشت کار بھی ہے، دونوں کی آمدنی (یعنی شراب اور زراعت) اتنی مخلوط ہوگئی ہے کہ الگ کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے تو اس شخص کو چاہئے

کہ تمام مال کا خمس ادا کرے اور شراب کا کاروبار بند کرے تو بقیہ مال میں اس کو تصرف کا حق ہے۔

اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ ایک شخص کہ اپنی آمدنی اور اس کے شریک دوسرے شخص کی حرام آمدنی مخلوط ہوگئی ہے اور حرام مال کے مالک اور اس کی مقدار کا بھی اس کو علم نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ تمام مال کا خمس ادا کرے اور ایسے شخص کو خمس ادا کرے جو خمس کا اور مال مجہول المالک کا مستحق ہے، ایسا کرنے کے بعد بقیہ مال اس کے لئے حلال ہے۔

(۴) **گڑا ہوا دفینہ:** وہ مال جو زمین یا درخت یا پہاڑ یا دیوار میں گڑا ہوا ملے اور اس کو دفینہ کہا جاسکے اگر کسی کو ملے اور اس کی مقدار ۱۰۵ر مثقال چاندی یا ۱۵ر مثقال سونا ہو تو اس کا خمس ادا کرنے کے بعد وہ شخص اس دفینے کو استعمال کر سکتا ہے، ایک مثقال ۵۰ء۳ گرام ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص زمین خریدے اور اس میں خزانہ ملے اور اسے یہ معلوم ہو کہ یہ ان کا مال نہیں جن سے زمین خریدی ہے اور اسے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جو خزانے کے مالک تھے وہ مسلمان تھے یا کافر ذمّی تھے، یا ان کے وارث زندہ ہیں یا نہیں تو وہ خزانے کو اپنے قبضے میں لے سکتا ہے، اور اگر خزانہ نصاب کے برابر ہے تو اس کا خمس ادا کرے اور اگر زمین کئی آدمیوں نے یکے بعد دیگرے فروخت کی ہے اور یہ نہیں معلوم کہ ان میں سے کس کا مال ہے تو پھر خزانہ اپنے قبضے میں لے کر اس کا خمس ادا کرے۔

اگر کوئی شخص جانور خریدے اور اس کے پیٹ میں کوئی مال ملے اور یہ گمان ہو کہ یہ مال پہلے مالک کا ہے تو ضروری ہے کہ اسے اطلاع دے اور اگر وہ مال کسی کا نہ ہو تو یہ اس کو لے سکتا ہے لیکن اس کا خمس ادا کرے چاہے وہ مال نصاب سے کم ہی کیوں نہ ہو، اور یہ حکم مچھلی یا مرغی وغیرہ کے متعلق بھی ہے جن کو پالا جاتا ہے لیکن اگر سمندر یا دریا سے مچھلی پکڑے اور اس میں کوئی مال ملے تو پھر وہ مال خمس ادا کرنے کے بعد اس کا ہو جائے گا جس کو ملا ہے۔

**(۵) غوطہ خوری سے حاصل کئے ہوئے موتی وغیرہ:** ۱۸ ر چنے سونے کی قیمت کے برابر ہوں تو ان کا خمس دینا واجب ہے، پانچ چنوں کا وزن ایک گرام مانا جاتا ہے۔

اگر کئی آدمی مل کر غوطہ خوری کریں اور وہاں سے موتی وغیرہ حاصل کریں تو جب تمام غوطہ خوروں میں سے ہر ایک کا حصہ ۱۸ ر چنے سونے کی قیمت کے برابر نہ ہو تو ان پر اس کا خمس دینا واجب نہیں ہے۔

**(۶) مالِ غنیمت:** جو چیزیں جنگ میں ہاتھ لگیں انھیں غنیمت کہا جاتا ہے۔

اگر مسلمان امام علیہ السلام کے حکم سے کفار سے جنگ کریں اور پھر مالِ غنیمت ہاتھ آئے اور اس مال کی نقل وحمل کا خرچ لگانے کے بعد امام علیہ السلام کا حصہ نکالنے کے بعد جو مال بچے، اس کا خمس ادا کیا جائے گا۔

اگر مسلمان امام علیہ السلام کی اجازت کے بغیر کفار سے جنگ کریں اور جنگ میں مالِ غنیمت ملے تو وہ غنیمت امام علیہ السلام کی ملکیت ہے اور جنگ کرنے والوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

امام علیہ السلام کی غیبت میں مسلمان کفار سے جنگ کریں اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے تو اس کا بھی خمس ادا کیا جائے گا۔

**(۷) کافر ذمّی کی خریدی ہوئی زمین:** کافر ذمّی وہ ہوتا ہے جو مسلمان حکومت کی پناہ میں ہو۔

اگر کافر ذمی کوئی زمین کسی مسلمان سے خریدے تو اس کا خمس ادا کرے۔

اگر کافر ذمی مسلمان سے خریدی ہوئی زمین یا دوکان یا مکان کسی دوسرے مسلمان کو بیچ دے تب بھی اس کا خمس ادا کرے۔

**(۱) کاروبار یا روزگار کی بچت پر خمس واجب ہے:** انسان کی جب آمدنی ہو اور پھر اگلے سال اس کے پاس اس روز جو سامان موجود ہو اس پر خمس واجب ہے، مثلاً ایک شخص کی آمدنی پہلی جنوری سے شروع ہوئی تو اگلے سال پہلی جنوری کو جو سامان اس کے گھر میں

موجود ہوگا وہ بچت کہلائے گا، بچت کے متعلق فہرست آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اگر کسی شخص کے پاس کفایت شعاری کی وجہ سے کچھ مال سال بھر کے اخراجات کے بعد بچ جائے تو اسے چاہئے کہ اس کا خمس ادا کرے۔

اگر شوہر خمس نہیں نکالتا ہے اور بیوی کو ذاتی خرچ (جیب خرچ) دیتا ہے تو بیوی کو چاہئے کہ سال پورا ہونے کے بعد اس کے پاس جو کچھ موجود ہو اس کا خمس ادا کرے۔

جو مال کسی فقیر نے بطور خمس اور زکات حاصل کیا ہے اور وہ مال سال بھر کے اخراجات کے بعد بچ گیا ہے تو اس پر خمس ادا کرنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص ایسا مال خریدے جس پر خمس نہیں دیا گیا ہو تو اس کا خمس ادا کرنا بیچنے والے کی ذمہ داری ہے خریدار کے ذمہ کچھ نہیں، یہی حکم تحفے یا عطیہ کا ہے، خمس کا ذمہ دار تحفہ یا عطیہ دینے والا ہے لینے والا نہیں لیکن سال بھر کے بعد اگر وہ تحفہ یا عطیہ بچ جائے تو پھر اب اس بچی ہوئی مقدار کے خمس کی ذمہ داری اس پر ہے جس کے پاس یہ مال موجود ہے۔

اگر کوئی شخص درخت لگائے کہ جب یہ بڑے ہو جائیں گے تو ان کو بیچ ڈالے گا، تو جب وہ ان کو کاٹے تو اسکی آمدنی پر خمس ادا کرے۔

جس شخص پر خمس واجب ہو اور اس نے ادا نہ کیا ہو اور اسی طرح سال گذر جائے اور اس کا خمس ادا کرنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ اپنے مال پر تصرف نہیں کر سکتا ہے اور اگر اس کا خمس ادا کرنے کا ارادہ بھی ہو تو بھی اپنے مال پر تصرف کا حق نہیں ہے۔

پہلے خمس ادا کرے پھر مال پر تصرف کا حق حاصل ہوگا۔

جہاں پر لوگ ہر سال کچھ نہ کچھ جہیز لڑکیوں کے لئے تیار کرتے ہیں تو اس سامان جہیز پر خمس نہیں ہے لیکن اگر اور کوئی شخص دوران سال جہیز خریدے جو اس کی حیثیت سے بڑھ کر ہو یا گذشتہ سال کے منافع سے اگلے سال خریدا ہو تو اس پر خمس ادا کرے۔

خاص محبت کرتے تھے، کیونکہ دونوں ایک خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور فرعون کی خدائی کو نہ مانتے تھے، آپ کی والدہ بھی آپ کی ہم خیال تھیں اور دربار میں حضرت حزقیل اور حضرت آسیہؑ بھی حالتِ تقیہ میں زندگی گذار رہے تھے اور فرعون کو خدا نہ مانتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بھی موقع ملتا خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت واطاعت کی طرف لوگوں کو مائل کرتے، یہ خبریں فرعون تک بھی پہونچیں، ایک دن فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میں تمہارے بارے میں یہ کیسی باتیں سن رہا ہوں؟ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ آپ خود غور کیجئے کہ جب آپ پیدا ہوئے تھے تو مجبورِ محض تھے، دوسروں کے رحم وکرم پر تھے اس حالت میں آپ کیسے خدا ہو سکتے ہیں؟ اب خدا نے آپ کو عزت، سلطنت بخشی ہے تو خدا کا شکر ادا کیجئے اس کی اطاعت وعبادت کیجئے تاکہ آپ کی عزت میں اضافہ ہو، فرعون ان باتوں کو سن کر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ آج تو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں آج کے بعد اگر یہ باتیں سنیں تو میں تمہیں قتل کرادوں گا۔

فرعون کی گفتگو سے حضرت موسیٰؑ کو احساس ہو گیا کہ آپ جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے خفیہ تحریک چلا رہے ہیں اس میں خطرہ بڑھ گیا ہے، فرعون کو طیش میں دیکھ کر حضرت موسیٰؑ نے فیصلہ کیا کہ جان اور ایمان کی سلامتی کے لئے یہاں رہنا مناسب نہیں ہے وہ وہاں سے موقعہ پا کر ایک خچر پر سوار ہو کر چلے گئے ارادہ تھا کہ فرعون کی سلطنت سے باہر جا کر زندگی گذاریں گے آپ راستہ بھول گئے اور ایک ایسے شہر میں پہونچے جو فرعون کی سلطنت میں تھا وہاں دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں، ان میں ایک فرعونی تھا دوسرا اسرائیلی تھا، اسرائیلی کمزور پڑ رہا تھا، حضرت موسیٰؑ کی عادت یہ تھی کہ ظلم اور ناجائز کام کو بالکل برداشت نہ کرتے تھے اسرائیلی نے مدد کے لئے حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کو پکارا، آپ فوراً اس کی مدد کو بڑھے، آپ عظیم ڈیل ڈول کے تھے نہایت طاقتور تھے آپ نے قبطی کی تادیب کے لئے قبطی (یعنی فرعونی) کے سینے پر مکّا مارا، وہ قبطی ایک مکّے میں ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، حضرت موسیٰؑ کا قبطی کو مارنے کا ارادہ تھا مار ڈالنے کا ارادہ نہ

اگر کوئی شخص خمس کے حساب کے لئے قمری سال کے بجائے شمسی سال اختیار کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

خمس نکالنے کا طریقہ سیدھے سادے مومنین کے لئے عرض ہے کہ خمس نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ تاریخ خمس پر گھر میں موجود سامان کی فہرست بنائیں اور جو سامان موجود ہو اس کی مجموعی قیمت کا پانچواں حصہ خمس ادا کریں۔

خمس کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ سہمِ امام علیہ السلام کہلاتا ہے۔ دوسرا حصہ سہمِ سادات کرام کہلاتا ہے۔

پہلا حصہ امام علیہ السلام کو دیا جائے گا، اور غیبت امام علیہ السلام میں نائب امام علیہ السلام کو دیا جائے گا، یا اس شخص کو دیا جائے گا جس کو نائب امام نے سہمِ امام علیہ السلام صرف کرنے (استعمال کرنے) کی اجازت دے رکھی ہے۔

دوسرا حصہ سہمِ سادات کرام کا حق ہے، یہ غریب سادات کو دیا جائے گا۔

اگر کوئی سید شیعہ نہیں (سنی) ہے تو اس کو خمس نہیں دیا جائے گا۔ اگر کوئی سید رقمِ خمس کو گناہ کے کاموں میں استعمال کرتا ہو تو اس کو بھی خمس نہیں دیا جائے گا۔ علی الاعلان گناہ میں داڑھی مونڈنا اور بے پردگی اختیار کرنا بھی شامل ہے۔

جو شخص کہے کہ میں سید ہوں اس کا اعتبار نہ کیا جائے جب تک دو عادل آدمی اس کے سید ہونے کی گواہی نہ دیں۔

اگر کوئی شخص غریب نہیں ہے لیکن سفر میں لاچار ہو گیا ہے، اور اس کا سفر گناہ کا سفر نہیں ہے، تو اس کو خمس دیا جا سکتا ہے۔

وہ شخص سید ہے جس کا باپ سید ہو چاہے ماں سیدانی نہ ہو۔

**اب ہم آتے ہیں خمس نکالنے کی طرف:**

کسی بھی گھر میں سامان دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو استعمال سے کم نہیں ہوتا، جیسے چارپائی چادر، بستر، برتن، زیور وغیرہ۔

دوسرا وہ سامان ہوتا ہے جو استعمال سے کم ہو جاتا ہے جیسے گندم دالیں، آٹا، چاول چینی، نمک مرچ اچار، مربّے، چٹنیاں، تیل صابن اور دیگر اشیاء خوردنی وغیرہ

جو چیزیں استعمال سے کم نہیں ہوتیں اور وہ تاریخ خمس پر بغیر استعمال کی ہوئی شکل میں موجود ہیں، تو ان کا خمس نکالنا ہوگا، لیکن اگر وہ استعمال ہو چکی ہیں تو ان کا خمس نہیں نکلے گا ان پر صرف اس شکل میں خمس واجب ہوگا جب ان چیزوں کو ایسی رقم سے خریدا گیا ہو جس کا خمس نہیں ادا کیا تھا، اس لئے ان چیزوں پر صرف ایک مرتبہ خمس ادا کرنا ہوگا۔

استعمال کرنے سے کم ہونے والے سامان کی ہم ذیل میں فہرست تحریر کر رہے ہیں، اس فہرست کی مدد سے خمس نکالئے اگر اس فہرست میں کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو اس کا اضافہ کر دیجئے۔

فرض کیجئے تمام سامان جو تاریخ خمس پر آپ کے گھر میں موجود تھا اس کی قیمت ایک ہزار روپے ہوئی تو آپ اس کا پانچواں حصہ یعنی دوسو روپے خمس ادا کیجئے، اس دوسو روپے میں سو روپے سہمِ امام علیہ السلام ہے اور سو روپے سہمِ سادات کرام ہے۔

دوسو روپے خمس ادا کرنے کے بعد آٹھ سو روپے جو آپ کے پاس بچے یہ مال مخمس ہے یعنی جس کا خمس ادا کیا جا چکا ہے۔

آئندہ سال پھر آپ نے تاریخ خمس، پر حساب کیا فرض کیجئے اس مرتبہ کل سامان بارہ سو روپے کا ہوا تو اس میں آٹھ سو روپے وہ ہیں جو مال مخمس ہیں اس طرح چار سو روپے زائد ہوئے اس سال آپ کو صرف چار سو روپے کا خمس ادا کرنا ہے، یعنی صرف اَسی ۸۰ روپے، اب آپ کا مال مخمس گیارہ سو بیس روپے ہوا۔

اس سے اگلے سال پھر آپ نے تاریخ خمس پر حساب کیا اس مرتبہ کل سامان گیارہ سو روپے ہوا، گذشتہ سال کا مال مخمس گیارہ سو بیس روپے تھا، اس سال مال مخمس زیادہ نہیں ہوا، اس لئے آپ پر اس سال خمس واجب نہیں ہوا۔

آئندہ سال پھر آپ نے تاریخ خمس پر حساب کیا اور اس مرتبہ کل سامان چودہ سو روپے ہوا یعنی کہ سالِ گذشتہ سے تین سو روپے زائد تو پھر آپ تین سو روپے کا خمس ساٹھ روپے ادا کریں، اور آپ کا مال مخمس تیرہ سو چالیس روپے ہوا اس طرح آپ پابندی سے مذکورہ طریقے سے خمس ادا کریں۔

# خمس کی فہرست

| نمبر شمار | نام اشیاء | قیمت | | نمبر شمار | نام اشیاء | قیمت | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | | پیسے | روپیہ | | | پیسے | روپیہ |
| ۱ | نقد (گھر میں یا بینک میں یا چیک کی صورت میں) | | | ۲۴ | مشینری کا نکلا تیل | | |
| ۲ | گیہوں | | | ۲۵ | چینی | | |
| ۳ | چنا | | | ۲۶ | گڑ، راب، شکر وغیرہ | | |
| ۴ | مٹر | | | ۲۷ | مٹھائیاں، برفی قلاقند وغیرہ | | |
| ۵ | دال مسور | | | ۲۸ | ریوڑی، گجک وغیرہ | | |
| ۶ | دال اُڑد | | | ۲۹ | چاکلیٹ، ٹافی وغیرہ | | |
| ۷ | دال چنا | | | ۳۰ | دودھ، بالائی ماوا وغیرہ | | |
| ۸ | دال ارہر | | | ۳۱ | دہی، پنیر، ربڑی وغیرہ | | |
| ۹ | دال مونگ | | | ۳۲ | گوشت مچھلی وغیرہ | | |
| ۱۰ | جو | | | ۳۳ | انڈا | | |
| ۱۱ | چاول کنکیاں، مونجی | | | ۳۴ | سبزیاں، لوکی، گوبھی وغیرہ | | |
| ۱۲ | آٹا | | | ۳۵ | گاجر، مولی شلجم، شکرقند | | |
| ۱۳ | میدہ | | | ۳۶ | آلو، ٹماٹر، ساگ وغیرہ | | |
| ۱۴ | سوجی | | | ۳۷ | الائچی چھوٹی بڑی | | |
| ۱۵ | بیسن | | | ۳۸ | دھنیا، زیرہ، سفید سیاہ | | |
| ۱۶ | روٹی، ڈبل روٹی سوکھی روٹی | | | ۳۹ | پھٹکری نمک، سوڈا، وغیرہ | | |
| ۱۷ | ستو | | | ۴۰ | میتھی، خشخاش | | |
| ۱۸ | بسکٹ پاپا وغیرہ | | | ۴۱ | کھٹائی، دار چینی | | |
| ۱۹ | دال موٹ نمک پارہ وغیرہ | | | ۴۲ | ہلدی | | |
| ۲۰ | گھی اصلی ڈالڈا، مکھن | | | ۴۳ | مرچ، سیاہ مرچ | | |
| ۲۱ | تیل سرسوں وغیرہ کا | | | ۴۴ | آم، امرود، کیلا وغیرہ | | |
| ۲۲ | تیل سر میں لگانے کا | | | ۴۵ | ناریل مکھانے وغیرہ | | |
| ۲۳ | تیل مٹی کا پٹرول، ڈیزل | | | ۴۶ | بادام چھوہارہ وغیرہ | | |
| | | | | ۴۷ | مونگ پھلی، چلغوزہ وغیرہ | | |

| نمبر شمار | نام اشیاء | قیمت پیسے | قیمت روپیہ | نمبر شمار | نام اشیاء | قیمت پیسے | قیمت روپیہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۴۸ | کتھا، چوناوغیرہ | | | ۷۲ | عطر، سینٹ وغیرہ | | |
| ۴۹ | تمباکو کھانے کا پینے کا | | | ۷۳ | اسٹیپر پن، آل پن | | |
| ۵۰ | بیڑی، سگریٹ | | | ۷۴ | گوند، | | |
| ۵۱ | پان مسالہ وغیرہ | | | ۷۵ | ٹیپ چپکانے کی | | |
| ۵۲ | پان، چھالیہ وغیرہ | | | ۷۶ | رنگ سفیدی وغیرہ | | |
| ۵۳ | کوئیلہ لکڑی کا، کوئیلہ پتھر کا | | | ۷۷ | سرمہ کاجل مسی وغیرہ | | |
| ۵۴ | لکڑی، جلانے کی فرنیچر کی | | | ۷۸ | سیل، ٹارچ وغیرہ | | |
| ۵۵ | لکڑی کا برادہ وغیرہ | | | ۷۹ | پالش | | |
| ۵۶ | گیس، سلینڈر وغیرہ | | | ۸۰ | منجن، ٹوتھ پیسٹ وغیرہ | | |
| ۵۷ | لائیٹر کے پتھر، | | | ۸۱ | بغیر استعمال ہوئے زیور | | |
| ۵۸ | ماچس | | | ۸۲ | غیر مستعمل برتن | | |
| ۵۹ | بھس، پرالی وغیرہ | | | ۸۳ | غیر مستعمل موزہ، ٹوپی صافہ | | |
| ۶۰ | کھل، گھاس پات وغیرہ | | | ۸۴ | غیر مستعمل بٹن بیلٹ وغیرہ | | |
| ۶۱ | دوائیں، مرہم | | | ۸۵ | نئے کپڑے، سلے بے سلے | | |
| ۶۲ | صابن، سرف، | | | ۸۶ | دیگر سامان غیر مستعمل | | |
| ۶۳ | چائے | | | ۸۷ | کریم پاؤڈر وغیرہ | | |
| ۶۴ | اگربتی، موم بتی وغیرہ | | | ۸۸ | موبل آئل وگریس | | |
| ۶۵ | چاٹ مسالہ | | | ۸۹ | ناخن پالش لپ اسٹک وغیرہ | | |
| ۶۶ | کیوڑہ وغیرہ | | | ۹۰ | شربت روح افزاوغیرہ | | |
| ۶۷ | برف آئیس کریم | | | ۹۱ | شیونگ کریم، بلیڈ خرچ | | |
| ۶۸ | روشنائی، رفل وغیرہ | | | ۹۲ | کیمپا کولا، تھمس اپ وغیرہ | | |
| ۶۹ | کاغذ، لفافہ، پوسٹ کارڈ | | | ۹۳ | سرسوں توڑیا وغیرہ | | |
| ۷۰ | سوت، تاگہ وغیرہ | | | ۹۴ | سن | | |
| ۷۱ | کپاس روئی بنولا وغیرہ | | | ۹۵ | پینسل | | |

# بعض مسائل

**کاروبار:** انسان کو چاہئے کہ بیوی اور بچوں کے اخراجات کے لئے کاروبار کرے،

کاروبار کرنا مستحب ہے۔

کاروبار میں مسلمان خریداروں کے درمیان فرق نہ کرے۔

زیادہ مہنگا نہ بیچے۔

جو چیز بیچ رہا ہے وہ کچھ زیادہ دے (جھکتا ہوا تولے) اور جو چیز خرید رہا ہے وہ کچھ کم لے (پلڑا ذرا اٹھتا ہوا ہو)

گاہک اگر خریدنے کے بعد پشیمان ہو کر واپس کرنا چاہے تو واپس لے لے،

جائیداد کا بیچنا مکروہ ہے، سوائے اس حال میں کہ اس جائیداد کو بیچ کر دوسری جائیداد خریدے۔

کفن بیچنا مکروہ ہے، پست لوگوں سے معاملہ کرنا مکروہ ہے، اذان صبح سے سورج نکلنے کے درمیان معاملہ کرنا مکروہ ہے، گندم جو اور انھیں جیسی دوسری چیزوں کی خرید و فروخت کو اپنا پیشہ قرار دینا مکروہ ہے۔

اگر کوئی شخص کچھ خرید رہا ہو بیچ میں دخل اندازی کر کے خود خریدار بننا مکروہ ہے

عین نجاست مثلاً شراب، یا دیگر نشہ آور مشروبات، غیر شکاری کتے مردار اور سور کی خرید و فروخت حرام ہے۔

غصبی مال خریدنا حرام ہے، ایسا لین دین جس میں سود ہو حرام ہے۔

ایسی چیزیں جو صرف حرام کاموں میں استعمال ہوں اس کی خرید و فروخت حرام ہے۔ جیسے جوئے کے آلات۔

ملاوٹ کر کے بیچنا حرام ہے، جبکہ ملاوٹ کا پتہ خریدار کو نہ چل سکے، لہو ولعب کے آلات کی خرید و فروخت حرام ہے مثلاً ساز کے تار۔ بہتر ہے کہ چھوٹے بچوں کے کھلونے

جو ساز والے ہوتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔

بینک کی ملازمت حرام ہے لیکن اگر سودی حساب نہیں کر رہا ہے مثلاً جھاڑو لگاتا ہے تو جائز ہے۔

چوری یا جوئے میں حاصل کی گئی چیز کا خریدنا حرام ہے۔

لین دین میں قسم کھانا اگر سچی ہو تو مکروہ ہے اگر جھوٹی ہو تو حرام ہے۔

**بالغ ہونے کی نشانیاں:** لڑکے کی عمر جب پندرہ قمری سال ہو جائے تو بالغ مانا جائے گا، لڑکی کی عمر جب نو قمری سال ہو جائے بالغ مانی جائے گی۔ بالغ ہونے کی دوسری نشانی یہ ہے کہ پیٹ کے نیچے اور شرمگاہ سے اوپر سخت بالوں کا اُگنا، تیسری نشانی یہ ہے کہ منی کا سوتے جاگتے میں نکلنا ان علامات کے بعد لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں، اب ان پر احکامِ شریعت نافذ ہو گئے، نماز روزہ وغیرہ واجب ہو گئے۔

**قرض کے احکام:** ۔قرض دینے کی تاکید شریعت میں آئی ہے، مسلمان بھائی کو قرض دینے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے، ملائکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، قرض دینے والا اگر مقروض سے نرمی برتے تو بغیر حساب کے اور تیزی سے پل صراط پر سے گذر جائے گا، اگر کوئی مسلمان بھائی قرض مانگے اور وہ دینے کی استطاعت ہونے کے باوجود نہ دے تو بہشت اس پر حرام ہے۔

اگر قرض خواہ اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضہ کرے اور مقروض ادا کر سکتا ہو تو فوراً ادا کرے۔ قرض ادا کرنے میں دیر کرے گا تو گہنگار ہوگا۔

جو مقروض ہو اور قرض ادا نہ کر سکتا ہو وہ اگر کوئی کام کر سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ کام کر کے اپنا قرض ادا کرے۔

سود لینا اور سود دینا دونوں حرام ہیں۔

اگر کوئی کسی کو قرض دے کر زیادہ لے تو وہ سود ہے، مثلاً اگر کوئی دس انڈے قرض دے اور کہے کہ میں گیارہ انڈے واپس لوں گا تو یہ سود ہے اور حرام ہے، یا اگر قرض دیتے

وقت یہ کہے کہ دس انڈے دیکر واپس تو دس انڈے ہی لوں گا لیکن اس کے ساتھ تمہیں فلاں کام بھی کرنا ہوگا، یہ کام چونکہ اضافہ ہے اس لئے سود ہے اور حرام ہے ہاں اگر قرض لینے والا قرض واپس کرتے ہوئے بغیر کسی شرط کے اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر کے واپس کرے تو یہ سود نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

**امانت:**۔ جو شخص کسی کے پاس کوئی امانت رکھے تو وہ اپنی امانت کو جس وقت چاہے واپس لے سکتا ہے اسی طرح جب امانت کا مالک امانت واپس مانگے تو امانت رکھنے والے کو چاہئے کہ فوراً واپس کردے، اگر مال کا مالک مرجائے تو امانت دار کو چاہئے کہ امانت اس کے وارث کو پہونچائے یا اس کے وارث کو امانت کی اطلاع دے، اگر امانت دار نے واپس کرنے میں یا وارث کو خبر کرنے میں دیر کی اور امانت ضائع ہوگئی تو امانت دار ذمہ دار ہوگا۔

جو امانت قبول کرے اور وہ مرجائے تو اس کے وارث کو چاہئے کہ جس قدر جلد ہو مال کے مالک کو اطلاع دے، کہ اپنی امانت لے لو یا خود جا کر واپس کرے۔

**کھانا کھانے کے احکام:** (۱) کھانا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے (۲) کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے اور رومال سے خشک کرے (۳) میزبان سے پہلے کھانا شروع کرے اور سب کے بعد کھانے سے ہاتھ کھینچے (۴) کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے اگر دسترخوان پر کئی قسم کے کھانے ہوں تو ان میں سے ہر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے (۵) کھانا دائیں ہاتھ سے کھائے (۶) تین یا زیادہ انگلیوں سے کھانا کھائے اور دو انگلیوں سے نہ کھائے (۷) اگر چند افراد دسترخوان پر بیٹھے ہوں (اور بڑی سینی یا تھال میں کھا رہے ہوں) تو ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے (۸) چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر کھائے (۹) کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے (۱۰) دسترخوان پر زیادہ دیر بیٹھے اور کھانے کو طول دے (آہستہ آہستہ) کھائے (۱۱) کھانا کھانے کے بعد اللہ کا شکر بجالائے (۱۲) انگلیوں کو چاٹے (۱۳) کھانے کے بعد خلال کرے (۱۴) جو غذا دسترخوان پر گر جائے اسے جمع کر کے کھالے اگر جنگل میں کھا رہا ہے تو گری ہوئی غذا

پرندوں اور جانوروں کے لئے چھوڑ دے (۱۵) دن اور رات کی ابتداء میں کھانا کھائے اور دن کے درمیان میں رات کے درمیان نہ کھائے (۱۶) کھانا کھانے کے بعد (کچھ دیر کے لئے) پیٹھ کے بل لیٹے اور دایاں پاؤں بائیں پاؤں پر رکھے۔(۱۷) کھانا شروع کرتے وقت اور کھانے کے بعد نمک چکھے (۱۸) پھل کھانے سے پہلے انھیں پانی سے دھولے (۱۹) جس دسترخوان پر شراب پی جارہی ہو وہاں نہ بیٹھے اور اس دسترخوان پر چنی ہوئی کوئی چیز بھی کھانا حرام ہے۔

**کھانا کھاتے وقت یہ باتیں مذموم ہیں:** (۱) پیٹ بھرے پر کھانا کھانا (۲) بہت زیادہ کھانا۔ روایت میں ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک بہت زیادہ کھانا سب سے بری چیز ہے (۳) کھانا کھاتے وقت دوسروں کی طرف دیکھنا (۴) گرم کھانا کھانا (۵) انسان جو چیز کھایا پی رہا ہو اسے پھونک مارنا (۶) دسترخوان پر روٹی آجانے کے بعد کسی اور چیز کا منتظر ہونا (۷) روٹی کو چھری سے کاٹنا (۸) روٹی کو کھانے کے برتن کے نیچے رکھنا (۹) ہڈی سے چپکے ہوئے گوشت کو یوں صاف کرنا کہ ہڈی پر گوشت باقی نہ رہے (۱۰) پھل کا چھلکا اُتارنا (۱۱) پھل پورا کھانے سے پہلے پھینک دینا۔

**پانی پینے کے آداب:** (۱) پانی چوسنے کی طرز پر پیئے (۲) دن میں کھڑے ہو کر پیئے (۳) پانی پینے سے پہلے بسم اللہ اور پینے کے بعد الحمد للہ پڑھے (۴) پانی تین سانس میں پیئے (۵) پانی خواہش کے مطابق پیئے (یعنی بلا ضرورت نہ پیئے) (۶) پانی پینے کے بعد امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل البیت کو یاد کرے ان پر صلوات بھیجے اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرے۔

**پانی پیتے وقت یہ باتیں مذموم ہیں:** (۱) زیادہ پانی پینا (۲) مرغن (زیادہ چکنی) غذا کھانے کے بعد پانی پینا (۳) رات کو کھڑے ہو کر پانی پینا (۴) پانی بائیں ہاتھ سے پینا (۵) کوزے کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے پانی پینا اور اس جگہ سے پانی پینا جہاں کوزے کا دستہ ہو وہاں سے پینا مذموم ہے۔

**نذر اور عہد کے احکام:** نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر واجب کرلے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی اچھا کام کرے گا یا کوئی ایسا کام ترک کرے گا جو اب تک کر رہا تھا لیکن اس کا کرنا اچھا نہ تھا، اب اس کو نہ کرے گا۔ مثلاً کوئی شخص نذر کرے کہ اگر میرا اں فلاں کام ہو گیا تو میں دس رکعت نماز پڑھوں گا اور فضلِ خدا سے وہ کام ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نذر پوری کرے یعنی دس رکعت نماز ادا کرے۔

یا یہ کہ کوئی شخص نذر کرے کہ اگر میرا اں فلاں کام ہو گیا تو میں جو نماز پڑھنے میں سستی کیا کرتا تھا اب نہ کروں گا، خدا کے فضل سے وہ کام ہو جائے تو اُسے چاہئے کہ نماز پڑھنے میں سستی کرنا بند کرے اول وقت نماز ادا کرے۔

اگر کوئی ایسی نذر کرے کہ کوئی حرام یا مکروہ کام کرے گا تو اس کی نذر صحیح نہیں ہے ، مثلاً کوئی یہ نذر کرے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو میں داڑھی مونڈوں گا تو ایسی نذر صحیح نہیں ہے ، داڑھی مونڈے گا تو گناہگار ہوگا، اسی طرح ایسی نذر بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں واجب کام یا فلاں مستحب کام جو کرتا ہوں، اب نہ کروں گا، ایسا کرنے والا گناہگار ہے۔

**نیاز:** ہندوستان و پاکستان وغیرہ میں اہل سنت سے ہوتے ہوئے نیاز شیعوں میں آگئی ہے کہ مٹھائی سامنے رکھ کر نیاز دی اور کھالی یہ چیز شریعت میں نہیں ہے جو چیز شریعت میں نہیں ہے اس کا کوئی ثواب نہیں، اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔

**قسم کھانے کے احکام:** اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں کام انجام دے گا یا سگریٹ بیڑی نہ پیے گا اگر جان بوجھ کر قسم کے خلاف کرے تو اسے چاہئے کہ کفارہ دے ایک غلام آزاد کرے یا دس فقیروں کو کھانا کھلائے یا دس فقیروں کو لباس پہنائے ، اگر یہ نہ کر سکے تو تین دن لگاتار روزے رکھے۔

اگر باپ فرزند کو یا شوہر بیوی کو قسم کھانے سے روکے اور پھر بھی وہ قسم کھالے تو وہ قسم صحیح نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ظالم کے شر سے بچانے کے لئے جھوٹی قسم کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بعض وقت ایسی قسم کھانا واجب ہو جاتا ہے، بہتر ہے کہ ایسے وقت میں توریہ کرے، مثلاً کوئی ظالم کسی مسلمان کو اذیت دینے کی خاطر پتہ دریافت کرے اور وہ جانتا ہے اس کا پتہ (لیکن دل میں یہ خیال کرے کہ اس وقت وہ کہاں ہے اور) زبان سے کہے کہ میں اس کا پتہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔

**لباس کے متعلق ہدایات شرعی:** مومن کو لازم ہے کہ مومن سے ملاقات کے وقت اچھا لباس پہنے جس طرح اجنبی کے سامنے وہ اچھے لباس میں ہوتا ہے، جب اللہ نے مومن کو نعمتیں عطا کی ہیں تو ان کا اظہار بھی ضروری ہے (یعنی اچھے رکھ رکھاؤ کے ساتھ زندگی گذارے، ایسا نہ ہو کہ کنجوسی کی وجہ سے موٹا جھوٹا کمتر لباس پہنے رہے)

مردوں کو خالص ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، حتی کہ ٹوپی اور جیب بھی ریشم کی نہ ہو۔

ان حیوانات کی کھال کے کپڑے (جیکٹ وغیرہ) بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہیں جن کو پاک نہیں کیا جا سکتا، جیسے کتا وغیرہ۔ حریر (ایک باریک کپڑا) پہننے کو بھی شریعت نے منع کیا ہے۔

کپڑوں میں سب سے اچھا رنگ سفید ہے، پھر زرد، پھر سبز، پھر ہلکا سرخ اور نیلا اور عدسی، گہرا سرخ پہننا مکروہ ہے، خاص طور سے نماز میں مکروہ ہے، **اور سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا ہر حال میں سخت مکروہ ہے۔** سوائے عمامہ اور موزہ اور عبا کے مگر عمامہ اور عبا بھی اگر سیاہ نہ ہو تو بہتر ہے۔

یہ جو ہندوستان و پاکستان میں ایامِ عزا میں سیاہ رنگ کے لباس کا چلن ہے، اس کی کوئی شرعی سند نہیں ہے، جس کی تازہ شادی ہوئی ہو وہ مرد سرخ رنگ پہن سکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ سیاہ کپڑا نہ پہنو یہ رنگ فرعون کا ہے، ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میں کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا کہ کالی ٹوپی سے نماز نہ پڑھو وہ اہل جہنم کا لباس ہے، کالے رنگ کی اجازت (مشکل

تھا، اس کے گرتے ہی حضرت موسیٰؑ کی زبان پر آیا کہ یہ شیطانی عمل تھا۔

شیطانی عمل سے بعض ناعاقبت اندیش افراد نے یہ مراد لیا ہے کہ یہ گناہ تھا، ایسا نہیں ہے حضرت موسیٰؑ کا مقصد یہ تھا کہ فرعون کے خلاف جو خفیہ تحریک چلائی جا رہی تھی وہ اب نہ چلائی جا سکے گی اور مجھے یہاں سے جانا پڑے گا شیطانی عمل اس معنی میں ہے کہ وقت سے پہلے ظالم کی موت ہوگئی اور تحریک میں رخنہ پڑ گیا، شیطانی عمل سے مراد گناہ ہرگز نہیں۔

پھر آپ نے استغفار کی (کہ غیر ارادی قتل سے تبلیغ میں رخنہ پڑ گیا)، اگلے روز پھر وہی اسرائیلی دوسرے قبطی شخص سے لڑتا دکھائی دیا، چنانچہ لڑائی چھڑانے کے لئے آپ آگے بڑھے، اب حضرت موسیٰؑ کو اس قبطی نے اپنی طرف آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ خیر نہیں ہے، فوراً چلایا کہ موسیٰ کل تم ایک شخص کو مار چکے ہو اب کیا مجھے بھی مارنا چاہتے ہو؟ کیا تم ظالم و جابر افراد میں ہونا چاہتے ہو؟ کیا تم مصلحین میں سے نہیں ہو؟ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ دونوں سے باز آئے۔

اس قبطی کے شور مچانے سے کل والے قبطی کے مرنے کی خبر فرعون کو ہوگئی، وہ بہت ناراض ہوا، اور اس نے حضرت موسیٰؑ کی گرفتاری اور قتل کا حکم دیدیا۔

حضرت حزقیل علیہ السلام جو تقیے میں تھے انھوں نے دوڑ کر حضرت موسیٰؑ کو پیغام دیا کہ آپ فرعونیوں سے بھاگ کر اپنی جان بچایئے وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، پس آپ مصر سے خوف کے عالم میں نکلے اور مدین پہونچے کیونکہ آپ بے سروسامانی میں جلدی میں مصر سے نکلے تھے اس لئے زادِ راہ ساتھ نہ لے سکے اور راہ میں درختوں کے پتے کھا کر بھوک کو مٹایا جس سے آپ کو کافی نقاہت ہوئی۔

فرعونیوں نے فرعون کو خبر دی کہ حزقیل آپ کے چچا کا بیٹا ضرور ہے لیکن آپ کو خدا نہیں مانتا ہے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا ہے، فرعون نے حضرت حزقیل سے لوگوں کی شکایت کے بارے میں تذکرہ کیا، حضرت حزقیل نے فرعون سے کہا

سے )صرف موزہ اور عمامہ اور عبا کے لئے ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ہدایت کی ہے کہ اپنا پیرہن اور پاجامہ نیچا نہ کرنا یہ تکبر کی علامت ہے، امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کپڑے ایڑی سے گذر کر نیچے پہونچے وہ آتش جہنم میں ہے۔

مردوں کے لئے عورتوں کا مخصوص لباس مثلاً مقنعہ، نقاب، محرم (برا) غرارہ وغیرہ پہننا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کو مردوں کا مخصوص لباس جیسے ٹوپی، عمامہ، قبا، پہننا حرام ہے۔

اسی طرح کفار کے مخصوص لباس جن کو دیکھ کر یہ شناخت نہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہے پہننا جائز نہیں ہے جیسے زنار۔

خداوند عالم نے انبیاء کے پاس وحی بھیجی کہ مومنین و مومنات سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کے سے کھانے نہ کھائیں ان جیسے کپڑے نہ پہنیں اور ان کے رسم ورواج کو نہ برتیں، ورنہ یہ بھی میرے دشمنوں کے مانند ہو جائیں گے۔

پاجامہ بیٹھ کر پہنو کھڑے ہو کر نہ پہنو یہ اکثر غم والم اور ہلاکت ومرض کا سبب ہوتا ہے اور قبلہ کی طرف مونہہ کر کے اور آدمیوں کی طرف مونہہ کر کے پاجامہ نہ پہنو پاجامہ پہننے سے پہلے قمیص پہنو۔

مسلمان عورت کے لئے ایسا لباس اور نقاب جائز نہیں جس میں بدن جھلکتا رہے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مقنعہ اس قدر لمبا تھا کہ ان کے نصف بازو تک پہونچتا تھا، سب عورتوں کو چاہئے کہ ایسا ہی مقنعہ بنائیں۔

اچھا لباس معمولی موقعوں پر پہننا اسراف ہے، اجلے کپڑے پہننے سے رنج وغم دور ہوتا ہے، نماز قبول ہوتی ہے۔

**موزے اور جوتوں کے متعلق ہدایات:** جوتے کے رنگوں میں سب سے اچھا رنگ

زرد ہے اس کے بعد سفید، سیاہ جوتا نہ پہنے اس سے رنج وغم ہوتا ہے قوت باہ سست ہوتی ہے ، بینائی ضعیف ہوتی ہے ، جوتا پہننے کی ابتداء دائیں پیر سے کرنی چاہئے کھڑے ہوکر جوتا پہننا مکروہ ہے۔ (یعنی وہ جوتا جس میں فیتے باندھنے ہوتے ہیں)

جب آدمی بیٹھے تو جوتے اُتار دے، سنت ہے کہ جوتے کی ایڑی پنجہ سے بلند ہو ،موزے کے رنگوں میں سب سے بہتر سیاہ رنگ ہے اور سفر کی حالت میں موزے کا رنگ سرخ ہونا بہتر ہے لیکن سکونت کی حالت میں موزے کا سرخ رنگ مکروہ ہے، موزہ پہننے میں بھی دائیں پیر سے ابتداء کرے۔

**انگوٹھی پہننے کے آداب:** انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنے بائیں ہاتھ میں پہننے کی بھی اجازت ہے لیکن دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا پیغمبروں کی سنت ہے، کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں انگوٹھی پہننے کی ممانعت آئی ہے، انگلیوں کے پوروں میں چھلے پہننا قوم لوط کا فعل ہے، اس سے بچنا چاہئے، مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، خواہ شادی ہی میں کیوں نہ ملی ہو، فولاد اور پیتل کی انگوٹھی عورت مرد دونوں کے لئے مکروہ ہے، انگوٹھی صرف چاندی کی ہونی چاہئے، عورتوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے کی مکمل اجازت ہے۔

انگوٹھی میں اگر عقیق ہو تو بہتر ہے، اس کا ثواب ہے عقیق کسی بھی رنگ ہو کافی ہے، عقیق کی انگوٹھی کے بہت سے فضائل ہیں اختصار کی وجہ سے یہاں پر ان کو نہیں لکھا گیا ہے۔ عقیق کے بعد یاقوت، زبرجد، زمرد اور فیروزے کی انگوٹھیوں کے لئے احادیث ہیں اختصار کی وجہ سے ان کو ترک کیا گیا ہے، لیکن فضیلت میں عقیق سب سے زیادہ ہے۔

انگوٹھی پر متبرک نقش ہو تو بیت الخلاء میں جاتے وقت اس کو اُتار دے۔

**سرمہ لگانے کے آداب:** جو شخص خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لایا ہے اسے لازم ہے کہ سرمہ لگایا کرے۔

سرمہ لگانے سے منھ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے پلکیں مضبوط ہوتی ہیں، بینائی تیز ہوتی ہے، جماع کی قوت بڑھتی ہے، رات کو سرمہ لگانا باعثِ منفعت اور دن میں لگانا موجبِ زینت

ہے، رسول اکرمؐ سوتے وقت طاق سلائیاں دونوں آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔

**عورتوں کا زیور:** احادیث میں ہے کہ عورتوں کو زیور سے خالی رکھنا مناسب نہیں ہے کم از کم گلے میں ایک گلوبند ہی ہو اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ان کے ہاتھ مہندی سے خالی رہیں خواہ کیسی ہی بڑھیا ہو۔

عورتیں اور نابالغ بچے سونے کا زیور پہن سکتے ہیں، بالغ ہونے کے بعد لڑکوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے، عورتوں کو سونا پہننا جائز ہے۔

**عورتوں اور مردوں کا خضاب:** مردوں کے لئے سر اور داڑھی کا خضاب کرنا مسنون ہے، اور عورتوں کے لئے سر کے بالوں میں خضاب اور ہاتھوں پاؤں میں مہندی لگانے کی تاکید ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم دیا ہے خواہ سہاگن ہوں یا بیوائیں سہاگنوں کو مناسب ہے کہ خاوندوں کے لئے زینت کریں اور بیوائیں اس نیت سے کہ ان کے ہاتھ مردوں کے مشابہ نہ رہیں۔

رسولِ خداؐ سے منقول ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے بہتر خضاب سیاہ رنگ کا ہے جو حالت جنابت میں ہو اس کا خضاب کرنا مکروہ ہے، اور خضاب لگائے ہوئے جنب ہونا بھی مکروہ ہے، حالت حیض میں خضاب کرنا مکروہ ہے:

**ازدواج سے متعلق شرعی ہدایات:** تین چیزیں پیغمبروں کی سنت میں داخل ہیں:

(۱) خوشبو سونگھنا (۲) جو بال بدن پر زیادہ ہوں ان کو دور کرنا (۳) عورتوں سے مانوس ہونا اور ان سے مقاربت کرنا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مال اور حسن و جمال کے لئے نکاح کرے گا وہ دونوں سے محروم رہے گا اور جو شخص پرہیزگاری اور دین کے نفع کے لئے نکاح کرے گا اللہ اس کو مال بھی دے گا اور جمال بھی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ پاک دامن عورت اور بدکار عورت کبھی برابر نہیں ہو سکتی، پاک دامن عورت سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور بدکار عورت مٹی سے بھی زیادہ

بدتر ہے، بلکہ مٹی اس سے بہتر ہے، عورت کی بدترین صفت یہ ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہو۔

جب کوئی شخص نکاح کی درخواست کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز ادا کرے، حمد الٰہی کرے اور دعا کرے کہ اے اللہ میرا ارادہ نکاح کا ہے مجھے ایسی عورت عطا فرما کہ جو اپنے نفس کی محافظ ہو (یعنی پاک دامن ہو) میرے مال کی حفاظت کرنے والی ہو میرے لئے (اس کی وجہ سے) وسعت رزق اور برکت میں سب سے بڑھی ہوئی ہو مجھے اس کے بطن سے پاکیزہ فرزند عطا کیجو جو میری زندگی میں اور مرنے کے بعد میری نیک یادگار رہو۔

**نکاح کا بہتر وقت رات کا ہے:** دوپہر سخت گرمی میں نکاح سے پرہیز کرے، خدشہ ہے کہ زن وشوہر میں جدائی ہو۔ قمر در عقرب میں نکاح اور زفاف نہ کرے، تحت الشعاع میں نکاح نہ کرے (تحت الشعاع سے مراد یہ ہے کہ جب چاند کچھ مدت کے لئے نظر نہیں آتا ہے اور پھر جب نظر آتا ہے تو چاندرات ہوتی ہے، نکاح اور منگنی کے لئے بہتر دن روز جمعہ ہے)

**جماع:** حالتِ حیض میں اور حالتِ نفاس میں جماع کرنا حرام ہے، وطی فی الدّبر (یعنی عورت کے پیچھے سے کرنا) سے پرہیز کرے، بعض علماء تو حرام کہتے ہیں، منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں ہمبستری مناسب نہیں ہے۔

مہینے کے اول آخر اور درمیان میں جماع سے پرہیز کرے اگر اس درمیان جماع کیا تو اسقاط حمل ہوگا اور اگر اولاد ہوئی تو دیوانگی میں مبتلا ہوگی، یا مرگی میں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مرگی کا دورہ اول ماہ میں یا درمیان میں یا آخر ماہ میں ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ دشمن اہل البیتؑ یا تو ولد الحرام ہوگا یا اس کی ماں حالت حیض میں حاملہ ہوئی ہوگی۔

جماع کے لئے عورت پر مرغ کی طرح سوار نہ ہو بلکہ پہلے کچھ خوش فعلی کرے اس کے بعد جماع کرے۔

جماع کے وقت بات نہ کرے ورنہ خوف ہے کہ بچہ گونگا پیدا ہوگا۔

جماع کے وقت (کہیں اور غور سے) نہ دیکھے خوف ہے کہ بچہ اندھا پیدا ہوگا

امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی اپنی عورت کو ننگا دیکھے تو کیسا ہے؟ فرمایا نہ دیکھنے میں زیادہ لذت ہے۔

پھر دریافت کیا کہ اگر کوئی اپنی عورت کی شرمگاہ میں انگلی داخل کر کے لذّت حاصل کرے تو کیسا ہے؟ فرمایا کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اجزائے بدن کے علاوہ اور کوئی چیز اس مقام میں داخل نہ کرے۔

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی جگہ اپنی بیوی سے جماع کرے جس جگہ کوئی جاگتا ہو اور وہ ان کو دیکھے یا ان کی بات یا سانس سنے تو جو اولاد اس جماع سے پیدا ہو گی وہ زنا کار ہو گی۔

مرد اپنی دو بیویوں کے درمیان نہیں سو سکتا ہے، ہر بیوی کو الگ کمرہ دے اور باری باری بیوی کے پاس سوئے۔

روبقبلہ جماع کرنا مکروہ ہے، قبلے کی طرف پشت کر کے جماع نہ کرے کشتی میں جماع نہ کرے۔

اگر انسان سفر میں ہے اور غسل کیلئے پانی ملنے کی امید نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ جماع نہ کرے۔

اگر کسی کو احتلام ہو جائے تو غسل سے پہلے جماع نہ کرے اگر کوئی کرے اور اس کے یہاں دیوانہ بچہ پیدا ہو تو خود کو ملامت کرے۔

طلوع آفتاب کے وقت اور آفتاب ڈوبتے وقت جب سورج کی روشنی ختم ہو گئی ہو تو ان اوقات میں جماع کرنا مکروہ ہے۔

رمضان کی پہلی شب میں جماع کرنا مستحب ہے۔

جو شخص حالت جنابت میں اپنی زوجہ کے بستر پر لیٹا ہوا سے لازم ہے کہ قرآن نہ پڑھے، خوف ہے کہ آسمان سے آگ برسے اور دونوں کو جلا دے۔

جماع کرنے سے پہلے رطوبت صاف کرنے کے لئے عورت کا رومال الگ

ہونا چاہئے ایسا نہ کرنے پر ایک ہی رومال سے صاف کرنے پر میاں بیوی میں دشمنی پیدا ہوگی اور جدائی کی نوبت آجائے گی۔

کھڑے ہو کر جماع نہ کرے یہ فعل گدھوں کا سا ہے اور اگر بچہ پیدا ہوگا تو بستر پر پیشاب کرے گا۔

شب عید الفطر جماع نہ کرے اگر بچہ پیدا ہوا تو اس سے برائیاں پیدا ہوں گی، شب عید الاضحیٰ میں جماع نہ کرے اگر بچہ پیدا ہو تو اس کی چھ انگلیاں ہوں گی یا چار ہوں گی۔

کھلے آسمان میں آفتاب کے سامنے جماع نہ کرے جو بچہ پیدا ہوگا وہ پریشان رہے گا سوائے اس کے کہ پردہ ڈالے، میوہ دار درخت کے نیچے جماع کرنے سے اگر بچہ پیدا ہوا تو قاتل وجلاد ہوگا یا ظالموں کا سردار ہوگا۔

اذان واقامت کے درمیان جماع نہ کرے جو بچہ پیدا ہوگا وہ خونریزی کی طرف مائل ہوگا۔

حالت حمل میں اگر بغیر وضو کئے جماع کرے گا تو بچہ بخیل اور کور دِل پیدا ہوگا شعبان کی آخری تاریخ کو جماع کرنے سے بچہ لٹیرا اور ظلم دوست پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھ سے بہت سے آدمی مارے جائیں گے۔

شعبان کی پندرہ تاریخ کو جماع سے پرہیز کرے جو بچہ پیدا ہوگا وہ شوم ہوگا اس کے مونہہ پر سیاہی کا نشان ہوگا۔

جب آدمی سفر پر جائے تو اس رات جماع نہ کرے اگر بچہ پیدا ہوا تو مال ناحق صرف کرے گا اور فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔

اگر انسان ایسے سفر پر جائے جہاں تین دن کا راستہ ہو تو جماع نہ کرے اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ ظلم دوست ہوگا۔

مرد عورت ننگے (بالکل برہنہ) ہو کر جماع نہ کریں اگر ایسا کریں گے تو فرشتے ان سے دور ہو جائیں گے۔

شب دوشنبہ جماع کرنے سے اگر بچہ پیدا ہوا حافظ قرآن ہوگا، خدا کی نعمتوں پر راضی وشاکر ہوگا، شب سہ شنبہ (منگل) کو جماع کیا تو بچہ اسلام کی سعادت حاصل کرے گا اورشہادت بھی پائے گا، رحم دل ہوگا سخی ہوگا، اس کی زبان غیبت و بہتان سے پاک ہوگی ،اس کے مونہہ سے خوشبو آئے گی۔

شب پنجشنبہ (جمعرات) کو جماع کرے گا تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ عالمِ دین ہوگا ٹھیک دو پہر کو جماع کیا تو اور بچہ پیدا ہوا تو شیطان اس کے پاس نہ پھٹکے گا اور خدا اس کو دین و دنیا کی سلامتی عطا کرے گا، شب جمعہ میں اگر جماع کیا تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ فصیح وشیریں بیان ہوگا، اور اگر روزِ جمعہ عصر کے وقت جماع کیا تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ زمانے میں عقلمند مانا جائے گا، شب جمعہ بعد نمازِ عشاء جماع کیا تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ ابدال میں سے ہوگا، شب کی پہلی ساعت جماع نہ کرو جو بچہ پیدا ہوگا تو خوف ہے کہ وہ جادوگر ہو اور دنیا کو آخرت پر اختیار کرے۔

اگر کوئی شخص کسی غیر عورت کو دیکھے اور اس کے جذبات بھڑک جائیں تو اپنی اہلیہ سے جماع کرے کیونکہ جو کچھ اس میں ہے وہی اس میں بھی ہے، بہر حال شیطان کو اپنے نفس پر غالب نہ ہونے دے، اگر زوجہ نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھے خدا کی بہت حمد کرے محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجے خدا سے سوال کرے وہ اسے اپنے فضل سے زوجہ عطا کرے گا، اور اس کو حرام سے بچائے گا۔

درج ذیل اوقات میں جماع نہ کرے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۱) طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک۔

(۲) غروب آفتاب سے زوال سرخی مغرب تک۔

(۳) سورج گرہن کے دن۔

(۴) چاند گرہن کی رات۔

(۵) اس رات یا دن جس میں سیاہ یا سرخ یا زرد آندھی آئے یا زلزلہ محسوس ہو۔

اگران اوقات میں جماع کیا اور بچہ پیدا ہوا تو اس میں ایک بھی عادت ایسی نہ دیکھے گا کہ جس سے خوشی حاصل ہو۔

میت کے غسل دینے کے بعد غسل مس میت سے پہلے اگر جماع کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ پہلے وضو کرے۔

جب کسی کے جسم میں معمولی درد ہو یا معمولی حرارت اس کے مزاج پر غالب آجائے تو اسے چاہئے کہ زوجہ سے جماع کرے آرام ہو جائے گا۔

اگر کسی نے خضاب لگا رکھا ہے اور وہ جماع کرے تو خوف ہے کہ بچہ مخنث پیدا ہو۔

اگر کسی کی انگوٹھی پر کوئی متبرک نقش ہو تو جماع سے پہلے انگوٹھی اتار لے۔

**جب دولہن گھر میں آئے**: ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب دولہن گھر میں آئے تو اس کی جوتیاں اتر وادو کہ وہ بیٹھے پھر اس کے پاؤں دھلوا کر اس کے گھر کے دروازے سے پچھلی دیوار تک سب جگہ چھڑکوادو، ایسا کرنے سے ستر ہزار قسم کی برکتیں داخل ہوں گی اس رحمت کی برکت اس مکان کے ہر گوشے میں پہونچے گی اور دلہن پر اور تم پر نازل ہوں گی، اور وہ دلہن جب تک اس مکان میں رہے گی دیوانگی بالخورہ اور جذام سے محفوظ رہے گی۔

اے علی! (علیہ السلام) اس دلہن کو ابتداء میں سات دن دودھ سرکہ دھنیا اور کھٹے سیب نہ کھانے دینا ورنہ اولاد نہیں پیدا ہوگی۔

## آدابِ زندگی

کپڑے پہنتے وقت پہلے قمیص پہنے پھر پاجامہ پہنے، پاجامہ کھڑے ہو کر نہ پہنے، قبلے کی طرف منھ کرکے آدمیوں کی طرف منھ کرکے پاجامہ نہ پہنے، پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، اسی طرح قمیص کی آستین انگلیوں سے زیادہ لمبی نہ ہوں، نیا کپڑا پہنتے ہوئے کلمہ پڑھے، نیا کپڑا پہنے تو دو رکعت نماز پڑھے، خدا کا شکر کرے اور بہت دفعہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

الْعَلِیِّ الْعَظِیْم پڑھے (ترجمہ: نہیں ہے (اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر گناہ سے بچنے کی) کوئی طاقت نہیں اور نیکی کرنے کوئی قوت نہیں ہے)

آئینہ دیکھے تو یہ دعاء پڑھے: اَللّٰھُمَّ اَنتَ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (ترجمہ) یا اللہ جیسے تو نے میری صورت خوبصورت بنائی ہے، ویسے ہی میری سیرت اور چیزیں جو تو نے عطا کی ہیں وہ بھی عمدہ بنادے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا منع ہے، اور جن برتنوں پر سونے یا چاندی کا ملمع ہو ان میں کھانا مکروہ ہے۔

لبیں کتروانا سنت مؤکدہ ہے، لبیں کتروانے سے غم اور وساوس دور ہوتے ہیں اور سنت بھی ادا ہوتی ہے، جمعہ کے دن لبیں کتروانے سے اور ناخن کاٹنے سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے، لبیں کترواتے وقت اور ناخن کاٹتے وقت پڑھے، بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی سُنَّتِ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ (ترجمہ) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اللہ پر بھروسہ ہے، اور محمد و آل محمدؐ کے طریقے پر قائم ہوں، ہر بدھ اور جمعرات کو لبیں اور ناخن کتروانے سے دانتوں اور آنکھوں کے درد سے امان ملتی ہے، لبیں اتنی کتروائے کہ اوپر کے ہونٹ سے اوپر رہیں، مونچھوں پر برتاؤ نہ دینا چاہئے۔

داڑھی مونڈنا حرام ہے، داڑھی متوسط ہو نہ زیادہ طویل ہو نہ اتنی کم کہ مونڈی ہوئی معلوم ہو، داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی نہ ہو، ایک مشت سے زیادہ داڑھی کا حصہ آتش جہنم میں ہے، چنانچہ داڑھی پر ہاتھ رکھے اور ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کٹوادے، بار بار داڑھی پر ہاتھ نہ پھیرنا چاہئے یہ ایک قسم کا عیب ہے۔

ناک کے بال کتروانے کی ہدایت روایات میں وارد ہوئی ہے، اسی طرح زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنے کی ہدایات ہیں۔

ناخن کتروانے میں ابتدا بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے کرنی چاہئے اور اختتام داہنے ہاتھ کی چھنگلیاں پر بال، ناخن، دانت، اور خون کو دفن کر دینا چاہئے۔

**کنگھا کرنے کے آداب:** بالوں میں کنگھا کرنے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں، روزی بڑھتی ہے، حاجت روا ہوتی ہے، پیٹھ مضبوط ہوتی ہے، اور بلغم قطع ہوتا ہے، نماز سے پہلے کنگھا کرنا چاہیئے، کنگھا بیٹھ کر کرنا، چاہیئے حمام میں کنگھا نہ کرے کھڑے ہو کر کنگھا کرنے والا قرض میں مبتلا ہوتا ہے، خالص چاندی کا کنگھا یا کسی اور قسم کا کنگھا جس پر چاندی جڑی ہو کرنا مکروہ ہے، عطر لگانا اور خوشبو سونگھنا پیغمبروں کے اخلاق پاکیزہ میں داخل ہے، امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ مرد کو خوشبو چھوڑنی مناسب نہیں ہے بہتر تو یہ ہے کہ ہر روز لگا لگائیے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک دن بیچ، یہ بھی ممکن نہ ہو تو جمعہ کے دن ضرور لگائے ناغہ نہ ہو۔

اگر کوئی خوشبو کا تحفہ دے (عطر وغیرہ تحفے میں دے) تو اس کو رد نہ کرے یہ معصومینؑ کی سیرت ہے، روایت میں ہے کہ سوائے احمق کے کرامت کو کوئی رد نہیں کرتا، راوی نے دریافت کیا کہ کرامت کون کون سی چیز ہے؟ فرمایا خوشبو، گدّا یا تکیہ جو بیٹھنے کے لئے یا سہارا لینے کے لئے لوگ تواضع کریں، اور مانند ان کے اور عزت کی چیزیں۔

**سونے اور جاگنے آداب** : طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب (یعنی اذان صبح سے سورج نکلنے تک) اور مغرب عشاء کی نماز کے درمیان اور عصر کی نماز کے بعد سونا مکروہ ہے، ظہر و عصر کے درمیان (موسم گرما میں) قیلولہ سنت ہے، اذان صبح کے بعد طلوع آفتاب کے بعد سونا نحوست ہے اس سے روزی تنگ ہوتی ہے، سونے سے پہلے وضو کرے اور اگر کوئی وضو کئے بغیر لیٹ گیا ہے (اور موسم سردی کا ہے) تو اس کو یاد آئے کہ وضو نہیں کی، تو وہ اپنے لحاف پر ہی تیمّم کر لے وضو کر کے سونے والے کا سونا نماز پڑھنے کے برابر سمجھا جائے گا۔ مکان میں تنہا سونا مکروہ ہے، اگر کوئی تنہا سونے پر مجبور ہو تو وہ یہ دعاء پڑھے (ترجمہ) یا اللہ وحشت میں میرا مونس ہو، اور تنہائی میں میری مدد کر۔ ایسی چھت پر نہ سوئے جس کی دیواریں نہ ہوں، چھت پر دیواروں کی بلندی کم از کم سوا گز ہونی چاہئے کہ سوتے ہوئے ہاتھ کھانے میں سنے ہوئے اور چکنے نہ ہوں، ورنہ دیوانہ ہونے کا خدشہ ہے، سوتے وقت بچوں کے ہاتھ منہ بھی دھلا دیں، سوتے وقت بستر جھاڑیں تاکہ اگر کوئی موذی جانور گھسا بیٹھا ہے تو وہ نکل جائے، سونے سے پہلے پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو لیں، سنت ہے کہ داہنی کروٹ روبقبلہ سوئے اور داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیں،

کہ آپ ان لوگوں کو جمع کر کے دریافت کیجئے کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ انھوں نے کہا فرعون نے انھوں نے پھر کہا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ ان کو روزی کون دیتا ہے؟ سب نے کہا فرعون، یہ سن کر حضرت حزقیلؑ نے کہا کہ میں تمام حاضرین کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جوان کا خالق ہے وہی میرا خالق ہے جوان کا رازق ہے وہی میرا رازق ہے، ان لوگوں نے محض دشمنی کی بنا پر تہمت لگائی ہے۔ فرعون حضرت حزقیلؑ کے مطلب کو نہ سمجھا اور اس نے شکایت کرنے والوں کو تختوں پر لٹکا کر ان کے زانوؤں اور سینے پر کیلیں ٹھونکوادیں اور پھر آرے چلانے والوں کو بلا کر ان کے جسموں کے ٹکڑے آروں سے کرادئے۔

حضرت حزقیلؑ نے طویل عرصے تک تقیّے میں زندگی گذاری پھر جب جادوگروں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو حضرت حزقیلؑ نے بھی کھل کر اپنے ایمان کا اظہار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جادوگروں کے ساتھ جناب حزقیلؑ کو بھی فرعون نے قتل کرا دیا ، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے دروازے پر پہونچے تو دیکھا کہ کنویں کے نزدیک لوگ اپنی اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور خود غرضی کا عالم یہ ہے کہ دوسرے کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں، حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ دو لڑکیاں اپنی بھیڑوں کو روکے کھڑی ہیں، انھوں نے ان لڑکیوں سے پوچھا کہ تم کیوں پانی نہیں پلاتی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب یہ لوگ پانی پلالیں گے تب ہم اپنی بھیڑوں کو پانی پلائیں گے، ہمارے والد بہت ضعیف ہیں اس لئے پانی پلانے کے لئے ہمیں ہی آنا پڑتا ہے، یہ سن کر حضرت موسیٰؑ کو ان پر رحم آیا، انھوں نے ان لوگوں سے جو اس وقت پانی پلا رہے تھے کہا کہ تم کیسے ہو جو صرف اپنی فکر کرتے ہو ان کمزور لڑکیوں کی مدد نہیں کرتے ہو، انھوں نے وہ ڈول چھوڑ دیا جس سے پانی کھینچ رہے تھے، یہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ اس ڈول کو تنہا آدمی کا کھینچنا بہت دشوار تھا، آپ نے وہ ڈول لیا اور لڑکیوں سے کہا کہ تم اپنی بھیڑیں لاؤ، جب ان لڑکیوں کی بھیڑوں نے پانی پی لیا تو وہ بھیڑوں کو لے کر چلی گئیں اور حضرت موسیٰؑ ایک

شیطان اور شیطان کے بھائی پٹ اوندھے سوتے ہیں، اگر کوئی اوندھا سورہا ہے تو اس کو نرمی سے جگادیں اور اوندھا سونے کو منع کریں، سونے سے پہلے دعائیں پڑھیں، تسبیح حضرت فاطمہ زہراؐ، پڑھے، آیت الکرسی پڑھے، قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق پڑھے، درود پڑھے، نماز عشاء کے بعد باتیں بنانا اور جلسہ جمانا مکروہ ہے یعنی جلدی سو جانا چاہئے۔ صرف تین کاموں کے لئے رات کو جاگنے کی اجازت ہے، نمازِ شب کے لئے قرآن خوانی یا طلب علم کے لئے اور اس دلہن کے لئے جس کی تازہ شادی ہوئی ہو۔

کتاب طویل ہوتی جارہی ہے اس کتاب میں بہت کچھ آگیا ہے اور بہت زیادہ باقی رہ گیا ہے، تفصیلات دیگر کتابوں میں موجود ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں، کتاب کو اگر مومنین غور سے پڑھیں اور اس پر عمل کی کوشش کریں تو پھر وہ علمِ دین میں بالکل جاہل نہیں کہلائیں گے اور دشمنان دین ان کو دین سے دور نہ کر پائیں گے۔

دشمنان دین آپ کو بہکانے کے لئے خود نہیں آئیں گے بلکہ وہ دنیازدہ افراد جو لباس علماء میں ہیں ان کو خرید کر منبروں پر ان کو بھیجیں گے، اور یہ وہاں سے عوام کے ایمان خراب کرنے کے لئے دھاڑیں گے، اگر آپ نے اس کتاب کو غور سے پڑھا ہے تو پھر بد بخت، بکے ہوئے دنیازدہ دولت کے پجاری مولوی (علماء سو) آپ کا ایمان نہ بگاڑ پائیں گے اور آپ ان کو دھتکارنے میں کامیاب ہوں گے اس طرح آپ کی آخرت بخیر ہوگی۔ اور جو آخرت میں کامیاب ہوا وہی اصل کامیاب ہے، اور جس کی آخرت خراب ہوئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں داخل ہوگیا۔

خدا ہم سب کو حضرت محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

بحمد اللہ تم

## مطالعہ کیجئے اور انعام پائیے

اس کتاب کا بغور مطالعہ کیجئے، آپ سے اسی کتاب سے کچھ سوالات کئے جائیں گے، صحیح جوابات دینے والے کو ادارہ کی طرف سے ڈھائی سو روپے کا نقد انعام دیا جائے گا۔

مزید معلومات کیلئے رابطہ کریں: موبائل: 9897195410
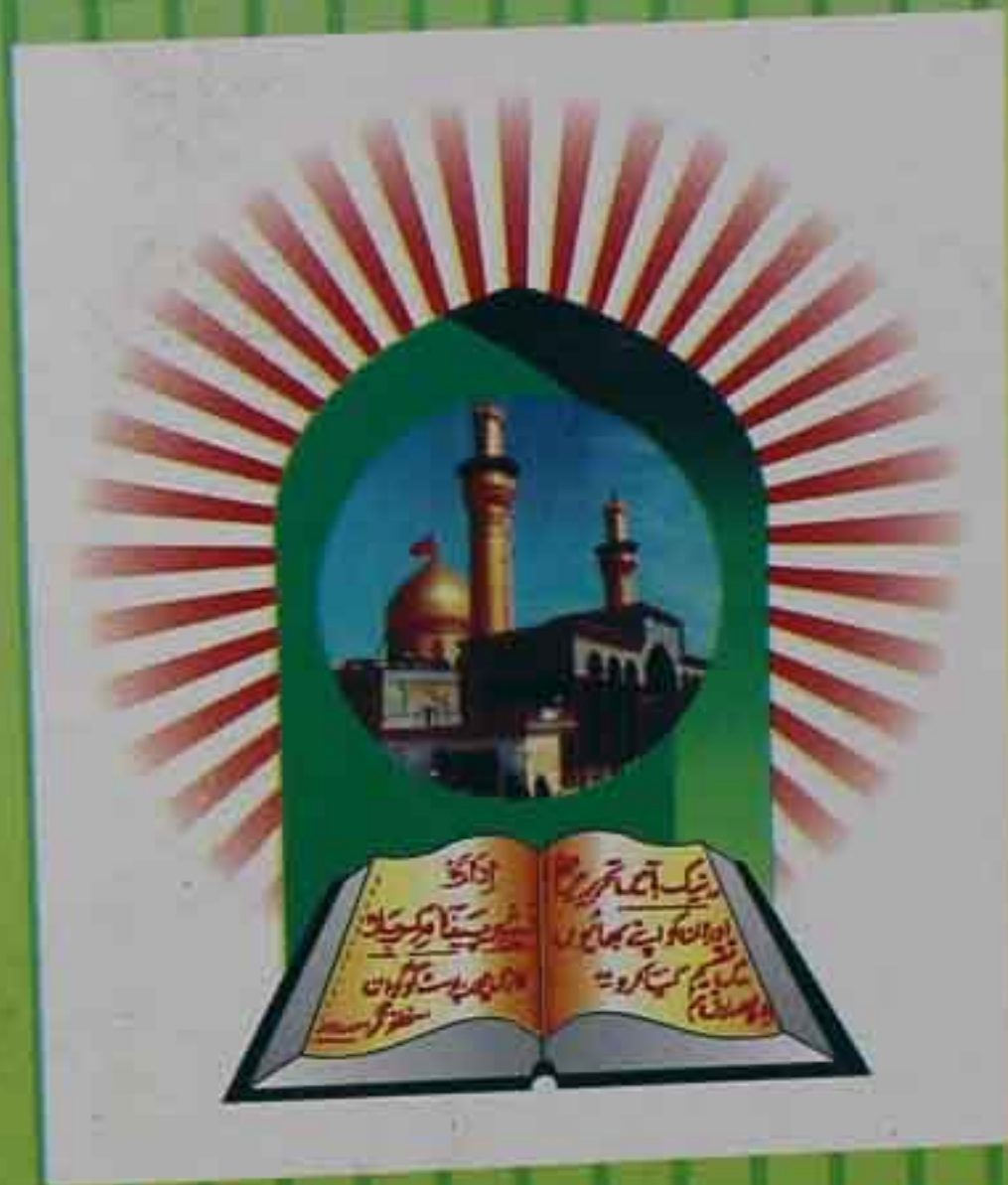
**ادارۂ نشر پیغام کربلا**

غازی پور ڈاکخانہ گوگوان ضلع شاملی یوپی پن کوڈ ۲۴۷۷۷۳

Ghazipur, P.O. Gogwan, Distt. Shamli, Pin-247773 India

درخت کے نیچے جا کر آرام کرنے لگے اور خداوند عالم سے دعا کی اے پروردگار "میں تیرے فضل کا محتاج ہوں"

جب لڑکیاں خلافِ معمول جلد پانی پلا کر واپس ہوئیں تو ان کے والد نے دریافت کیا کہ آج اتنی جلدی کیسے پانی پلا لائیں، لڑکیوں نے سارا احوال سنایا تو لڑکیوں کے والد جناب شعیب علیہ السلام نے کہا بیٹی اس شخص کو بلا لاؤ تا کہ ہم اس کو پانی پلانے کی اجرت دیں، ان میں سے ایک لڑکی شرماتی لجاتی ہوئی آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو ہمارے والد شعیب پیغمبرؑ بلا رہے ہیں، تا کہ آپ کو پانی پلانے کی اجرت دیں، حضرت موسیٰؑ خاموشی سے اس لڑکی کے پیچھے ہو لئے، راہ میں تیز ہوا کے باعث لڑکی کے کپڑے اُڑنے لگے جس سے لڑکی کے جسم کے نشیب وفراز کا اندازہ ہوتا تھا، اس چیز کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پسند نہ کیا اور لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے چلو میں آگے چلتا ہوں، اور جس طرف مڑنا ہو اس طرف پتھر اٹھا کر پھینک دینا میں ادھر ہی مڑ جاؤں گا، جب حضرت موسیٰؑ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہونچے اور سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت شعیبؑ نے کہا کہ خوف نہ کرو، اب تم ظالموں کی پہونچ سے دور ہو گئے ہو۔

اس کے بعد حضرت شعیبؑ کی بیٹی نے باپ کی ضعیفی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ بابا جان آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے، یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی ہیں، حضرت شعیبؑ نے کہا کہ پانی کھینچنے سے تم نے ان کی طاقت تو دیکھ لی لیکن ان کی امانت کا حال تمہیں کیونکر معلوم ہوا؟ اس لڑکی نے کہا جو حضرت موسیٰؑ کو بلانے گئی تھی کہ یہ شخص میرے پیچھے چلنے پر راضی نہیں ہوا کہ مبادا کہ ہوا کی وجہ سے میرے کپڑے اُڑیں اور میرے جسم کے نشیب وفراز پر اس کی نگاہ پڑے۔

یہ سن کر حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ایک دختر کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں، اس مہر پر کہ آٹھ سال تک میری بھیڑ بکریاں چراؤ گے اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہیں اختیار ہے۔

المختصر یہ کہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال پورے کئے اور اپنی بیوی جو کہ حاملہ تھیں اور بھیڑوں کو لیکر مصر کی جانب روانہ ہوئے، یہ بھیڑیں حضرت شعیبؑ نے ان کو دی تھیں ، چلتے ہوئے حضرت موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ سے ایک عصا مانگا، آپ نے کہا کہ گھر میں سے ایک عصا (لاٹھی) لے لو، جب حضرت موسیٰؑ گھر میں پہونچے تو وہاں کئی عصا موجود تھے لیکن عصائے نوحؑ وابراہیمؑ نے خود حرکت کی اور ہاتھ میں آگیا، تب حضرت شعیبؑ نے کہا چلو اسی کو لے جاؤ، اس کو خدا نے تمہارے لئے مخصوص کردیا ہے۔

راہ میں آپ کا گذر ایک بیابان کی طرف سے ہوا رات کا وقت تھا سردی شدید تھی اس پر طرّہ یہ کہ زوجہ کے یہاں ولادت کا وقت قریب آگیا، بے سروسامانی کا عالم سردی کی شدّت سے حضرت موسیٰؑ کی زوجہ کانپنے لگیں، اوپر سے وقتِ ولادت قریب تھا، حضرت موسیٰؑ اسی شش و پنج میں تھے کہ کیا کریں کہ طور پہاڑ کی جانب انھیں آگ دکھائی دی، زوجہ سے کہا کہ ٹھہرو میں جاتا ہوں مجھے کچھ دور آگ نظر آرہی ہے، میں وہاں سے آگ لاتا ہوں ،شاید تم کو آرام ملے، وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت میں آگ روشن ہے، جب آگ کے قریب گئے کہ اس میں سے آگ لیں تو آگ ان کی طرف لپکی تو آپ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے، دوسری مرتبہ پھر آگے بڑھے لیکن پھر وہی ہوا، پھر تیسری مرتبہ آگ کی طرف بڑھے تو آگ کے شعلے پھر آپ کی طرف بڑھے، اب آپ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ بے تحاشہ بھاگے جیسے ہی آپ بھاگے درخت سے آواز آئی کہ ”اے موسیٰ! کہاں بھاگ رہے ہو میں عالمین کا رب ہوں واپس آؤ“ موسیٰ علیہ السلام واپس ہوئے اور کہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ جو آواز آرہی ہے وہ میرے خدا کی ہی ہے، آواز آئی کہ دلیل چاہتے ہو تو عصا تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے زمین پر عصا ڈالا وہ سانپ بن گیا یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ ڈر گئے، آوازِ قدرت آئی کہ ڈرو نہیں اس کو پکڑو، آپ نے جیسے ہی پکڑا وہ پھر عصا بن گیا۔

دوبارہ پھر آوازِ قدرت آئی کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، آپ نے ایسا ہی کیا جب ہاتھ گریبان سے باہر نکالا تو وہ اس قدر سفید اور نورانی ہو گیا کہ اس کے نور سے تمام بیابان منوّر ہو گیا، پھر آواز آئی کہ اے موسیٰؑ فی الحال یہ دو معجزے لے کر تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو سمجھاؤ کیونکہ وہ باغی ہو گیا ہے، حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ پالنے والے ان کا ایک آدمی میرے ہاتھ سے غیر ارادی طور سے مارا گیا ہے ڈر ہے کہ اس کے بدلے میں وہ مجھے نہ مار ڈالیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہٰذا ان کو بھی میر ے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کریں اور میرے مددگار بنیں، خدا نے آپ کی تمام درخواست منظور کر لی اور یہ بھی بتادیا کہ فرعون اور فرعونی تم کو نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

حضرت موسیٰؑ نے یہ جو کہا کہ میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچپن میں آپ نے انگارہ اٹھا کر مونہہ میں رکھ لیا تھا تو آپ کی زبان کا اگلا حصہ جل گیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی زبان میں وہ بات نہیں رہ گئی تھی جو ایک صحیح زبان کے آدمی کی گفتگو میں ہوتی ہے، حضرت ہارونؑ کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ نہ ہوا تھا اس لئے آپ کی زبان زیادہ صاف تھی۔

سیرت نبی یہ ہے کہ غیبی آواز پر ایک دم یقین نہیں کیا بلکہ دلیل طلب کی ، جب دو معجزے دیکھ لئے تب یقین کیا ہمیں بھی چاہئے کہ معجزہ ہو گیا کی صدا پر فوراً یقین نہ کریں تحقیق کریں کہ جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے وہ شریعت کے بیان کردہ شرائط پر پورا اُترتا ہے ،یا نہیں، یاد رکھئے آج قوم میں جو معجزے رائج ہیں وہ شرعی اعتبار سے معجزے نہیں ہیں، اس لئے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان کی زیارت میں کوئی ثواب نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے لیکن پیغمبری مل گئی ،اس تمام وقت میں آپ کو اپنی بیوی کا خیال بھی رہا کہ ان پر کیا گذری ،لیکن ان کا محافظ خدا تھا، وہاں ہر طرح خیریت رہی اور ان کی بیوی کے یہاں وِلادت ہوئی آپ کو ایک بیٹا اللہ نے دیا، پھر خدا نے آپ کی زوجہ اور بچے کو ایک فرشتے کے ذریعہ کوہِ طور پر بلوالیا، یہاں آپ نے اپنے

بچے کی ختنہ کی اور زوجہ (جو کہ نبی کی بیٹی اور نبی کی زوجہ تھیں) سے کہا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرعون کے پاس جاؤں اب تم اپنے والد کے پاس جاؤ، آپ واپس مدین چلی گئیں اور اس وقت تک وہاں رہیں جب تک فرعون کو دریائے نیل میں غرق نہیں کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت شعیبؑ نے اپنی بیٹی کو (یعنی زوجہ موسیٰؑ) حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے، آپ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے خوف سے بچوں کو قتل کرنے کا جو حکم دے رکھا تھا، اس پر عمل درآمد کرنا بند کر دیا تھا کیونکہ فرعون کو یقین ہو گیا تھا کہ جس بچے کا خوف تھا وہ بچہ خود فرعون کے گھر میں پرورشِ پا چکا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اچانک فرعون کے محل سے چلے جانے کے بعد فرعون پر خوف طاری رہتا تھا کہ اچانک حضرت موسیٰؑ آئیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اس لئے اس نے اپنی حفاظت کے سخت انتظامات کئے تھے، اس نے سات مضبوط قلعے بنوائے اور ہر قلعے کے درمیان شیر رات میں کھلے پھرتے تھے کہ اچانک اگر کوئی آئے تو شیر اس کو پھاڑ کھائیں، جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ موسیٰؑ جن کی تلاش میں فرعون تھا وہ خود آ گئے ہیں، اور اس سے ملنا چاہتے ہیں تو اس نے اپنی پوری حفاظت کے انتظامات کر کے انھیں آنے کی اجازت دیدی۔

جب جناب موسیٰؑ و ہارونؑ فرعون کے دربار میں پیش کئے گئے تو وہ اون کا لباس پہنے ہوئے تھے جو اس دور میں سب سے گھٹیا لباس مانا جاتا تھا، دونوں کے ہاتھ میں صرف عصا (لاٹھی) تھے، ظاہری حالت دونوں انبیاء کی ایسی نہ تھی کہ انھیں دیکھ کر فرعون خوفزدہ ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے یوں گویا ہوئے۔

اے فرعون میں اس وقت عالمین کے رب کا رسول بن کر آیا ہوں اور اس کا پیغام یہ ہے کہ تو نے جو خدائی کا دعویٰ کر رکھا ہے اس سے باز آ، اور توبہ کر اگر تو توبہ کر لے گا اور مسلمان ہو جائے گا تو تیری سلطنت باقی رہے گی اور تیری عزت بھی باقی رہے گی ورنہ

سب تباہ کردی جائے گی، تجھے چاہئے کہ بنی اسرائیل کو ہماری ساتھ بھیج دے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا تو کہا کہ دیکھو یہ کیسی حقیر حالت میں ہیں اور ہم سے کس قسم کی باتیں کررہے ہیں، یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ اے فرعون میں یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں یا وعدہ کررہا ہوں خدا کی جانب سے کررہا ہوں جو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی باتیں سن کر فرعون نے کہا کہ ہم نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا قانون نافذ کررکھا تھا اس سے تمہیں معاف کردیا اور امن وسکون میں تجھے پروان چڑھایا تم ہمارے دسترخوان پر پلتے رہے، اور یہی تمہاری نمک حلالی ہے کہ تم کفرانِ نعمت کررہے ہو؟ تم نے ایک اہم کام کیا ہے (یعنی قبطی کا قتل) اور تم کس مونہہ سے نبوت کا دعویٰ کررہے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب پہلے قبطی کے قتل کے جواب میں کہا کہ اس وقت میں بے خبر لوگوں میں تھا اس بے خبری یعنی ''ضالین'' کے مفسرین نے بہت سے احتمالات تحریر کئے ہیں مجھے یہاں پر ان سب کو لکھنے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں یہ کتاب ان مومنین کو پیش نظر رکھ کر لکھ رہا ہوں جو زیادہ سمجھ نہیں رکھتے ہیں لیکن مجھے ان کو سمجھانا بھی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس وقت میں بے خبر لوگوں میں تھا، قرآن میں ہے کہ ''وانامن الضّالین ''جس کا اُردو ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے کہ ''میں گمراہوں میں سے تھا''۔ ہماری قوم کے ''بقراط'' اس لفظ پر فضول گفتگو کرکے نہ صرف وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ علم نہ ہونے کے سبب بعض مرتبہ ایمان سے بھی دور ہوجاتے ہیں، اس لئے مومنین کو چاہئے کہ زبان پر قابو رکھیں، جب علم نہیں ہے تو نہ بولیں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ دو چار کتاب پڑھ کر آپ عالم نہیں ہوگئے ہیں ابھی آپ کی جہالت جوں کی توں باقی ہے۔ اس لئے بارِ دیگر عرض کررہا ہوں کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھیں قیامت

میں بعض افراد اپنی زبان کو پکڑ کر اینٹھتے ہوں گے کہ اس کے سبب ہلاکت میں پڑ گئے، اب ہم پھر موضوع پر آتے ہیں۔

قرآن نے حضرت موسیٰؑ کا جواب نقل کیا ہے جس کا تذکرہ ابھی اوپر ہو چکا ہے ، یہاں پر صرف اتنا کہوں گا کہ گمراہی بے خبری کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اس قبطی ظالم کو گھونسا مارا اور وہ انجام سے بے خبر تھے کہ وہ ایک ہی گھونسے میں مر جائے گا، اس لئے حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں اس وقت بے خبر تھا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ مظلوم کی حمایت میں ظالم کو مارنا کوئی جرم نہیں ہے، دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ جواب اس وقت دیا جب وہ فرعون کو راہِ ہدایت دکھانے آئے تھے، یہ موقعہ بحث و مباحثہ کا نہ تھا اس لئے آپ نے ایسا جواب دیا کہ فرعون کے پاس پھر قبطی کے سلسلے میں کہنے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا۔

حضرت موسیٰؑ نے مزید کہا کہ اس حادثے کی وجہ سے میں نے تم سے خوف کیا اور بھاگ گیا اور میرے پروردگار نے مجھے دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا۔

حضرت موسی علیہ السلام نے بچپن کی پرورش کا جواب یہ کہہ کر دیا، میری پرورش کر کے جو احسان تو نے مجھ پر کیا ہے یہی ہے کہ تو بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لے؟

یعنی یہ کہ میری پرورش جو تیرے محل میں ہوئی ہے اس کا سبب بھی تو ہی ہے تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کے لڑکوں کو قتل کرنے لگا تو میری ماں نے میری جان بچانے کے لئے مجھے صندوق میں رکھ کر دریا کے حوالے کیا اور میں تیرے محل میں پہونچ گیا، اب اگر تیری پرورش کوئی نعمت ہے تو یہ نعمت تیرے بنی اسرائیل پر مظالم کرنے کے مقابلے میں بہت کم ہے، اور تیرا جو محل ہے تو وہ بھی بنی اسرائیل سے حالت غلامی میں تو نے جبراً بنوایا ہے، بالفاظِ دیگر اس محل میں میری قوم ہی کی محنت موجود ہے، تیرا اس میں کیا حصہ ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جوابات سن کر فرعون ساکت ہو گیا اور بات کا موضوع بدلتے ہوئے بولا کہ اے موسیٰؑ تم کس خدا کی عبادت کی مجھے دعوت دیتے ہو؟ میں

تو اپنے سوا کسی دوسرے کو خدا نہیں جانتا، حضرت موسیٰؑ نے کہا اے فرعون تو کس طرح خدا ہو سکتا ہے تو جب پیدا ہوا تو مجبور محض تھا جبکہ خداوند عالم نے مجھے تجھے اور تمام کائنات کو خلق کیا ہے، جو جسم وجسمانیت سے بری ہے ہر جگہ ہے ہر چیز کو جانتا ہے، فرعون کو احساس ہوا کہ موسیٰؑ کی باتوں سے کہیں اہل دربار متاثر نہ ہو جائیں، اس نے بات پھر پلٹی اور کہا کہ تم جو یہ پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو اس کا ثبوت کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میرے پاس معجزہ ہے کیا تم اس کو دیکھنا چاہو گے؟ فرعون نے کہا دکھاؤ۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا زمین پر ڈال دیا جو خوفناک اژدہا بن گیا اس نے جو مونہہ کھولا تو اس کے اوپر کا دہن محل کی چھت تک پہونچ گیا اور نیچے کا دہن زمین پر ہی رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے مونہہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں، فرعونیوں نے اس منظر کو دیکھا تو ان کے ہوش وحواس جاتے رہے اور انھیں محسوس ہوا کہ اژدہا ان کو نگل لے گا، ہر طرف چیخ وپکار مچ گئی، فرعون گھبرا کر بولا موسیٰؑ خدا کے لئے مجھے اس سے بچاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً اُسے پکڑ لیا اور وہ پھر پہلے کی طرح ایک عصا ہو گیا۔

جب فرعون اور اس کے درباریوں کے ہوش وحواس بجا ہوئے تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میرے پاس دوسرا معجزہ بھی ہے جو وحشت ناک نہیں ہے، اس کو بھی میں اپنے دعوے کے ثبوت میں دکھا سکتا ہوں، فرعون نے کہا وہ بھی دکھاؤ، حضرت موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر جو باہر نکالا تو وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگا جس کی روشنی سے لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں (یعنی چندھیا گئیں)

ان معجزات کو دیکھ کر فرعون لاجواب ہو گیا اور اس کو اپنی شکست کے ساتھ ساتھ اپنی خدائی بھی خطرے میں نظر آئی تو اس نے کہا کہ میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کر لوں تو بتاتا ہوں، ہامان بھی یہ منظر دیکھ چکا تھا اس نے کہا کہ اگر تو نے ان کی نبوت اور ان کے اَن دیکھے خدا کو مان لیا تو تیری بادشاہت اور تیری خدائی سب ختم ہو جائے گی اور پھر ملک میں موسیٰ ہی موسیٰ ہوں گے، ان کو زیر کرنے کی بس یہی ترکیب ہے کہ بڑے بڑے جادوگر

بلوا کران کا مقابلہ کرادیا جائے میری سمجھ میں تو یہی آیا ہے ویسے جو آپ کا حکم ہو کیا جائے۔

فرعون چونکہ خود بھی جادو جانتا تھا اس کو یہ ترکیب پسند آئی اور اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اس کا جواب اب میں بعد میں دوں گا، اس کے بعد اس نے تمام ملک سے جادوگروں کو بلانے کا حکم دیا، بہت سے جادوگر جمع ہوئے امتحان کے بعد ۸۰ جادوگروں کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلے کے لئے چھانٹ لیا گیا اور انھیں لالچ دیا گیا کہ اگر تم موسیٰؑ پر غالب آگئے تو میں تم کو اپنا مقرب بناؤں گا اور تم کو مالا مال کردوں گا، جادوگروں نے کہا ایسا ہی ہوگا ہم غالب آجائیں گے، لیکن اگر موسیٰؑ ہم پر غالب آگئے تو ہم سمجھیں گے موسیٰؑ کے پاس جو کچھ ہے وہ جادو نہیں ہے، پھر ہم کو ان کے خدا پر (چار وناچار) ایمان لانا ہوگا، فرعون نے کہا کہ پھر میں بھی ان کی تصدیق کروں گا، لیکن مقابلے میں تم کسی قسم کی کمزوری کا ثبوت نہ دینا، انھوں نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

روزِ عید مقابلے کا دن مقرر ہوا فرعون ہامان اور دیگر اراکین سلطنت اس قبّے میں آکر بیٹھ گئے جو جادوگروں اور حضرت موسیٰؑ کی مقابلہ آرائی دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا، اور تمام اہل شہر بھی فرعون کی اجازت سے آگئے۔

جادوگروں نے کہا کہ پہلے آپ شروع کریں گے یا ہم شروع کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ جو تم کو کرنا ہے کرو، انھوں نے رسّیاں اور لکڑیاں پھینکی اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم لوگ غالب ہوں گے، یہ رسّیاں اور لکڑیاں دیکھنے میں ایسی محسوس ہوئیں گویا سانپ ہیں، اتنے بہت سے بڑے بڑے سانپ دیکھ حضرت موسیٰؑ کو خوف محسوس ہوا، اسی وقت خدا نے وحی کی کہ موسیٰؑ ڈرو مت، تم اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کیا ہوتا ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا وہ ان تمام سانپوں سے بڑا خوفناک اژدہا بن گیا اور اس نے ایک ایک کرکے ان رسیوں اور لکڑیوں کو نگلنا شروع کردیا، جو جادو کے زور سے بڑے بڑے سانپ نظر آرہے تھے، اژدہا اتنا خوفناک تھا کہ اس کی ہیبت سے لوگوں نے بھاگنا شروع کردیا اور ایک روایت کی بنا پر دس ہزار عورتیں

اور بچے بھگدڑ میں مر گئے۔

سانپوں کو نگل کر اژدہے نے فرعون وہامان کی طرف رُخ کیا، دہشت میں فرعون وہامان کے پیشاب وپاخانے خطا کر گئے، جب ان کے کپڑے نجس ہوئے تو پھر اژدہا اس طرف نہ گیا، اژدہا نہایت خوفناک شکل کا تھا، حضرت موسیٰؑ پر بھی دہشت طاری ہوگئی لیکن اس وقت وحیِ خدا ہوئی کہ ڈرو نہیں اژدہے کو پکڑو آپ نے جیسے ہی اژدہے کو پکڑا وہ عصا بن گیا۔

جب جادوگروں نے یہ معجزہ دیکھا تو وہ سب سجدے میں گر گئے اور کہا کہ ہم موسیٰؑ وہارونؑ کے خدا پر ایمان لائے، فرعون ابھی کچھ دیر پہلے جس کے کپڑے نجس ہوئے تھے اژدہے کے پھر عصا بن جانے کے بعد اس کے ہوش بجا ہوئے تو ایمان قبول کرنے کے بجائے جادوگروں پر خفا ہوگیا کہ تم میری اجازت بغیر کیوں ایمان لائے؟ اب میں تمہیں دردناک طریقے سے اس طرح قتل کروں گا کہ ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ کر کھجوروں کے درخت پر لٹکا دوں گا، جادوگروں نے کہا کہ اب ہم موسیٰؑ وہارونؑ کے رب پر ایمان لا چکے ہماری دعا ہے کہ خدا ہمیں بخش دے اور ہمارا شمار مومنین میں کرے۔

یہی وہ وقت تھا کہ جناب حزقیل جن کو قرآن نے مومن آل فرعون کہا ہے انھوں نے پورے دلائل کے ساتھ فرعون اور فرعونیوں کو خدائے واحد پر ایمان کی دعوت دی، لیکن فرعون پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، فرعون نے ان کو بھی گرفتار کرا کر جادوگروں کے ساتھ قتل کرا دیا۔ اِنا للّٰہ وانا الیہ راجعون O

یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ اہل سنت کی حدیث کی بڑی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ

''یا علی تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''

ہم شیعہ کلمے میں گواہی دیتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اور محمدؐ

اس کے رسولؐ ہیں اور علی اللہ کے ولی ہیں اور رسولؐ کے فوراً بعد آپؐ کے خلیفہ ہیں۔

کلمے میں اس تیسری گواہی پر اہل سنت چراغ پا ہوتے ہیں، جبکہ قرآن نے جادوگروں کے ایمان میں بھی تین باتوں کا ذکر کیا ہے "رب موسیٰ وہارون" رب سے مراد اللہ موسیٰ اس دور کے نبی اور ہارون حضرت موسیٰؑ کے بلافصل خلیفہ اور رسولؐ کی حدیث بھی حضرت علیؑ کو مثلِ ہارون کہہ رہی ہے۔

اتنی صاف وضاحت کے بعد اہل سنت کا چراغ پا ہونا، ثبوت ہے کہ ان کا اسلام بنی امیہ والا اسلام ہے، جہاں معاویہ حضرت علیؑ کا بدترین دشمن تھا اور حضرت علیؑ کو معاویہ کے حکم سے مملکت سقیفہ میں جمعہ کے خطبات میں گالیاں دی جاتی تھیں، اب ہم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

جادوگروں سے مقابلہ کے بعد ساٹھ ہزار بنی اسرائیل نے اعلانیہ اپنے ایمان کا اظہار کیا جو اس سے قبل حالتِ تقیہ میں فرعون کو خدا کہتے تھے، فرعون نے ہامان کے مشورہ سے ان کو گرفتار کرالیا، لیکن فرعون حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو گرفتار کرانے کی ہمت نہ کرسکا، اور ان سے کہا کہ ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ فرعون کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے جس کے تم پیغمبر ہو، جناب موسیٰؑ نے کہا اے فرعون یاد رکھ اگر تو ایمان نہ لائے گا تو ایک دن تجھ پر سخت قسم کا عذاب نازل ہوگا، اس دن تیرا افسوس کرنا تجھے فائدہ نہ دے گا اور مرنے کے بعد بھی تجھ کو چین نہ ملے گا، تو نے بنی اسرائیل کو جو قیدی بنا رکھا ہے یہ بہت برا کام ہے، اگر تو ان کو آزاد نہ کرے گا تو اور بھی سخت عذاب تجھے بھگتنا پڑے گا۔

فرعون نے بار بار کوشش کی کہ حضرت موسیٰؑ کو اور حضرت ہارونؑ کو گرفتار کرائے لیکن جب بھی فرعون کے آدمی گرفتاری کے لئے آگے بڑھتے ہر مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا زمین پر ڈال دیتے اور وہ اژدہا بن جاتا اور فرعون کے آدمی دہشت زدہ ہوکر بھاگ جاتے، حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ "بنی اسرائیل کو چالیس دن کے اندر اندر آزاد کردے" نہیں تو تیری ساری قوم پر عذابِ خداوندی شروع ہوجائے گا۔

المختصر یہ کہ چالیس دن گذر گئے اور فرعون نے بنی اسرائیل کو آزاد نہ کیا تو پہلے ان پر قحط کا عذاب آیا، فرعون جب بھی نہ مانا تو فرعونیوں پر یہ عذاب آیا کہ فرعونی جب بھی پانی پیتے تھے وہ خون ہو جاتا تھا اور جب بنی اسرائیل پانی پیتے تھے تو وہ پانی ہی پیتے تھے، اس طرح قومِ فرعون پیاس سے بے تاب ہوگئی فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اپنے خدا سے دعا کرو کہ اس عذاب کو ٹال دے تو ہم ایمان لے آئیں گے، اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے، حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عذاب برطرف ہونے کی دعا کی تو یہ عذاب ختم ہوا لیکن فرعون نے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا اور نہ ایمان لایا، کیونکہ فرعون کو ہامان نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر تو نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا تو تیری شکست ہوگی، اور پھر ملک میں موسیٰؑ ہی موسیٰؑ ہوں گے، پھر تیسرا عذاب یہ آیا کہ چہار طرف پانی پھیل گیا اور اس پانی سے فرعونیوں کے مکانات تباہ ہوگئے اور بنی اسرائیل کے مکانات محفوظ رہے، اور قوم فرعون جنگل میں خیموں میں رہنے پر مجبور ہوگئی، فرعون نے پھر حضرت موسیٰؑ کی خوشامد کی کہ دعا کیجئے کہ عذاب دور ہو، ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے، عذاب برطرف ہونے کے بعد حسبِ سابق پھر فرعون نے وعدہ خلافی کی تو خدا نے ان پر ٹڈیوں کا عذاب بھیجا ٹڈیوں نے فرعونیوں کی فصلوں کو تباہ کردیا جبکہ ٹڈیوں سے بنی اسرائیل محفوظ رہے، تمام فرعونی پھر فرعون کے پاس فریاد لائے کہ ہم تباہ ہوگئے، فرعون نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم ایمان لائیں گے اور تمہاری قوم کو آزاد بھی کردیں گے، حضرت موسیٰؑ کی دعا سے یہ عذاب بھی ٹلا، لیکن فرعون پھر بھی نہ سدھرا ،حضرت موسیٰؑ نے بددعاء کی اس مرتبہ فرعونیوں پر جوئیں بھیج دی گئیں، یہ جوئیں ان کے کپڑوں، برتنوں اور کھانے میں ہر جگہ بھر گئیں، فرعونیوں کی زندگی دوبھر ہوگئی، فرعونیوں نے پھر فرعون سے فریاد کی فرعون نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشامد کی کہ ہم پر رحم کھائیے حضرت موسیٰؑ کی دعا سے یہ عذاب بھی ختم ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہفتہ تک فرعون کے ایمان اور بنی اسرائیل کی

آزادی کا انتظار کرتے رہے، لیکن فرعون سرکشی پر برقرار رہا، حضرت موسیٰؑ اس کو برابر سمجھاتے رہے لیکن وہ نہ مانا تب حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے فرعونیوں پر مینڈکوں عذاب آیا، ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے اور نوبت یہ آئی کہ فرعونی کھانا کھاتے وقت نوالہ مونہہ میں رکھنے کے لئے مونہہ کھولتے تھے تو مینڈک ان کے مونہہ میں پہونچ جاتے، فرعونی روتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ اگر اب عذاب رفع ہو گیا تو ہم ایمان ضرور لے آئیں گے، عذاب رفع ہونے کے بعد بھی فرعون ایمان نہ لایا گو کہ بہت سے فرعونی در پردہ ایمان لے آئے۔

اسی دوران جناب حزقیلؑ (جن کو قرآن نے مومن آل فرعون کہا ہے) کی زوجہ اوران کی اولاد کو فرعون نے دہکتے ہوئے تندور میں ڈال کر زندہ جلا دیا، فرعون نے تندور میں ڈلوانے سے قبل پھر حضرت حزقیل کی زوجہ سے دریافت کیا کہ بتا تیرا خدا کون ہے؟ انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ میرا اور تیرا پروردگار وہ ہے جو عالمین کا خدا ہے، یہ سن کر فرعون نے ان کے فرزندوں کو ایک ایک کر کے تندور میں ڈلوانا شروع کیا، جب آخری بچہ جو شیر خوار تھا اس کی باری آئی تو وہ بحکمِ خدا گویا ہوا کہ اے مادر، مہربان صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اور جب زوجہ جنابِ حزقیلؑ کی باری آئی تو انھوں نے فرعون سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں جمع کر کے زمین میں دفنا دی جائیں، فرعون نے یہ خواہش منظور کر لی، بالآخر اس مومنہ کو بھی تندور میں ڈال دیا گیا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے! جنت میں جانے کے لئے کتنے سخت امتحان سے گذرنا پڑتا ہے، اور آج یہ عالم ہے کہ علماء سو (امریکی مولویوں) نے جنت کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ آج کے مومنین عمل کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے، اور خود کو جنتی سمجھتے ہیں، خدا ان کی اصلاح کرے۔

اسی درمیان حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا جو فرعون کی زوجہ تھیں ان کو بھی ایمان لانے پر فرعون نے میخیں زمین میں گڑوا کر ان پر حضرت آسیہؑ کو کھینچا اور سخت عذاب

دیا گیا، جس سے وہ شہید ہوگئیں، آپ کا واقعہ یہ ہے کہ

جس وقت حضرت حزقیلؑ کی زوجہ کو شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہؑ کے سامنے سے حجابات اٹھا دیئے، آپ نے دیکھا کہ فرشتے زوجۂ حزقیلؑ کی روح آسمان پر لے جا رہے ہیں، حضرت حزقیلؑ کی زوجہ کو شہید کر کے فرعون گھر میں آیا اور زوجہ حزقیلؑ کا قصہ بیان کیا، حضرت آسیہؑ نے کہا فرعون تجھ پر وائے ہو، تو یہ کیا جرأت خدا کے مقابلے کر رہا ہے، فرعون نے کہا کیا تو بھی اس عورت کی طرح دیوانی ہوگئی ہے؟ حضرت آسیہؑ نے کہا میں بھی اس خدا پر ایمان رکھتی ہوں جو میرا اور تیرا پروردگار ہے، یہ سن کر فرعون نے حضرت آسیہؑ کی والدہ کو طلب کیا کہ اس کو سمجھاؤ یہ دیوانی ہوگئی ہے، حضرت آسیہؑ کی والدہ نے حضرت آسیہؑ کو سمجھایا کہ فرعون سے مقابلہ آرائی ٹھیک نہیں، مگر حضرت آسیہؑ نے تقیہ کرنا گوارا نہ کیا۔ المختصر یہ کہ فرعون نے زمین میں میخیں گڑوا کر حکم دیا کہ ان پر حضرت آسیہؑ کو لٹا کر کھینچا جائے، جس سے آپ کو شدید تکلیف ہوئی اور آپ نے دعا کی خدایا جنت میں میرے لئے ایک گھر بنا اور مجھے فرعونیوں کے عذاب سے نجات دے، اسی وقت زمین اور آسمان کے درمیان حضرت جبرئیلؑ نے آواز دی کہ آسیہ اوپر دیکھو آپ نے اوپر دیکھا تو آپ کو وہ محل دکھایا گیا جو جنت میں آپ کو ملنے والا تھا، آپ یہ دیکھ کر مسکرائیں، فرعون نے دورانِ عذاب جو حضرت آسیہؑ کو مسکراتے دیکھا تو کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ دیوانی ہوگئی ہے، میں اس کو عذاب میں مبتلا کر رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے، اسی عذاب کے دوران حضرت آسیہؑ شہید ہوگئیں، روایت میں ہے کہ حضرت آسیہؑ پر دھوپ میں عذاب ہو رہا تھا تو خدا نے فرشتوں کو بھیجا انھوں نے ان پر سایہ کیا۔

یہاں پر غور کا مقام یہ ہے کہ آج کی نام نہاد مومنات یہ کہہ کر پردہ ترک کرتی ہیں کہ شوہر نے پردہ کرنے سے منع کر دیا ہے، ان کو جاننا چاہیئے کہ شریعت کے احکام کی مخالفت میں شوہر کی اطاعت نہیں ہے، خواتین کے سامنے جناب آسیہؑ کی مثال موجود ہے، فرعون جناب آسیہ کا شوہر تھا، اتنا طاقتور تھا کہ خود کو خدا کہلواتا تھا، ایسے طاقتور کے سامنے

ایک کمزور عورت کی کیا حیثیت ؟ لیکن انھوں نے ایمان سے ہاتھ نہ دھوئے اور ہر ظلم برداشت کیا اور شوہر کی اطاعت نہیں کی۔ اس اطاعتِ خداوندی کا انھیں یہ صلہ ملا کہ وہ دنیا میں فرعون جیسے بدترین کی بیوی تھیں اور جنت میں حضرت آسیہؑ کا نکاح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوگا، جو خدا کی مخلوقات میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں، خواتین یا تو دنیا کے گنہگار شوہر کی اطاعت کر کے جہنم اپنے لئے پسند کریں، یا شریعت کی پابندی کر کے شوہر کی ناراضگی مول لے کر آخرت میں جنت کی حقدار ہو جائیں، یہ فیصلہ خواتین کو کرنا ہے کہ ستر یا اسی سال بے پردہ رہ کر ہزاروں کروڑوں سال جہنم کی آگ میں جلتی رہیں، یا ستر یا اسی سال شوہر کی جھڑکیاں سن کر ہزاروں کروڑوں سال اور اس سے بھی زیادہ جنت میں رہیں، موجودہ دور میں شوہر فرعون کی طرح عذاب نہیں دے سکتے ہیں اگر ایسا کریں گے تو حکومت ان کو سزا دے گی۔

جب فرعون اور فرعونیوں پر ایک کے بعد ایک عذاب آتا رہا تو ایک روایت کے مطابق فرعون نے بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا، دوسری روایت کے مطابق ہر فرعونی کے بڑے لڑکے کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوگیا، فرعونی اس مصیبت میں پھنسے تو بنی اسرائیل اکٹھا ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آگئے اور آپ ان کو لیکر فرعون کی حکومت سے باہر جانے لئے روانہ ہوئے، جب فرعون کو خبر ہوئی کہ بنی اسرائیل مصر سے باہر جا رہے ہیں تو وہ مع لشکر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

فرعونیوں کا وہ گروہ جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان تو لے آیا تھا لیکن دنیا کے نفع کی خاطر فرعونیوں کے ساتھ تھا، انھوں نے بھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ چلنے کے لئے اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن خدا نے ایک فرشتہ بھیجا کہ ان کو واپس کر کے فرعون کے لشکر سے ملا دے، چنانچہ فرشتے نے ایسا ہی کیا اور یہ لوگ بھی فرعون کے ساتھ غرق ہوئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ گناہگاروں سے الگ ہونا بھی ضروری ہے، دنیاوی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے لیکن گناہگاروں سے دور رہنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے جارہے تھے، آگے دریائے نیل آ گیا پیچھے تعاقب میں فرعون تھا، بنی اسرائیل کے ہوش اڑ گئے اور کہنے لگے کہ موسیٰؑ تم نے تو ہمیں مار ہی ڈالا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ صبر کرو خدا نے ہمیں پہلے بھی غالب رکھا، اس وقت بھی غالب رکھے گا۔

حضرت موسیٰؑ نے حضرت محمدؐ وآلِ محمدؑ کا واسطہ دیکر عصا کو دریا پر مارا دریا میں فوراً راستہ پیدا ہو گیا، بنی اسرائیل نے ضد کی کہ ہم بارہ قبیلے ہیں بارہ راستے پیدا کیجئے حضرت موسیٰؑ نے بارہ راستے پیدا کئے۔ پھر بنی اسرائیل نے کہا کہ پانی میں جھروکے بھی پیدا کیجئے تاکہ ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں، حضرت موسیٰؑ نے وہ بھی پیدا کر دئے، بنی اسرائیل دریا میں داخل ہو گئے دریا کے اس پار بنی اسرائیل کا آدمی نکل رہا تھا اُدھر فرعونیوں کا آخری آدمی دریا میں داخل ہورہا تھا، جیسے ہی فرعونی دریا میں داخل ہوئے حکمِ خدا سے پانی پھر برابر ہو گیا اور بنی اسرائیل پار کھڑے فرعونیوں کے ڈوبنے کا انتظار کرتے رہے، اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے، سب فرعونی ڈوب گئے کسی کی لاش باہر نہ آئی لیکن پانی نے فرعون کی لاش باہر پھینک دی، اور بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ فرعون بھی ڈوب گیا۔

دریا پار کر کے بنی اسرائیل صحرا میں پہونچے جہاں نہ سایہ تھا نہ پانی تھا، اس وجہ سے بنی اسرائیل پریشان ہو گئے، حضرت موسیٰؑ نے دعا کی کہ خدا ان کی پریشانی کو دور فرما، تب ایک بادل آیا جو دن میں بنی اسرائیل پر سایہ کرتا تھا اور کھانے کے وقت ان پر من وسلویٰ گراتا تھا (حلوہ اور بھنے ہوئے بٹیر) اور پانی کے لئے حضرت موسیٰؑ نے ان کے درمیان ایک پتھر رکھ دیا، اس سے بارہ چشمے نکلتے تھے اور یہ لوگ سیراب ہو جاتے تھے، اسی طرح ایک مدت گذر گئی تو بنی اسرائیل نے کہا کہ ایک ہی کھانے پر ہم صبر نہیں کر سکتے ہیں، آپ دعا کیجئے کہ ہمارے لئے زمین سے سبزی ترکاری، ککڑی، مسور اور پیاز پیدا کرے، حضرت موسیٰؑ نے کہا تم اتنی عمدہ چیز (من وسلویٰ) کو معمولی چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو؟ اگر تمہیں یہی چاہیے تو کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں یہ چیزیں مل جائیں گی۔

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان کو ارضِ مقدس کی طرف لے جائیں

اور وہاں کے کفار کو نکال کر خود اس شہر میں سکونت پذیر ہو جائیں لیکن بنی اسرائیل نے کہا کہ وہاں کے لوگ نہایت طاقتور ہیں ہم ان کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے ہیں، تم اپنے پروردگار کے ساتھ جا کر جنگ کرو، حضرت موسیٰؑ نے یہ جواب سن کر کہا کہ خداوند مجھے اپنی ذات پر اختیار ہے اور اپنے بھائی ہارونؑ پر مجھے ان فاسقوں سے الگ کر دے، بنی اسرائیل کے اس جواب سے اللہ نے چالیس سال تک ان پر اس شہر میں داخل ہونا حرام کر دیا، یہ ساری رات چلتے اور صبح کو خود کو وہیں پاتے جہاں سے چلے تھے، بالآخر وہ تمام لوگ اس صحرا میں مر گئے جنھوں نے جانے سے انکار کیا تھا اور ان کی اولاد شہر میں داخل ہوئی، ایک روایت میں ہے کہ اولاد کی اولاد داخل ہوئی تھی، یہ لوگ جب شہر میں داخل ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ جب شہر کے دروازے پر پہونچیں تو سجدہ کریں اور حطہ کہیں (بخشش) یعنی اے خدا ہمارے گناہوں کو بخش دے، لیکن ان ظالموں نے بجائے حطہ کے حنطۂ حمراء (سرخ گندم) کہا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔

بنی اسرائیل جب فرعون کے شکنجے سے آزاد ہوئے تو انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کی کہ ہمارے لئے بھی کوئی کتاب ہوتا کہ ہم اس کے قانون پر عمل کریں، حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کی تو خدا کا حکم ہوا کہ تم کوہِ طور پر چالیس راتوں کے لئے آؤ، تو ہم کتاب عطا کریں گے، حضرت موسیٰؑ جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اپنا سونا مجھے لا کر دو تو تمہیں ایک بچھڑا بنا دوں گا جو حضرت موسیٰؑ کے خدا کی طرح تم سے کلام کرے گا، غرضیکہ بنی اسرائیل نے سامری کو سونا لا کر دیا، اس نے اس سونے سے بچھڑا بنایا اس بچھڑے کے پیٹ میں وہ مٹی ڈال دی جو اس نے حضرت جبرئیلؑ کے گھوڑے کے پیر کے نیچے سے اٹھائی تھی، کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ اگر اس مٹی کو بے جان شکم میں ڈال دیا جائے تو اس میں بھی جان پڑ جائے گی، اس لئے جیسے ہی سامری نے مٹی اس کے شکم میں ڈالی تو بچھڑا بولنے لگا، سامری نے کہا کہ اس میں موسیٰؑ کا رب آگیا ہے، لہٰذا اس کو سجدہ کرو اور پھر اس سے جو چاہنا کلام کرنا، پس اکثر افراد

سامری کے بہکائے میں آگئے، حضرت ہارونؑ نے ہر چند سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔

جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور سے واپس ہوئے تو انھوں نے قوم میں بچھڑے کی پوجا دیکھی تو سخت ناراض ہوئے اور قوم سے کہا کہ جو تم نے یہ پوجا شروع کی ہے اس کی سزا یہ ہے کہ پوجا کرنے والے گردن جھکا کر بیٹھ جائیں پوجا نہ کرنے والے مومنین ان کو قتل کرنا شروع کریں، ان لوگوں نے تعمیل حکم کی، ہزاروں آدمی قتل ہو گئے تب حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو ان پر رحم آیا اور ان کے لئے طلبِ مغفرت کی اور ان پر سے یہ سزا اٹھالی گئی، اور سامری کو بحکمِ خدا یہ سزا ملی کہ جو اس کو چھولے وہ بھی بیمار ہو جائے اور خود سامری بھی بیمار ہو جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس سے دور بھاگتے تھے اور یہ لوگوں سے دور بھاگتا تھا یوں ہی رہا کہ واصلِ جہنم ہوا۔

سامری کے اس واقعے میں یہ چیز غور طلب ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیلؑ کے گھوڑے کے پیر کی مٹی اٹھالی تھی، اس میں اتنی قوت تھی کہ بے جان بچھڑے میں ڈال دی تو وہ بھی بولنے لگا، غور کیجئے! حضرت علیؑ یا دیگر معصومینؑ یا اہلبیتؑ کی عظیم ہستیاں فرشتوں سے افضل ہیں تو پھر ان کے گھوڑوں کے پیر کی مٹی میں بھی یہ خاصیت زیادہ قوت سے ہونی چاہیئے، اب اگر کہیں پر شور ہو کہ معجزہ ہو گیا اور وہاں گھوڑے کے پیر کے نشان دکھائی دیں تو یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ خبر کہ وہاں حضرت علیؑ آئے تھے یا حضرت عباسؑ آئے تھے یا امام حسینؑ آئے تھے، سچ ہے یا نہیں ان بتائے گئے گھوڑوں کے پیر کے نشان کی مٹی اٹھا کر کسی جاندار کے مجسمے کے پیٹ میں ڈال دیجئے اگر وہ بولنے لگے تو سمجھئے کہ خبر سچی ہے اور اگر نہ بولے تو سمجھئے کہ خبر جھوٹی ہے۔

المختصر یہ کہ حضرت موسیٰؑ توریت لے کر آئے تو بنی اسرائیل نے کہا کہ توریت کے احکام بہت سخت ہیں، ان میں ترمیم کر کے ان قوانین کو سہل بنایا جائے۔

بنی اسرائیل کی یہ بات خدا کو ناگوار گذری اور خدا نے کوہِ طور کو بلند کر کے ان کے سروں پر مسلط کر دیا کہ یا تو اقرار کرو کہ توریت کے قوانین پر عمل کرو گے نہیں تو یہ پہاڑ تمہارے

سروں پر گرادیا جائے گا، جب بنی اسرائیل کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے توریت پر عمل کرنے کا اقرار کیا، اور کوہِ طور کو واپس خدا نے اسی جگہ قائم کیا جہاں وہ تھا۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کی جہالت میں کوئی کمی نہیں آئی اورانھوں نے آخر کار خدا کو آنکھ سے دیکھنے کی ضد کی، حضرت موسیٰؑ نے بہت سمجھایا کہ خدا کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے ہیں لیکن وہ نہ مانے آخر کار مجبور ہو کر خدا کی اجازت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی، اللہ نے کہا کہ اس پہاڑ کو دیکھو میں اس پر اپنی تجلی کا کچھ حصہ ڈالتا ہوں اگر یہ باقی رہ جائے تو جان لو کہ تم خدا کو دیکھ سکو گے ورنہ نہیں ۔پھر خدا نے اپنی تجلی کا کچھ حصہ پہاڑ پر ڈالا تو پہاڑ زمین کے برابر ہو گیا، اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو افراد تھے وہ سب مر گئے، بعد میں حضرت موسیٰؑ کی دعا سے خدا نے سب کو زندہ کیا اور انھوں نے جا کر اپنی قوم کو بتایا کہ خدا کا دیدار ممکن نہیں ہے۔

جب بنی اسرائیل مصر پہونچے تو فرعونیوں کی دولت مکان وغیرہ کے مالک ہو گئے اور عیش و آرام سے رہنے لگے اسی زمانے میں قارون نے اپنے علم کیمیا سے بہت زیادہ دولت اکٹھا کر لی اور اسے غرور ہو گیا اور وہ اپنی ایک جماعت کو لیکر حضرت موسیٰؑ سے علاحدہ ہو گیا، قارون حضرت موسیٰؑ کا خالہ زاد بھائی تھا، قارون نے ایک مرتبہ اپنی دولت کی نمائش کے لئے ایک جلوس نکالا جس میں اپنی دولت کی بھرپور طریقے سے نمائش کی تو جن کے دل میں دنیا کی محبت تھی وہ قارون کی شان و شوکت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے کاش ہمارے پاس بھی دولت ہوتی اور ہم بھی عیش و آرام سے زندگی گذارتے اور جو صاحبانِ علم تھے ان لوگوں نے کہا وائے ہو تم پر آخرت کا ثواب اس کے لئے ہے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال بجالائے۔

قارون کی سرکشی اتنی بڑھی کہ اس نے حضرت موسیٰؑ کو ذلیل کرنے کے لئے ایک فاحشہ عورت کو کثیر مقدار میں سونا دے کر راضی کر لیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر بہتان لگائے

، چنانچہ ایک روز جب حضرت موسیٰؑ گناہ اور اس کی سزا کا تذکرہ کر رہے تھے تو قارون بولا کہ اگر آپ نے زنا کیا ہو تو اس کی کیا سزا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے جب قارون کا یہ جملہ سنا تو غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور آپ نے کہا کہ ہاں اگر میں بھی زنا کروں تو میری بھی یہی سزا ہے، قارون بولا کے سنئے یہ عورت آپ کے خلاف کیا کہتی ہے، یہ کہہ کر عورت سے کہا کھڑی ہو جا، عورت کھڑی تو ہو گئی لیکن حضرت موسیٰؑ کے جلال سے خوفزدہ ہو گئی، حضرت موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ بیان کر کیا کہنا چاہتی ہے لیکن یاد رکھ جو کچھ کہے گی وہ خدا کے پیغمبر کی نسبت کہے گی، اگر غلط بیانی کی تو عذابِ خدا سے نہ بچ پائے گی۔ یہ سن کر وہ عورت تھر تھر کانپنے لگی اور کہا کہ موسیٰؑ قارون نے مجھے مال کا لالچ دے کر آمادہ کیا کہ میں آپ پر زنا کی تہمت لگاؤں، میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں میں اقرار کرتی ہوں کہ آپ نے میرے ساتھ ہرگز زنا نہیں کیا ہے، اس وقت حضرت موسیٰؑ نے سجدہ میں جا کر خدا سے قارون کی شکایت کی، خدا نے وحی کی کہ اے موسیٰ! سر سجدے اٹھاؤ میں نے زمین اور اس کی ہر چیز کو تمہارے تابع کر دیا ہے، تم خود جو سزا چاہو قارون کو دو۔

عورت کی گواہی کے بعد قارون مجمع میں ذلیل ہوا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے اجازت ملنے کے بعد قارون کے محل پر پہونچے جس کا دروازہ بند تھا، قارون نے ملنے سے انکار کیا اور پانی میں راکھ ملوا کر حضرت موسیٰؑ پر ڈلوادی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سجدہ خالق میں سر رکھا اور قارون کی شکایت کی، خدا نے پھر وحی کی کہ مجھ سے شکایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم جو چاہو سزا قارون کو دو۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بند دروازے کو اشارہ کیا وہ خود بخود کھل گیا، آپ قصرِ قارون میں اندر تشریف لے گئے، قارون نے جو حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو لگا خوشامد کرنے لیکن حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے سزا دینے کی اجازت مل چکی تھی اس لئے آپ نے کہا کہ ''خاموش ہو جا ابن لاوی'' اور زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل لے پس قارون فوراً زانو تک زمین میں دھنس گیا، قارون نے پھر لجاجت کی لیکن حضرت

موسیٰؑ نے پھر کہا کہ ''اسکت یابن لاوی ''(اے لاوی کی اولاد خاموش رہ) آپ نے پھر زمین کو حکم دیا کہ اس دشمن خدا کو نگل، المختصر یہ کہ قارون زمین میں دھنس گیا پھر حضرت موسیٰؑ کے حکم سے قارون کا خزانہ بھی زمین نے نگل لیا۔

قارون کی سکھائی ہوئی عورت کے واقعے سے ظاہر ہے کہ دنیازدہ افراد دینداروں پر تہمت لگا کر انھیں بدنام کرتے ہیں، اس لئے اگر آپ دیکھیں کہ کسی شریف آدمی پر کوئی تہمت لگائی جارہی ہے تو ایک دم یقین نہ کریں بلکہ تحقیق کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ دیندار شخص کی تبلیغ دین سے گھبرا کر دنیازدہ افراد نے اس پر تہمت لگائی ہوتا کہ اس پر سے لوگوں کا اعتبار اٹھ جائے، اور وہ تبلیغ دین، نہ کرسکے، آج کے تمام ذرائع ابلاغ یہودیوں کے قبضے میں ہیں اور ذرائع ابلاغ پر بے تحاشہ دولت صرف اس لئے خرچ کی جارہی ہے کہ لوگوں کو اپنی مرضی سے چلایا جائے اور دینداروں کو بدنام کیا جائے، یادرکھئے قارون بھی یہودی تھا، اس کا کردار بھی آپ نے پڑھا یہی حال آج کے یہودی ذرائع ابلاغ کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایک قتل ہوا، قاتلین نے قتل کے بعد لاش کو دوسرے قبیلے کے قریب لے جاکر ڈال دیا، مقتول کے بھائی حضرت موسیٰؑ کے پاس فریاد لے کر آئے، حضرت موسیٰؑ نے قاتل کے بارے میں اس قبیلے والوں سے دریافت کیا جن کے قریب لاش ملی تھی، وہ قبیلہ منکر تھا کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے، آپ ہم سے قسم لے لیں، حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ تم لوگ اس کا خوں بہا ادا کرو اور قسم کھاؤ کہ یہ جرم تمہارے آدمیوں کا کام نہیں ہے، قبیلے والے کہنے لگے یا تو آپ ہم سے خوں بہا لیجئے یا آپ ہم سے قسم لیجئے، ہم دونوں مطالبے کیوں پورے کریں، انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ قاتل کو ظاہر کردے، اور صرف قاتل کو سزا ملے، بے قصور بچ جائیں، پس خدا نے ان کی اس التجا کو قبول کیا اور کہا کہ یہ لوگ ایک گائے کو ذبح کریں اور اس کا گوشت مقتول سے مس کریں تو مقتول زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتادے گا، وہ کہنے لگے کہ آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں کیا کہیں ایک مردے کا گوشت دوسرے مردے سے مس کرنے پر

کیا مردہ زندہ ہوتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ کیا تمہیں قدرتِ خدا پر یقین نہیں ہے ،تمہیں تو حکمِ خدا پر بلاچوں وچرا عمل کرنا چاہئے۔ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ حکمِ خدا پر عمل کرتے لیکن انھوں نے سوالات شروع کردئے کہ کس صفت کی گائے ہو؟ کس عمر کی ہو؟ کس رنگ کی ہو؟ وغیرہ،ان سوالات کی وجہ سے گائے ملنا دشوار ہوگئی اور بہت تلاش کے بعد ایک گائے ملی،جو ایک مومن کی تھی اور یہ مومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے پیغمبر آخر اور ان کے اہل البیتؑ کے فضائل سن کر ان کی محبت میں ڈوب گیا تھا،اور روزانہ محمدؐ وآل محمدؑ پر دورد بھیجتا تھا،اس نے خواب میں حضرت محمدؐ وآل محمد کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ تو ہم کو دوست رکھتا ہے،لہٰذا خدا نے چاہا کہ اس کا کچھ اجر تجھے اس دنیا میں بھی دے ،لہٰذا جب تیرے پاس کل کچھ لوگ گائے خریدنے کے لئے آئیں تو تو اپنی ماں کے مشورے کے بغیر گائے نہ بیچنا،خدا تیری ماں کو چند امور الہام فرمائے گا،اور تجھے کافی دولت مل جائے گی۔

جوان خواب سے بیدار ہوا تو بہت خوش تھا،بنی اسرائیل اس سے گائے خریدنے آئے تو نوجوان نے گائے کی قیمت دو دینار بتائی،اور یہ بھی کہا کہ یہ قیمت میں بتا رہا ہوں ،اس کی اصل قیمت میری والدہ بتائیں گی،بنی اسرائیل نے کہا کہ یہ قیمت زیادہ ہے ہم ایک دینار دیں گے،والدہ نے قیمت چار دینار بتائی،وہ دو دینار دینے پر تیار ہوئے،جوان نے پھر والدہ سے مشورہ کیا،والدہ نے سو دینار قیمت کا مشورہ دیا،وہ پچاس دینار پر تیار ہوئے،جوان نے پھر والدہ سے مشورہ کیا،المختصر یہ کہ آخر میں قیمت یہ ٹھہری کہ گائے کی کھال میں جتنا سونا سمائے وہ اس کی قیمت ہے۔

الغرض گائے اسی قیمت پر خریدی گئی پھر گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول سے مس کیا گیا تو وہ مقتول بحکمِ خدا زندہ ہوگیا اور اس نے بتایا کہ ہماری چچازاد بہن جو پاک دامن اور حسین وجمیل تھی ہم تینوں بھائی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے وہ مجھ سے شادی کرنے پر رضامند تھی ان دونوں بھائیوں نے حسد کی وجہ سے مجھے قتل کردیا۔

قاتلین کا پتہ چل جانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قتل کرادیا، اور بنی اسرائیل سے فرمایا کہ خدا نے مجھے وحی کی ہے کہ جو آخرت میں کامیاب وکامران ہونا چاہے اس کو چاہئے کہ حضرت محمدؐ وآل محمدؐ کو دل سے دوست رکھے اور تمام مخلوق سے ان کو افضل جانے اور ان پر درود بھیجا کرے، تم نے دیکھا کہ یہ جوان محمدؐ وآل محمدؐ کو دوست رکھتا تھا اور ان پر درود بھیجا کرتا تھا اس کو کس بہانے سے اللہ نے اتنی دولت دلادی، یہ جان کر خداوند عالم سے مقتول نے دعا کی کہ مجھے محمدؐ وآل محمدؐ کے طفیل میں حیات دے کہ میں اپنی چچازاد بہن سے نکاح کروں، خداوند عالم نے اس کی دعا قبول فرمائی اس کو ایک سو تیس سال کی زندگی عطا فرمائی اور اس کو اس طویل عمر میں صحت وسلامتی عطا فرمائی، اور بتایا کہ یہ عمر پوری ہونے کے بعد میں تم کو ایک ساتھ موت دوں گا اور جنت میں بھی تم کو ایک ساتھ رکھا جائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ ونصیحت فرمارہے تھے، لوگ آپ سے سوال کرتے آپ ان کے جواب دیتے اس دوران آپ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں، یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی اپنی امت میں سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کو توریت دی گئی اور آپ پر علوم آشکار ہوئے تو آپ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں، المختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آتے ہی خداوند عالم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ موسیٰؑ کے دل میں جو زیادہ بزرگ ہونے کا خیال آیا ہے وہ کہیں انھیں نقصان نہ پہونچادے۔

تم ان سے کہو کہ وہ پتھر کے قریب دو دریاؤں کے اجتماع پر جائیں جہاں ان کو ایک شخص ملے گا، جو ان سے زیادہ علم رکھتا ہے اس سے جا کر علم حاصل کریں۔

دیکھا آپ نے نبیؑ کے دل میں صرف خیال آیا تھا کہ میں بڑا عالم ہوں، اللہ کو یہ بھی پسند نہیں آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا جاؤ جا کر علم حاصل کرو۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ دو لفظ لکھنا سیکھ گئے یا دو کتابیں پڑھ لیں اور بن گئے "بقراط" ہر کسی سے بحث

ہر کسی پر اپنے علم کا رعب، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ حرکات ہمیں آخرت میں تباہی کا مونہہ دکھادیں، انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت خدا سے ڈرتا ہے اور دعا کرتا رہے ''اے پالنے والے ہمارے علم اضافہ فرما''۔

پس جس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور حکم خدا سنایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اپنے خیال پر شرمندہ ہوئے، اور بارگاہِ خداوندی میں اس خیال پر توبہ کی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں اپنا جانشین بنا کر حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے، جناب یوشع علیہ السلام نے سفر کے لئے ایک مچھلی نمک لگا کر رکھ لی، چلتے چلتے جب اس جگہ پر پہونچے جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں پہونچ کر حضرت یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو پانی میں دھویا اور پتھر پر رکھ دی وہ مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی، یہ دونوں پھر آگے بڑھے پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ناشتہ لاؤ کہ کھائیں، حضرت یوشع علیہ السلام نے بیان کیا کہ وہاں جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں پر میں نے اس کو دھو کر پتھر پر رکھا تو وہ زندہ ہو کر چلی گئی تھی اور وہیں پر ایک آدمی سویا ہوا تھا، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کی ہمیں تلاش تھی وہ وہی شخص تھا جو پتھر کے پاس سو رہا تھا، کیونکہ خدا نے مجھے وحی کی تھی جس جگہ مچھلی زندہ ہو کر چلی جائے وہیں وہ شخص ملے گا جس سے تمہیں علم حاصل کرنا ہے، لہٰذا یہ لوگ اسی راہ سے واپس ہوئے تو دیکھا کہ وہ شخص (یہ جناب خضر علیہ السلام تھے) نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ وہیں بیٹھ گئے جب جناب خضر علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے سلام کیا اور ان سے جناب موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں آپ کے ہمراہ رہوں اور جو علم آپ کو خدا نے دیا ہے اس میں سے آپ مجھے کچھ سکھا دیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا تم میری ساتھ رہ کر میرے معاملات میں صبر نہیں کر سکتے ہو، اور تم صبر بھی کیسے کر سکتے ہو جبکہ تم جانتے ہی نہیں کہ حقیقت کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اطمینان رکھیں میں انشاء اللہ صبر سے کام لوں گا

،اور میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا، یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ دیکھو میرے کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کرنا، جب تک کہ میں خود تم سے بیان نہ کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام احکامِ خدا کے معاملے میں بہت سخت تھے ذرا سی خدا کی نافرمانی انھیں برداشت نہ تھی ،اور ظلم وناانصافی کے ہمیشہ خلاف رہتے تھے، ایسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

غرض کہ حضرت خضر وحضرت موسیٰ علیہم السلام روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، کشتی صحیح وسالم تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں سوراخ کردیا، یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہوئی آپ نے فوراً کہا کہ کیا آپ نے کشتی میں اس لئے سوراخ کردیا کہ کشتی والے غرق ہوجائیں؟ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے ،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بھول گیا تھا۔اس بارے میں آپ مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے۔

پھر جب کشتی سے اُترے تو حضرت خضرؑ نے ایک لڑکے کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، انھوں نے اس کو قتل کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا اور کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ کو مارڈالا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کا خون کیا ہو یقیناً یہ آپ نے برا کام کیا ہے۔

حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں نہیں کہہ چکا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کرسکو گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد میں اگر آپ سے کچھ کہوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔

یہ لوگ پھر روانہ ہوئے اور ایک بستی میں پہونچے، بھوک لگی تھی ،اہل بستی سے انھوں نے کھانا طلب کیا، ان لوگوں نے کھانا دینے سے انکار کردیا، یہ آگے چلے اور بستی میں ایک دیوار نظر آئی جو گرا چاہتی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کی مرمت کی

،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ دیوار بنانے کی اجرت چاہتے تو لے سکتے تھے ،اس طرح کھانے کا سامان ہو جاتا ،حضرت خضرؑ نے کہا کہ اب میرے اور تمہارے فراق کا وقت آگیا، اب میں تمہیں ان کاموں کی تاویل سے آگاہ کرتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے

وہ کشتی جس میں میں نے سوراخ کیا تھا وہ چند مسکینوں اور محتاج لوگوں کی تھی آگے ایک بادشاہ تھا جو صحیح وسالم کشتی غصب کر لیتا تھا اس لئے میں نے اس میں سوراخ کر کے عیب دار بنا دیا تاکہ بادشاہ کے آدمی اس کو غصب نہ کرسکیں۔

اور وہ لڑکا جس کو میں نے مار ڈالا اس کے والدین مومن تھے، یہ لڑکا بڑا ہو کر والدین کو اذیت پہونچاتا اور ان کو سرکش وکافر بنا دیتا اس لئے میں نے اس کو قتل کر دیا، اس لڑکے کے عوض اللہ اس کے والدین کو ایک فرزند عطا کرے گا جو بری باتوں اور گناہوں سے پاک ہوگا اور والدین پر مہربان ہوگا۔

وہ دیوار جس کی میں نے مرمت کی، اس کے مالک اس بستی کے دو یتیم بچے ہیں اس دیوار کے نیچے ان کے لئے ایک خزانہ دفن ہے، ان بچوں کا باپ نیک اور صالح شخص تھا خداوند عالم نے چاہا کہ دونوں لڑکے جب بالغ ہو جائیں اور ان کی عقل کامل ہو جائے تو اس دیوار کے نیچے سے اپنا خزانہ نکال لیں، یہ تمہارے پروردگار کی ان بچوں پر رحمت ہے، یاد رکھو یہ سب کام جو میں نے کئے اپنی رائے سے نہیں کئے بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے کئے ہیں، یہ تھی ان افعال کی تاویل جن کے دیکھنے پر تم صبر نہیں کر سکے۔

المختصر یہ کہ جناب خضر علیہ السلام نے جب اپنے کاموں کی تاویل بتائی اس وقت یہ دونوں دریا کے کنارے کھڑے تھے کہ ناگاہ ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ میں ایک قطرہ لے کر مشرق کی طرف پھینکا اور دوبارہ پانی کا قطرہ لے کر مغرب کی طرف پھینکا اور پھر ایک قطرہ دریا میں سے لیا اور دریا ہی میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر جناب موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اس کو تو میں بھی نہیں جانتا، اس گفتگو کو وہاں موجود اس شخص نے بھی سنا جو بیٹھا ہوا مچھلی پکڑ

رہا تھا، اس نے کہا سبحان اللہ! یہاں پر دو پیغمبر موجود ہیں، ان میں سے ایک وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے، دوسرے وہ ہیں جن کے پاس کلیم اللہ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے، یہ دونوں اس پرندے کے فعل کی وجہ نہیں بتا سکتے ہیں، لہٰذا مجھ سے سنو! اس پرندے نے جو مشرق ومغرب کی طرف پانی پھینکا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخرالزماں کا دین مشرق ومغرب میں پھیل جائے گا اور جو اس نے قطرہ دریا سے لے کر دریا میں پھینکا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخرالزماں کے علم کے مقابلے میں تم دونوں کے علم کی نسبت ایسی ہی ہے کہ جیسے اس دریا کے مقابلے میں اس قطرے کی حیثیت جو اس نے چونچ میں اٹھایا تھا یہ بتا کر وہ مچھلیوں کا شکاری نظروں سے غائب ہو گیا، تب ان دونوں انبیاء نے سمجھا کہ وہ شکاری نہیں تھا بلکہ فرشتہ تھا جسے خدا نے اسلئے بھیجا تھا کہ وہ بتائے کہ پیغمبر آخرالزماں کا علم کتنا ہے تا کہ ہم اپنے علوم کی زیادتی کی وجہ سے مغرور نہ ہوں

حضرت خضر علیہ السلام سے رخصت ہو کر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آئے اور سفر کی تفصیلات بیان کیں تو پرندے کا واقعہ زور دے کر بیان کیا اور بتایا کہ ہمارا علم پیغمبر آخرؐ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

رخصت ہونے سے قبل حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصیحتیں کیں۔

(۱) خدا کے سوا کسی سے لجاجت نہ کرو۔

(۲) بغیر ضرورت احتیاج راستہ نہ چلنا۔

(۳) بے موقعہ کبھی نہ ہنسنا۔

(۴) جب بھی کچھ یاد کرنا اپنی غلطی اور کوتاہیوں کو یاد کرنا دوسروں کی غلطیوں کی جانب نظر نہ کرنا نہ ان کو ذکر کرنا نہ اس پر انھیں ملامت کرنا۔

(۵) یہ تین چیزیں خدا کو بہت پسند ہیں (۱) تونگری میں میانہ روی (۲) مخالف

پر قابو پانے کے بعد معاف کر دینا، (۳) بندوں کے ساتھ حسن سلوک، جو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے قیامت میں خدا اس پر نیکی اور احسان کرے گا۔

(۵) حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ موسیٰؑ یاد رکھو جو دوسروں کی عورتوں کے ساتھ زنا کرتا ہے لوگ اس کی عورتوں کے ساتھ زنا کرتے ہیں اس لئے تم اپنی قوم کو بتا دینا کہ زنا بہت برا فعل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب وقت آخر آیا تو اللہ نے ملک الموت کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر ان سے کہو کہ مرنے کو تیار ہو جائیں، اور اگر وہ منع کریں تو واپس آ جانا، فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں جب موقعہ ہوگا میں بتا دوں گا، تب خدا نے ان سے کہہ دیا کہ جب تک تم خود اجازت نہ دو گے تمہیں موت نہ آئے گی۔

جب خدا کو منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلائے تو اس نے یہ انتظام کیا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک شخص کدال لئے ہوئے تیزی سے چلا جا رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ کدال لے کر اس قدر تیزی سے چلنے کی کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے (جو انسان کی شکل میں فرشتہ تھا) جواب دیا کہ خدا کے محبوب بندے کے لئے قبر تیار کرنے جا رہا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شوقِ ثواب میں اس سے کہا کہ کیا میں بھی خدا کے اس محبوب بندے کے لئے قبر کھودنے میں تمہاری مدد کے لئے تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں؟ اس نے اجازت دیدی ،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے دریافت کیا کہ جس کے لئے قبر کھودی گئی ہے اس کا قد کیا ہوگا؟ تا کہ سمجھ لیا جائے کہ قبر چھوٹی تو نہ ہوگی تو اس نے جواب دیا کہ اس کا قد آپ ہی کے قد کے برابر ہوگا، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں پہلے اس قبر میں لیٹ کر دیکھ لوں کہ قبر ٹھیک ہے یا نہیں؟

جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبر میں لیٹے اسی وقت خدا نے ان کی نظروں کے سامنے سے تمام حجابات اٹھادئے اوران کے سامنے وہ مقامات ظاہر کردئے جوآپ کو جنت میں ملنے والے تھے اور بتایا کہ بعد مرگ یہ سب آپ کے لئے ہے، مقاماتِ بہشت دیکھنے کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ کاش مجھے بھی اسی وقت موت آجاتی، پس اللہ تعالیٰ نے فوراً ملک الموت کو بھیج کر ان کی روح قبض کرالی، پھراس فرشتے نے جو انسانی صورت میں تھا باقاعدہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا، اسی لئے آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی جگہ معلوم نہیں ہے۔

تمام انبیاء میں یہ شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ آپ سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست گفتگو فرمائی، اس لئے آپ کو کلیم اللہ کہا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے سامنے نہایت انکساری اور عاجزی سے اپنے رخسار خاک پر رکھتے تھے

اسی چیز کی تعلیم شریعت نے ہم کو بھی دی ہے۔اور ہم نماز کے بعد سجدہ شکر میں دایاں رخسار اور بایاں رخسار خاک پر رکھتے ہیں، اس عظیم نعمت کو ہم نے اتنا معمولی سمجھ لیا ہے کہ بعد نماز جس طرح مرغی چونچ زمین پر رگڑتی ہے بس اسی طرح ہم میں سے بعض افراد کرتے ہیں کہ دائیں بائیں مونہہ زمین پر رکھا اور کھڑے ہوگئے اور انکساری وخاکساری کے مقصد کو بالکل فراموش کردیا ہے، مومنین کو چاہئے کہ خلوص کے ساتھ نہایت اطمینان سے خدا کی عظمت اور اپنی انکساری کو ذہن میں رکھ کر اپنے دائیں بائیں رخسار کو خاک پر رکھ کر وہ کہیں جس کی شریعت نے تعلیم دی ہے، جس کا تذکرہ انشاء اللہ نماز کے تذکرہ میں ہوگا۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی محترمہ جناب حنہ تھیں ان کے صرف ایک بیٹی تھیں، جن کی شادی حضرت زکریا علیہ السلام سے ہوئی تھی۔آپ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی

آپ نے اللہ سے مزید اولاد کے لئے دعا کی، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو بڑھاپے میں حمل ہو گیا، حمل ہونے سے وہ بہت خوش ہوئیں اور انھوں نے یہ منّت مانی کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اگر وہ صحیح سالم پیدا ہو جائے گا تو میں اس بچے کو دنیا کے کام سے آزاد کر کے تیری عبادت کے لئے وقف کر دوں گی، جناب حنّہ نے لڑکے کے لئے دعا کی تھی اس لئے ان کو امید تھی کہ اس مرتبہ لڑکا پیدا ہوگا اسی لئے انھوں نے ایسی منّت مان لی۔

لیکن جب وضع حمل ہوا تو وہ لڑکی پیدا ہوئی اس پر حضرت حنّہ نے حیرت سے کہا کہ پالنے والے یہ تو لڑکی ہے، اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا ہے (یعنی میں اس کو بیت المقدس کی خدمت وعبادت کے لئے وقف کر چکی ہوں، خیر جو بھی ہے) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتی ہوں، اللہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو قبول کر لیا، حضرت مریم سلام اللہ علیہا عام بچوں سے زیادہ تیزی سے بڑھتی تھیں اور جب نو سال کی ہوئیں تو نماز روزہ میں اس زمانے کے تمام عابدوں سے بڑھ گئیں

حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو بیت المقدس لے گئیں اور وہاں کے علماء وزہاد کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا، ان لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ لڑکی ہے تو انھوں نے لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن حضرت مریم کی والدہ نے اپنی نذر پوری کرنے پر اصرار کیا اور کہا کہ میں نے لڑکا سمجھ کر ہی نذر کی تھی اور جب کہ لڑکی پیدا ہو گئی تو اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں مجھے خواب میں حکم دیا گیا ہے کہ تم لڑکی کو بیت المقدس میں پیش کر کے اپنی نذر پوری کرو، اس لئے اس لڑکی کو یہاں لے کر آئی ہوں اور حکمِ خدا کے تحت اس کو یہاں چھوڑ کر جاؤں گی، تب علماء وزہاد نے حضرت مریمؑ کو قبول کیا۔

اب یہاں پر مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی پرورش کون کرے؟ ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی پرورش کرے، جب کوئی

فیصلہ نہ ہوسکا تو یہ طے پایا کہ تمام علماء اپنے اپنے قلم دریا میں ڈالیں جس کا قلم پانی میں کھڑا رہے وہی مریمؑ کا کفیل ہوگا، سب نے اپنے قلم دریا میں ڈالے سب کے قلم ڈوب گئے صرف حضرت زکریاؑ کا قلم پانی میں کھڑا رہا اس لئے حضرت مریمؑ کو حضرت زکریاؑ کی سپردگی میں دے دیا گیا، اور آپؑ نے ان کی پرورش پورے انہماک سے کی یوں بھی حضرت زکریاؑ کی زوجہ حضرت مریمؑ کی بہن تھیں۔

جب حضرت مریم علیہا السلام سن تمیز کو پہونچی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے کوٹھے پر ایک حجرہ الگ سے بنوادیا اور آپ وہیں رہ کر عبادت کرتیں، جب حضرت زکریا علیہ السلام کسی ضرورت سے باہر جاتے تو اس حجرے کا تالا باہر سے لگا کر جاتے اور جب واپس آتے اور حجرے کو کھولتے تو حضرت مریمؑ کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے پھل اور میوے موجود پاتے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل اور میوے موجود پاتے تو پوچھتے کہ تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا؟ حضرت مریمؑ جواب میں فرماتی تھیں کہ خدا کے یہاں سے آیا ہے بے شک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے

ایک روز حضرت مریم سلام اللہ علیہا نہانے کے لئے غسل خانے میں تشریف لے گئیں دروازہ بند کر کے جو پلٹیں تو دیکھا ایک شخص کھڑا ہوا ہے، یہ دیکھ کر آپ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس شخص (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے کہا کہ میں تمہارے پروردگار کا پیغام لے کر آیا ہوں وہ پیغام یہ ہے کہ میں تمہیں ایک پاک وپاکیزہ لڑکے کی پیدائش کی بشارت دوں، یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ انسانی صورت میں فرشتہ ہے حضرت مریمؑ کو سکون ملا اور آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے کہا کہ مجھے لڑکا کیونکر پیدا ہوسکتا ہے مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں (یعنی ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے) اور نہ میں بدکار ہوں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو لیکن بے باپ کے لڑکا پیدا کرنا خدا کے لئے مشکل نہیں ہے، خدا اس کو پیدا کر کے لوگوں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی قرار دے گا، اور اسے اپنی رحمت کا خاص ذریعہ بنائے گا،

اور یہ خدا کے یہاں طے ہو چکا ہے، یہ کہہ کر حضرت جبرئیلؑ نے ایک پھونک ماری اور چلے گئے۔

غرض کہ حضرت مریمؑ حاملہ ہوگئیں بعض روایات میں ہے کہ آپ کی مدت حمل ۸/ ماہ تھی بعض چھ ماہ کہتے ہیں اور ایک روایت میں ۹/ گھنٹے حمل کی مدت بیان ہوئی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کونسی روایت صحیح ہے۔

جب وقتِ ولادت قریب آیا تو دردِ زہ شروع ہوا آپ مکان سے نکلیں اور آبادی سے باہر ایک کھجور کے سوکھے ہوئے درخت کے پاس پہونچیں، مارے شرم کے آپ کا برا حال تھا کہنے لگیں کہ کاش میں پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی، اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور آواز آئی گھبراؤ نہیں دیکھو تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے قریب ہی چشمہ جاری کردیا اور اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ تو تم پر پکی تازہ کھجوریں گریں گی، ان کو کھاؤ اور اپنے بیٹے سے آنکھیں ٹھنڈی کرو، اور چشمے کا پانی پیو، اگر تم کسی آدمی کو دیکھو اور وہ تم سے کچھ پوچھے تو تم اشارے سے کہہ دینا کہ میں نے خدا کے واسطے روزے کی نذر کی ہے اس لئے بات نہیں کرسکتی ہوں۔

یہاں پر غور طلب یہ ہے کہ حضرت مریمؑ تنہا ہیں کوئی مددگار پاس نہیں ہے اللہ نے ان کے لئے چشمہ جاری کردیا ہے، اللہ کے لئے کیا مشکل ہے کہ کھجوروں سے بھرا ہوا طشت آپ کے لئے بھیجے، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ سوکھے ہوئے کھجور کے درخت کو ہلاؤ تب اس سے تازہ کھجوریں گریں گی ان کو کھاؤ۔ بالفاظِ دیگر جتنا کام حضرت مریمؑ کرسکتی تھیں اتنا کام خدا نے ان سے لیا تب کھانے کو کھجوریں ملیں ....دوسری طرف ہم ہیں گھر میں پڑے ہیں کرتے کراتے کچھ نہیں، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ کچھ کرو تو جواب ہوتا ہے کہ اللہ رازق ہے، وہ انتظام کرے گا ہی لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہاتھ پیر صحیح سالم دینے کے بعد اللہ کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب آپ محنت کریں اور کھائیں......... ہماری قوم میں درگاہ زدہ افراد بھی ہیں درگاہوں میں پڑے ہیں

،ارے بھائی کچھ کرو، جواب ہوتا ہے کہ مولا دیں گے، یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ درگاہ بنانے کا حکم مولا نے نہیں دیا ہے اور نہ درگاہ زدہ افراد کو روزی پہونچانا مولا کی ذمہ داری ہے، یہ سب لوگ دین وشریعت کو بدنام کرنے والے ہیں ایسے افراد کو کام کے لئے مجبور کیا جانا ضروری ہے۔

پھر حضرت مریم سلام اللہ علیہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں، لوگ دیکھ کر کہنے لگے کے اے مریمؑ تم نے یہ برا کام کیا دوسری آواز آئی کے اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی (یہ تونے کیا کیا؟)

اس زمانے میں ہارون نام کا ایک آدمی نہایت شریف نیک پاک طینت شخص تھا ،لوگوں نے حضرت مریمؑ کے تقوی کی گواہی ہارون کی بہن کہہ کردی اور ساتھ میں حضرت مریمؑ کے والدین کی پاکدامنی کی گواہی بھی دی اور حضرت مریمؑ کی گود میں بچہ دیکھ تعجب بھی کیا۔

اُٹھتی ہوئی ان آوازوں کو حضرت مریمؑ نے اشارے سے خاموش کیا کہ میں روزے سے ہوں جو پوچھنا ہو اس بچے سے پوچھ لو، وہ لوگ بولے کہ بھلا ہم گود کے بچے سے کیونکر بات کریں۔

اس پر بچہ قدرتِ خدا سے گویا ہوا کہ میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا کی ہے اس نے مجھ کو نبی بنایا ہے، میں جہاں کہیں بھی رہوں مجھ کو مبارک بنایا ہے اور مجھ کو جب تک زندہ ہوں نماز پڑھنے اور زکات دینے کی تاکید کی ہے اور مجھ کو اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ مجھ کو نافرمان نہیں بنایا، خدا کی طرف سے جس دن میں پیدا ہوا ہوں اور جس دن میں مروں گا مجھ پر سلام ہے اور جس دن دوبارہ اٹھا کر کھڑا کیا جاؤں گا، اس دن بھی سلام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں کلام کرنے سے اکثر افراد کی تو زبانیں بند ہوگئیں اور سمجھ گئے کہ اس بچے کو خداوند عالم نے اپنی خاص منشاء سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے لیکن جو کٹ حجت تھے جن کو ایمان نہیں لانا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی

والدہ کی گود میں کلام کرتے ہوئے دیکھنے کے بعد بھی متاثر نہ ہوئے اور مخالفت پر جمے رہے، ان مخالفین میں اس دور کا بادشاہ جس کا نام قیدوسن تھا وہ بھی مخالفت پر اڑا ہوا تھا، دوسری روایت میں اس کا نام ہردوس بھی تحریر ہے یہ بادشاہ مخالفت میں اتنا بڑھا کہ قتل پر آمادہ ہوگیا، تب خداوند عالم نے حضرت مریمؑ کو حکم دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لیکر مصر چلی جاؤ اور جب اس بادشاہ کی موت ہوجائے تب واپس آنا، چنانچہ حضرت مریم اپنے چچازاد بھائی یوسف نجار کو ساتھ لے کر مصر چلی گئیں اور وہاں اس وقت تک رہیں جب تک بادشاہ مر نہیں گیا، جب بادشاہ کی موت ہوگئی تو پھر حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو حکم خدا ہوا کہ اب تم پھر واپس بیت المقدس چلی جاؤ۔

مصر پہونچنے کے بعد حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو ایک شریف انسان نے اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دیدی، گذر بسر کے لئے حضرت مریمؑ نے وہاں پر کپڑا بننا شروع کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو ان کو ایک معلم کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھا دیا،

معلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرت عیسیٰؑ نے بسم اللہ پڑھ لی، پھر معلم نے کہا کہ کہو ابجد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے کہا کہ ابجد کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ یہ سن کر استاد نے کہا کہ جو میں پڑھاتا ہوں تم اُسے پڑھو اور بلاوجہ کٹ حجتی نہ کرو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے جو مجھے بسم اللہ پڑھائی ہے تو اس میں ب س م وغیرہ کے کیا معنی ہیں؟ یہ سن کر معلم ناراض ہوگیا اور بولا کہ پڑھنے آئے ہو یا وقت ضائع کرنے آئے ہو؟ میں ان حروف کے معنی نہیں جانتا، حضرت عیسیٰؑ نے کہا اگر تم نہیں جانتے تو مجھ سے سنو یہ کہہ کر آپ نے تمام حرفوں کے معنی معلم کو بتائے۔

معلم نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکمت کی باتیں سنیں تو حیران رہ گیا، اور جناب مریمؑ کے پاس آکر کہا کہ آپ کے بچے کو علم سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ وہ چیزیں جانتا ہے جو میں بھی نہیں جانتا اس واقعے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

ذہانت اور علم کا چرچا ہر طرف پھیل گیا۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ اس شخص کے مکان میں رہتے ہوئے گذرا تھا کہ مالک مکان کے گھر میں چوری ہوگئی جس کی وجہ سے مالک مکان کو بہت تکلیف ہوئی اور وہ حضرت مریم وغیرہ پر شبہ کرنے لگا، اس صورتِ حال سے حضرت مریم خاموش رہنے لگیں ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام گوابھی بچے تھے لیکن آپ نے والدہ کو خاموش دیکھ دریافت کیا کہ آپ کیوں خاموش رہتی ہیں، انھوں نے بتایا کہ مالک مکان کے یہاں چوری ہونے کے بعد ہم لوگ بھی مشکوک ہوگئے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ والدہ گرامی اگر آپ فرمائیں تو میں چور کو پکڑوادوں، حضرت مریم نے کہا بیٹا چور کا پکڑا جانا ضروری ہے۔

غرضکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مکان مالک سے کہئے کہ ان تمام لوگوں کو جو اس کے مکان میں رہتے ہیں جمع کرے تو میں فوراً بتادوں گا کہ کس نے چوری کی ہے، یہ خبر پھیلتے ہی کہ بچہ چور کی اطلاع دے گا تمام محلّہ وہاں اکٹھا ہوگیا اور مکان مالک کے کہنے سے وہ تمام افراد بھی آگئے جو مالک مکان کے اس بڑے مکان میں رہتے تھے ان افراد میں ایک شخص اندھا تھا اور ایک اپاہج تھا، ان دونوں پر کسی کو شبہ نہ تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ دونوں چور ہیں، اس پر یہ دونوں مکر گئے مالک مکان اور محلے والوں کو بھی یقین نہ آیا، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مزید وضاحت کی کہ اندھا اپاہج کو اٹھا کر وہاں لے گیا جہاں مال رکھا ہوا تھا اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ انھوں نے مال کہاں چھپایا ہے اگر میں ابھی سے بتادوں کہ مال کہاں ہے تو لوگوں کو شبہ رہ جائے گا لہٰذا پہلے ان سے اقرار جرم کرالیا جائے۔

یہ کہہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ بہتر ہے کہ صاف صاف بتادو ورنہ دوسری کاروائی کی جائے گی، لیکن وہ پھر بھی انکار کرتے رہے، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی جس کی وجہ سے ان پر دہشت طاری ہوگئی اور انھوں نے چوری کا اقرار کیا اور پھر اندھا اپاہج کو اٹھا کر اس جگہ لے گیا جہاں مال چھپایا ہوا تھا،

المختصر یہ کہ مالک مکان کا سارا مال مل گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہرت چہار طرف پھیل گئی۔

مصر میں رہتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر بارہ سال ہو چکی تھی کہ وحی خدا ہوئی کہ اے عیسیٰؑ تمہارا دشمن بادشاہ مر چکا ہے، اس لئے اب تم مصر سے بیت المقدس کی طرف پھر واپس آؤ، حکم خدا ہونے کے بعد حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور آپ کے چچازاد بھائی یوسف نجار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر بیت المقدس میں واپس آ گئے اور کوہ خلیل کے ایک قریہ ناصریہ میں سکونت اختیار کی اسی لئے عیسائیوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام ناصریہ میں جس گھر میں مہمان تھے وہ میزبان ان مقدس ہستیوں کی بہت خدمت کرتا تھا، ایک دن جناب مریم سلام اللہ علیہا اپنے میزبان کی بیوی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اتنے میں اس کا شوہر آیا جو بہت زیادہ پریشان تھا، حضرت مریمؑ نے اس کی زوجہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کیوں پریشان ہیں؟ اس نے بتایا کہ بادشاہ کا دستور ہے کہ وہ اپنے درباریوں کے یہاں باری باری کھانا کھاتا ہے اور کل بادشاہ اور اس کے درباریوں کی مہمانداری کا نمبر ہمارا ہے اسی کے انتظام کے لئے یہ فکرمند ہیں، حضرت مریمؑ نے فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہو کہ فکر نہ کریں میں اپنے بیٹے سے کہہ دوں گی وہ خدا سے دعا کر دے گا اور تمام انتظام خود بخود ہو جائے گا۔

حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ بیٹا خدا سے دعا کرو کہ ہمارے میزبان کی عزت بادشاہ کی نظروں میں بڑھ جائے اور خدا کی طرف سے ایسے بہترین کھانوں کا انتظام خود بخود ہو جائے کہ ایسے لذیذ کھانے بادشاہ نے کبھی نہ کھائے ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا مادرِ گرامی میں خدا سے ضرور دعا کروں گا آپ میزبان سے کہہ دیجئے کہ جس قدر کھانے اور پینے کی ضرورت سمجھے اتنے برتنوں میں صاف پانی بھروا دے۔

میزبان نے ایسا ہی کیا جب بادشاہ مع اپنے درباریوں کے آیا ہے تو ان برتنوں میں بہترین کھانے و بہترین شربت موجود تھے جو اُس سے پہلے کسی نے نہ کھائے تھے،

بادشاہ نے میزبان سے پوچھا کہ اتنے لذیذ کھانے تم نے کس طرح تیار کرائے جو ہم نے آج تک نہ کھائے تھے، اس نے بتایا کہ میرے یہاں ایک ایسا مہمان ٹھہرا ہوا ہے وہ اپنے خدا سے جو دعا کرتا ہے اس کا خدا اسے پوری کر دیتا ہے، یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ میرا ایک لڑکا تھا جو میرا ولی عہد تھا میں اس کو بہت چاہتا تھا لیکن موت نے اس کو مجھ سے چھین لیا ،اگر تمہارا مہمان اپنے خدا سے دعا کرے کے اسے زندہ کرا دے تو میں بھی اس کے دین پر آ جاؤں گا، اور اس کا بہت احسان مانوں گا، اس شخص نے کہا کہ میں اپنے مہمان سے ابھی آپ کی ملاقات کرا دیتا ہوں آپ خود اس سے اپنی تمنا کا اظہار کیجئے۔

المختصر یہ کہ بادشاہ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی خواہش کا اظہار کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لڑکے کے دوبارہ زندہ ہونے کی دعا کی خدا نے آپ کی دعا قبول کی اور وہ لڑکا زندہ ہو گیا اس واقعے کے بعد ناصریہ میں بھی کثیر تعداد میں لوگ ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہرت ہو گئی۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے حواریوں کے ایک ایسی جگہ سے گذرے کہ جہاں لوگ جگہ جگہ مرے ہوئے پڑے تھے ان کی ہڈیاں ادھر ادھر بکھری پڑیں تھیں، یہ حال دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عذابِ خدا سے مرے ہیں ،اگر طبعی موت مرتے تو ایک دوسرے کو دفناتے ،یہ سن کر حواریوں میں سے بعض نے کہا کہ اے خدا کے نبی ہم چاہتے ہیں کہ جانیں کہ یہ لوگ کس بات پر عذاب خدا میں مبتلا کئے گئے، آپ نے خدا سے دعاء کی تو خدا نے آپ کو وحی کی کہ تم ان کو آواز دو ان میں سے کوئی تم سے خود کلام کرے گا، حضرت عیسیٰؑ نے ان مردہ لوگوں کو آواز دی کہ تم میں سے کوئی مجھے اپنے حالات سے آگاہ کرے، تو ایک مردے کی آواز آئی کہ اے خدا کے نبی ہم پر دنیا کی محبت غالب آ گئی تھی کہ ہم نے اہل باطل کی اطاعت کر لی ،اور جو کوئی ہمیں سمجھاتا تھا ہم اس کی بات نہ مانتے تھے بلکہ اہل باطل کی بات پر ہم فوراً عمل کرتے تھے اور آخرت کو ہم بھلا بیٹھے تھے، یوں ہی رہا کہ ہم پر عذاب خدا نازل ہو گیا، شام

کو ہم اچھے تھے لیکن رات ہوتے ہی ہم سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور اب ہم سب عذاب بھگت رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو ہی کیوں ہم سے مخاطب ہوا؟ دوسرے کیوں نہیں بولے؟ اس نے کہا کہ دوسرے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، ان کے مونہہ پر آگ کی لگام چڑھی ہوئی ہے وہ بول بھی نہیں سکتے ہیں، اور مجھ پر عذاب کم اس لئے ہے کہ میں ان کے درمیان ضرور تھا لیکن ان کی بداعمالیوں میں ان کا شریک نہیں تھا، لیکن میں انھیں بری باتوں سے منع نہیں کرتا تھا، اب مجھے آگ کے کنارے اپنے بالوں کے سہارے لٹکایا گیا ہے اور میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں آگ میں گر نہ پڑوں۔

اس مردے کا کلام سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو برے عمل کا کیسا برا انجام ہوتا ہے اور برے لوگوں کے ساتھ رہنا بھی عذاب کا سبب بن جاتا ہے اس لئے برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اچھے لوگوں کے ساتھ رہنا چاہئے۔

دیکھا آپ نے بری باتوں سے منع نہ کرنے پر اور برے لوگوں میں رہنے پر عذاب کا مستحق ہو گیا اور دوسری طرف ہم ہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کسی نے کسی کا مکان یا دوکان غصب کر لی ہے کسی نے قرض لے کر واپس نہیں کیا کسی نے امانت رکھی اور پھر واپس نہیں کی کسی نے اپنی بیوی پر ظلم کیا کسی نے بہو پر ظلم کیا کسی نے ساس پر ظلم کیا کسی نے والدین کی نافرمانی کی اور ان کو ستایا، وغیرہ وغیرہ یہ سب ہم دیکھتے ہیں نہ منع کرتے ہیں اور نہ ان لوگوں سے دوری اختیار کرتے ہیں اگر خدا نے اپنی مصلحت سے عذاب کو روک رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم گنہگار نہیں ہیں، ہم گنہگار ہیں مرنے کے بعد ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم کتنے گناہ سمیٹ کر دنیا سے سدھارے ہیں ابھی وقت ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں۔

ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کی طرف سے گذرے تو دیکھا کہ صاحب قبر پر عذاب ہو رہا ہے، جب واپسی میں پھر اس قبر کے قریب سے گذرے تو دیکھا کہ

عذاب ٹل چکا ہے اور اب وہ سکون کی حالت میں ہے، یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عذاب ٹل جانے کی وجہ دریافت کی ، خدا نے وحی کی کہ اے عیسیٰؑ یہ شخص اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا تھا، لیکن اس کے بڑے لڑکے نے جوان ہونے کے بعد ایک راستے کو ٹھیک کر دیا اور ایک یتیم کو پناہ دیدی اس نیک کام کی وجہ سے اس کے باپ پر سے عذاب کو ٹال دیا گیا ہے۔

کاش کہ ہم اپنی اولاد کو دیندار بنائیں لیکن ہم تو اپنی اولاد کو انگریزی اسکولوں میں پڑھاتے ہیں دنیا داری پوری طرح سکھاتے ہیں، دینداری نہ ہم جانتے ہیں اور نہ اولاد کو سکھاتے ہیں بعد مرگ ہم پر سے عذاب کس طرح ٹلے گا؟ غور کیجئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ایمان لاتے چلے گئے اس وقت آپ کی عمر تیس سال ہو چکی تھی کہ حکمِ خدا پہونچا کہ عیسیٰؑ اپنے تبلیغی کام کو تیز کر دو اور اپنے معجزات کو عام کر دو، اس حکم کے پہونچنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کام کی رفتار تیز کر دی اور اعلان کرا دیا کہ جو بیمار ہوں اور شفا چاہتے ہوں وہ میرے پاس آئیں، اس اعلان کا ہونا تھا کہ چاروں سمت سے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہونے لگے اور شفا پانے لگے، بعض ایام میں تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتے اور شفا حاصل کر کے جاتے تھے، اس طرح لوگوں نے ایمان لانا شروع کر دیا، یہ چیز شیطان کو ناگوار گذری اس نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا کہ دراصل یہ خدا ہیں بعض لوگ شیطان کے بہکائے میں آگئے بعض نے ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لئے جانے کے بعد مومنین کم ہوتے چلے گئے اور بد عقیدہ بڑھتے چلے گئے چنانچہ آج عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو خدا کا بندہ اور خدا کا رسول ہی کہا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت سادہ طریقے پر زندگی بسر کرتے تھے خدمتِ خلق کے ساتھ ساتھ آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے، آپ کے کپڑے سادہ اور نہایت کم

قیمت کے ہوتے تھے خدا کے بندوں کو فائدہ پہونچانے کی فکر میں ہر وقت منہمک رہتے تھے، آپ نے شادی نہیں کی، آپ نے اپنے بعض خطبوں میں فرمایا کہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ میرے خادم میرے دونوں ہاتھ تھے اور سواری میرے پیر تھے، میرا بستر زمین میرا تکیہ پتھر تھا۔

ایک دوسرے خطبے میں آپ نے فرمایا کہ میں رات بسر کرتا ہوں اور کچھ نہیں رکھتا اور صبح ہوتی ہے میرے پاس کچھ نہیں ہوتا لیکن اس حالت میں بھی زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی غنی نہیں اور نہ کوئی مجھ سا بے نیاز ہے اس لئے کہ میرا بھروسہ خدا ہی پر ہوتا ہے۔

روایت ہے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی لوگوں کے عیبوں کی جستجو نہیں کی ،اور نہ کسی کے سامنے چلاّ کر بولے نہ کبھی قہقہہ مار کر ہنسے، اور نہ کسی کو اپنے پاس سے ہٹایا، نہ کبھی کسی کھیل میں دلچسپی لی، نہ کھیلے نہ کبھی کوئی مہمل کام کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر بھی دی اور اس کا تذکرہ قرآن نے بھی کیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی پیشین گوئی انجیل میں بھی تھی لیکن اس میں عیسائیوں نے اتنی تبدیلی کردی کہ اصل انجیل ختم ہوگئی مگر پھر بھی موجودہ انجیل میں بھی غور وفکر کے بعد رسول کریمؐ کے متعلق مواد مل جاتا ہے کہ آپ تشریف لانے والے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں (صحابیوں) کے ساتھ چلے جارہے تھے ،راہ میں ایک مردہ سڑا ہوا کتا پڑا ہوا تھا، جس میں سخت بدبو تھی حواریوں نے کہا کتنی بدبو ہے ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس کے دانت کس قدر سفید اور خوبصورت ہیں، حضرت عیسیٰؑ نے یہ کہہ کر حواریوں کو سبق دیا کہ لوگوں کے عیب تلاش کرنے کے بجائے ان کی خوبیاں تلاش کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دنیا کو ایک بوڑھی عورت کی ڈراؤنی صورت میں پیش کیا گیا، اس کے دانت گر چکے تھے اس نے خود کو بہت سجا رکھا تھا دنیا کی حقیقت

دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے سوال کیا کہ تو نے کتنے شوہر کیے، کہا شمار نہیں کر سکتی ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال کیا کہ کیا سب مر گئے؟ یا انھوں نے تجھے طلاق دیدی؟ اس نے کہا نہیں بلکہ سب کو میں نے مار ڈالا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ افسوس تیرے باقی بچے شوہروں پر کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ہر روز تو ایک نہ ایک کو مارتی ہے پھر بھی وہ تجھ سے دور نہیں ہوتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم پر آسمان سے کھانا (مائدہ) نازل کرائیے، آپ نے دعا کی تو مائدہ نازل ہوا، جب اس خوان پر سے کپڑا اٹھایا گیا تو اس میں بھنی ہوئی مچھلی تھی ترکاریاں تھیں، پانچ روٹیاں تھیں، زیتون، شہد، گھی، پنیر، اور کباب تھے، مچھلی کے سر کے پاس نمک تھا اور دم کے قریب سرکہ تھا، اس خوان سے مریض نے کھایا تو اس کو صحت ہوگئی، غریب نے کھایا تو وہ مالدار ہوگیا، سینکڑوں آدمیوں نے کھایا، لیکن کھانا کم نہ ہوا پھر وہ خوان آسمان پر واپس چلا گیا، جو لوگ اس میں سے نہ کھا سکے وہ پچھتائے، آخر کار مائدہ روز نازل ہونا شروع ہوا، غریب امیر سب کھانے لگے، جب مائدہ نازل ہوتا تو کھانے والوں کا اژدہام ہوجاتا تھا، یہ سلسلہ چالیس روز تک رہا پھر دولتمندوں نے فقیروں اور غریبوں کے ساتھ زیادتی شروع کردی، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باری مقرر کردی ایک دن امیر کھائیں اور ایک دن غریب کھائیں، مائدہ صبح سے ظہر تک زمین پر رہتا، پھر آسمان پر چلا جاتا، پھر ایک دن ناغہ کر کے مائدہ نازل ہونے لگا پھر خدا کا حکم ہوا کہ امیروں کو کھانے سے روک دو، اس کو صرف غریب افراد کھائیں، حضرت عیسیٰؑ نے ایسا ہی کیا، یہ بات امیروں کو ناگوار گذری اور وہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور دین خدا سے پھر گئے اور حضرت عیسیٰؑ کو نبی ماننے کے بجائے جادوگر کہنے لگے اور جب ایسا ہوا تو مائدہ آنا بند ہوگیا، اور جو لوگ دین سے پھر گئے تھے ان پر عذاب نازل کردیا گیا یہ لوگ رات کو اپنے گھر والوں کے ساتھ معمول کے مطابق سوئے لیکن جب صبح ہوئی تو یہ مسخ ہو کر سور ہو گئے اور تمام بستی

میں گشت کرتے پھرے سب نے جھٹلانے والوں کو حشر دیکھ لیا تین دن بعد یہ لوگ مر گئے۔

دیکھئے اللہ نے پہلے آسمان سے کھانا نازل کیا کھانا ہر شخص کھاتا پھر بھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن امیروں نے غرباء کے ساتھ زیادتی کی تو ان دونوں طبقوں کو الگ الگ کر دیا گیا، پھر امیروں کا امتحان اس طرح لیا گیا کہ ان کو کھانے سے منع کر دیا، اگر ان امیروں کا ایمان مضبوط ہوتا تو حکمِ خدا پر راضی رہتے صرف کھانے سے منع کرنے پر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور نتیجے میں سور بن گئے، دوسری روایت میں سور بندر، ریچھ وغیرہ بننے کا بھی تذکرہ ہے۔

جان لیجئے ! اگر آپ سے کوئی نعمت دینے کے بعد لے لی جائے تو ممکن ہے کہ یہ آپ کا امتحان ہو اس حالت میں صبر و شکر کا دامن تھامے رہیئے، ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور آخرت میں آگ ہی آگ آپ کا مقدر ہو جائے۔

المختصر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے رہے، بیماروں کو شفایاب کرتے رہے، اندھوں کو بینا کرتے رہے، کوڑھیوں کو صحت یاب کرتے رہے، جس کی وجہ سے آپ کی شہرت چہار طرف پھیل گئی اور لوگ آپ کے دین میں برابر داخل ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی عمر ۳۳ سال ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے کٹ حجت یہودی آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہے بلکہ روز اس میں اضافہ ہوتا گیا، بدبخت یہودی کبھی تو حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر تہمت لگاتے، کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے اور آپ کے درپئے آزار رہتے، بالآخر ایک دن موقعہ پا کر یہودیوں نے اس گھر کو گھیر لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے، یہودیوں کا ارادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا تھا، آپ نے خدا سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دے کر یہودیوں کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا، اب آپ چوتھے آسمان پر ہیں اور زندہ ہیں، سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے جو یہودی مکان میں داخل

ہوا خدا نے اس کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل کا بنا دیا، جب دیگر یہودی اس مکان میں داخل ہوئے تو انھوں نے اس یہودی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کرلیا، ہر چند وہ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں لیکن یہودی نہ مانے اور انھوں نے اس کو سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو آپ کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا اور آپ نے گریہ کرنا شروع کردیا، جب تک زندہ رہیں گریہ کرتی رہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے چھ سال بعد حضرت مریم سلام اللہ علیہا ۵۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے سدھار گئیں، جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اس وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر ۳۳ ر سال تھی۔

جس وقت امام مہدی علیہ السلام قبل قیامت ظہور فرمائیں گے، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے امام مہدی علیہ السلام کی مدد کے لئے تشریف لائیں گے، اور امام مہدی علیہ السلام کی امامت کا اقرار کریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے، تو اس وقت دیکھنے سے ایسا محسوس ہوگا گویا آپ کی عمر چالیس سال ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی علیہ السلام کے دور میں شادی بھی کریں گے، اور روایت میں ہے کہ آپ کے دو بیٹے ہوں گے ان میں ایک کا نام احمد اور دوسرے کا موسیٰ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا اور وہ آپ کو خدا کا بیٹا کہنے لگے، بعد میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی انھوں نے خدائی میں شامل کر کے تین خدا بنالئے اور تثلیث کے قائل ہو گئے، قیامت میں خداوند عالم تمام عیسائیوں کو جنھوں نے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا تھا اکٹھا کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا کہ

"اے مریم کے بیٹے! کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالو، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری تو یہ

مجال نہ تھی کہ ایسی بات مونہہ سے نکالوں جس کا مجھے کوئی حق نہ ہو اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا کیونکہ تو میرے دل کی سب بات جانتا ہے میں نے تو ان سے یہی کہا تھا کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پالنے والا ہے، جب تک میں ان میں رہا میں نے انھیں گمراہ نہ ہونے دیا، پھر جب تو نے دنیا سے مجھے اٹھالیا تو میری ذمہ داری ختم ہوگئی (میرے بعد انھوں نے کیا کیا وہ تو جانتا ہے)

المختصر یہ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ رہنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتقال فرمائیں گے۔

# حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت آدم علیہ السلام سے جو سلسلہ انبیاء چلا تو ہر بستی میں کوئی نہ کوئی ہادی ہدایت کیئے لئے بھیجا گیا، یہ انبیاء ہدایت کرتے رہے، اور آنے والے آخری پیغمبر اور ان کے اہل البیتؑ کے متعلق پیشین گوئی کرتے رہے، ان انبیاء کی تعداد ایک لاکھ تئیس ہزار نوسو ناوے ہے اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو جاتی ہے۔

ان انبیاء پر چھوٹی بڑی آسمانی کتابیں نازل ہوتی رہیں، چھوٹی کتابوں کو آج ہم صحیفے کے نام سے جانتے ہیں اور بڑی کتابیں چار ہیں، توریت، زبور، انجیل، اور قرآن۔ قرآن سے قبل جو صحیفے اور کتابیں نازل ہوئیں ان تمام کتابوں میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل البیت علیہم السلام کے متعلق پیشین گوئی موجود تھی۔

انھیں پیشینگوئیوں کا اثر تھا کہ علامت دیکھنے کے بعد یہودیوں نے مدینے کے اطراف میں آکر بسنا شروع کر دیا تھا کہ یہی جگہ پیغمبر آخر کا مسکن ہوگی، اور ہم ان کی نصرت کریں گے۔

رسول کی پیدائش سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں اہل کتاب (یعنی وہ لوگ جو آسمانی کتابوں کے ماننے والے تھے) کے درمیان خاص طور سے رسول کی پیدائش کی پیشینگوئیاں مشہور تھیں، لیکن ان کے ساتھ ساتھ بت پرستوں کو بھی رسول آخر کے پیدا ہونے کے متعلق خبریں معلوم تھیں، اور جب کبھی یہودیوں میں اور بت پرستوں میں آپس میں تو تو میں میں ہو جاتی تو یہودی بت پرستوں کو دھمکی دیتے کہ وہ رسول بہت جلد آنے والا ہے اس کے آنے کے بعد ہم لوگ تمہارے کس بل نکال دیں گے۔

بت پرستوں اور اہل کتاب کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک گروہ اور موجود تھا جو دین ابراہیم علیہ السلام کا پیرو تھا، یہ لوگ دین حنیف کے پیرو کے نام سے بھی جانے گئے ہیں، یہ گروہ اپنی شرافت ونجابت کی وجہ سے عزت و بزرگی کا حامل تھا، اور عرب کے دل مکہ معظّمہ میں سکونت پذیر تھا اور حاجیوں کی خدمت ان کا اولین فریضہ تھا جس کی وجہ سے ان کی عزت و بزرگی میں چار چاند لگ گئے تھے، جزیرۂ نمائے عرب میں ان کی شہرت و بزرگی پھیلی ہوئی تھی، اس گروہ کے افراد بت پرستی سے دور تھے۔

یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے ان میں بھی پیغمبر آخر کے متعلق خبریں سینہ بہ سینہ موجود تھیں صرف خبریں ہی نہیں نور محمدی ان کی پیشانیوں میں چمکتا تھا، اور یہ سب جانتے تھے کہ نور محمدی ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام تھے ان کی اولاد ملک شام میں پھیل رہی تھی، اس نسل میں متعدد نبی گذرے ہیں، اس لئے یہودیوں کو یہ خیال تھا کہ آنے والا آخری نبی انھیں میں سے ہوگا اور وہ مدینے میں جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا سکونت اختیار کرے گا۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ایک گروہ کاہنوں کا تھا جو پیش گوئی کر رہا تھا کہ وہ نبی پیدا ہونے والا ہے، جو بتوں کو توڑے گا اور بت پرستی کی مخالفت کرے گا، نور محمدی نسل

در نسل منتقل ہونے کے تذکروں سے یہودیوں کو بھی احساس ہو گیا کہ وہ نبی نسل حضرتِ اسحٰق علیہ السلام سے نہ ہو گا، اس لئے یہ لوگ بھی بت پرستوں کی طرح رسولِ آخرؐ کے دشمن ہو گئے تھے اور چاہتے تھے کہ جیسے ہی رسولؐ پیدا ہوں ان کو ختم کر دیا جائے۔

ہم شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد دادی نانی وغیرہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین تک سب مسلمان تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور کسی مشرک کے صلب اور کسی مشرکہ کے رحم میں قرار نہیں پایا، آپؐ کے باپ، دادا، اور ماؤں کی نسل میں کسی پر کفر کا شبہ بھی نہیں ہے۔

رسولؐ کے آباواجداد میں انبیاء اوصیاء اور حاملان دین خدا رہے ہیں، اور یہ لوگ شریعت کے محافظ تھے اور ایک کے بعد ایک دوسرے کو وصیت کرتے اور آثارِ انبیاء سپرد کرتے رہے، حتی کہ یہ سلسلہ حضرت عبد المطلبؑ تک پہنچا اور حضرت عبد المطلبؑ نے حضرت ابو طالب علیہ السلام کو اپنا وصی قرار دیا اور آثارِ انبیاء سپرد کئے ان آثار کو حضرت ابو طالبؑ نے اعلانِ رسالت کے بعد رسولِ اکرمؐ کے سپرد کیا، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

> واللہ نہ میرے باپ نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے دادا عبد المطلب نے نہ میرے جد بزرگ جناب ہاشم نے نہ عبد مناف نے بلکہ وہ لوگ کعبہ کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور دین ابراہیم پر قائم تھے
>
> (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۷، ناشر طہٰ پبلشنگ سینٹر رستم نگر لکھنؤ)

یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اہلِ سنت نے جو رسولؐ کے آباؤ اجداد کے کفر سے متعلق روایات گڑھی ہیں اور حضرت ابو طالبؑ کو کافر کہا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اہل سنت نے دین کو صحابہ سے حاصل کیا اور اہل البیت علیہم السلام کو انھوں نے چھوڑ دیا

،صحابہ کے تمام آباواجداد متفق علیہ کافر تھے خصوصاً بنی امیہ کفر میں ڈوبے ہوئے تھے
اور سقیفائی حکمراں خود بھی اوران کے آباواجداد بھی کافر تھے، یہ چیز اہل سنت کے لئے خفت
کا باعث تھی اور ہے اس کو دور کرنے کے لئے انھوں نے رسولِ اکرمؐ کے آباوٗاجداد کو کافر کہا
اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کفر کے عقیدے پر زیادہ زور دیا کہ کسی طرح ہماری
خفت کم ہو جبکہ آج بھی اہل سنت کی کتابیں گواہ ہیں کہ رسولؐ نے ابوسفیان، معاویہ وغیرہ
کے ایمان کو قبول نہیں کیا اوران کو مؤلفۃ القلوب میں رکھا (سیرت ابن ہشام)

اس کے ساتھ ساتھ تاریخ طبری وغیرہ گواہ ہیں کہ ابوسفیان آخر وقت تک
اسلام نہ لایا تھا اور معاویہ ویزید کی حرکات بھی گواہ ہیں کہ اسلام ان کے دل میں تھا ہی
نہیں۔

ان حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی،
شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اکرمؐ کی ولادت ۱۷ربیع الاول ۱ھ عام الفیل یومِ جمعہ
بوقت شب شعب ابی طالب میں ہوئی، اس وقت ایران میں نوشیرواں حاکم تھا۔

آپ کی وِلادت کے وقت ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگورے زمین پر گر پڑے،
ایران کا وہ آتشکدہ جو ہزار سال سے روشن تھا فوراً بجھ گیا اور ایسا نور ساطع ہوا کہ آپ کی
والدہ ماجدہ نے شام کے محلوں کا مشاہدہ کیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ کی ولادت سے قبل اور ایک دوسری روایت کے مطابق
آپؐ کی ولادت کے دو ماہ بعد آپؐ کے والد جناب عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب آپؐ تین ماہ کے ہوئے تو اچھی طرح بولنے لگے
،نویں مہینے میں اس فصاحت سے کلام کرنے لگے کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی

چونکہ مکّہ کی آب وہوا بچوں کے واسطے چنداں موافق نہ تھی اس واسطے مکّے کے
گردونواح کی بدّو عورتیں دودھ پلانے کی نوکری تلاش کرنے کے لئے سال میں دومرتبہ
موسمِ بہار اور موسمِ خزاں میں مکّہ آیا کرتی تھیں، جس سال رسولِ اکرمؐ پیدا ہوئے اس سال

مکّہ کے اطراف میں قحط پڑا ہوا تھا جناب حلیمہ بھی بنی سعد بن بکر کی عورتوں کے ساتھ مکّہ آئیں، آپ ایک خچر پر سوار تھیں، جو بہت آہستہ چلتا تھا اور آپ کے ساتھ ایک اونٹنی تھی جس کے ایک قطرہ دودھ نہ تھا، جناب حلیمہ کی گود میں ایک بچہ تھا وہ بھوک سے روتا تھا ،کیونکہ جناب حلیمہ کا بایاں پستان ہی ٹھیک تھا اسی میں دودھ اُترتا تھا دایاں پستان خشک ہو چکا تھا، اب آپ مکّے پہونچیں تو تمام بچے پہلے پہونچنے والی عورتوں کو مل گئے، رسولِ اکرمؐ چونکہ یتیم تھے اس لئے کسی عورت نے آپ کو لینا گوارا نہ کیا، جناب حلیمہ نے جب دیکھا کہ نامراد واپس جانا ہوگا تو آپ نے رسولِ اکرمؐ کو ہی لے لیا، دیگر عورتوں کی طرح جناب حلیمہ کو احساس تھا کہ اس بچے کی پرورش میں زیادہ مال نہ ملے گا کیونکہ یہ یتیم ہے۔

جنابِ حلیمہ نے آپؐ کو گود میں لیا اور چاہا کہ بائیں طرف سے دودھ پلائیں تو آپ نے مطلق رغبت نہ کی اور دائیں طرف سے دودھ پینا چاہا، جب بارہا ایسا ہوا تو جناب حلیمہ نے مجبوراً آپ کا مونہہ دائیں پستان کی طرف کیا اور کہا کہ لے تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ ادھر دودھ نہیں ہے، لیکن جیسے ہی حضرت نے دائیں طرف سے دودھ پیا تو آپ کی برکت سے حلیمہ کے اتنا دودھ پیدا ہوا کہ دونوں پستان بھر گئے اور دودھ آپ کے مونہہ سے ادھر ادھر بہنے لگا۔

جب جنابِ حلیمہ آپ کو لے کر چلیں تو آپ کا خچر تیزی سے چلنے لگا اور آپ کی اونٹنی کے بھی دودھ اُتر آیا، راہ میں درخت، پتھر سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے تھے، چلتے ہوئے راستے میں ہرنوں کا گلّہ ملا اس نے قدرتِ خدا سے کلام کیا اور کہا کہ حلیمہ تم نہیں جانتی کہ کس کو پرورش کے لئے لائی ہو، یہ پاکیزہ ترین لوگوں میں سے ہے، المختصر یہ کہ رسولؐ کی وجہ سے جو برکت حلیمہ کے گھر میں آئی تو یہ بہت جلد امیر ہو گئیں ان کی بھیڑیں اونٹ بڑھ گئے ان کے علاقے سے قحط ختم ہو گیا، غرضیکہ ہر روز نعمتیں بڑھتی رہیں اور حلیمہ امیر ہو گئیں۔

بعض متکلمین نے جناب حلیمہ کے دودھ پلانے کا انکار یہ کہہ کر کیا ہے کہ نبی اپنی

والدہ ہی کا دودھ پیتا ہے اور دلیل یہ دی کہ حضرت موسیٰؑ پر دیگر عورتوں کا دودھ حرام کردیا گیا تھا، یہ دلیل قوی نہیں ہے کیونکہ وہاں پر حضرت موسیٰؑ کو ان کی والدہ سے ملانا مقصود تھا، اس لئے دیگر عورتوں کا دودھ حرام کردیا گیا تھا، جبکہ یہاں پر خود والدہ نے بخوشی آنحضرتؐ کو حلیمہ کے سپرد کیا تھا، دوسرے یہ کہ رسولؐ نے جناب حلیمہ کے خشک پستان سے بذریعہ معجزہ دودھ پیا جو ثبوت ہے کہ وہ دودھ جناب حلیمہ کا نہ تھا بلکہ الٰہی انتظام تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال دو مہینے حلیمہ کے یہاں رہے آپ نے کبھی کپڑوں میں پیشاب پاخانہ نہ کیا، آپ ہر وقت صاف ستھرے رہتے اور آپ کا سر دھلا ہوا کنگھی کیا ہوا رہتا تھا، جس وقت جناب حلیمہ آپ کو لائیں اس وقت آپ کے پاس صرف بائیس بھیڑیں اور ایک اونٹنی تھی اور جب جناب حلیمہ نے آنحضرت کو واپس کیا ہے اس وقت ایک ہزار تین اونٹ اور بھیڑیں تھیں۔

آپ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ جناب آمنہ بنت وہب کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی والدہ جناب آمنہ بنت وہب اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینے گئیں وہاں آپ نے ایک ماہ قیام کیا جب واپس آنے لگیں تو مقامِ ابواء (جو کہ مدینے سے ۲۲ میل دور مکے کی جانب ہے) میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں آپ کی خادمہ ام ایمنؑ آپ کو لیکر مکہ آگئیں۔

جب آپ کی عمر ۸ر سال کی ہوئی تو آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا ۱۲۰ر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، حضرت عبدالمطلبؑ کی وفات کے بعد آپ کی تربیت کی ذمہ داری آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ اور آپ کی چچی جناب فاطمہؑ بنت اسد نے کی حضرت ابوطالبؑ اور حضرت عبداللہ دونوں سگے بھائی تھے۔

جب آپ ۹ سال کے ہوئے دوسری روایت کے مطابق ۱۳ر سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ سفر میں جانے کی خواہش ظاہر کی آپ نے حضرتؐ کو اپنے ساتھ لے لیا جب یہ شام کی سرحد پر پہونچے تو وہاں بحیرہ راہب کی

عبادت گاہ کے قریب قیام کیا، راہب نے رسولِ اکرمؐ کو دیکھا اور آثار نبوت اس کو نظر آئے تو اس نے حضرت ابو طالبؑ سے کہا کہ یہی پیغمبر آخر الزماں ہیں ان کا دین عرب و عجم میں پھیلے گا، اے ابو طالبؑ اس کی بڑی حفاظت کرنا، دیکھو اس کو یہودیوں کے شر سے بچانا، اس نے کہا کہ میری رائے ہے کہ تم اپنا سامان یہیں فروخت کر دو اور واپس چلے جاؤ حضرت ابو طالب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، آپ کا سامان بہت زیادہ نفع کے ساتھ فروخت ہوا۔

جیسے جیسے آپ کی عمر بڑھتی گئی، آپ کی شرافت، صداقت، عدالت کا شہرہ بڑھتا گیا، سب آپ کی عزت کرتے تھے، سب صادق امین کہتے تھے، اسی زمانے میں کعبہ کی عمارت خستہ ہوگئی، قریش نے فیصلہ کیا کہ اس عمارت کو گرا کر کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا جائے، چنانچہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر شروع ہوگئی، جب حجر اسود نصب کرنے کی جگہ تک کعبہ کی دیواریں بلند ہوگئیں تو حجرِ اسود نصب کرنے میں اختلاف پیدا ہوگیا، ہر قبیلے کا سربراہ چاہتا تھا کہ اس شرف کو وہ حاصل کرے نوبت جنگ و جدل تک پہونچ گئی، آخر یہ طے پایا کہ کل جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اُسے حکم بنا کر جھگڑے کو ختم کیا جائے اور حجر اسود کے لئے وہ جو فیصلہ کرے اس کو سب تسلیم کریں گے۔

غرض اگلی صبح کو سب سے پہلے رسول اکرمؐ حرم میں داخل ہوئے آپ کو دیکھ کر سب خوش ہوئے اور آپ کو حکم بنایا گیا، آپ نے حکم دیا کہ ایک چادر لائی جائے اس پر حجر اسود کو رکھ دیا گیا اور ہر قبیلے کے سردار سے آپ نے کہا کہ وہ چادر کو اٹھائے اور حجر اسود تک لائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب حجر اسود کعبے کے قریب آگیا آپ نے اس کو اٹھا کر کعبے میں نصب کر دیا، اس حکمت عملی سے جنگ و جدل کا خطرہ ختم ہوا۔

ایک روز زنانِ قریش مسجد الحرام میں جمع تھیں ان خواتین میں حضرت خدیجہ بھی تھیں ادھر سے ایک یہودی عالم گذرا اور کہنے لگا کہ بہت جلد تم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا، للہذا تم میں سے ہر ایک اس سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا یہ سن کر عورتوں نے اس کو ڈھیلے مارنا شروع کئے لیکن یہ بات حضرت خدیجہؑ کے دل میں جم گئی

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت خدیجہؑ اپنے بالا خانے پر چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں وہاں پر آپ کی کنیزیں بھی موجود تھیں اور یہودیوں کا ایک عالم بھی وہاں آیا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت رسولِ خداؐ ان کے بالا خانے کے نیچے سے گذرے ،اس عالم نے آپ کو دیکھا اور کہا کہ ابھی ایک جوان یہاں سے گذرا ہے اس کو بلاؤ ،حضرت خدیجہؑ نے اپنی ایک کنیز کو بھیج کر آنحضرتؐ کو بلوایا ،اس عالم نے کہا کہ کیا آپ اپنے شانے کھول کر دکھا سکتے ہیں رسولؐ نے اپنے شانے کھول کر دکھائے ،جب اس کی نگاہ مہرِ نبوّت پر پڑی بولا خدا کی قسم ،یہ مہرِ پیغمبری ہے ،حضرت خدیجہؑ نے کہا اگر ان کے چچا اس وقت موجود ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ ان کے حصہ جسم پر نگاہ ڈالتا ،وہ یہودی عالم بولا کسی کی مجال نہیں کہ ان کو نقصان پہنچا سکے ،میں موسیٰؑ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ پیغمبر آخر الزماں ہیں۔

غرضیکہ رسولِ خدا تو بالا خانے سے نیچے تشریف لے آئے لیکن حضرت خدیجہؑ کے دل میں آخری پیغمبر کی محبت مستحکم ہوگئی ،یہودی عالم نے چلتے ہوئے حضرت خدیجہؑ سے کہا کہ خدیجہ کوشش کرو کہ یہ تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائیں۔

اسی زمانے میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسولؐ سے کہا کہ فرزند میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن تنگدستی مانع ہے ،تم ایسا کرو کہ خدیجہ کا مال لے کر تجارت کرو جب اس میں نفع ہوگا تو پھر تمہاری شادی کی جائے گی ،حضرت ابوطالب علیہ السلام رسولؐ کو لے کر حضرت خدیجہؑ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا ،رسولؐ کی شرافت وایمانداری کے چرچے تمام مکّے میں پہلے سے موجود تھے ،آپ نے خوشی خوشی اپنا مال تجارت کے لئے رسولؐ کو دیا اور اپنا غلام میسرہ ساتھ کیا اور اس کو ہدایت کی کہ راہ میں جو کچھ پیش آئے مجھے سب کی تفصیل بتانا ،حضرت خدیجہؑ آخری پیغمبر کے متعلق سن چکی تھیں اس لئے آپ کے دل میں ایمان کی روشنی آچکی تھی ،اس لئے آپ کا جو بھی رشتہ آتا تھا آپ انکار کر دیتی تھیں ،ایک روز آپ کے چچا نے رشتوں کے ٹھکرانے کا سبب دریافت فرمایا تو

حضرت خدیجہؑ نے کہا کہ میں مکے سے باہر جانا نہیں چاہتی ہوں، چچا ورقہ بن نوفل نے کہا کہ تمہیں شیبہ وعتبہ وابوجہل نے بھی تو پیام دیا تھا وہ تو مکہ کے رہنے والے تھے، حضرت خدیجہؑ نے جواب دیا کہ یہ سب اہل ضلالت و جہالت ہیں اس لئے میں نے ان کو ٹھکرا دیا ہے، ان حالات میں حضرت خدیجہ کی عمر اٹھائیس سال ہوگئی۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال فروخت کر کے واپس مکے تشریف لائے اور حضرت خدیجہؑ کے غلام میسرہ نے سفر کے حالات ومعجزات اور ایمانداری کے تمام واقعات حضرت خدیجہ کو سنائے تو آپ کو احساس ہوگیا کہ یہی وہ آخری پیغمبر ہیں جن کے متعلق علماء یہود و نصاریٰ کی پیشینگوئیاں ہو رہی ہیں اسی سبب سے آپ اور زیادہ رسولؐ کی گرویدہ ہوگئیں۔

سفر تجارت میں چونکہ نفع زیادہ ہوا تھا اس لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو رسولؐ کی شادی کی فکر ہوئی آپ کی عمر اس وقت ۲۵ رسال کی تھی، جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کو خبر ہوئی کہ حضرت خدیجہ رسولؐ کے کردار سے متاثر ہو کر آپ سے عقد پر راضی ہیں تو حضرت ابوطالب نے اپنی بہن صفیہ بنت عبدالمطلب کو دریافت کرنے کے لئے بھیجا، حضرت صفیہ نے در پردہِ گفتگو کی تو حضرت خدیجہؑ نے کہا کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ محمدؐ خدا کی جانب سے تائید یافتہ ہیں، میں ان کی زوجیت میں رہنا عزت دنیا اور شرفِ عقبیٰ سمجھتی ہوں اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے یہ کہہ کر حضرت صفیہ کو خلعت فاخرہ عطا کیا، حضرت صفیہ خوش خوش واپس آئیں اور آ کر کہا کہ بسم اللہ کہہ کر آپ لوگ رشتہ لے جائیے، خدیجہ کو محمدؐ کا شرف خدا کے نزدیک معلوم ہو چکا ہے، یہ سن کر سب خوش ہوئے اور حضرت خدیجہؑ کے گھر پہونچے اور پیغامِ نکاح دیا، اس طرف سے منظور ہونے کے بعد حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ کا نکاح پڑھا، حضرت خدیجہ کی طرف سے آپ کا نکاح آپ کے چچا نے پڑھا، حضرت خدیجہ کا مہر بارہ اونس سونا اور ۲۵ر اونٹ مقرر ہوا جس کو حضرت ابوطالبؑ نے فوراً ادا کر دیا۔